253

رسولِ اکرم کی حکمتِ انقلاب

○

رسولِ اکرمؐ نے پوری انسانیت کے لیے ایک جامع اسلامی انقلاب برپا فرمایا جو نتائج کی خوبی اور وسعت، اور جان و مال اور مدت کار کے صرف کی قلت کے اعتبار سے آپؐ کی معجزانہ تدابیر کا ایک سائنٹیفک کارنامہ ہے۔ اس کتاب میں حضورؐ اکرم کی حکمتِ انقلابِ اسلامی، تدابیرِ ملی اور بصیرتِ سیاسی کو اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اجاگر کیا گیا ہے ؎

○

سیّد اسعد گیلانی

نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی، دہلی۔

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

ناشر : کریسنٹ پبلشنگ کمپنی

نام کتاب : رسولِ اکرمؐ کی حکمتِ انقلاب

نام مصنف : سیّد اسعد گیلانی

مطبع : فائن آرٹ پریس دہلی

قیمت : 150.00 روپے

بار اوّل : مئی سنہ ۱۹۸۱ء

بار دوم : مئی سنہ ۱۹۸۴ء

بار سوم : جنوری سنہ ۱۹۹۲ء

اشاعت نو : 2006

Marfat.com

انتساب

مُسلمان نوجوانوں کی عالمی تحرِیک کے نام!

جو دُنیا کے ہر مسلمان معاشرے میں اسلامی نظامِ زندگی کا علَم اٹھائے اسلامی انقلاب کی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

جو پندرہویں صدی ہجری کے آغاز پر سیرتِ نبوی کی اوّلین کتاب کی حیثیت سے پیش کی جاتی ہے جس میں اسلامی انقلاب اس کی منہاج، طریقۂ کار اور حکمت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

سیّد اسعد گیلانی

در جہانِ ذکر و فکرِ انس و جاں
تو صلوٰۃِ صبح تو بانگِ اذاں

Marfat.com

عرضِ ناشر

محترم جناب سید اسعد گیلانی صاحب کا نام اب غیر معروف نہیں رہا۔ موصوف تحریکِ اسلامی کی ایک سرگرم اور فعال شخصیت ہیں۔ سیرتِ طیبہ پر یہ کتاب آپ نے پندرہویں صدی ہجری کے ان شاہین صفت نوجوانوں کے لئے تالیف کی ہے جو اس صدی کو اسلامی صدی بنانے کا عزم کر چکے ہیں۔

ہمیں اسلامی نظام کے علمبرداروں کی خدمت میں اس بیش بہا کتاب کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہوئے مسرت ہو رہی ہے۔ ہم اس کتاب کی افادیت و اہمیت کے بارے میں زیادہ تحریر نہیں کرنا چاہتے ہیں۔ قارئین اس کا مطالعہ کر کے خود ہی محسوس کر لیں گے۔ ہاں اتنا ضرور کہیں گے کہ اس صدی ہجری کے آغاز کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو موثر اور نئے انداز میں پیش کرنے کی اشد ضرورت تھی۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب اس ضرورت کو پورا کرے گی۔

ادارہ محترم اسعد گیلانی صاحب کا مشکور و ممنون ہے کہ انھوں نے اس کتاب کو ہندستان میں طبع کرانے کی خصوصی اجازت مرحمت فرمائی۔ ہم بارگاہ رب العزت میں دُعا گو ہیں کہ اس کتاب کے ذریعے ہم سب کو اس نقشِ کاملؐ کی مکمل پیروی کی توفیق عطا فرماتے۔ آمین

فہرست مضامین

حرفِ اوّل ۱۱

منزلِ اوّل ــــــ ربّ العالمین
پہلا باب ــــــ سامانِ زیست ۱۹
دوسرا باب ــــــ مقصودِ زیست ۴۳

منزلِ دوم ــــــ رحمۃ للعالمین
پہلا باب ــــــ سراپا کمالات ۵۷
دوسرا باب ــــــ سراپا رحمت ۷۷
تیسرا باب ــــــ سراپا ہدایت ۱۰۱

منزلِ سوم ــــــ آغازِ دعوتِ اسلامی
پہلا باب ــــــ آغازِ کار ۱۳۳
دوسرا باب ــــــ دعوت کی تین اصولی بنیادیں ۱۴۱
تیسرا باب ــــــ دعوت کی مزاجی خصوصیات ۱۶۳
چوتھا باب ــــــ دعوت کے عمومی خدوخال ۱۷۹

منزلِ چہارم ــــــ حضورؐ کا انقلاب آفریں اسلحہ
پہلا باب ــــــ معجزۂ کردار ۱۹۷
دوسرا باب ــــــ معجزۂ قرآن ۲۱۱
تیسرا باب ــــــ معجزۂ کلام ۲۳۱

منزلِ پنجم ــــــ حضورؐ کی حکمتِ انقلاب
پہلا باب ــــــ انقلابی فرد کی تیاری ۲۴۵
دوسرا باب ــــــ تعلیم و تربیت اور تنظیم افراد ۲۵۵

Marfat.com

تیسرا باب ——— باطل کے خلاف مورچہ بندی بذریعہ ہجرت ۲۶۳
چوتھا باب ——— جنگ و جہاد ۲۸۵

منزلِ ششم ——— انقلابی اور متوازن اسلامی معاشرے کی تشکیل

پہلا باب ——— اخلاقِ فاضلہ کی پرورش ۲۹۹
دوسرا باب ——— اخلاق رزیلہ کی روک تھام ۳۱۹
تیسرا باب ——— معاشی توازن کا اہتمام ۳۳۷
چوتھا باب ——— معاشرتی اور انسانی مساوات ۳۶۳
پانچواں باب ——— حق گوئی، جہاد اکبر ۳۷۷
چھٹا باب ——— استحصال سے پاک معاشرہ ۳۸۷
ساتواں باب ——— رسول اکرم کا معیارِ زندگی ۴۲۱

منزلِ ہفتم ——— حکمتِ انقلابِ اسلامی کے چند پہلو

پہلا باب ——— حکمتِ قیادت ۴۵۳
دوسرا باب ——— حکمتِ تبلیغ ۴۶۷
تیسرا باب ——— حکمتِ اجتماع ۴۸۱
چوتھا باب ——— حکمتِ اخلاق و کردار ۴۸۷
پانچواں باب ——— حکمتِ ہجرت ۴۹۳
چھٹا باب ——— حکمتِ ازدواج ۵۰۱
ساتواں باب ——— حکمتِ جہاد ۵۱۳

منزلِ ہشتم ——— انقلابی اسلامی ریاست کی تشکیل

پہلا باب ——— اسلامی انقلاب کی کامیاب جدوجہد ۵۲۹

منزلِ نہم ——— حکمتِ سیاست اور تدابیر انقلابِ اسلامی

۱۔ امن و اتحاد کا اہتمام ۵۶۴
۲۔ عرب کردار پر اسلام کا اصلاحی غازہ ۵۶۵

Marfat.com

۳۔ معاشرتی مرتبے کی بجائے قبولیتِ حق کی اہمیت ۵۶۵

۴۔ غلاموں اور مظلوموں کی آزادی اور دادرسی کی تحریک ۵۶۷

۵۔ نزاعِ حجرِ اسود کا متوازن فیصلہ ۵۷۰

۶۔ دعوتِ اسلامی کا جامع انقلابی نعرہ، کلمہ طیبہ ۵۷۱

۷۔ مکہ سے باہر تحریک کے اثرات پہنچانے کی کوششیں ۵۷۲

۸۔ اصولوں کے بارے میں ناقابلِ مصالحت رویّہ ۵۷۴

۹۔ جدید موزوں تر مرکز کا اہتمام ۵۷۷

۱۰۔ اسلامی تحریک کے منشور کا اعلان ۵۸۰

۱۱۔ معاہدۂ مدینہ، نظریاتی ریاست کا سنگِ بنیاد ۵۸۳

۱۲۔ نظریاتی برادری کا قیام ۵۸۵

۱۳۔ دعوتِ اسلامی کے مرکزِ نو کی تعمیر ۵۸۹

۱۴۔ قریش کی دھمکی اور داخلی فتنے کا استیصال ۵۸۸

۱۵۔ تجارتی قافلے کی بجائے مسلح لشکر سے ٹکراؤ کا پُرحکمت فیصلہ ۵۸۹

۱۶۔ استقامت کا پُرعزیمت راستہ ۵۹۱

۱۷۔ دشمن کی درخواستِ صلح پر بے جھجک پذیرائی ۵۹۳

۱۸۔ دشمن کو ممنونِ احسان کرنا ۵۹۴

۱۹۔ خبر رسانی کا مؤثر انتظام ۵۹۵

۲۰۔ دشمنوں سے باری باری سے نپٹنے کی تدبیر ۵۹۸

۲۱۔ عرب کا افرادی ذخیرہ محفوظ رکھنے کا اہتمام ۶۰۰

۲۲۔ صلح حدیبیہ، وقفۂ دعوت و تبلیغ ۶۰۴

۲۳۔ صلاحیت اور جوہرِ قابل کا اعتراف و استعمال ۶۰۹

۲۴۔ جانشین کے مسئلے کا پیشگی حل ۶۱۱

۲۵۔ نسلی ملوکیت اور خاندانی بادشاہت کا خاتمہ ۶۱۴

Marfat.com

۲۶۔ تلوار اور قوت کا حکیمانہ استعمال ۶۱۵
۲۷۔ دشمن کا استیصال گوریلہ تدابیر ۶۱۷
۲۸۔ خطرے کا بروقت نوٹس ۶۱۸
۲۹۔ معاہدات کے ذریعے قبائل کو غیر جانبدار بنانا ۶۲۰
۳۰۔ چیلنج کو جرأت سے قبول کرنا ۶۲۲
۳۱۔ دعوتی قوت اور سیاسی دباؤ کا استعمال ۶۲۳
۳۲۔ ساتھیوں کے ساتھ مشفقانہ سلوک ۶۲۵
۳۳۔ فتح مکہ پر دشمن سے اعلیٰ اخلاقی طرزِ عمل ۶۲۸
۳۴۔ احباب کا گلہ اور ان کی دلجوئی ۶۳۰
۳۵۔ مردم شناسی اور افراد کی تیاری ۶۳۲
۳۶۔ عصبیتوں کو بھڑکانے سے اجتناب۔ ۶۳۵
۳۷۔ زندگی کے ہر پہلو میں سادگی کا اہتمام ۶۳۷
۳۸۔ عالمگیر دعوت اور منشور انسانیت ۶۴۱
۳۹۔ عزم مصمم اور متوکلانہ روش ۶۳۹
۴۰۔ سیاست عبادت کی مانند پاکیزہ ۶۴۵
منزل دہم ——— حکمتِ بندگی ۶۴۹
منزل یازدہم ——— تاریخ انسانیت کا جامع ترین انقلاب

ضمیمے

۱۔ سیرت مبارک کے اہم واقعات ایک نظر میں ۶۶۱ ۲۔ جنگِ احزاب کا دفاعی نقشۂ جنگ ۶۷۸
۲۔ جنگیں ۶۶۳ ۳۔ دورِ نبوت میں مکہ و مدینہ کے درمیان راستے ۶۷۹
۳۔ نمونہ مکتوب رسولِ اکرمؐ ۶۷۶ ۴۔ فتح مکہ میں رسولِ اکرمؐ کی فوجی حکمتِ عملی ۶۸۰
۵۔ تاریخی اہمیت کی تصاویر

نقشے

۱۔ دورِ نبوی میں اشاعتِ اسلام ۶۔ فہرست کتب ماخذ

Marfat.com

رسولِ اکرمؐ کی حکمتِ انقلاب

سیّد اسعد گیلانی

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

برسوں سے یہ آرزو دل میں پرورش پا رہی تھی کہ سیرت کے موضوع پر لکھا جائے کہ یہی حاصلِ تحریر و نگارش اور خلاصۂ زندگی ہے۔ لیکن برسوں ہی میں اس معاملے میں مذبذب بھی رہا کہ دنیا کی ہر زبان میں سیرت کے موضوع پر اتنی کثرت سے لکھا گیا ہے کہ شاید ہی حضورؐ کی زندگی اور اسلامی دعوت اور اس کی جدوجہد کا کوئی گوشہ ایسا ہو جس پر سیر حاصل مباحث موجود نہ ہوں اگرچہ سیرت نگاروں کی صف میں شامل ہونا بذاتِ خود ایک ایسی سعادت ہے جس سے بہرہ ور ہونا مجھ جیسے کوتاہ کار انسان کے لیے سرمایۂ فخر و مغفرت ہے۔ لیکن مجھ میں یہ جسارت ہرگز نہ تھی کہ محض شوقِ سیرت نگاری میں اس پاکیزہ موضوع کو ہلکا اور بے وزن کرنے کا باعث بنوں۔ ایسے ایسے اربابِ علم و تقویٰ نے اس موضوع پر زندگیاں کھپائی ہیں کہ انہیں دیکھ کر اپنی بے مائیگی کا احساس مزید بڑھتا جاتا رہا۔ یوں میں نے کئی برس اس سوچ و بچار میں گزار دیے اور خدا سے مسلسل دعا کرتا رہا کہ اگر میں اس موضوع پر کسی درجے میں بھی کوئی مفید کام کر سکوں تو مجھے اس کی توفیق ضرور عطا فرمائی جائے۔ بالآخر وہ توفیق مجھے حاصل ہوئی۔

وہ توفیق مجھے اس طرح ملی کہ غیب سے میرے مدینۃ النبیؐ پہنچنے اور وہاں ۱۳ اگست ۷۶ء سے ۲۷ نومبر ۷۶ء تک تقریباً تین ماہ گزارنے کا سامان فراہم ہو گیا۔ چنانچہ اس کتاب کی نگارش کے کام کا آغاز ماہِ رمضان میں عین مسجدِ نبوی میں بحالتِ اعتکاف ہوا اور میں ہر نماز میں اس کام کی افادیت کے لیے دعا کرتا رہا۔ چنانچہ اب مجھے یہ دلی اطمینان حاصل ہو گیا ہے کہ اس کام کو شروع کرنے کے لیے جس افادیت کو میں نے ذہنی طور پر ایک شرط قرار دیا تھا

Marfat.com

وہ افادیت ان شاء اللہ اس کام سے ضرور حاصل ہوگی، مجھے تنویرِ ایمان کی صورت میں اور مطالعہ کنندگان کو اضافۂ جذبۂ ایمانی کی صورت میں۔

حضور اکرمؐ کی سیرت مبارک کے لاتعداد پہلو ہیں۔ میں محض حضورؐ کی پاکیزہ زندگی کا قصہ ہی بیان کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ واقعات تو ہر مسلمان کو ازبر ہیں سب کی انگلیوں پر ہیں اور ہر شخص کو حفظ ہیں۔ میں آپ کی زندگی کے اس پہلو پر سوچتا رہا ہوں کہ بنی نوع انسان کی پوری تاریخ میں اس نوعیت کا انقلاب ایک منفرد واقعہ ہے جو حضور اکرمؐ کے ہاتھوں رونما ہوا ہے۔ اتنی قلیل ترین مدت میں اتنا عظیم انقلاب کہ پورے عرب کا نقشہ اور پھر پوری دنیا کا سیاسی، سماجی اور اخلاقی منظر یکسر بدل گیا۔ پرانا انسان تبدیل ہو گیا اور ایک نیا انسان وجود میں آیا۔ یہ نیا انسان پہلے انسان سے ہر پہلو سے مختلف تھا اور اس میں ساری قوموں کا رہنما بننے کی صلاحیت موجود تھی۔ پرانا انسانی معاشرہ قطعاً تبدیل ہو گیا اور ایک نیا معاشرہ وجود میں آگیا جس کی اخلاقی قدریں، نیک و بد کے پیمانے اور لین دین کے معیار مختلف تھے۔ یہ معاشرہ پہلے معاشرے سے ہمہ جہت مختلف تھا۔ پرانا نظامِ حکومت، طرزِ تنظیمِ معاشرہ اور انتظامی ڈھانچہ مکمل بدل گیا۔ اور نیا انتظامی ڈھانچہ جو وجود میں آیا اس میں انتظامی عہدہ داروں کے لیے قبیلے، نسل، رنگ، قوت اور مال و دولت کے وزن کی بجائے نیکی، شرافت، تقویٰ اور خدا ترسی کو معیارِ فضیلت قرار دیا گیا تھا۔ اتنا زبردست ہمہ جہت انقلاب پوری انسانی تاریخ میں کہیں بھی موجود نہیں ہے۔

پھر اس عظیم انقلاب کے برپا ہونے کی مدت کا مسئلہ اور بھی حیرت انگیز ہے۔ صرف ۲۳ سال میں یہ عظیم تبدیلی رونما ہو گئی۔ اور اس ۲۳ سالہ کشمکش میں بھی فریقین کا جانی نقصان حیرت انگیز حد تک معمولی اور ناقابلِ لحاظ ہے یعنی دو طرفہ ۸۲ جنگی کاروائیوں میں گیارہ سو سے زائد افراد کام نہیں آئے۔ گویا عملی طور پر یہ ایک خالص پُرامن غیر خونی انقلاب ہے جو انقلاباتِ عالم کی تاریخ میں ایک معجزہ ہے۔

تو کیا پھر ہم اسے ایک معجزہ ہی قرار دے کر خاموش ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید اور

Marfat.com

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ محیّر العقول معجزہ۔

اگر اس ساری انقلابی جدّوجہد کی تعبیر صرف اتنی ہی کر دی جائے تو اس سے جذبۂ عقیدت کو تو تسکین ہو جاتی ہے البتہ اس انقلاب کے زوال کے بعد پھر دوبارہ اس انقلاب کو برپا کرنے، اور اس کی بنیادوں پر معاشرے کے قائم نہ رہنے کی صورت میں دوبارہ اسے انہیں بنیادوں پر قائم کرنے کی جدّوجہد برپا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ معجزے کو عام انسان کس طرح رونما کر سکتے ہیں۔ جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف رحمت للعالمین ہیں اور ان کا لایا ہوا نظام بھی سارے عالم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رحمت کا باعث ہے بلکہ وہ خاتم النبین بھی ہیں اور ان کے بعد دوسرا کوئی نیا دین نہ لائے گا۔

اب قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی واحد پسندیدہ دین ہے اور اسی میں ساری انسانیت کے سارے مسائل کا دینی اور دنیوی حل پوشیدہ ہے۔

ایسی صورت میں اسلام کو اس کے سارے حدود گوشوں اور تقاضوں کے ساتھ قائم کرنا ملّتِ مُسلمہ کا اوّلین فریضہ ہے پھر جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سارا وقت، ساری قوت اور سارے وسائل اسے قائم کرنے پر صرف کیے اسی طرح اسے قائم کرنے کے بعد اسے قائم رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا بھی ملّت مسلمہ کا ہی فرض ہے تاکہ اسلام کے نظامِ حق کا عملی نمونہ بنی نوعِ انساں کے سامنے محسوس و مشہود صورت میں ہر وقت موجود رہے اور دنیا کی قوموں پر اسلام کی حقانیت کی حجت تمام ہوتی رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس نظام کے برپا کرنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ بعض انقلابی اصول ہیں جن کو ان کے حقیقی مفہوم کے ساتھ اختیار کرنا ناگزیر ہے اور بعض عملی تدابیر ہیں جن کی روشنی میں دعوتِ اسلامی کے علمبردار ہر دور میں اپنی حکمتِ سیاست و انقلاب متعین کر سکتے ہیں تاکہ اسلام کو غالب اور برپا کیا جا سکے اتنی مختصر مدت میں اتنا عظیم

نظام برپا کرنے میں جہاں غیبی طور پر اللہ تعالےٰ کی تائید اور نصرت کا حصہ ہے وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ انقلاب اور تدبیر و فراست کا بھی بھرپور دخل ہے جسے سمجھنا، اس سے استفادہ کرنا اور اسے اختیار کرنا ہر دور میں اسلامی انقلاب کے داعیوں کیلئے نہایت ضروری ہے۔

میں نے اسی پہلو سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور تاریخ دعوت کے قدم بہ قدم مراحل کو سمجھنے کی اپنی سی کوشش کی ہے اور آپؐ کے مختلف اقدامات کی حکمت پر اپنے طور پر غور کیا ہے۔ جب ہم زندگی کے سارے ہی مسائل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کے پابند ہیں تو انقلابی جدّوجہد کے مختلف مراحل میں حکمت و تدبیر کے مختلف درخشاں پہلو بھی اسوۂ حسنہ کا ہی حصہ ہیں اور نظامِ حق برپا کرنے میں ان سے استفادہ ناگزیر ہے۔

میری گزارش ہے کہ سیرتِ پاک کی اس کتاب کو نظامِ اسلامی برپا کرنے کی جدّوجہد کے نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے۔ یہ کتاب اس پہلو کو بطور خاص نمایاں کر کے سامنے لاتی ہے۔ اور شاید اس نوعیت کی مجموعی بحث سیرت پاک کے حوالے سے ہمارے ہاں پہلی بار سامنے لائی گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مجھ سے بہت بہتر صلاحیت کے لوگ جب اس پہلو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی جدّوجہد کا مطالعہ کریں گے تو ان شاء اللہ ہر دور میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کا پورا نقشہ مرتب کرنے میں مزید سہولت پیدا ہو جائے گی۔

میں اہل علم سے اس کتاب کے مندرجات کے بارے میں رہنمائی کا ضرورت مند ہوں البتہ جہاں تک واقعات سے نتائج استنباط کرنے کا تعلق ہے یہ اپنے اپنے فہم اور ذوق کا معاملہ ہے اور اس کی آزادی ہر صاحبِ فہم کو ہمیشہ حاصل ہوتی ہے۔

میں اس کتاب کی ترتیب میں اپنے ان سب احباب کا ممنون ہوں جنہوں نے کسی نوعیت کی سہولت بھی پہنچا کر مجھے اس کام میں مدد دی خصوصاً مدینہ منورہ کے احباب

Marfat.com

جن میں ڈاکٹر محمد نذیر احمد صاحب اور ڈاکٹر رانا محمد اسحاق صاحب اور کویت کے احباب جن میں برادرم انعام الحق قادری، برادرِ عزیز خورشید انور اور محمد اشرف خاص طور پہ قابلِ ذکر ہیں سعد بن اسعد نے ٹائپ شدہ مسودات کو پڑھنے میں جو مدد دی ہے یہ سب حضرات میرے شکریے اور حضورؐ کی شفاعت کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔

(اسعد گیلانی)

آغازِ کتاب مدینہ منورہ مسجدِ نبوی بابِ عمرؓ بن خطاب
۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۶ ہجری بمطابق ۱۲ ستمبر
۱۹۷۶ء بروز بدھ
خاتمۂ کتاب مدینہ منورہ، حرہ شرقیہ ۲۷ نومبر
۱۹۷۶ء مطابق ۴ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ

یہ کتاب مدینہ منورہ میں ۴ ذی الحج ۱۳۹۶ھ کو مکمل ہو گئی تھی لیکن اس کی نظرثانی، مسودے کی نقل اور ٹائپ کے بعد اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی جس کے لئے میں احباب سے بالخصوص اپنے ان احباب سے جو بار بار اس کی اشاعت کا تقاضا اور انتظار کرتے رہے تاخیرِ اشاعت کے لیے تہِ دل سے معذرت خواہ ہوں (ا۔گ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ ثانی

میرے لیے یہی بات بہت کافی تھی کہ قیامت کے روز مجھے بھی رسول اکرمؐ کے سیرت نگاروں کی صف میں ایک چھوٹی سی جگہ پر کھڑا ہونے کا فخر حاصل ہو جائے۔ لیکن یہ تو گمان بھی نہ تھا کہ یہ کتاب کسی اعزاز و اکرام کی مستحق سمجھی جائے گی اور اسے اہلِ علم پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے۔ یہ صرف رسول اکرمؐ کی روحانی نسبت اور شفقت و محبت کا صدقہ ہے۔ اس محبت و شفقت کے لیے اس عاجز کے پاس اپنی خطاؤں پر ندامت کے آنسوؤں کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ لاہور اب اس کا تیسرا ایڈیشن شائع کر رہا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جن انقلابی افکار پر اس ادارے کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ کتاب انہی انقلابی افکار کو مسلمانوں میں وسعت دینے کے لیے لکھی گئی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ رسول اکرمؐ کے بعد کی دنیا اپنی سلامتی اور درستی کے لیے رسول اکرمؐ کی تعلیمات، ہدایت اور پیروی کی محتاج ہے اور ان تعلیمات کی اشاعت اور نفاذ کے لیے جو طریقہ رسول اکرمؐ نے اختیار فرمایا وہی حقیقی فطری اور سائنٹفک طریقہ ہے۔ اس لیے جہاں ہم حضورؐ کی تعلیمات کے محتاج ہیں وہاں ہم اس طریق کار کے بھی محتاج ہیں جو رسول اکرمؐ نے اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے اختیار فرمایا۔ رسول اکرمؐ کا وہ طریقہ اپنی مخلوق کی فطرت بنانے والے خالق و پروردگار کا تعلیم کردہ تھا اس لیے ہر دور کے انسانوں کی اصلاح کے لیے وہی طریقہ بنیادی اصولی طریق کار کی حیثیت سے اپنایا جا سکتا ہے۔ میں نے اس کتاب میں "واقعات سیرت" کو تاریخی ترتیب سے بیان کر کے سیرت نگاری نہیں کی ہے بلکہ انقلاب اسلامی برپا کرنے کے لیے رسول اکرمؐ کے طریق کار کو حکمت و تدریج و ترتیب کے لحاظ سے حکمت نبویؐ کی روشنی میں بیان کر کے سیرت نگاری کی ہے۔ یہ کام سیرت نگاری کے مروجہ طرز سے کچھ مختلف ہے اس لیے میں اس کتاب کے قارئین سے یہی درخواست کروں گا کہ وہ اس کتاب میں حیاتِ نبویؐ کے واقعات کی تاریخی ترتیب کو تلاش کرنے کی بجائے سیرت کے تاریخی واقعات کو حکمت انقلاب کی ترتیب میں بطور دلیل تلاش کریں گے تو انہیں اس کتاب سے استفادہ کرنے میں مدد ملے گی۔

میں اس کتاب کے تمام قارئین سے اپنے لیے خاتمہ بالخیر کی دعا کا طالب ہوں۔

(سید اسعد گیلانی) (منصورہ لاہور)

(یکم رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ)

Marfat.com

منزل اوّل :

رَبُّ الْعٰلَمِیْن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب ۱

ربّ العلمین

الحمد للہ ربّ العالمین

سامانِ زیست

زمین و آسمان کے مالک کا دسترخوانِ ربوبیّت اپنی پوری وسعت، فراخی، تنوّع، ہمہ گیر اور ہمہ پہلو خصوصیات رزق رسانی کے ساتھ کائنات گیر سطح پر ہر طرف، ہر کہیں اور ہر جگہ بچھا ہوا ہے جس سے کائنات کا ذرہ ذرّہ اپنی ضرورت اور حیثیت کے مطابق مستفید ہو رہا ہے ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کی ربوبیت کی نئی شان ہے اور ہر شان حیرت انگیز قدرت و ہمہ گیری کے ساتھ ساری مخلوقات کو رزق پہنچا رہی ہے۔

احادیث کی رُو سے اللہ تعالےٰ کے ننانوے صفاتی اسماء مبارک ہیں جن میں سے ہر نام مالک کی کسی صفت کا مظہر ہے اور اس کی صفات لا محدود ہیں۔ اس کے مطیعِ فرمان بندے کے لیے اس کی ہر صفت پیاری اور دلنواز ہے جس صفت پر بھی غور و فکر کیا جائے چشمِ تصوّر کے سامنے حیرت انگیز وسعتوں کا ایک وسیع منظر پھیل جاتا ہے اور انسان حیران و ششدر ہو کر رہ جاتا ہے اس طرح وہ پوری بے چارگی اور بے بسی سے اپنی مجبورِ اعتراف زبان سے بس اعترافِ حقیقت ہی کر سکتا ہے۔ بیانِ حقیقت اس کے بس سے باہر ہے وہ جوں جوں

Marfat.com

ان صفات پر غور کرتا ہے اس کا سرِ عجز بندگی سے اور جھکتا چلا جاتا ہے۔ اس کی پیشانی اظہارِ بندگی کی سجدہ ریزی کے لیے بے تاب ہو جاتی ہے اور وہ اپنے مالک کے احسانات کے بوجھ سے دبا ہوا زبان سے شکرِ الحمد للہ کی تکرار کیے بغیر اور کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اس کی ہستی توان نعمتوں سے پورا پورا استفادہ کرنے اور ان کا صرف لفظی شکر بجا لانے تک سے معذور ہے۔ مالک کی ہمہ گیر اور ہمہ نوع وسیع نعمت رسانی کے مقابلے میں بندے کی محدودیّت اور بے چارگی شکرِ خداوندی کا حق ادا کرنے سے قطعاً قاصر ہے۔

ان صفاتِ خداوندی میں ربوبیّت کی صفت ایک ایسی صفت ہے جس نے ساری کائنات کی ہر مخلوق کو پوری طرح اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ اس کی کارپردازی پر غور کریں تو اس ارشاد کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ موت اور رزق ہر ذی روح کا تعاقب کرتے ہیں اور اگر اس تک پہنچنے کے سارے راستے بھی مسدود ہو جائیں تو ایک ذی روح کے پاس جس راستے سے اس کی موت آسکتی ہے اسی راستے سے اسے رزق پہنچا اس کی ضروریات کا کفیل ہوتا اور اس کی زندگی کا سبب بنتا رہتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری کلام میں اپنے بندوں سے اپنا سب سے پہلا تعارف جس صفت کے ذریعے کرایا ہے وہ یہ صفتِ ربوبیّت ہی ہے۔ سورہ فاتحہ کا پہلا ہی جملہ ہے۔ الحمد للہ رب العالمین "ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو پوری کائنات کا پالنے والا ہے"۔

گویا اللہ تعالیٰ پہلے مرحلے پر ہی اپنے بندوں سے اپنے جس نام کا سب سے پہلے تعارف کرانا حکمت و ضرورت کے عین مطابق سمجھتا ہے وہ اس کا محبوب صفاتی نام "رب" ہے اور اس کی صفتِ ربوبیت ہے۔ اپنی مخلوق سے اس صفت کا تعارف بلا شرط و تخصیص کرایا گیا ہے۔ اس میں ایمان و انکار کی بھی کوئی شرط نہیں ہے۔ یہ مالک کی وہ صفت ہے جو خالق کی حیثیت سے خود بخود اس کی مخلوق کے ساتھ لازم و ملزوم ہے اور خالق کے ذمے

Marfat.com

جس طرح مخلوق کا حقِ پرورش تسلیم کیا گیا ہے اس پر مخلوق کی اس حیثیت کے سوا کہ وہ مخلوق ہے اور کوئی دوسری شرط نہیں لگائی گئی ہے۔

رب کا لفظ جس مادہ سے بنا ہے اس کے معنی ہیں پالنا پوسنا، پرورش کرنا، درست حالت میں رکھنا، عام خطرات سے بچاتے ہوئے اور ارتقاد نشوونما کے سارے اسباب فراہم کرتے ہوئے نقطۂ کمال تک پہنچا دینا۔ اسی طرح یہ لفظ مالک، آقا، مربی، پرورش کرنے والا، پروردگار، پالنہار، خبر گیری اور نگہبانی کرنے والا، فرمانروا، حاکم مدبّر اور منتظم کے معنوں میں آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مالک اور آقا ہی اپنے غلاموں کی ضروریات کا کفیل اور ذمّہ دار ہوتا ہے۔ پروردگار اور خبر گیری کرنے والے کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ پرورش اور خبر گیری کرے۔ فرمانروا اور حاکم کا حقِ فرمانروائی اور حقِ حکومت بھی پرورش اور خبر گیری سے ہی متعین و مستحکم ہوتا ہے اور تدبیر و انتظام میں تو یہ بات بدرجہ اتم داخل ہے کہ جس کارخانۂ ہست و بود کا نظم و تدبیر پیش نظر ہے اس کارخانہ کی تمام مشینوں، تمام پرزوں اور اس کی دیگر تمام ضروریات کا اہتمام و انصرام بھی کیا جائے۔ اس لیے فی الاصل رزق رسانی پرورش اور نگرانی و خبر گیری کی خصوصیات رب العالمین کی جملہ صفات میں اوّلین اہمیت رکھتی ہیں۔
اسی لیے اُس نے اپنے کلام پاک میں اپنی اس صفت کا بار بار ذکر کیا ہے اور بندوں کو جس امر کی طرف سب سے زیادہ متوجّہ کیا ہے وہ یہی ہے کہ بندے اپنے پالنے والے کی بندگی بجالائیں۔

قرآن نے بندوں کو مالک کی آقائیت، ربوبیّت، الوہیّت، معبودیّت اور وحدانیّت کی طرف متوجّہ کیا ہے اور انہیں اس کے اعتراف کی دعوت بھی دی ہے لیکن یہ بات کہیں بھی نہیں کہی گئی کہ تمہیں اپنا رزق حاصل کرنے کے لیے اللہ کی ان صفات کا اقرار کرنا چاہیئے اور پھر یہ کہ رزق حاصل کرنے کے لیے یہ اور یہ تدابیر اختیار کرنی چاہیئے اور اس کے لیے یہ تگ و دو کرنی چاہیئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خالق، پرورشِ مخلوقات کو اپنے ذمّے کا کام قرار

Marfat.com

دیتا ہے اور بندگی، اطاعت، عبادت اور فرمانبرداری کو مخلوق کے ذمّے کا کام بناتا ہے وہ اپنے ذمّے کا کام ہر لمحہ، ہر لحظہ، ہر گھڑی، ہر ساعت، ہر حالت، ہر صورت، ہر جگہ، ہر کہیں، اور ہر کسی کے ساتھ سرانجام دے رہا ہے اور وہ خالق کے حقوق کی ادائیگی کا کام اپنی مخلوق کے سرانجام دیئے جانے کی توقع رکھتا اور تکرار کے ساتھ اس کا حکم دیتا ہے۔

مخلوقات میں بھی ہر کہیں یہی نظر آتا ہے کہ ان کا وسیع ترین دائرہ، ہمہ تن بندگی اور عبادت واطاعت میں ہی مصروف ہے۔ کہیں بھی انکار وانحراف یا بغاوت نہیں ہے۔ آقا نے جس شے کے لیے جو قانونِ طبعی مقرر کر دیا ہے وہ اس کی اطاعت میں شب و روز مصروف و سرگرداں ہے کوئی اس سے سرِ مُو بھی انحراف کی جرأت نہیں کرتا۔ عالمِ طبیعات کا تمام تر حلقہ اسی امر کی گواہی دیتا ہے۔

سورج جیسی قوی ہیکل مخلوق ایک طویل گردش کا سفر کر کے ایک عاجز اور مطیع فرمان بندے کی طرح وقتِ مقررہ پر مشرق سے سر نکالتی ہے اور دنیا والوں کے بارے میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے میں شب و روز مصروف ہے۔ سورج اپنی ڈیوٹی میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں کرتا۔ چاند اپنے مدار کے گرد حکم کا بندہ بنا ہوا سرگرداں رہتا ہے۔ تارے اس کے حکم سے اپنے اپنے حدود میں گردش کرتے اور ٹمٹماتے ہیں۔ سمندر، دریا اور ندی نالے اس کے حکم کے بندے ہیں وہ اسی کی بتائی ہوئی سمت اور اسی کے مقرر کردہ راستوں پر پوری شانِ بندگی سے رواں دواں رہتے ہیں اور ساری کائنات کی ساری مخلوق اس بندگی کی یکطرفہ شاہراہ پر چلی جا رہی ہے۔ بندگی کی اس ایک ہی سمت اور ایک ہی منزل کی طرف رواں دواں کروڑوں اور اربوں چیزوں کے سفر میں کہیں کوئی باہمی ٹکراؤ نہیں ہے۔ کوئی تصادم نہیں ہے۔ کوئی فساد نہیں ہے۔ پوری کائنات پوری ہم آہنگی سے بندگی کی وسیع و عریض شاہراہ پر گامزن ہے۔

قوانینِ طبیعات کی یہ شاہراہِ بندگی ہے۔ اس شاہراہ پر کوئی تصادم نہیں ہے لیکن

۲۳۰۵۴۳۲

Marfat.com

اس سارے ہجومِ مخلوقات میں صرف ایک انسان ہے جسے نہایت ہی محدود سے دائرے میں اس کی مرضی اور ارادے کی تھوڑی سی آزادی دے دی گئی ہے۔ یہ تھوڑی سی آزادی کا دائرہ ہی اس کا دائرۂ مسئولیّت ہے۔ اس کی زندگی میں اس کے اعضاء و جوارح اس کے امروز و فردا، اس کے آس پاس کے ذرائع و وسائل، اور سر و سامانِ زیست سب اسی طبعی بندگی کی جبلّی زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں لیکن انسان کو اپنے ارادے اور مرضی کی تھوڑی سی جو آزادی کا احساس میسّر ہے اور اسی دائرۂ آزادی میں جس عظیم فساد و تباہی کا سلسلہ اس نے دنیا میں اپنی آمد کے بعد سے شروع کر رکھا ہے اس کی مثال کائنات کی کسی دوسری مخلوق کے دائرے میں موجود نہیں ہے۔ بے شعوری، بے علمی اور بے خبری کی آزادی سخت خطرناک چیز ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے اپنی ربوبیّت کا ایک دوسرا مظہر سلسلۂ انبیاء کی صورت میں ظاہر فرمایا ہے۔

رزق رسانی اللہ تعالےٰ کی شانِ ربوبیّت کا وہ پہلو ہے جو وسیع ترین، کامل ترین اور جامع ترین ہے اس کی وسعت اس کی باریکیاں اور نزاکتیں خود مالک ہی بہتر جانتا ہے لیکن اس کی کتابِ ہدایت میں ہر دور کے انبیاء کی معرفت بار بار انسان کے سامنے یہ بات ضرور آتی رہی ہے کہ اپنی تمام مخلوقات کا رب اور رازق خود اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس معاملے میں اصولی تقسیم کی تمام تر حکمت اسی کے بالاتر علم میں ہے۔

وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (البقرۃ: ۲۱۲)

اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے بے حساب دے۔

ملک، حکومت، عزّت و ذلّت، بھلائی اور بلندی کے بارے میں اپنے کلّی اختیارات کا اظہار کرتے ہوئے اور رات کو دن میں پروتے، دن کو رات میں داخل کرنے، جاندار کو بے جان میں سے نکالنے اور بے جان کو جاندار میں سے خارج کرنے کے حیرت انگیز عمل کا ذکر کرتے ہوئے اس نے پھر اس بات کو دہرایا ہے:

Marfat.com

نَرْزُقُ مَنْ نَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔ (آل عمران: ۲۷) — مالک تو جسے چاہتا ہے اپنا رزق بے حساب دیتا ہے۔

چونکہ وہ سب کا خالق ہے، اس لیے وہ سب کا رازق بھی ہے اور جس طرح اس نے خلق میں کسی ملک و ملّت کا امتیاز نہیں رکھا ہے اسی طرح رزق رسانی میں بھی اس نے کسی ملک و ملّت کا امتیاز نہیں کیا ہے۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے تعمیرِ کعبہ کے بعد یہ دُعا کی:

"اے میرے رب، اس شہر کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں انہیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے۔"

تو اس کے جواب میں رب العالمین نے اپنی ہمہ گیر رزاقی کے پیشِ نظر دُعا میں فوراً اصلاح کر دی اور فرمایا:

قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۔ (البقرۃ: ۱۲۶) — جو نہ مانے گا دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامانِ رزق تو میں اُسے بھی دوں گا البتہ آخر کار اسے عذابِ جہنم میں جانا ہوگا جو بد ترین ٹھکانا ہے۔

اپنی سرکشیوں کے نتیجے میں یہود پر وبال پڑا تو وہ خدا کو بھی جلی کٹی سنانے لگے کہ ہمارے لیے تو اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ یہودیوں کی ان جلی کٹی باتوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا:

بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۔ (المائدۃ: ۶۴) — اللہ کے ہاتھ تو کشادہ ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے، خرچ کرتا ہے۔

کفارِ قریش کے مذاق اُڑانے کے جواب میں بھی یہی فرمایا گیا:

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا — کہو اللہ کو چھوڑ کر کیا میں کسی اور کو اپنا سرپرست

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ — بنالوں، اس خدا کو چھوڑ کر جو زمین و آسمان
هُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ — کا خالق ہے جو روزی دیتا ہے اور روزی
(الانعام:۱۴) لیتا نہیں ہے۔

پھر مشرکینِ مکہ کو ہدایت دیتے ہوئے جو اپنی لڑکیوں کو رزق کے ڈر سے قتل کر دیتے یا انہیں زندہ دفن کر دیتے تھے، فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ — اپنی اولاد کو رزق کی تنگی کے ڈر سے قتل نہ
نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ — کرو کیونکہ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور
اِيَّاهُمْ ۔ (الانعام:۱۵۱) — ان کو بھی دیں گے۔

گویا رزق کا کلی اور مکمل ذمہ صرف اللہ رب العالمین کا ہے اور اس سلسلے میں جو لوگ اس کام کو اپنا ذاتی ذمہ سمجھ کر منصوبہ بندیاں کرتے اور افراد اور قوموں کو مبتلائے مصیبت کرتے ہیں وہ اپنی جہالت کے سوا اور کسی چیز کا ثبوت فراہم نہیں کرتے۔ رزق رسانی کا انتظام خدا کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے اور یہ وہ خدا ہے جس نے زمین بنائی اور اس پر انسان کو لاکر بسایا ہے جس طرح وہ پہلے آنے والی انسانی مخلوق کو رزق دیتا رہا ہے اسی طرح وہ بعد میں آنے والی مخلوق کو بھی رزق دے گا جس نسبت سے آبادی بڑھتی جاتی ہے اسی نسبت سے اس زمین کا مالک معاشی ذرائع و وسائل بھی بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ اگر اس دنیا میں وارد ہونے والا انسان کھانے کے لیے ایک منہ لے کر آتا ہے تو کام کرنے والے دو ہاتھ بھی وہ اپنے ہمراہ لاتا ہے۔

اللہ تعالٰی کی اسی صفتِ رزاقی نے حضرت زکریاؑ کو بے تاب کر دیا تھا جب انہوں نے حضرت مریمؑ کے حجرے میں موسم بے موسم اور وقت بے وقت رنگ برنگ کے پھل پھول اور سرو سامانِ زندگی دیکھے تو انہوں نے پوچھا "مریمؑ اتنا کچھ سرو سامان یہ تمہارے پاس اس گوشہ نشینی میں کہاں سے آتا ہے" مریم نے نہایت معصومیت سے جواب دیا تھا:

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ	یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے، اللہ جسے
مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔	چاہتا ہے، بے حساب دیتا ہے۔

(آلِ عمران: ۳۷)

ربُ العالمین کا پرورش کرنے والا اور رزق دینے والا ہونا اتنی بڑی متفق علیہ حقیقت ہے کہ اس سے کبھی کفار کو بھی انکار نہیں ہوا۔ چنانچہ اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ سے کہتا ہے کہ ذرا ان منکرینِ دین سے یہ تو پوچھو کہ ان کو زمین و آسمان سے رزق کون دیتا ہے اور کون تدبیرِ عالم کرتا ہے؟

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ	ان سے پوچھو کون تم کو آسمان اور زمین سے
وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ	رزق دیتا ہے۔ یہ سماعت اور بینائی کی
وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ	قوتیں کس کے اختیار میں ہیں۔ کون بے جان
مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ	سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو
الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ	نکالتا ہے۔ کون اس نظمِ عالم کی تدبیر کر رہا
فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا	ہے۔ وہ ضرور کہیں گے کہ "اللہ"۔ تو کہو
تَتَّقُوْنَ ۔ (یونس: ۳۱)	"پھر تم اس سے ڈرتے نہیں ہو؟"

پھر ربُ العالمین منکرینِ حق سے، جو رزق کے بارے میں ہمیشہ فکرمند رہتے ہیں جو زیادہ رزق ملنے پر غرور و تکبر سے ہیکڑی بازی اور شیخی کرتے ہیں اور رزق کم ہونے پر سخت مضطرب اور بدحال ہو جاتے ہیں، ان سے کہتا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا	زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے
عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ	جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو اور جس
مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ	کے متعلق وہ نہ جانتا ہو کہ کہاں وہ رہتا
كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۔	ہے، اور کہاں وہ سونپا جاتا ہے سب

Marfat.com

کچھ صاف دفتر میں درج ہے۔ (ہود: ٦)

اندازہ کیجئے کہ ہر جاندار کا رزق جو مختلف انواع کا ہے۔ ہر جاندار کا ٹھکانہ کہ وہ کہاں کہاں کس کس حال میں رہتا ہے اور مر کر کہاں سونپا جاتا ہے۔ ہر چیز اس مالک کے ریکارڈ کی کتاب میں واضح طور پر درج ہے۔ اس لیے کہ وہ رب العالمین ہے۔ جب وہ رزق دیتا ہے تو اسے رزق لینے والے کے کوائف سے آگاہی اور اس کے طرزِ عمل سے واقفیت بھی ضروری ہے اور اسے رزق رسانی میں وہ کسی حدود کا پابند نہیں ہے بلکہ اس کی مشیت اس کا اندازہ خود لگاتی ہے:

اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ۔ — اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے کم رزق دیتا ہے۔

(الرعد: ۲٦)

راہِ حق کے شہداء کے بارے میں فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ لَیُدْخِلَنَّھُمْ مُّدْخَلًا یَّرْضَوْنَہٗ وَاِنَّ اللّٰہَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ۔ — اور اللہ ہی بہترین رازق ہے وہ ان کو ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے۔ بے شک اللہ علیم و حکیم ہے۔

(سورہ الحج ۵۹)

طلاق کے معاملے میں باہمی زیادتی سے منع کیا گیا اور مرد کے ذمّے عدّت کے دوران کا پورا خرچ لگایا گیا۔ ساتھ ہی مرد کو دل کی تنگی سے بھی منع کیا گیا کہ وہ یہ نہ کہے کہ وہ اپنے پاس سے دے کر کوئی احسان کرتا ہے۔ بلکہ درحقیقت اللہ ہی ہے جو اُسے بھی رزق دیتا ہے:

وَیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔ — اور اللہ اس کو ایسے راستے سے دے گا کہ جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔

(الطلاق ۳)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین اپنے بندوں کو رزق دینے میں ایسا ہی فراخدلانہ طریقہ اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو ایسے راستوں سے رزق دیتا ہے جدھر سے رزق ملنے کا نہیں گمان بھی نہیں ہوتا۔ وہ اپنے بندوں کو اپنی رزق رسانی کے حیرت انگیز ذرائع اور طریقوں سے حیران کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی ربوبیت کی وسعتوں کی کوئی حد نہیں ہے۔ بے حد و حساب بھلائیاں اور خوبیاں اس کی ذات سے ہر چہار طرف پھیل رہی ہیں۔ وہ ایسی بلند و برتر ہستی ہے کہ کہیں اس کی بلندی ختم نہیں ہوتی، اور وہ ایسی فیاض اور فراخ دست ہستی ہے کہ کہیں اس کی سخاوت اور فراخی تمام نہیں ہوتی۔ اس کی ہر خوبی مستقل ہے اور اسے زوال نہیں ہے۔ ہستی اپنی تمام برتر خوبیوں اور بھلائیوں کے ساتھ اپنی مخلوق کے ساتھ معاملہ کرتی ہے اور اس کی ساری مخلوق اس کی فیاضی، رزق رسانی اور فراوانی سے فیض یاب ہو رہی ہے۔ پھر اس کی بے لاگ فیاضی کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ وہ مومن و کافر، تابع و نافرمان سب پر حاوی و محیط ہے کسی کے بس میں نہیں ہے کہ اس کی فیض رسانی کو اپنے لیے ہی مخصوص و محدود کرے یا اپنے کسی مخالف گروہ کو اس سے محروم کر دے۔ وہ نیک و بد ہر فریق کو دنیا کی زندگی میں اپنی عمومی صفتِ ربوبیت کی بنا پر سامانِ زیست دیئے چلا جا رہا ہے۔ یہ اس پروردگار کا خاص عطیہ ہے اور اس کی عطا کو روکنے کی کسی میں ہمت و جرأت نہیں ہے۔

حضرت ابراہیمؑ سے جب ان کی قوم نے جھگڑا کیا تو انہوں نے قوم سے پوچھا کہ جن بتوں کی وہ پوجا کرتے ہیں کیا وہ انہیں کوئی نفع یا نقصان بھی پہنچاتے ہیں اور جب انہوں نے نفی میں جواب دیا تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میں تو ان سب بتوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ میں تو صرف اس پروردگار رب العالمین کو مانتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ جو میری رہنمائی کرتا ہے۔ مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب العالمین کو تسلیم کرنے کا جو سبب بیان کیا وہ اس کی شانِ ربوبیت ہے۔

یہ اس کی ربوبیت کا ہی مظہر ہے کہ وہ پیدا کرتا ہے، لیکن پیدا کر کے کسی کو دنیا میں یونہی چھوڑ نہیں دیتا بلکہ قدم قدم پر اس کی مدد، رہنمائی اور خبر گیری کرتا ہے۔ اس کی پرورش، نگہداشت اور حاجت روائی کرتا ہے۔ انسان کی دنیا میں آمد سے پہلے ہی وہ اس کی ماں کے سینے میں دودھ پیدا کر کے اس کا راشن جاری کر دیتا ہے۔ اس وقت چونکہ اس کے منہ میں دانت نہیں ہوتے اور اسے ہلکی زود ہضم اور پتلی غذا (LIQUID DIET) کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے اس کے لیے دودھ کا راشن مقرر کیا جاتا ہے۔ اس وقت اگر اسے دودھ پینا نہ آئے تو گوشت کے اس بے خبر لوتھڑے کو دنیا کی کوئی طاقت بھی دودھ پینا نہیں سکھا سکتی لیکن رب العالمین اپنے بندے کو ماں کے پیٹ سے ہی دودھ پینے کی ترکیب بتا کر اور اس کی تربیت دے کر بھیجتا ہے تاکہ وہ جاتے ہی سب سے پہلے اپنی روزی کی خوراک حاصل کر سکے۔

پھر یہ تربیت و رہنمائی اسے زندگی کے ہر ہر مرحلے پر حاصل ہوتی رہتی ہے اور کوئی ان دیکھی قوت پوری عمر اور عمر کی پوری مدت کی آخری گھڑی تک برابر اس کی مدد، حفاظت خبرگیری، حاجت روائی اور تربیت کا فریضہ سرانجام دیتی رہتی ہے۔ زندگی کے جس جس مرحلے پر جس جس نوعیت کے سروسامان کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے نشوونما اور بقا و ارتقا کے مقاصد پورے کرنے کے لیے وہ اسے ہر ہر قدم پر فراہم کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ سروسامان زمین سے آسمان تک ہر کہیں پھیلا ہوا ہے۔ پھر اس سروسامان سے استفادہ کرنے اور کام لینے کی قوتوں اور صلاحیتوں کی اسے جس درجہ ضرورت اور حاجت ہوتی ہے وہ سب اسے عطا کر دی جاتی ہیں۔

زندگی کے جس جس شعبے سے اسے واسطہ پڑتا ہے اور اسے وہاں جس جس نوعیت کی رہنمائی درکار ہوتی ہے وہاں اسے پوری رہنمائی فراہم کی جاتی ہے۔ اس کے وجود کو محفوظ اور کارآمد رکھنے کے لیے جن اسباب و سروسامان کی اس کے وجود کے اندر اور باہر حاجت ہوتی ہے وہ سب اسباب اور سروسامان اسے مہیا کر دیا جاتا ہے اس لیے کہ

Marfat.com

اس کی حفاظت و ارتقا کے یہ سروسامان نہ ہوتے تو انسان معمولی سے حادثے کا شکار ہو کر ہی ختم ہو جاتا۔ خالق و پروردگار کی یہ ہمہ پہلو اور ہمہ گیر ربوبیت ہے جو ہر آن اور ہر پہلو سے اس کی دستگیری کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس پروردگار نے اس کی ہستی قائم رکھنے کے لیے اتنے پیشگی سامان مہیا کر رکھے ہیں اُسے فراموش کر کے دوسروں کو اپنا حاجت روا اور دستگیر سمجھنے سے زیادہ بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔ حقیقتِ عظمیٰ تو یہی ہے کہ اسی رب العالمین کا دامن تھاما جائے اور اسی کے آگے سرِ عبودیت جھکایا جائے اس لیے کہ تنہا وہی اس بات کا حقدار ہے کہ اس کے سامنے سجدہ ریزی کی جائے اور اس کی اس عظیم و وسیع و ہمہ گیر ربوبیت کا شکر ادا کیا جائے۔

اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ	اور وہ کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا اور
وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ	اس کا پھر اعادہ کرتا ہے اور کون تم کو آسمان
الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ	اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ کیا اللہ کے
	ساتھ کوئی اور خدا بھی ان کاموں میں حصہ دار
(سورۃ النمل: ۶۴)	ہے۔؟

یہ چیلنج اس لیے ہے کہ حقیقتاً اس چیلنج کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ نہ خلق کو وجود میں لانا کوئی سیدھا سادا کام ہے اور نہ خلق کی رکھوالی پرورش اور اس کی ہر لحظہ بدلنے والی ضروریات کی کفالت کسی کے بس کی بات ہے۔

اس زمین پر لاکھوں ہی قسم کے حیوانات ہیں جن میں سے ہر نوع کے کروڑوں اور اربوں بلکہ کھربوں افراد موجود ہیں اور ہر لمحہ نئے سے نئے وجود میں آ رہے ہیں۔ مر رہے ہیں، پیدا ہو رہے ہیں۔ عمر کے مختلف مراحل میں ہیں اور زندگی کے ہر مرحلے میں ان کی ضروریات و حاجات مختلف ہیں۔ ان کی صرف غذائی ضروریات کا ہی اندازہ لگانے کی کوشش کی جائے تو انسان دم بخود ہو کر رہ جاتا ہے۔ لیکن ان سب کی غذائی ضروریات کا سامان ان کی قریب ترین دسترس میں

Marfat.com

میں رکھ دیا گیا ہے اور وہ بے پناہ مقدار میں موجود ہے جس کے نتیجے میں وہ خود بخود خوراک پاتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی خوراک سے محروم نہیں رہتا۔

اس فراہمئ غذا میں اتنی بے شمار قوتیں زمین سے آسمان تک کام کرتی ہیں کہ انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ اگر سورج کی گرمی، ہوا کی روانی، پانی کی سیرابی، زمین کے مختلف مادے ٹھیک ٹھیک تناسب سے باہمی مل کر غذا کا سامان مسلسل اور پیہم نہ کرتے رہیں تو ان کو غذا کا ذرہ بھی مہیا نہیں ہو سکتا لیکن ربوبیتِ الٰہی کے یہ سارے چاکر دم بخود اور چپ چاپ اس کارخانۂ کائنات کے اندر مزدوروں کی طرح سارے کام کرتے رہتے ہیں اور کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی نہ تھکتے ہیں نہ رکتے ہیں اور نہ عدم تعاون کرتے ہیں۔

یہ انتظام و انصرام ایک حکمتِ ربانی پر قائم و دائم ہے اور وہی حکمت ربانی ذرّے ذرّے کی نگہداشت کا سامان اپنے آپ کرتی رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس چیلنج کا جواب کس کے پاس ہے۔ بس یہ اسی کی قدرت ہے کہ وہ خلق کو پیدا کرتا ہے اور یہ اسی کے بس میں ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی ربوبیت پرورش اور کفالت بھی کرتا ہے۔

پھر اس رزق رسانی میں وسعت اور تناسب کا بھی ایک نظام ہے:

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ	اپنے بندوں میں سے وہ جس کا رزق چاہتا
مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۔	ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے
(القصص: ۸۲)	نپا تلا دیتا ہے۔"

اس قانونِ رزق رسانی کے تحت نہ تو فراوانی کسی انعام کی علامت ہوتی ہے چونکہ ہمیں فرعون، نمرود، شداد اور ہامان جیسے ربوبیت الٰہی سے انحراف و غداری کے مرتکب بھی مال و دولت میں کھیلتے دکھائی دیتے ہیں اور ابوذر غفاریؓ، بلالؓ، خبابؓ اور اویس قرنی جیسے لوگ بھی فاقہ مستی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات رزق کی فراوانی اور کشادگی اُلٹی عذاب کا باعث بن

Marfat.com

جاتی ہے اور تنگیٔ رزق راہِ راست پر چلنے کا ذریعہ اور اپنے مالک سے تعلق کو تازہ اور قائم رکھنے کا سبب بن جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے رزقِ کفاف کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رزقِ کفاف یعنی بہ الفاظِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام "روز کی روٹی جو بس کفایت ہی کرے" کی وجہ یہ بتائی کہ وہ اپنے مالک سے اپنا روز کا رزق طلب کر کے اس سے اپنا تعلق قائم اور تازہ رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ رزق کی فراوانی اکثر ایک شخص کو اپنے خالق و مالک سے غافل کر دیتی ہے۔

اگرچہ سطح بیں لوگ دوسروں کے پاس رزق کی فراوانی کو رشک کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن وہ نہیں جانتے کہ یہی فراوانی کبھی ان کے لیے دنیا میں پاؤں کا پھندا اور آخرت میں عذاب کی بیڑی بن جاتی ہے۔ یہ تو اہلِ ایمان کی ہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ کم ظرف ہو کر جامے سے باہر نہیں ہوتے اور اپنے مضبوط ایمان کی بنا پر اللہ کو ہی سارے خزانوں کا مالک گنتے ہیں۔ اگر انہیں رزق کشادہ ملے تو خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور خدا کی مخلوق کا حق اپنے مال و دولت میں سمجھتے اور اسے ادا کرتے ہیں اور اگر رزق تنگ ہو جائے تو صبر سے کام لیتے اور اسے خدا کی طرف سے ہی ایک آزمائش سمجھتے ہیں۔ ایسی حالت میں بھی وہ دیانت و امانت و خودداری کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور اپنی ساری توقعات اپنے مالک سے ہی وابستہ رکھتے ہیں۔

چنانچہ فرمایا گیا:

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَہٗ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَہُوَ یُخْلِفُہٗ وَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۔	"اے نبی ان سے کہو" میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تُلا دیتا ہے جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اس کی جگہ وہی تم کو اور دیتا ہے وہ سب رازقوں سے بہتر رازق ہے۔
(سبا: ۳۹)	

گویا یہ بات بار بار دُہرا دُہرا کر فرمائی گئی کہ رزق کی فراہمی تو ربوبیت کا بنیادی تقاضا ہے لیکن رزق کی کمی و بیشی کے لیے مشیت کا اپنا ایک قانون اور پیمانہ ہے جسے مخلوق سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

جہاں تک رزق پانے کا تعلق ہے، ہر ذی روح رزق پا رہا ہے لیکن رزق کی فراوانی اور تنگی کا قانون مختلف ہے اور اس قانون میں اطاعت اور نافرمانی کو پیمانہ نہیں بنایا گیا ہے۔ اس کا پیمانہ پسند و ناپسند سے بھی مختلف ہے۔ نہ رزق کی تنگی معتوب ہونے کی علامت ہے اور نہ رزق کی فراوانی محبوب و پسندیدہ ہونے کی دلیل ہے۔ حقیقی مطلوب چیز خدا کی رضا ہے جو حاصل کرنے کی چیز ہے اور وہ اس کی اطاعت و بندگی سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ خدا کی رضا اس کی مشیت سے مختلف چیز ہے اور انسان کو خدا کی مشیت کی ٹوہ میں سرگرداں ہونے کی بجائے اس کی رضا کو حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہیے جو معلوم و معروف چیز ہے۔

پھر اسی ربوبیت کی شان کا ایک دوسرا پہلو پیش فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ	وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے
قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ	لیے زمین کو جائے قرار بنایا اور اوپر
فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ	آسمان کا گنبد بنا دیا جس نے تمہاری
مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ	صورت بنائی۔ اور بڑی ہی عمدہ بنائی
رَبُّكُمْ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ	جس نے تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا
رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔	وہ اللہ تمہارا رب ہے بے حساب
(المومن: ۶۴)	برکتوں والا وہ کائنات کا رب۔

گویا اللہ تعالیٰ جو خالق و پروردگار ہے اس نے مخلوق کو خلق کرتے ہوئے ہر شے کو اس کی زیست اور ہستی کی ضرورت کے مطابق موزوں ترین جسم عطا فرمایا۔ اعضاء اور ان کی عمدہ کارکردگی جو اس ہستی کو زندہ رکھنے اور زندگی میں سہولت دینے کے لیے موزوں ترین

مددگار ہو سکتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں، کان ناک، زبان، سر پیٹ غرض ہر چیز اس ہستی کی ضرورت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی مہیا کی گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ نہ والدین کی تخلیق ہے اور نہ کسی اور ہستی کی۔ یہ تو خالق و مالک کی ہی پیدا کردہ ہے۔

پھر اس جسم کی پرورش کے لیے اس کے ہر چہار طرف اس کے اپنے ذوق کی نعمتوں کا ایک دستر خوان پھیلا دیا گیا ہے جو اسے نفع پہنچاتا ہے اور اسے نشوونما پانے اور پھلنے پھولنے میں مدد دیتا ہے۔ اس کی اپنی نوع کے افراد جو اس کے دست و بازو بنیں۔ اس کی اپنی جنس جو اس کی نسل کو قائم رکھے، اس کے اپنے افراد جو اس کی حمایت اور پشت پناہی کریں۔ پھر زمین سے غذا کے اُبلتے ہوئے خزانے جن کو فراہم کرنا اس کے اپنے بس سے باہر تھا اور جو لامتناہی ہیں یہ سارے سر و سامان اس کے آنے سے بھی پہلے سے موجود ہیں اور اس کے بعد بھی موجود رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ سارا کارخانہ ایک ایسے ربِّ کریم نے جاری کیا ہے جو نہایت درجہ قادر حکیم و دانا اور مشفق و مہربان ہے۔ یہ اس کی برکتوں کا ہی ظہور ہے۔ کہ تمام مخلوقات کا رزق فراوانی کے ساتھ ہر سو پھیلا ہوا ہے اور ان مہربانیوں اور بندہ نوازیوں کے لیے اپنی مخلوقات کی عبودیت اور شکر گزاری کی مستحق بھی وہی ایک ذاتِ پاک ہے۔ اس سے انحراف ظلمِ عظیم ہے اور اس کے احسانات کے اعتراف سے پہلو تہی زبردست ناشکری ہے۔

سورہ حٰم سجدہ میں فرمایا گیا ہے کہ یہ کافر اس خدا سے کفر کرتے اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں جس خدا نے زمین کو چار دنوں میں بنا دیا تھا اور جو سارے جہانوں کا پالنے والا رب ہے جس نے زمین کو پیدا کر کے اس پر پہاڑ جما دیئے اور اس میں برکتیں رکھ دیں اور سارے سائلین کے لیے ان کی طلب و ضرورت کا سامان اس کے اندر فراہم کر دیا۔

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ	(زمین کو وجود میں لانے کے بعد) اوپر
مِنْ فَوْقِهَا بَارَكَ	سے اس پر پہاڑ بنا دیئے اور اس میں
فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا	برکتیں رکھ دیں اور اس کے اندر حاجتمندوں

فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ۔ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ۔ (سورہ حٰم سجدہ ۱۰ آیہ)

کے لیے ہر ایک کی حاجت وطلب کے مطابق ٹھیک اندازے سے سامانِ زیست رکھ دیا اور یہ سارا کام چار دن میں ہو گیا۔

مالک کی وسعتِ ربوبیت کا اندازہ کیجئے کہ پیدائش کے روزِ اوّل سے لے کر قیامت تک جو جو مخلوقات وجود میں آنی تھیں اور کائنات کا مالک اپنی قدرتِ کاملہ سے جو جو مخلوق پیدا کرنے والا تھا ان میں سے ہر ایک کی مانگ اور حاجت کے مطابق ہر ایک کی غذائی اور جسمانی ضروریات کا سامان پہلے سے اس زمین کے اندر مہیا کر دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ مختلف مخلوقات کی ضروریات باہمی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہر ایک کی غذا اور ضرورت علیحدہ ہے۔ کسی کو خشکی مطلوب ہے اور کسی کو تری درکار ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا ذوقِ غذا دوسرے سے مختلف ہے لیکن مالک وخالق وپروردگار نے اپنے منصوبۂ تخلیق و پرورش میں ان سب کی ضروریات کا اہتمام ان کی پیدائش سے بھی بہت پہلے مہیا کر رکھا ہے اور جو مخلوق جب بھی کرۂ ارض پر ہستی کا جامہ پہن کر نمودار ہوتی ہے۔ اسے اپنا رزق اور اپنی ہستی کی تمام دیگر ضروریات پہلے سے تیار یہاں مل جاتی ہیں، رزق کا یہ سلسلہ یوں گردش میں رہتا ہے کہ اس سے کوئی بھی محروم نہیں رہتا۔ ہر ذی روح کو جہاں جہاں وہ ہے اور جس جس حالت میں ہے اس کا رزق اسے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس سے زیادہ جامع اور کامل ربوبیت اور پرورش کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

سورہ العنکبوت میں فرمایا گیا:۔

وَکَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۔ اَللّٰهُ یَرْزُقُهَا وَاِیَّاکُمْ وَهُوَ السَّمِیْعُ

کتنے ہی جاندار ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ ان کا رزق ان کو دیتا ہے اور تمہارا بھی وہی رازق ہے

Marfat.com

الْعَلِیْمُ ۔ (العنکبوت: ۶۰) وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

اللہ کے راستے میں اس کے دین کی خاطر جدوجہد کرتے ہوئے ایک مومن مختلف مراحل سے گزرتا ہے۔ کبھی اسے فراہم شدہ وسائل رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور کبھی اسے گھر بار سے ہی نکال باہر کیا جاتا ہے۔ تاریخِ دعوت میں اشرار اور مخالفینِ حق ہمیشہ مزاحمت کی بڑی سے بڑی کارروائیاں کرتے رہے ہیں تاکہ علمبردارانِ حق اپنے مقصد اور کام سے باز آ جائیں۔ ان مخالفانہ کارروائیوں میں انہیں وسائلِ رزق سے محروم کرنا۔ ان کے بال بچوں کو ان کی سرپرستی سے اور خود ان سے رزق کی سہولتیں چھین لینا خصوصاً شامل رہا ہے۔ کبھی کاروبار تباہ کر کے اور کبھی گھر بار چھڑوا کر۔ ایسی صورت میں ایک بندۂ مومن اس ذہنی مغالطے میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ اس کے رزق کا معاملہ خود اس سے ہی نہیں بلکہ اس کے کنبے اور خاندان سے بھی تعلق رکھتا ہے اور یوں بہت سی تاویلیں حق کے کام سے پہلوتہی کی اس کا نفس سوچنے لگتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے کہ وہ کون سا جاندار ہے جو اپنا رزق اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتا ہے اور اپنے زور اور اپنی قوت سے خود رزق حاصل کرتا ہے۔ یہ رزق تو اس کا خدا ہی ہے جو اسے دیتا ہے اگر وہ کیڑوں، مکھیوں، مچھروں اور جھینگوں کا رازق ہے تو تم تو ان سے بہت زیادہ اس بات کے حقدار ہو کہ تمہیں رزق مہیا کیا جائے۔

اگر تم اپنے مالک کی خاطر اس کی معلوم اور معروف رضا کے لیے باطل کے مقابل ڈٹ جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ جو رب العالمین ہے وہ تمہیں ضرور پالے گا اور تم راہِ حق میں جدھر جدھر جاؤ گے تم اپنے رب کا وسیع دسترخوان ہر جگہ اپنے سامنے پھیلا ہوا پاؤ گے۔

اسی بات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی حواریوں سے کہا تھا جب دعوتِ دین کے سلسلے میں ان پر تکالیف آئیں اور بنی اسرائیل نے ان پر زندگی کی کشادگی تنگ کرنی شروع کر دی۔ تو انہوں نے اپنے حواریوں سے فرمایا:

"کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا کیونکہ یا تو ایک سے عداوت

Marfat.com

رکھے گا اور دوسرے سے محبت، یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا۔ تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے اور کیا پئیں گے اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے۔ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں۔ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں۔ پھر بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے تم میں سے ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے اور پوشاک کیلئے کیوں فکر کرتے ہو۔ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں، وہ نہ محنت کرتے ہیں نہ کاتتے ہیں، پھر بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمانؑ بھی باوجود اپنی شان و شوکت کے ان میں سے کسی کے مانند ملبّس نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو! تم کو کیوں نہ پہنائے گا۔ اس لیے فکر مند نہ ہو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے یا کیا پہنیں گے۔ ان سب چیزوں کی تلاش میں تو غیر قومیں رہتی ہیں تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو تم پہلے اس کی بادشاہی اور اس کی راست بازی کی تلاش کرو۔ یہ سب چیزیں بھی تمہیں مل جائیں گی کل کے لیے فکر نہ کرو۔ کل کا دن اپنی فکر آپ کرے گا۔ آج کے لیے آج ہی کا دکھ کافی ہے۔“ [1]

ظاہر ہے کہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جو مشکلات بھی سامنے آئیں انہیں انگیز کیے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ اور جب انبیاء کرامؑ بھی راہِ حق کی آزمائشوں اور مشکلات سے مستثنیٰ نہیں رکھے گئے تو پھر دوسرا کون اس سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے آخر رخصت چاہنے والوں نے تاریخ میں کب

[1] (بائبل متی باب ۶ آیات ۲۴-۳۴)

کوئی قلعے فتح کیے اور میدان سر کیے ہیں۔ یہ تو دینِ حق کی جدوجہد میں آزمائش کے مرحلے ہی ہوتے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو اپنے سچے بندوں کے درجات کی بلندی مقصود ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی محبت اور عشق کا امتحان دیں اور اس امتحان میں ثابت قدم رہ کر آخرت میں رضائے الٰہی کے بلند درجات پر فائز ہو جائیں۔ ورنہ جہاں تک رزق کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے اور وہ اگر جنگل کے خنزیروں کو ان کی ضرورت اور خواہش کے مطابق رزق دے سکتا ہے تو اپنے بندوں کو اس سے کیوں محروم رکھے گا۔

چونکہ کفار کے لیے صرف چند روزہ دنیا کی زندگانی ہی کل حاصلِ کائنات ہے اور اس کے بعد ان کے لیے صرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے اس لیے اس دنیا کی چند روزہ زندگی میں جو آخرت کی زندگی کا کروڑوں حصہ بھی نہیں ہے انہیں کچھ سہولتیں دے دی جائیں تو یہ کچھ تعجب انگیز بات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْلَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ	اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے ہی
اُمَّۃً وَّاحِدَۃً لَّجَعَلْنَا	لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے
لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ	تو ہم خدائے رحمٰن سے کفر کرنے والوں
لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّۃٍ	کے گھروں کی چھتیں اور ان کی سیڑھیاں
وَّمَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ	جن سے وہ اپنے بالاخانوں پر چڑھتے
وَلِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا	ہیں اور ان کے دروازے اور ان کے
عَلَیْهَا یَتَّکِئُوْنَ وَزُخْرُفًا	تخت جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں سب
وَاِنْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ	چاندی اور سونے کے بنوا دیتے یہ تو
الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ عِنْدَ رَبِّکَ	محض حیاتِ دنیا کی متاع ہے اور آخرت
لِلْمُتَّقِیْنَ	تیرے رب کے ہاں صرف متقین د

کے لیے ہے۔" (الزخرف: ۳۳-۳۵)

گویا اللہ تعالےٰ کے نزدیک دنیا کی اس مختصر سی زندگی میں سونا چاندی، جواہرات، مال و دولت اور فراواں عیش و آرام کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے اگر کفار کے پاس دنیا کے عیش فراوان کو دیکھ کر سارے ہی انسانوں کے کفر کی طرف لڑھک جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو کافروں کے گھر سونے چاندی کے بنا دیئے جاتے اس لیے کہ ہمیشہ کی زندگی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے یہ تو ایسے ہی ہے جیسے پھانسی پانے والے مجرم کو پھانسی کا حکم ہو جانے کے بعد دوسرے قیدیوں کے مقابلے میں بعض زاید سہولتیں اور آزادیاں دے دی جائیں اس لیے کہ دوسرے قیدیوں نے تو مدتِ قید کاٹنے کے بعد جیل خانے سے اپنے اپنے گھروں کو چلے جانا ہے اور پھانسی پانے والے نے قبرستان کے مٹی کے ڈھیروں میں جا شامل ہونا ہے اس لیے اس سے تھوڑی سی رعایت بھی زیادہ بعید از انصاف نہیں ہے۔

رب العالمین کا دسترخوانِ نعمت و رزاقیّت و ربوبیّت درحقیقت اتنا وسیع اور بلانہایت ہے کہ اس کا احاطہ تو درکنار اِس کا جامع نقشہ ذہن میں لانے سے بھی چشم تصوّر عاری ہے۔

اگر جانداروں میں اس کی ربوبیّت میں سے صرف غذا کے انتظام کو ہی دیکھا جائے تو حیرانی و سرگشتگی سے انسان کا ذہن چکرانے لگتا ہے، رُعب و ہیبت سے غور کرنے والے کی کمرِ ہمت جواب دے جاتی ہے اور شکر و امتنان کے وفور سے اس کا دل جُھک جُھک جاتا ہے کہ مالک کی اس فراوانی اور تنوع کا بلاشبہ احاطہ ناممکن ہے اس تنوّع اور افراط کے سامنے انسان گنگ ہو کر رہ جاتا ہے۔ انسان سے قطع نظر کہ اسے محدود سے دائرے میں تمیز و اختیار کا ہلکا سا شعور و احساس بھی دیا گیا ہے۔

اشرف المخلوقات انسان کے علاوہ اس سے کم تر مخلوقات کے لیے جس طرح نعمتوں کا دسترخوان بچھایا گیا ہے وہی اس ثبوت کے لیے کافی ہے کہ اس کائنات کا مالک اپنے

سرو سامان میں یکتا، اپنے انتظام و اہتمام میں لاجواب، اپنی فیاضی میں منفرد اور اپنی عطا و بخشش میں بے مثال ہے۔ اور وہ عام حیوانات کو بھی اتنا وافر دیتا ہے اور یوں دیتا ہے کہ کوئی میزبان بادشاہ بھی اپنے مہمانوں کو اتنا کھلا پلا نہیں سکتا اور ان کی ضروریات کا اتنا ہمہ پہلو احساس و اہتمام نہیں کر سکتا۔

جنگل کے جانوروں کو ہی لیجئے جو درختوں اور جھاڑ جھنکار کے درمیان کروڑوں کی تعداد میں رہتے ہیں۔ ان میں بڑے سے بڑے جانور شیر، ہاتھی اور گینڈے سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے کیڑے مکوڑے تک وہاں آباد ہیں ان میں سے ہر ایک کی غذائی ضروریات الگ الگ ہیں۔ ہر ایک کا ذوق الگ ہے۔ ہر ایک کی خوراک الگ ہے۔ ہر ایک کی مقدارِ خوراک کم و بیش ہے۔ کوئی تازہ گوشت کے بغیر کچھ نہیں کھاتا۔ کوئی تازہ خون پئے بغیر کسی شے کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ کسی کی پسند مردار گوشت ہے۔ کسی کی خوراک نباتاتی ہے تو کسی کی حیوانی ہے۔

غرض مختلف النوع خوراک کھانے والے کروڑوں جانور جنگل میں رہتے ہیں۔ جنگل میں نہ گوشت کے گودام ہیں، نہ ہوٹل ہیں۔ نہ راشن ڈپو ہیں، نہ خوراک کے ذخیرے ہیں نہ جگہ جگہ مختلف النوع گوشت کا انتظام ہے اور ان میں سے ایک ایک جانور صبح دم اپنے بھٹ سے نکل کر اپنے مالک کے دسترخوانِ نعمت کی طرف جاتا ہے۔ اور رات کو ہر ایک اسی جنگل میں دسترخوانِ ربانی سے اپنا پیٹ بھر کر واپس اپنے بھٹ کی طرف لوٹتا ہے۔

ہوا میں اُڑنے والے اربوں مختلف النوع پرندے ہیں، چھوٹے چھوٹے کیڑوں اور مکھیوں سے لے کر گدھوں، شاہینوں اور شاہبازوں تک لاتعداد مخلوقِ ہوائی موجود ہے جو صبح دم اپنے اپنے گھونسلوں اور ٹھکانوں سے اُڑتی ہے اور نکل کر رب العالمین کے ہوائی دسترخوان پر آتی ہے اور رات کا اندھیرا گہرا نہیں ہوتا کہ ان میں سے ایک ایک ہوائی مخلوق اپنے اپنے

Marfat.com

پوٹ بھر کر اطمینان و سکون سے اپنے میزبان مالک کی حمد و ثناء کرتی اور اس کی تسبیح اپنی زبانِ بے زبانی سے ادا کرتی ہوئی اپنے اپنے گھونسلوں کو واپس آتی ہے۔ ان کا راشن کہاں رکھا ہے ہوا میں خوراک کے ذخیرے کہاں ہیں اور ان جانوروں کی روزمرّہ کی دعوت کا اہتمام کس نے کر رکھا ہے۔ کون انہیں کھلاتا پلاتا اور ضرورت کا رزق فراہم کرتا ہے۔ اللہ رب العالمین کے سوا آخر وہ کون ہو سکتا ہے۔

پانی کی مخلوق کی طرف جائیے، جہاں خوردبینی کیڑوں سے لے کر شارک مچھلیوں تک لاتعداد مخلوقِ خدا موجود ہے اور ان میں سے بھی ہر ایک کی خوراک، مقدار اور ضرورت مختلف ہے۔ وہ بھی اپنی دن بھر کی جدوجہد کے نتیجے میں سرِ شام اپنے پیٹ اپنے مطلوبہ اور پسندیدہ غذا سے بھر کر اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹتی ہیں۔ آخر اس شفاف اور گہرے پانی میں اس میٹھے اور کھاری پانی میں خوراک کے ذخیرے کہاں ہیں جو ان کے مالک نے ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں لیکن ان کا مالک اور رب ان کو ان کی ضرورت ان کی خواہش اور ذوق کے مطابق ان کی مطلوبہ خوراک مطلوبہ تعداد کے مطابق روزمرّہ فراہم کرتا ہے۔

پتھر کے نیچے دبا ہوا کیڑا بھی اپنی غذا حاصل کرتا ہے۔ پتھروں کے درمیان اور ان کے نیچے رہنے والے حشرات الارض بھی اپنی خوراک پاتے ہیں۔ لکڑی کے اندر رہنے والا کیڑا، زمین کی گہرائی میں پوشیدہ حشرات سارے ہی اپنی اپنی ضرورت اور حیثیت کے مطابق اپنی اپنی غذا اور پوشش حاصل کرتے رہتے ہیں اور ہر ذی روح کا رزق اس کا اس طرح تعاقب کرتا ہے جس طرح موت اس کا تعاقب کرتی ہے۔ یہ دو ہی چیزیں ہیں جو ہر ذی روح کو خود پہنچ کر ملتی ہیں موت اور سامانِ زیست۔

غرض یہ سب جاندار اللہ تعالیٰ کے وسیع دسترخوان کے مہمان ہیں۔ اگر دنیا کا معمولی حیثیت کا ایک انسان بھی اپنے مہمان کو اپنی حیثیت کے مطابق کھانا فراہم کرتا

Marfat.com

ہے تو وہ رب العالمین جس کے قبضۂ قدرت میں سارے خزانے ہیں وہ اپنے مہمانوں کو اپنے دسترخوان پر ان کی ضرورت اور حاجت کے مطابق ان کی غذا کیوں فراہم نہ کرے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا شاہکار ہے جو ہمارے سامنے اپنی واضح نشانیوں کے ساتھ شرقاً غرباً شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ اسی عظیم ربوبیت کا تقاضا ہے کہ صرف اسی مالک کی اطاعت کی جائے جو سب کا پالنے والا ہے۔

Marfat.com

دوسرا بابؐ

مقصودِ زیست

رب العالمین کی ربوبیت کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک ربوبیت اس جسم کو پالتی ہے جو آج ہے اور کل فنا کے گھاٹ اتر جائے گا۔ اور ایک ربوبیت روح کی غذا کا اہتمام کرتی ہے جو ازل سے ابد تک خدا کے حکم کی مانند جاری وساری ہے اور ایک زندہ و پائندہ ہستی کی حیثیت میں فانی جسم سے زیادہ قیمتی ہے۔ کیا جسم کو پالنے والا روح کی پرورش کا انتظام نہ فرمائے گا۔ اس سمیع و بصیر ہستی سے یہ امر عقلاً بعید ہے کہ وہ جسم کی تو پرورش و پرداخت کا اتنا اہتمام کرے اور روح کو نظر انداز کر دے جو اس کے حکم کا حصہ ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ انسان اس کی بندگی بجالائیں۔ اس لیے کہ اس نے انسانوں کو بندے بنا کر ہی پیدا کیا ہے اور پھر ان کی پرورش کا انتظام و انصرام کیا ہے۔ شعور و احساس اور ارادہ دے کر باقی مخلوقات کے مقابلے میں انہیں اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ گویا سامانِ زیست فراہم کرنے والے کے ہی ذمے ہے کہ وہ مقصودِ زیست بھی بتائے ورنہ انسان تو ظلوم و جہول ہے اور بے خبر اور بے علم ہے اگرچہ اس کا وجدان ہمیشہ کسی بالاتر قوت کی بندگی کا مطالبہ کرتا رہتا ہے جو شاید اس کے میثاقِ ازل کا پرتو ہے لیکن واضح تعلیم و ہدایت سے وہ محروم ہے اس لیے رزقِ جسمانی و مادی کے ساتھ ساتھ رزقِ روحانی فراہم ہونا بھی انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور اس کا انتظام بھی مالک کے ہی ذمے ہے۔

پھر وہ پرورش کرنے والا جو جسم کی ظاہری نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کی باطنی

Marfat.com

صلاحیتوں، خوبیوں اور خصوصیات میں بھی نوع بہ نوع اضافہ کرتا چلا جاتا ہے اور اسے ارادہ، شعور، احساس، جذبہ اور نہ معلوم کن کن خفیہ صلاحیتوں سے نوازتا ہے۔ اس سے یہ بات بعید ہے کہ وہ انسان کی روح کی رہنمائی کا اہتمام نہ کرے۔ یہ بھی اس کی ربوبیت کا لازمی تقاضا ہے۔

حضرت مسیحؑ نے کیا خوب فرمایا تھا :

"انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ وہ اس کلمے سے جیتا ہے جو خدا کی طرف سے آتا ہے۔"

حضرت مسیحؑ کا یہ ارشاد اس حقیقت کی طرف مکمل اشارہ کرتا ہے جس حقیقت کو ہم حقیقتِ منتظر کہہ سکتے ہیں۔ اس حقیقتِ منتظر سے آگاہی انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ وہ حقیقتِ منتظر کیا ہے، یہ کہ اس کائنات کا ایک رب ہے جو خالق و مالک و آقا ہے اور ساری مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے اس لیے اسی کا یہ حق ہے کہ تمام مخلوق اس کی بندگی بجا لائے لیکن بندگی بجا لانے کے طریقے کس سے معلوم کرے؟ اس کا انتظام بھی جسمانی غذا فراہم کرنے والے مالک نے روحانی غذا کی خاطر انبیاء کرام کے سلسلہ کی صورت میں کیا ہے۔ جو انسانوں تک خدا کا پیغام پہنچاتے ہیں اور انسانوں کو خدا کی مرضیات سے آگاہ کرتے ہیں تاکہ انہیں اپنے جسم و جان کی غایت اور اپنی پرورش کے اسباب کا علم ہو جائے۔ انبیاء کرام انہیں بتاتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں بے مہار نہیں ہے بلکہ مسئول ہے اور ایک دن اس کا حساب ہوگا جب اس سے اس کی دنیوی زندگی کے سارے کارنامے کے بارے میں حساب لیا جائے گا۔

یہ انبیاء کا سلسلہ بھی پوری انسانی تاریخ میں مالک کی روحانی ربوبیت کا ایک دوسرا شاہکار ہے یہ انبیاء اپنے خاص ذرائع سے انسانوں کو جسم کی پرورش کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی اور خالق کی رضا سے بھی آگاہ کرتے ہیں۔ اس سلسلے کو سلسلۂ رسالت کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

رسالت خدا اور بندے کے درمیان ایک معتبر ترین واسطہ ہے، بندہ خدا کی ذات سے تحت الشعور میں تو باخبر ہے لیکن اپنے حواسِ خمسہ سے اس کا ادراک نہیں کر سکتا جس طرح وہ دوسری مادی چیزوں کا ادراک کرتا ہے۔ وہ عقلی دلائل، آیاتِ الٰہی، مناظرِ فطرت، قوت و ہیبت کے مظاہر اور مالک کے احسانات کے مختلف گوشوں کا احساس کر کے اس امر سے تو ضرور آگاہ ہو جاتا ہے کہ یہاں کوئی بالاتر ذات موجود ہے جو اس کی ہستی اور اس کے عالم سے ورا الوریٰ ہے جو اس کی ہستی سے بے حد قریب اور اس کی عقل کی پہنچ سے بہت دور ہے۔ لیکن اس کا حقیقی شعور اس کے احکام اور اس کی مرضی سے آگاہی اس کے بس کی بات نہیں ہوتا۔ وہ اپنے فہم وادراک سے عقلی طور پر خدا کی ہستی کا قائل ہو سکتا ہے لیکن اس سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ اسے ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی ایسا ہو جو اس کا تعارف اس کے مالک سے کرائے۔

ہر قوم کو انسانوں کے مالک سے تعارف کرانے والی ہستیاں ہی رسول کہلاتی ہیں۔

یہ رسول دنیا کی قوموں کی طرف سے دعوت اور رہنمائی کے لیے مقرر کردہ نہیں ہوتے یہ رسول خود اپنے طور پر بھی اس کام کے لیے اٹھ کھڑے نہیں ہوتے بلکہ یہ رسول خدا کے منتخب کردہ افراد ہوتے ہیں جو ہر قوم تک اپنے اپنے دور میں ان کے حقیقی مالک کا پیغام پہنچاتے ہیں ہر زمانے میں یہ رسول اُٹھتے رہے اور ہر قوم میں اپنے خدا کا پیغام پہنچاتے رہے۔ لیکن چونکہ خدا ایک ہی ہے۔ اس لیے ہر قوم کی طرف ہر زمانے میں ہر رسول کی معرفت ایک ہی پیغام ارسال کیا جاتا رہا اور ان میں زمانوں، علاقوں، نسلوں، اور زبانوں کے فرق کے باوجود پیغام میں کبھی کوئی فرق نہیں رہا اور چونکہ خدا اور بندے کا حقیقی رشتہ بندگی کا رشتہ ہی ہے اس لیے ہر دور میں ہر نبی کے ذریعے خدا کا پیغام بھی اسی امر پر مشتمل رہا کہ:

"خدا کے بندو خدا کی بندگی اختیار کرو اس لیے کہ اس کے سوا تمہارا اور کوئی خدا نہیں ہے۔"

یہ پیغام متواتر تکرار اور تسلسل کے ساتھ ہر قوم کی طرف آتا رہا ہے اگر ہم زمان و مکان کے

Marfat.com

فاصلوں کو کاٹ کر تمام قوموں کے انبیاء کی حقیقی دعوت کو یکجا کریں تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ تمام انبیاء نے ہمیشہ ایک ہی بات کہی کسی نبی نے اپنی بندگی کروانے کی کوشش نہیں کی۔ اور کسی نے اس دعوت سے اپنا کوئی مفاد بھی حاصل نہیں کیا البتہ اس سادہ دعوت کے نتیجے میں انہوں نے سخت ترین مخالفتوں کو برداشت کیا اور زندگی کی آخری گھڑیوں تک اپنی قوم کے افراد کو یہی دعوت دیتے رہے اور انہیں بتاتے رہے کہ ان کے دُنیوی اور اُخروی مفادات بس اسی بات کو تسلیم کرنے میں پوشیدہ ہیں کہ وہ اپنے حقیقی منعم کو شناخت کریں۔ اس کی ذات کا اعتراف کریں اور اس کی مرضیات اور احکام کی پابندی کریں جو احکام خود ان کے اندر عدل و انصاف اور امن و امان قائم کرنے کے لیے ہی دیئے گئے ہیں۔

رسالت کے ذریعے ہی بنی نوعِ انسان کو یہ معلوم ہوا کہ انسانوں اور جنوں کی پیدائش کی تو غرض و غایت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے خدا کی بندگی، اطاعت اور عبادت کریں اور دنیا کے باقی سارے کام اسی حقیقی غرض و غایت کو پورا کرنے کے لیے سرانجام دیں۔

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (الذاریات ۵۶) — ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ جس مقصد کے لیے کوئی چیز بنائی گئی ہو اگر اس کام کے لیے وہ استعمال نہ کی جائے تو اس کا مقصدِ تخلیق ہی فوت ہو جاتا ہے اور اس کی ہستی کا مصرف ہی رائیگاں ہو جاتا ہے۔ اگر گھڑی کو وقت دیکھنے کی بجائے پانی ڈالنے کے لیے استعمال کیا جانے لگے اور ٹوپی کو سر پر اوڑھنے کی بجائے اسے کاسۂ گدائی بنا لیا جائے تو ظاہر ہے کہ ان چیزوں کا مقصدِ وجود ہی فوت ہو جاتا ہے اس لیے کہ ان کاموں کے لیے دوسری چیزیں موجود ہیں اسی طرح انسان اگر اپنے مقصدِ زیست یعنی اپنے مالک کی عبادت کی بجائے صرف کھانے پینے رہنے سہنے اور نسل پروری کے کام کو ہی اپنا مقصدِ زیست قرار دے لے تو اس کے وجود کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے اور وہ اشرف المخلوقات کے مقام سے گر کر دیگر حیوانات کی سطح پر آ پڑتا ہے بلکہ ان سے بھی نیچے

کہ وہ اپنے وجود کے مقاصد کو پورا کرتے ہیں لیکن انسان کے وجود کا جو مقصد بتایا گیا ہے اس سے وہ گریز اور انحراف کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ ۵

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

خدا کیا ہے اور اس کی صفات کیا ہیں؟ ۔ انسان کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور اس کا مقصدِ وجود کیا ہے؟ ۔ یہ کائنات کیا ہے اس کائنات کا پیدا کرنے والا کون اور اس کائنات سے خدا اور انسان کا کیا تعلق ہے؟ ۔ انسان کو اس زمین پر کس طرح رہنا چاہیئے اور جو سامانِ زیست اس کے چاروں طرف بکھرا پڑا ہے اسے کن شرائط و حدود میں رہتے ہوئے اپنے دیگر بنی نوع کے ساتھ کس طرح استعمال کرنا چاہیئے ۔ یہ سروسامانِ زندگی جو قیامِ زندگی میں ممد و معاون ہے کیا اس کا حصول ہی مقصدِ زندگی ہے یا سروسامانِ زندگی صرف قیامِ زندگی کا ذریعہ ہے اور خود زندگی کا مقصود کچھ اور ہے ۔ ان ساری باتوں کا جواب رسول ہی دے سکتے ہیں جو خدا کے نمائندے، اس کے فرستادہ، اس کے دیئے ہوئے علم کے حامل اور اس کے بہت سے امورِ تکوینی کے عینی شاہد ہوتے ہیں اور اگر انہیں آگ میں جلا دیا جائے یا پہاڑوں سے گرا دیا جائے یا آروں سے چیر دیا جائے تو بھی وہ اپنے مشاہدہ اور علم تحقیقی کی بنا پر اپنے مشاہدے اور علم کو جھٹلا کر اپنے موقف سے نہیں ہٹ سکتے ۔ پوری انسانی تاریخ میں انبیاء میں سے کوئی نبی اپنے موقف سے کبھی پیچھے نہیں ہٹا ہے ۔ اس لیے کہ جو بات وہ کہتے ہیں اس کا علم انہیں عین الیقین اور حق الیقین کی حد تک حاصل ہوتا ہے اور کوئی شخص اپنے ذاتی مشاہدے اور اپنے تحقیقی علم کو کسی دباؤ کے تحت بھی جھٹلا نہیں سکتا ۔ کوئی شخص جانتے بوجھتے آگ کو برف اور پتھر کو روئی کیسے کہہ سکتا ہے ۔

دنیا کا کارخانہ وسیع و عریض ہے ۔ کروڑوں اشیاء کی موجودگی میں کروڑوں افراد کے درمیان رہتے ہوئے فرائض و حقوق اور تعلقات کا پیچ در پیچ سلسلہ وجود میں آتا ہے ۔ بے شمار

Marfat.com

افکار ہیں، متعدد راستے ہیں، بے نہایت نظریات، فلسفے اور دعوے ہیں۔ ان فرائض و حقوق و تعلقات اور ان افکار و نظریات و خیالات کے اُلجھے ہوئے راستوں کے گھنے جنگل میں انسان بالفعل گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ زندگی کی اس پیچ در پیچ گزرگاہ میں اسے صراطِ مستقیم کی طرف لانے والی ایک ہی ہستی ہے جو اس کے سارے مسائل اور دکھوں کو سمجھ کر ان کا مداوا کرتی ہے اور وہ ہستی رسول کی ہستی ہے جو اس کی ہمدرد، غمخوار، دکھ درد کی ساتھی اور دنیا و آخرت کی حقیقی خیر خواہ ہستی ہے یہ رسول پوری قوم کی آنکھ اور اس کا دھڑکتا ہوا دل ہوتا ہے۔ اس کے اشارے پر چل کر ہی کوئی قوم فلاح پا سکتی اور خسران سے بچ سکتی ہے۔

فرمایا گیا:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔	زمانے کی قسم انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

(العصر)

پوری بنی نوع انسان کی دنیوی تاریخ کا ریکارڈ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ بے خبر انسان درحقیقت خسارے ہی میں ہے اِلّا یہ کہ وہ خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ان کے احکام پر عمل پیرا ہو کر اعمالِ صالح کرے۔ احکامِ خداوندی کو دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ ادا کرے اور اس راستے میں جو مشکلات بھی پیش آئیں انہیں صبر سے انگیز کرے۔ خسران سے بچنے کی بس یہی واحد صورت ہے۔

اور یہ خسران کیا ہے؟

اللہ کی ہستی سے بے خبری اور بے پروائی کی حالت میں اپنی عمر کی ساری مدت گزار دینا،

Marfat.com

اس کے احکام پر چلنے سے گریز کرنا، رسولوں کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم سے انحراف کر کے زندگی کی گمراہ کن پگڈنڈیوں پر بھٹکتے پھرنا اور مرنے کے بعد جب اعمالِ صالح کمانے کی مہلتِ عمر پوری ہو چکے اور اچانک اس حقیقتِ عظمیٰ سے دوچار ہونا پڑے کہ اس کائنات کا تو ایک خدا بھی ہے اور اس کے احکام پر چلنا ہی اس کی زندگی کا محور و مقصود ہے اور اس نے دنیا میں اپنی ساری زندگی جو اپنے مقصودِ زیست سے ہٹ کر گزاری ہے وہ تمام تر ضائع ہو گئی ہے۔ اور اس ضائع شدہ عمر کو دوبارہ کارآمد بنانے کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔

اب اس ہولناک تباہی سے بچنے کی کوئی صورت اور اس دکھ کا اب کوئی مداوا نہیں ہے بس یہی خسرانِ مبین ہے۔

انسان کو اس خسران سے بچنے کا راستہ انبیاء کرام ہی بتاتے ہیں۔ رسالت کا وجود ہی انسان کو خسران سے بچانے کیلئے ہے اور یہ خدا کی نہیں بلکہ بندے کی اپنی ضرورت اور احتیاج ہے جس طرح جسم کی زندگی کے لیے غذا بندے کی اپنی مادی احتیاج ہے اسی طرح روح کی فلاح و نجات کے لیے انبیاء کے طریقے پر چل کر خدا کی بندگی کرنا بھی انسان کی اپنی روحانی احتیاج ہے رسالت انسان کی حقیقی دست گیری کا کام کرتی ہے۔ اسے شیطان کی جھوٹی تسلیوں اور غلط کاروائیوں سے بچا کر رحمان کی مرضیات سے آگاہ کرتی ہے۔

انسان کی زندگی میں ایک خلاء ہے۔ وہ اپنے آس پاس بہت کچھ دیکھتا ہے لیکن اسے خالق اور صانع کی ہستی کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ وہ بادلوں کو برستے دیکھتا ہے، سورج کو چڑھتے اور ڈھلتے دیکھتا ہے۔ چاند کی گردش کو دیکھتا ہے، دریاؤں کی روانی، سمندر کے طوفان اور سرسبز درختوں کی ثمردار شاخیں دیکھتا ہے۔ وہ زمین کے ایک ہی گوشے سے بیک وقت میٹھے، کھٹے، پھیکے اور رنگ برنگ پھل اور پھول کھلتے اور پھلتے پھولتے دیکھتا ہے وہ پرندوں کے جھنڈ دیکھتا ہے، وہ بچوں کو پیدا ہوتے پھر انہیں ماؤں کی گودوں میں بڑھتے پروان چڑھتے پرورش پاتے اور پھر ان کے انہیں چھوٹے چھوٹے جسموں کو پھیلتے اور طویل و عریض ہوتے

دیکھتا ہے۔ وہ مویشیوں کے اسی پیٹ سے جہاں سبز چارہ جاتا ہے، سفید سفید دودھ برآمد ہوتے دیکھتا ہے، وہ قدم قدم پر حیرت و استعجاب کا شکار ہوتا رہتا ہے اور ان چیزوں کا عادی ہونے کے باوجود ذرا سا غور کرنے سے ہی وہ متحیر ہو کر رہ جاتا ہے اور سوچ بچار کی انتہاہ گہرائی میں ڈوب جاتا ہے۔ ان سب باتوں کا جواب دینے کے لیے اس کے سامنے ایک ہستی نمودار ہوتی ہے جو اس کے ایک ایک سوال کا جواب دیتی ہے اور یہ ہستی اس رسول کی ہوتی ہے جس کی تعلیم کا وہ مخاطب ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی روحانی ہستی کے خلاء کو رسول ہی پُر کرتے ہیں۔ رسول دنیا میں بھی انسانوں کے سامنے خدا کا گواہ ہوتا ہے اور آخرت میں بھی خدا کے سامنے اپنے منصبِ رسالت کی ذمہ داریاں ادا کرنے کا ذمہ دار اور گواہ ہوتا ہے۔ اس دوہری گواہی کے سبب وہ بے حد فکر مند ہوتا ہے اور ہمیشہ دعوتِ دین کے اس کام کو اپنے جسم و جان کی پوری توانائی صرف کر کے اور اپنے سارے دوسرے کام چھوڑ چھاڑ کر بے غرض سرانجام دیتا ہے اور اس کے لیے اپنی توانائی، صلاحیت اور قوت اس انداز میں اور اس حد تک صرف کرتا ہے کہ حقیقتاً خدا کی حجت خدا کے بندوں پر اس کے ذریعے پوری ہو جاتی ہے رسول اپنے کام میں کبھی تساہل نہیں کرتا۔ وہ کبھی بے نیازی اور لاپرواہی کا رویہ اختیار نہیں کرتا۔ اللہ کے دین کی دعوت پیش کرنے کے بعد وہ کبھی مردم بیزاری اور گوشہ گیری کا طریقہ اختیار نہیں کرتا۔ وہ مسلسل اور متواتر ہر سمت اور ہر جہت سے قوم کے دل و دماغ میں اپنی بات اتارنے کی پیہم کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے ہر موزوں موقعہ، ہر بہتر انداز اور ہر اعلےٰ تدبیر اختیار کرتا ہے۔

قومیں خدا کے سامنے کبھی اس امر کا ثبوت فراہم نہ کر سکیں گی کہ رسولوں نے ان تک دعوت نہ پہنچائی بلکہ رسولوں کا کیا ہوا کام اپنی اپنی قوم کے سامنے اتمامِ حجت کیلئے بہت کافی ہوگا اور کسی رسول کی قوم کا کوئی فرد اس حجت کے سامنے سر نہ اٹھا سکے گا۔

Marfat.com

خدا جو ہرشے کا خالق و پروردگار ہے اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر جبر کا رویہ اختیار کرے لیکن جبر کی صورت میں کسی نوعِ مخلوق کو اشرف المخلوقات قرار دینا۔ پھر اس کے لیے زندگی کا ایک وقفہ بطور امتحان مقرر کرتا اور پھر اسے ایک دائرے میں آزاد مرضی کا موقعہ فراہم کرکے آزمانے کا پروگرام ہی بیکار ہو جاتا، اس لیے کہ خدا نے انسان کو رسولوں کی تعلیمات تسلیم کرنے کے معاملے میں رائے اور عمل کی آزادی عطا کی ہے اسی لیے رسولوں کی تعلیمات ہمیشہ انسانوں کے فہم و شعور کو اپیل کرتی ہیں اور ان کے آزادیٔ رائے کے راستے سے ہی انہیں خدا کی بندگی کی طرف دعوت دیتی ہیں تاکہ جب وہ اپنی آزاد مرضی سے خدا کی بندگی اختیار کریں تو آخرت میں اعلیٰ مدارج اور خدا کی رضا کے حقدار بن سکیں۔ اسی لیے رسولوں کو قوموں کے اندر اس انداز میں بھیجا گیا کہ وہ سب سے قوی اور مقتدر ہستی کے نمائندے ہونے کے باوجود انسانوں کی آزاد مرضی کا تختۂ مشق بنتے رہے، انہوں نے ماریں کھائیں، وہ ظلم و ستم کا نشانہ بنے اور لوگوں کی مزاحمت و مخالفت سے انہوں نے سخت تکالیف برداشت کیں۔ اس طرح ایک طرف انسانوں کو فہم و شعور اور رائے کی آزادی فراہم کی گئی تو دوسری طرف انہوں نے اپنے طرزِ عمل سے ہی اپنے سعید یا شقی ہونے کا ثبوت بھی فراہم کیا۔

رسالت انسانوں کے لیے رحمتِ ربانی ہوتی ہے جو بھٹکے ہوؤں کو راہِ راست دکھاتی ہے، گرتوں کی دست گیری کرتی ہے۔ تاریکی میں ٹھوکریں کھانے والوں کو خدائی تعلیمات کا سراجِ منیر دکھاتی ہے۔ رسالت کا وجود ہی خدا کے وجود کا اعلان ہوتا ہے۔ رسالت اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت کی اس شان کی مظہر ہے جو انسان کی روح کی نجات کا ذریعہ بنتی ہے۔ جو انسان کی روحانی غذا فراہم کرتی ہے۔ جو انسان کو حیوانی سطح سے اٹھا کر اشرف المخلوقات کے مقام پر متمکن کرتی ہے جو دلوں کا نور ہے، جو دماغوں کی قندیل ہے، جو روحوں کی رہنما ہے، جو آخرت کی چشم دید گواہ ہے جو مرتضیٰ مولا ہے اس کے غلاموں،

کو آگاہ کرتی، ان پر حجت قائم کرتی اور بندوں کی طرف سے اپنے مالک کے سامنے معذرت کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کی ہدایت کا سایہ ٹھنڈا، جس کی تعلیم کا پانی شیریں اور جس کی رہنمائی کا ثمر لذیذ روح پرور اور بابرکت ہے۔ جس کے بغیر انسان صرف حیوانِ ناطق ہے اور جس کی دست گیری سے محروم انسان کے لیے مہذب ہونا بھی ممکن نہیں ہے اس کی ہدایت کے بغیر انسان اگر ہتھیار بناتا ہے تو اپنے گلے کاٹنے کے لیے، اگر دوا بناتا ہے تو بنی نوع انسان کے جسموں میں زہر کے ٹیکے لگانے کے لیے اور اگر لباس پہنتا ہے تو پوششِ ستر کے لیے نہیں بلکہ نمائشِ ستر کے لیے۔ رسالت انسانیت کی بنیادی ضرورت ہے، اس کے بغیر انسانیت وہ حیوانیت ہے جو اپنی حیوانیت کی نمائش کا زیادہ سے زیادہ اعلان و اشتہار ہے اور جو اپنے ہی پاؤں کی ٹھوکر سے اپنی ہی پستی کے گڑھا ہے پر اپنے ہی بنی نوع کے سامنے ذلیل و رسوا اور خوار و زبوں ہو کر رہتی ہے۔

انسانوں میں آج نیکی و بدی کا جو شعور ہے وہ اس رسالت کا ہی عطا کردہ ہے ہر دور میں انسانوں کے پاس خدا کے نمائندے رسول آتے رہے ہیں۔ ان کی تعلیمات نے انسانوں کی ہمیشہ رہنمائی کی ہے۔ اس رہنمائی میں اغراض و مفادات اور تعصب و جہالت کی آمیزش سے جو ٹیڑھ اور کجی بعد کے لوگ پیدا کرتے رہے ہیں اس کے باوجود نیکی اس لیے اچھی ہے کہ وہ نیکی ہے اور اسے اس لیے کرنا چاہیئے کہ اس سے میثاقِ ازل کا گواہ انسانی ضمیر خوش اور مطمئن رہتا ہے۔

اور بدی اس لیے بدی ہے کہ اس کے کرنے سے میثاقِ ازل کا گواہ انسانی ضمیر ناخوش اور غیر مطمئن رہتا ہے یہ شعور رسولوں کی تعلیمات کا ہی نتیجہ ہے اور کوئی بڑے سے بڑا یا چھوٹے سے چھوٹا انسانی معاشرہ بھی اس شعورِ نیک و بد سے محروم و بے خبر نہیں ہے۔ جنگلوں کے وحشی قبائل اور متمدن شہروں کے مہذب شہری سب کے اندر یہ مشترکہ شعور پایا جاتا ہے اور یہ رسالت کے عطیات کا ہی نتیجہ ہے۔

Marfat.com

ہر دور میں رسول مختلف قوموں کی طرف آئے اور وہ اپنے ہمراہ کھلی کھلی واضح نشانیاں لائے وہ کتاب الٰہی کا علم لائے اور خود حق و ناحق کا معیار بن کر آئے ۔ انھوں نے افراد اور قوموں میں انصاف کی بنیادوں کو مستحکم کیا، انھوں نے اخلاق اور مساواتِ انسانی کا علم بلند کیا، انھوں نے انفرادی زندگی کے اصول اور اجتماعی زندگی کے قوانین بیان کیے، انھوں نے جس معاشرے میں بھی کام کیا وہاں توازن، مساوات، عدل، انصاف، اخوت، نیکی، ہمدردی اور بھلائی کی قدریں پھیل گئیں۔ وہ انسانی معاشروں میں خوشبو بن کر آئے اور نیکیوں کا باغ لگا کر تشریف لے گئے۔ بلاشبہ سارے ہی رسول انسانیت کے مہکتے ہوئے پھول تھے۔

رسولوں کے ذمّے ہمیشہ یہی فریضہ رہا کہ وہ اللہ رب العالمین کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچائیں ان کا پیغام ہمیشہ ایک ہی تھا۔ ان سب کا پیش کردہ دین بھی ایک تھا، وہ سب ایک ہی ہدایت کے پیرو تھے۔ وہ اصول جو روزِ اوّل سے بندگی، اطاعت اور تہذیب و شائستگی کے مقرر کر دیئے گئے تھے۔ وہ سب انہیں اصولوں کے مبلغ تھے۔ ان کے ذمّے یہی تھا کہ اپنی تبلیغ کے زور سے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کو علیحدہ علیحدہ ممتاز گروہ بنا دیں تاکہ بندگی اور بغاوت کی آمیزش نہ رہے۔ اور خدا کے دیئے ہوئے اصول و قوانین اطاعت گزار بندوں پر پورے نافذ ہوں۔

رسولوں کے ذریعے خدا کا ارسال کردہ دین اور نظامِ زندگی قوموں کے لیے محض اصلاحِ مذہب کی کسی تجویز پر مشتمل نہیں رہا ہے یہ پوری انسانی زندگی کو خدا کی بندگی میں لینے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس کے ذریعے انسان کی زندگی کے سارے ہی شعبوں میں اللہ تعالےٰ کی بندگی اور اطاعت جاری کرنے کا سلیقہ سکھایا گیا۔ اور جب کبھی زمین پر وہ اصول نافذ ہوئے، زمین باغِ جنت کا نمونہ بن گئی۔

رسولوں کا یہ سلسلہ ہر دور اور ہر قوم میں مسلسل جاری رہا اور اللہ کا دین انسانی شعور کی ترقی اور انسانی تہذیب و تمدن کی وسعت کے ساتھ انسانی زندگی کے زیادہ سے

Marfat.com

زیادہ دائرے پر بار بار جاری ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ رسولوں کا سنہری سلسلہ اپنے انجام کو پہنچا اس سلسلے کے آخری رسول تشریف لائے جو عمارتِ نبوت کی آخری اینٹ تھے جو باغِ رسالت کے مہکتے ہوئے آخری پھول تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے نام نامی سے ساری دنیا آگاہ ہے ان کا دور قدیم دنیا کے خاتمے کا اور جدید دنیا کے آغاز کا دور تھا۔ وہ دنیا کے وسط میں کھڑے ہوکر پیغامِ حق دے رہے تھے۔ ان کے پیچھے جو زمانہ گزر گیا تھا وہ انسانی شعور کے ادھورے ارتقاء کا دور تھا۔ اب انسانی شعور پوری طرح بالغ ہوکر سامنے آگیا تھا اور انسانی زندگی کی تمام وسعتیں اپنے حقیقت پہلوؤں کے ساتھ نمودار ہو رہی تھیں۔ انسانیت کو جن اصولوں کی ضرورت تھی اور اسے جس اندازِ فکر زندگیات مطلوب تھا اس کا نمونہ حضور اکرم کی تعلیمات میں پورے طور پر سامنے آگیا۔ اب وہی قدیم سادہ سی تبلیغِ کلماتِ ربانی کی دعوت ایک عظیم انقلابی تحریک بن کر اٹھی تھی جس کا کام دین کو غالب کرنا تھا۔ انسانیت کو اپنی زندگیاں خالص اللہ کی بندگی میں گزارنے کیلئے جس نوعیت کے احکام کی ضرورت تھی وہ سارے ہی احکام اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ اور وہ سارے ہی اصول یعنی تمام بنیادوں کے ساتھ سامنے آگئے پھر ان امور کے نفاذ کیلئے جدوجہد ہوئی اس تحریک کی زبردست مزاحمت ہوئی مزاحمتوں کو توڑ کر حق کی تعلیمات کو سربلند اور نافذ کرنے کا راستہ بنا دیا گیا۔ اور دنیا میں پہلی بار یہ وقوع ہوا کہ جو کچھ آسمان سے نازل ہوا وہ سب اپنے اصلی خدوخال کے ساتھ زمین پر نافذ ہوگیا تب وہ تاریخی ارشاد نازل ہوا جس پر یہود نے رشک سے کہا تھا کہ اگر ہمارے دین میں ایسی آیت اترتی تو اسی روز کو ہم روزِ عید قرار دیتے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ	آج کے دن ہم نے تمہارے لیے دین کو
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ	مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا	لیے دین اسلام پسند کرلیا۔

اس طرح شانِ ربوبیت نے انسانیت کی روحانی احتیاج قیامت تک کے لیے پوری کردی سلسلۂ نبوت ختم ہوا۔ اللہ کا دین کامل ہوا۔ محمد رسول اللہ قیامت تک کی انسانیت کے قائد اور ہادی برحق قرار دیئے گئے صلی اللہ علیہ وسلم۔

Marfat.com

منزلِ دوم:

رحمۃٌ للعٰلمین

Marfat.com

پہلا باب

سراپا کمالات

آدم کے زمین پر آنے سے ایک ایسی دنیا وجود میں آگئی جسے ہدایت الٰہی کی بار بار ضرورت تھی وہ دنیا براہِ راست مشاہدۂ حق سے محروم تھی اور اسے حق تک پہنچنے کے لیے مختلف مظاہر و دلائل درکار تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق زمین پر آباد انسانوں کو راہِ ہدایت دکھانے کے لیے مسلسل انتظام فرماتا رہا اور انبیاء کے ذریعے انسان تک پہنچانے کیلئے الٰہی تعلیمات کا سلسلہ پیہم جاری رہا۔

زمین پر انسانی آبادکاری کا آغاز ایک نبی کے ذریعے ہی کیا گیا اور ایک ایسے جوڑے کو زمین پر آباد کیا گیا جسے براہ راست مشاہدے کے ذریعے ان بیشتر باتوں کا علم تھا جن کی طرف انسان کو دعوت دینا مقصود تھا۔ غرض انسانی نسل کی زمین پر آبادکاری کے ساتھ ہی اسے حقیقتِ عظمیٰ سے آگاہ کرنے کا انتظام بھی کر دیا گیا اور آدم و حوا کے بچوں کو زمین پر انسانی آبادی کے اوّلین افراد کی حیثیت سے جو سب سے پہلی تعلیم ملی وہ معروف کی تعلیم تھی حقیقت کی طرف رہنمائی تھی اور الٰہی ہدایات سے آگاہی تھی۔

جوں جوں زمین کی آبادی بڑھتی چلی گئی انبیاء کی ترسیل اور ان کے ذریعے آگاہی و تنبیہ کا سلسلہ بھی پھیلتا چلا گیا۔ انسان کے ذہنی شعور کے آغاز کے ساتھ رسولوں کی تعلیم میں معجزات کا جزو بہت شامل رہا اس لیے کہ انسان کا شعور کسی عظیم ترین ہستی کو تسلیم کرنے کے لیے کسی عظیم

Marfat.com

مظاہرِ قوت اور کسی حیرت انگیز زور آور اور بالا تر قوت کی کار دائی کا مشاہدہ ضروری سمجھتا تھا اس کے خیال میں اللہ تعالےٰ ایسی عظیم ہستی کی نمائندگی کرنے والے دعویدار انسان سے ایسے حیرت انگیز امور سرزد ہونے ضروری تھے جن سے اس کے پیچھے کسی بڑی قوت کی موجودگی کا ثبوت فراہم ہو چنانچہ معجزات کا سلسلہ انسان کے اسی شعور کی تسکین کا سامان تھا۔

ابھی انسان مشاہدۂ فطرت سے آیاتِ الٰہی کا مطالعہ کر کے غور وفکر اور دلیل و برہان کی بنیاد پر حقیقت تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرنے پر آسانی سے تیار نہ ہوتا تھا۔ اس لیے بندوں کی طرف سے پیش کردہ قربانیوں کو اللہ تعالےٰ کی قبولیت و نامقبولیت کا نشان دینے کیلئے آسمان سے آگ آتی اور مطلوب و مقبول قربانی کو جلا دیتی تھی۔ اور جو قبول نہ ہوتا اسے آگ نہ چھوتی تھی گویا مشیتِ الٰہی اسے ہاتھ نہ لگاتی تھی۔

چنانچہ ایک طویل مدت تک تعلیماتِ الٰہی کی حقانیت کی پشت پر خود اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا ثبوت دینے کے لیے مظاہرۂ قوت و حیرت کی صورت میں معجزات کا سلسلہ جاری رہا آگ کا ٹھنڈا ہونا، لاٹھی کا سانپ بن جانا، دریاؤں کا شق ہونا، غیب سے اونٹنی کا ظاہر ہونا اور مُردوں کا جی اُٹھنا جیسے معجزات انسان کو دکھا کر انہیں اس بات کو تسلیم کرنے پر آمادہ کیا جاتا رہا کہ ان کے اندر سے جس انسان نے خدا کی بندگی کی دعوت شروع کر رکھی تھی اس کی پشت پر واقعی فاطر السموات والارض، موجود تھا اور اس کی اجازت اور اشارے سے ہی یہ حیرت انگیز معجزات رونما ہوتے تھے۔ یہی اس کی دعوت کے دعوت الٰہی ہونے کی سند تھی۔

لیکن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے پہنچتے انسان کا ذہنی شعور اور شعورِ ذات اتنا پختہ ہو گیا تھا کہ اسے صرف دلیل و برہان سے ہی حقیقت تک پہنچنے کا راستہ بتانے کی ضرورت تھی۔ اگرچہ خود حضورؐ سے بھی بے شمار معجزات صادر ہوئے لیکن ان کی حیثیت دلیلِ نبوت سے زیادہ امدادِ الٰہی اور اطمینانِ نبوت کی تھی۔

چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے قیامت تک انسان کی رہنمائی وہدایت

Marfat.com

کا فریضہ انجام دینا تھا اس لیے ان تعلیمات کی بنیاد دلیل، برہان، مشاہدۂ فطرت اور معجزۂ کردار پر رکھی گئی۔ اس طرح بڑے سے بڑے عقلیت پسند انسان کو بھی عقلی دلائل سے ربانی تعلیمات کا قائل کرنا ممکن بنا دیا گیا۔

اب اس امر کا اہتمام کیا گیا کہ انسان خوف زدہ ہو کر یا گھبرا کر یا حیران و ششدر و پریشان ہو کر کسی بات کو قبول نہ کرے بلکہ کسی اصولِ زندگی کو اس کی حقانیت کی دلیل اور خوبی کے سبب سے قبول کرے۔ دل و دماغ سے خود مطمئن ہو کر ہدایت ربانی کو اختیار کرے اور پھر یہ سمجھ کر اس کی پیروی کرے کہ اس میں اس کی فلاح مضمر ہے۔ دوسرا رویہ اختیار کرنے میں اس کے لیے خسارے کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور یہ کہ ہدایت ربانی کو قبول کر کے اس کی پیروی کرنا دنیا و آخرت میں انسان کے اپنے مفاد کی بات ہے۔ یوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزۂ کردار و تعلیم تا قیامت جاری و ساری ہے۔

پوری انسانیت کی طرف آخری نبی کی حیثیت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رسالت کے بے شمار پہلو ہیں ان میں سے ہر پہلو آپؐ کی نبوت اور رسالت پر ناطق گواہی دیتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا ایک پہلو یہ ہے کہ انہیں ایک جامع علم کی بنیاد پر رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ وہ جامع علم جو انسان کے تجسس اور اس کی تعلیم و تربیت کا جدید ترین تقاضوں کے مطابق شافی جواب مہیا کرتا ہے۔ انسان کی ذہنی الجھنیں، اس کے نفسیاتی تقاضے، آفاق و انفس میں اس کی تگ و دو کے لیے خطوط کا تعین اور اس کی قیامت تک ذہنی اور فکری تگ و تاز اور جولانیوں کا علمی اور فطری جواب فراہم کر دیا گیا ہے۔

اسلام چند غیر عقلی اور منجمد عقائد انسان کے سر نہیں منڈھتا بلکہ متحرک اور فعال اصولِ زندگی اس کے سامنے رکھتا ہے جو بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق اس کی جامع رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت جامع علم کی بنیاد پر رسول اور ہادی ہیں اور

Marfat.com

ان کا علم ہٹ دھرمی اور تعصب کو چھوڑ کر بے لاگ سوچ و بچار کے لیے واضح خطوط ہدایت مہیا کرتا ہے۔ وہ علم معقول اور ٹھوس استدلال کے ذریعے ان امور کی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے جن تک انسان کی رسائی اپنے دنیوی جامے میں رہتے ہوئے ممکن نہیں ہے۔ بس آنکھوں سے دکھا دینے کے سوا باقی ساری عقلی ضروریات اسلام نے فراہم کر دی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شان یہ بھی ہے کہ دعوتِ دین کے لیے ان کا سینہ اس طرح کھلا ہوا ہے کہ اس میں کوئی رکاوٹ اور تنگی موجود نہیں ہے۔ دعوت پیش کرنے میں وہ قادر الکلام خطیب ہیں اور ناخواندہ لوگوں تک دعوت پہنچانے میں بھی ان کا اندازِ تفہیم و تعلیم حیرت انگیز طور پر سریع الاثر ہے۔

کافروں کے سردار اور منکرینِ حق کے سرخیل بھی اگر بحث و مناظرے، تحریص و ترغیب یا افہام و تفہیم کے لیے آتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چند باتیں سننے کے بعد ہی اپنی ذہنی اور قلبی کیفیت میں حیرت انگیز تغیّر محسوس کرنے لگتے ہیں اور پھر اگر اعترافِ حق ان کے لیے ممکن اور مقدر نہیں ہوتا تو وہ اپنی خیریت راہِ فرار میں ہی دیکھتے ہیں۔ کبھی وہ آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں، کبھی بات ختم کرنے کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں اور کبھی خاموشی سے اٹھ کر رخصت ہو جاتے اور اپنے اندر قلبی اور روحانی خلا کا برملا اعتراف کر لیتے ہیں۔

ایک زبردست قوتِ تکلم و تخاطب و تفہیم ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی ہے اور جس کا سامنا کرنا بڑے بڑے زبان آور اور لسّان لوگوں کے لیے بھی ممکن نہیں ہوتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ کو اس بات کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ ان کی بات کوئی دوسرا سمجھائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت کے ایسے جامع اور خود کفیل مبلغ ہیں کہ جن سے بڑھ کر اس دعوت کو پیش کرنے کے کسی دوسرے سلیقے، اہتمام اور جامعیت کا

تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شان یہ بھی ہے کہ آپ کی دعوت نے معاشرے کے بوجھوں کو ہلکا کیا اور تمام دیرینہ رسوم و قیود کی جڑیں کاٹ کر انسانی معاشرے کو آسان سہل اور سادہ زندگی گزارنے کے قابل بنا دیا۔ آپ سے پہلے اپنے ہی بنائے ہوئے پھندوں میں انسان پھنسا اور جکڑا ہوا تھا اور صدیوں سے اپنے ہی لادے ہوئے بوجھوں تلے کراہ رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کے بوجھ ہلکے کیے اور اسے زندگی کی شاہراہ پر ہلکے پھلکے انداز میں چلنا سکھا دیا۔

آپؐ کی تعلیمات کی ایک شان یہ بھی ہے کہ انہیں جہاں مخالفت کرنے والوں سے واسطہ پڑا، وہاں دعوت قبول کرنے والوں، جان قربان کرنے والوں اور قربانیاں دے کر دینِ حق کو دنیا کے آخری کناروں تک پہنچانے کا داعیہ رکھنے والوں سے بھی سابقہ پیش آیا۔ گویا دعوت کا کام ایک فطری ترتیب سے سرانجام پایا۔

مخالفت کرنے والوں نے بلاشبہ سخت ترین مخالفت کی لیکن رفاقت کرنے والوں نے بھی قابلِ رشک اور مثالی رفاقت کر کے دکھائی اور ساتھ ہی رفاقت کرنے والوں کی تعداد دن بدن فطری طور پر بڑھتی اور پھیلتی چلی گئی۔ اس کے مقابلے میں مزاحمت کرنے والوں کا زور بتدریج ٹوٹتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بالکل فطری طریقے پر ہی ساری مزاحمت ٹوٹ گئی اور اسلامی تحریک پورے معاشرے میں اپنی تعلیم اور کردار کے زور سے غالب آ گئی یہ وہ فطری اور تدریجی کامیابی کی شان ہے جو خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ ایسی خصوصیت جو قیامت تک انسانی معاشرے میں کام کرتے ہوئے اسلامی جدوجہد کے راستے میں روشنی کا مینار بن کر سامنے آتی رہے گی اور قافلے اس کی مدد سے آگے بڑھتے رہیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شان یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعے انسانیت کو پرانے

مذاہب کی دیو مالا ان کی مذہبی اجارہ داری، استحصال کرنے والوں کے ایک بھاری سلسلے پیچ در پیچ افکار و نظریات کے شدید چکر اور غلط خیالیوں کے پُرفریب جنگل سے نجات ملی جبھاں باطل کے سلسلے ختم ہو گئے۔ پنڈتوں، پروہتوں، مذہبی اجارہ داروں، خصوصی مفادات کے حاملوں رسوم و رواج میں انسانیت کو جکڑ کر اسے اپنی قیادت کی زنجیر میں جکڑنے والوں اور انہیں خوف و دہشت میں مبتلا کر کے اپنے مفادات کی منتقلی کا اساس بنائے رکھنے والوں سے انسان کو چھٹکارا مل گیا۔

آپ کے ذریعے انسان ایک بار خدا کی زمین پر خدا کی بندگی کرنے کے لیے مکمل طور پر آزاد ہو گیا۔ اس کے لیے حریت فکر، آزادیِ عمل اور فکری تگ و دو میں عملی حصہ لینا ممکن ہو گیا۔ کسی چیز پر کسی شخص یا گروہ کی اجارہ داری نہ رہی۔ پورے کا پورا دین جو بے شمار چھوٹے بڑے خداؤں کی ملکیت میں بٹا ہوا تھا سمٹ کر تمام تر ایک خدا کے لیے وقف ہو گیا اور ہر انسان بندگی کے فطری مقام پر لا کر کھڑا کر دیا گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یہ بھی شان ہے کہ آپ کا ذکرِ جمیل پھیلتا ہی چلا گیا اور چار دانگ عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ انسانوں کے دلوں کے قریب کر دیا گیا۔ کوئی بستی کوئی گلی کوچہ کوئی انسانی آبادی اور کوئی انسانی گروہ آپؐ کی تعلیمات سے ناواقف اور ان کے ذکرِ خیر سے محروم نہ رہا پانچوں وقت کی اذانوں میں آپ کا نام بلند ہوا۔ ساری نمازوں میں آپ پر درود کا سلسلہ قیامت تک کے لیے جاری ہو گیا۔ انفس و آفاق میں خدا کے بعد جس ہستی کی سب سے زیادہ تعریف و توصیف ہوئی وہ آپ کی ہی ذات پاک ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کا نام آیا وہاں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محترم اور محبوب بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر آیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وجود منشاء خداوندی کا مظہر ٹھہرا۔ جب اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ہی یہ فرمایا کہ:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا۔

تو پھر واقعی آپؐ کا ذکر ایسا بلند ہوا کہ ہر بلندی اس کے سامنے پست ہو گئی۔ ہر محبوبیت آپ کی محبت کے سامنے دب گئی اور ہر شہرت آپ کے سامنے گردِ راہ بن گئی۔ دنیا کی بستیوں میں کوئی چاہے نہ چاہے آپ کا ذکر پانچ وقت ہوا کے دوش پر سوار گھر گھر کے صحن میں پہنچتا اور فرد فرد کو سنائی دیتا ہے۔

آپؐ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ آپ مالکِ کائنات کی نوازشات کا نشان بن کر آئے ایک طرف آپ کا پیغام مکمل ہوا تو دوسری طرف اس پیغام کی تمام برکات سے دنیا نے بھرپور استفادہ کیا۔ تیسری طرف آپ کو ہر قدم پر نصرتِ الٰہی سے سرفراز کیا گیا آپ کی اُٹھائی ہوئی دعوت کامیابی کے تمام مراحل سے بتدریج گزرتی ہوئی اپنے اس فطری مقام تک جا پہنچی جس مقام کو کامیابی کا بہترین اور بلند ترین مقام کہا جا سکتا ہے۔

آپ کو قدم قدم پر قوت و توانائی سے مدد پہنچائی گئی۔ معرکۂ بدر برپا ہوا تو کسے گمان تھا کہ مکہ کے مہاجر اور مدینہ کے پناہ گزیں لوگ جن کے کاروبار، ذریعۂ معاش اور بھٹکاتے بھی ابھی اچھی طرح جم نہ سکے تھے اور جن کو مدینہ کی آب و ہوا ابھی ابھی پورے طور پر راس نہ آئی تھی ان کی مٹھی بھر جمعیت گھروں سے نکلے گی اور قریش کے زرہ پوش مسلح فوجیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دے گی۔ حضورؐ نے دعا میں بہ اصرار فرمایا تھا:

"بار الٰہا اگر آج یہ تیرے مٹھی بھر نام لیوا مٹ گئے تو پھر کوئی تیرا نام لیوا نہ رہے گا"

اور جب فرطِ انہماک سے چادر مبارک آپ کے کندھوں سے گر پڑی تو آگے بڑھ کر صدیق اکبرؓ نے وہ چادر کندھوں پر ڈال دی اور عرض کیا:

"یارسول اللہ بس کیجئے آپ کا رب آپ کی دعا قبول فرمائے گا اور وہ کبھی آپ کو ضائع نہ کرے گا"

چنانچہ بدر کے معرکے نے یہ ثابت کر دیا کہ کس کے ساتھ حق کی قوت ہے اور اب اس کی زمین پر

Marfat.com

زندہ رہنے کا حق قدرت کی طرف سے کس کو عطا کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس تحریک، اس کے داعی، اس کے نیک نفس کارکنان اور ان کے مسائل کے ساتھ شروع سے آخر تک ایک گہرا اور مضبوط تعلق قائم رکھا، قدم قدم پر ان کی رہنمائی کی، وقفہ وقفہ سے ان لوگوں کو کامیابی کی خوشخبریاں سنائیں۔ جب ہجرت کرنے والوں کا تعاقب کیا جا رہا تھا تب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک سے یہی کہا تھا کہ تم ایک روز کسریٰ کے کنگن پہنو گے اور جب غزوہ الاحزاب میں خندق کھودی جا رہی تھی اور بھوک کے پیٹوں پر پتھر بندھے ہوئے تھے تب بھی کدالوں کی ضرب سے پتھر سے اڑنے والے شراروں کو دیکھ کر اللہ کے نبی یہی فرما رہے تھے کہ مجھے روم و ایران کے قصروں کے کنگرے گرتے اور ان کے محلات فتح ہوتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ کہیں حدیبیہ کے میدان میں بظاہر دب کر کیے گئے معاہدے کو فتح مبین قرار دیا جا رہا تھا۔ اور کہیں اس تحریک کو جنگی فتوحات کے ذریعے، کہیں معاہدات کے ذریعے اور کہیں الہامات و پیغامات کے ذریعے مسلسل یہ خبر دی جا رہی تھی کہ اس کا مالک اس دعوت کا نگران ہے اور اسے فطری انداز میں قدم بہ قدم اور درجہ بدرجہ لے کر چل رہا ہے اور ایک روز اس کا مقدر فتح مبین اور اس کی منزل کامیابی و کامرانی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یہ بھی شان ہے کہ آپ کو حروف کی دنیا اور قلمی علم کے راستے سے مکمل ناآشنائی رہی لیکن آپ کی تحریک ایک عظیم علمی اخلاقی اور تعلیمی تحریک بن کر اٹھی آپؐ قیامت تک کے لیے معلم انسانیت مقرر کیے گئے جب کہ آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے پہلے تعارف میں ہی بار بار فرما رہے تھے :

"میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔"

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عظیم ترین بندے کو علم کا سرچشمہ بنا کر کھڑا کر دیا علم آپ کی باتوں سے، آپ کے طرزِ عمل سے، آپ کی گفتگو سے اور آپ کی خاموشی سے، آپ کی حرکات سے، آپ کے سکوت سے نمودار ہوا۔ یونیورسٹیاں آپ کے علوم کا احاطہ کرنے سے قاصر رہ گئیں۔

Marfat.com

ہزاروں اور لاکھوں کتب پر مشتمل لائبریریاں آپ کے علوم کی وضاحت و تشریح کے لیے وجود میں آئیں لوگ آپؐ کی باتوں کو جمع کر کے اور ان کی تشریح کر کے علامۂ دہر بن گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے ایک مخصوص تمدّن وجود میں آیا، ایک جدید تہذیب نمودار ہوئی۔ ایک نئے کلچر نے فروغ پایا۔ ایک علیحدہ نظریاتی قومیت نمودار ہوئی۔ مدرسے، مکتب، مسجد، لباس، اندازِ بیان، معاملات، حرام و حلال کے پیمانے، دوستی اور دشمنی کے تعلقات، غرض انفرادی سطح سے لے کر ملی اور بین الاقوامی سطح تک ہر چیز کے تمام قواعد وجود میں آ گئے اور یہ سب کچھ ایک ایسے انسان کے ذریعے بنی نوع انسان کو ملا جو حرفوں کی دنیا سے مکمل ناآشنا تھا۔

آپؐ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ آپ ہجرت والے نبی کہلائے۔ ہجرت آپ کی جدّوجہد کے مراحل میں ایک عظیم مرحلہ قرار پائی۔ سارے کے سارے اہلِ ایمان گھروں سے بے گھر ہو گئے، غربت میں پریشانیوں کا شکار ہوئے، شدید محنت و مشقت سے دوچار ہوئے ان سہولتوں سے ناآشنا جو کسی شخص کو اپنے گھر، اپنے ماحول اور اپنی بستی میں ہمیشہ میسر ہوتی ہیں مکمل طور پر بے خانماں ہو کر ان کی تحریک نے ایک نئی کروٹ بدلی، بے سروسامانی کی شدت نے نئے نئے سروسامان پیدا کر دیئے۔ بے وطنی اور شہر بدری نے نئے اخوان، نئے دوست نئے ہمسائے، نئے تعلقات اور نئے دست و بازو فراہم کر دیے۔ نئی سرزمین نے دعوت کی قدرت و عظمت و تاثیر میں بے بہا وسعت پیدا کر دی۔ نئے کان سننے والے، نئے مخاطب جواب دینے والے اور نئے لوگ متاثر ہونے والے فراہم ہو گئے۔ اور ایک دعوت جو شہر بدر ہو کر بظاہر بے آسرگی اور بے چارگی کا شکار ہو جانے والی تھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ کردار اور تدبیرِ منزل سے روز افزوں ترقی کی طرف پیش قدمی کرنے لگی۔ شاید ہی کوئی دعوت ایسی ہو جسے اس کے فطری ماحول سے اکھاڑ پھینکا گیا ہو اور وہی بے وطنی اور بے چارگی اس کے لیے بارآور ہونے کا سبب بن گئی ہو۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ کردار کا وہ دخل ہے جس کی مثال پوری تاریخِ دعوت و عزیمت میں کہیں دکھائی

نہیں دیتی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصی شان یہ بھی ہے کہ آپؐ نے کتاب الٰہی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کردار سازی کا کام بھی کیا اور ساتھ ہی حکمت کی تعلیم بھی دی۔ حکمت کی تعلیم دین کا وہ بے پایاں فہم و شعور ہے جو حضورؐ نے قرآن کو خود اپنے وجود میں سمو کر اور اپنے اعضاء جوارح پر اپنا کر اپنی تعلیم، اپنے اعمال اور اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعے مجسّم اور متکلم قرآن لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔ لوگ قرآن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں دیکھ سکتے تھے۔ اسی لیے خدا نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل اور اسوہ مبارکہ کو پوری امت بلکہ پوری انسانیت کے لیے اعلیٰ ترین قابلِ اتباع نمونہ بنا کر پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات حکم بن گئی اور ایک ایک حرکت دلیلِ ہدایت قرار پائی۔

جس طرح بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ قرار پایا اور جو کنکریاں آپؐ نے پھینکیں تھیں خدا نے انہیں اپنی طرف سے پھینکی گئی قرار دیا۔ اسی طرح آپؐ کا ہر حکم، ہر عمل، ہر بات، ہر اشارہ خدا کا اشارہ قرار پایا اور اس کی پیروی کرنا ہدایت کے لیے لازمی ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذمہ داری کا حق اس طرح ادا کیا کہ زندگی کے ہر معاملے میں کھول کھول کر تعلیمِ ربانی لوگوں تک پہنچائی۔ جہاں کانٹے بچھائے گئے۔ جہاں پتھر مارے گئے۔ جہاں کوڑا پھینکا گیا، جہاں تمسخر اڑایا گیا، جہاں لوگ جمع ہوئے۔ جہاں انسانوں کا کوئی اجتماع ہوا۔ جہاں جہاں ممکن ہوا اللہ کی تعلیم اس کے بندوں تک پہنچانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اپنی محنت، قوت، مشقت، دوڑ دھوپ مسلسل کاوش اور پیہم سعی کے ذریعے آپ نے پوری انسانیت پر ثابت کر دیا کہ خدا کا پیغام پہنچانے کا حق کس طرح ادا کیا جاتا ہے اور اتمامِ حجت کس چیز کا نام ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پورے معاشرے میں کوئی ایک فرد بھی غیر جانبدارانہ چھوڑا۔ پورا معاشرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان توڑ تگ و دو

کے نتیجے میں موافق و مخالف دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان مساعی کے نتیجے میں ان دونوں حصّوں میں تصادم ہوا تو پھر اللہ تعالیٰ کا عظیم ہاتھ آگے بڑھا اور اس نے باطل کا کچومر نکال دیا اس طرح کفر کے حصّے میں شکست آئی جو ہمیشہ سے اس کا مقدر ہے۔ بشرطیکہ حق کے داعی فتح حاصل کرنے کے وہ سارے تقاضے پورے کریں، جن تقاضوں کو پورا کیے بغیر عالم اسباب میں جدوجہد اور سعی کا حق ادا نہیں ہو سکتا، اور نہ باطل کی شکست منصفانہ ہو سکتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی ایک شان ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں پر نہایت درجہ مہربان تھے اور آپ کی یہ مہربانی دوستوں سے گزر کر مخالفوں کی صف تک پھیلتی چلی گئی تھی۔ جنگ بدر میں قریش کے قیدی بندھے ہوئے پڑے تھے اور چونکہ مشکیں کسی ہوئی تھیں اس لیے کراہ رہے تھے اور درد و تکلیف سے سو نہ سکتے تھے۔ جنابِ عباس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا بھی یہی حال تھا جب کہ وہ دل سے مسلمانوں کے خیر خواہ اور اسلام کے ماننے والے تھے لیکن مصلحتاً کافروں کی طرف سے آئے تھے اور انہوں نے جنگ میں عملاً کوئی حصّہ نہیں لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی کراہیں سُن سُن کر رات نیند نہیں آرہی تھی۔ پہریدار نے یہ محسوس کر کے جنابِ عباس کے بند ڈھیلے کر دیے۔ اس پر مساواتِ انسانی کے عظیم ترین علمبردار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہریدار کو بلا کر فرمایا کہ سب قیدیوں کے بند ڈھیلے کر دیے جائیں۔ اس کے بعد جب سب قیدی اطمینان سے سو گئے تو پھر آپؐ کو نیند آسکی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کثرت سے پڑھنے کے عادی تھے اور رمضان المبارک میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بہت زیادہ وسیع ہو جاتا تھا، آپ نے عشاء کے بعد نوافل کا سلسلہ شروع کر دیا تو صحابہ بھی آپؐ کے پیچھے آکر کھڑے ہو گئے اور با جماعت نوافل پڑھنے لگے۔ جب آپؐ نے صحابہ کا یہ ذوق شوق دیکھا تو یہ سلسلہ منقطع کر دیا۔ صحابہ کرامؓ نے اصرار کیا تو آپؐ نے فرمایا:

"تمہارا ذوق و شوق دیکھ کر مجھے خطرہ ہوا کہ تم پر کہیں یہ تراویح فرض نہ ہو جائیں

Marfat.com

اور پھر تم اسے ادا نہ کرسکو اور اپنے نفسوں پر ظلم کرو اس لیے میں نے یہ سلسلہ ختم کر دیا۔"

آپؐ کی یہ بھی ایک شان تھی کہ آپ لوگوں کو جہنم کی آگ سے نجات دلانے اور ان کے ایمان لانے کے بے حد خواہشمند اور شائق تھے۔ آپ لوگوں کی نفع رسانی کے لیے بڑی سے بڑی مشقت گوارا کر لیتے تھے۔ آپؐ کے نزدیک کسی انسان کی سب سے بڑی نفع رسانی اس کا خدا اور رسولؐ پر ایمان لے آنا تھا جو درحقیقت جاودانی نفع ہے۔ اس لیے جب قریش کے سردار عتبہ نے آکر پیش کش کی کہ آپ مال و دولت چاہتے ہیں تو زر و جواہر حاضر ہیں، ریاست چاہتے ہیں تو ہم آپ کو رئیس بنا لیتے ہیں۔ تخت چاہتے ہیں تو بادشاہت حاضر ہے، بس آپ یہ دعوت کا کام چھوڑ دیں۔ جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر تم چاند اور سورج بھی میرے ہاتھوں پر لا کر رکھ دو تو میں یہ کام نہیں چھوڑ سکتا یا یہ کام تکمیل کو پہنچے گا یا میری جان اسی کام میں کھپ جائے گی۔"

اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں کی عام بہبود اور اخروی فلاح کے مقابلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی نفع کی بڑی سے بڑی مقدار کو بھی پرِ کاہ کے برابر نہ سمجھتے تھے۔ یہ طرزِ عمل آپ کی شانِ نبوت کے عین مطابق تھا۔

بدبخت ابوجہل نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی کی اور گردن میں چادر ڈال کر اس قدر بل دیے کہ آپؐ کی آنکھیں ابل پڑیں تو اس کی خبر حضرت حمزہؓ تک پہنچی۔ حضرت حمزہؓ اب تک ایمان نہ لائے تھے۔ وہ سیدھے ابوجہل کے پاس پہنچے اور اپنی کمان اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ زخمی ہو گیا۔ اس طرح حضور کا بدلہ لینے کے بعد انہوں نے واپس آکر آپؐ کو بتایا کہ انہوں نے حضورؐ کا انتقام ابوجہل سے لے لیا تھا۔

جواب میں آپؐ نے فرمایا:

مجھے انتقام وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بے حد

خوشی ہوگی“

آپؐ کی اس بات نے حضرت حمزہؓ کے دل کو جھنجھوڑ دیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔

غرض مسلمانوں کی نفع رسانی آپ کے دل و دماغ میں ایسی بسی ہوئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل جو خطبہ دیا اس میں فرمایا:

”مسلمانو! اللہ تم کو سلامتی سے رکھے، تمہاری حفاظت فرمائے، تمہیں شر سے محفوظ رکھے، تمہاری مدد کرے، تم کو سربلند کرے، تمہیں ہدایت اور توفیق دے۔ تمہیں اپنی پناہ میں رکھے، آفتوں سے بچائے اور تمہارے دین کو تمہارے لیے محفوظ فرمائے۔“

یہ الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کی ہمدردی، نفع رسانی اور دنیوی اور اخروی ترقیات و فوائد کی آپ کو کتنی فکر تھی۔ آپؐ کی یہ شان نرالی اور بڑی ہی دلآویز ہے۔ اس صفت میں اپنی اُمت کے لیے والد کی سی شفقت اور ماں کا سا پیار دونوں بھرپور جذبے پائے جاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی شان تھی کہ آپ مومنین سے نہایت درجہ پیار کرنے والے اور ان پر حد سے زیادہ مہربانی اور شفقت کرنے والے تھے۔ امت کے ساتھ آپ کی مہربانیوں اور عام انسانوں کے ساتھ آپ کے رحم و کرم کا کوئی حد و حساب نہیں ہے۔ آپؐ کی زندگی کا ہر سانس رحم و کرم سے بھرپور ہے۔ آپؐ نصیحت بھی کرتے تو اس پیرائے میں جو کسی کو ناگوار نہ ہو، وعظ بھی فرماتے تو اس قدر جو لوگوں کے لیے بوجھل اور بھاری نہ ہو۔ نماز میں اگر کسی بچے کے رونے کی آواز بھی آتی تو بچے کی ماں کے اضطراب اور بچے کی تکلیف کے خیال سے نماز کی قرأت مختصر کر دیتے تاکہ ماں بچے کو جلد سنبھال سکے۔ سواری پر کبھی اس حالت میں سوار ہونا پسند نہ کرتے کہ دوسرے ہمراہ پیدل چل رہے ہوں اگر کوئی مسلمان مقروض مر جاتا تو بیت المال سے اس کا قرضہ ادا کر دیا کرتے اور فرماتے:

”تم میں سے جب کوئی قرضہ چھوڑ کر مر جائے تو وہ ہمارے ذمے ہے اور اس

کی وراثت اس کے وارثوں کی ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل پسند نہ تھا کہ لوگوں کی غیبت آپ کے سامنے کی جائے۔ آپؐ فرمایا کرتے :

"میں اپنا سینہ ہر مسلمان کی طرف سے صاف رکھنا چاہتا ہوں۔"

امت کی فلاح و بہبود کے لیے رات رات بھر دعائیں کیا کرتے۔ چھوٹے بچوں سے بہت پیار کرتے، غلاموں کے ساتھ زمین پر اکڑوں بیٹھ کر کھایا کرتے اور مسکینوں میں شامل ہو کر رہنے کو بہت پسند فرماتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی ایک خصوصی شان ہے کہ تمام انبیاء میں آپ پہلے اور تنہا رسول ہیں جو صرف اپنی قوم کی طرف ہی نہیں بلکہ سارے عالم انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ۔ "ہم نے آپ کو پوری نوع انسانی کی طرف بھیجا ہے۔"

اس سے پہلے تمام انبیاء اپنی اپنی قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے اور انہوں نے اپنی تمام تبلیغی مساعی کا محور اپنی قوموں کو ہی بنایا اور انہیں کے محدود مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی قوم کی نجات کا مطالبہ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو تلاش کرنے آئے لیکن آپؐ کی دعوت کا رخ پوری انسانیت کی طرف ہے۔ پوری انسانی آبادی آپؐ کے سامنے ہے۔ ہر قوم، ہر نسل، ہر علاقہ کے لوگ آپؐ کی دعوت کے مخاطب ہیں۔ اسی لیے آپؐ کی دعوت میں علاقائیت، یا نسلیت نہیں بلکہ بین الاقوامیت اور بین الانسانیت ہے اور پوری دعوت رنگ، نسل، علاقہ اور زبان کی حدود سے بالاتر ہے آپؐ کی دعوت انسانی برادری کو مساوات، اخوت اور نظریاتی برابری کے اصولوں پر قائم کرتی ہے۔ آپؐ کی دعوت کا یہ رُخ ایک طرف مکمل طور پر منفرد ہے

Marfat.com

تو دوسری طرف قیامت تک کے لیے کفایت کرتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر گواہی دیتا ہے۔

حضورؐ کی یہ بھی ایک شان ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں یعنی آپ کے بعد اور کوئی دوسرا رسول انسانوں کی ہدایت کے لیے آنے والا نہیں ہے گویا آپؐ کی تعلیمات قیامت تک کے انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے پوری طرح کفایت کرتی ہیں۔ آپؐ کا لایا ہوا دین وہ آخری صراطِ مستقیم ہے جو انسانوں کو ان کے خالق تک پہنچاتا ہے اور اس کے سوا باقی سارے اونچ نیچ راستے اینچ پینچ کی پگڈنڈیاں ہیں جن کے سامنے بھٹکنے اور تباہی کے سوا دوسری کوئی منزل نہیں ہے۔ صراطِ مستقیم صرف ایک ہی ہے اور وہ آپؐ کی لائی ہوئی تعلیمات کی صورت میں بنی نوعِ انسان کے حوالے کر دیا گیا ہے۔

اب جبکہ پوری دنیا سمٹ کر ایک کنبہ بن چکی ہے اس میں زبان اور دُوری کے مسائل ختم ہو گئے ہیں پیغام پہنچنے کے بے شمار سریع الاثر ذرائع موجود ہیں اور تبلیغِ دین کے لیے مسافتیں مختصر ہو گئی ہیں ایسی صورت میں ہر روز جو طلوع ہوتا ہے وہ آپؐ کی ختمِ نبوت پر مہر لگاتا ہے اور جوں جوں انسانیت رنگ و نسل اور علاقہ و قبیلہ کی عصبیتوں سے نجات پا رہی ہے ویسے ویسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین بالکل ایک فطری ضرورت کے طور پر انسانوں میں متفق علیہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

حضورؐ کی ایک شان رحمت للعالمین بھی ہے۔ ہر کسی کے لیے ہر حالت میں ہر وقت آپؐ رحمت کا سایہ ہیں، بلبلاتے ہوئے اونٹ بھی آپؐ کے پاس فریاد لے کر آتے ہیں کہ انہیں ان کے مالک نے بھوکا رکھا اور زیادہ بوجھ لادا ہے۔ غلاموں کے لیے آپؐ کی ہستی ایک ڈھال کی مانند ہے اگر عبداللہؓ بن مسعود جیسے بزرگ صحابی اپنے غلام پر کچھ سختی کرتے پائے جاتے ہیں تو یکایک عقب سے آواز سنتے ہیں کہ عبداللہ تمہیں اس غلام پر اتنا تصرف اور قدرت حاصل نہیں ہے جس قدر اللہ تعالیٰ کو تم پر حاصل ہے اور وہ اللہ کے خوف کے مارے اسے فی الفور آزاد کر

Marfat.com

دیتے ہیں۔

بوڑھی عورتیں، یتیم بچے، بیوگان اور محتاج و مسکین اور بے سہارا لوگ سب آپ کو اپنا خاص النخاص سرپرست سمجھتے ہیں اور ان کا حصہ باقاعدہ نظام دین کے اندر مقرر کیا جاتا ہے۔ حد یہ ہے کہ مسجد نبوی میں کھجور کے تنے کا ستون بھی اگر آپ کے فراق میں فریاد کرتا ہے تو آپ اس کے پاس جا کر بھی اسے تسلی و تشفی دیتے ہیں۔

رحمت و کرامت میں آپ کی شان نرالی ہے ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے سے بھی جنت کی بشارت مل جاتی ہے اور ایک بلی کو باندھ کر بھوکا مار دینے سے بھی جہنم کی وعید سنائی جاتی ہے غرض رحمت و شفقت کے اس وسیع سمندر کا احاطہ کون کر سکتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور سیرت کی صورت میں پوری انسانیت کے درمیان ٹھاٹھیں مار رہا ہے، جو بے پایاں اور بیکراں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شان یہ ہے کہ آپ جامع کلام والے ہیں اور آپ کی وضاحت کے آگے ہر دوسرے کی وضاحت گرد ہے۔ آپ کی باتیں حکمت کی باتیں ہیں! ایک ایک جملے میں معانی کا دریا موجیں مارتا دکھائی دیتا ہے۔ آپ چند جملوں میں پورا دین اور اس کا مغز بیان فرما دیتے ہیں۔ آپ ایک جملے میں انسانی زندگی کی فلاح کے لیے ایک کامل منصوبہ دے دیتے ہیں آپ ایک شخص کو مختصر ترین الفاظ میں ایسی نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اس پر آسانی سے عمل بھی کر سکتا ہے اور فلاح بھی پا سکتا ہے۔

آپ کی شان یہ بھی ہے کہ آپ صاحبِ معراج ہیں۔ آپ کو راتوں رات مکہ سے بیت المقدس لے جایا گیا اور آپ نے بیت المقدس میں امامتِ انبیاء کی اس کے بعد آپ کو آسمانوں تک اٹھایا گیا اور یکے بعد دیگرے مختلف آسمانوں پر آپ کا استقبال انبیاء نے کیا۔ آپ کو اللہ کی طرف سے پچاس نمازوں کا حکم ہوا جسے رعایت کی درخواست کے ساتھ پانچ کر دیا گیا لیکن ان کا ثواب پچاس نمازوں کے برابر ہی رکھا گیا آپ نے اسرارِ کائنات سے آگاہی حاصل کی اور آپ نے

جنت اور دوزخ کا بچشمِ خود مشاہدہ کیا تاکہ عین الیقین کے ذریعے حق الیقین بھی حاصل ہو جائے آپؐ نے مختلف لوگوں کو مختلف گناہوں کی پاداش میں مختلف عذابوں میں مبتلا پایا اور آپؐ نے انسانیت کے لیے رہنمائی کا چودہ نکاتی ہدایت نامہ حاصل کیا جو قرآن میں درج ہے۔

معراج کی یہ شان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی خصوصیت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی شان ہے کہ آپؐ نے اپنے سے پہلے سب انبیاء کی تصدیق کی اور انہیں اپنے بھائی کہا ان کے دین کو دینِ اسلام ہی قرار دیا۔ آپؐ کو ایک ماہ کی مسافت سے زیادہ دوری تک رُعب کے ذریعے مدد دی گئی اور آپؐ کے سروسامان کے مقابلے میں آپؐ کا دبدبہ اور رُعب دشمنوں پر ہیبت بن کر چھایا رہا۔ آپؐ کے لیے ساری زمین کو مسجد قرار دیا گیا چونکہ آپؐ ساری زمین اور اس کی آبادی کی طرف رسول بن کر آئے تھے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی اُمتوں میں خاص عبادت گاہوں کے سوا باہر کہیں عبادت کرنے کی اجازت نہ تھی۔

روئے زمین کو مسجد قرار دینے میں یہ نکتہ بھی مضمر ہے کہ یہ دین پوری انسانیت کا دین ہے اور یہ دینِ فطرت ہے۔ سابقہ دینوں کی عائد کردہ بہت سی پابندیوں کو اٹھا کر انسانوں کے لیے دین کو سہل اور عام کر دیا گیا۔ آپؐ کا لایا ہوا دین انسان کو وہ سب سہولتیں فراہم کرتا ہے جو اس کی عقل اور فطرت بجا طور پر طلب کرتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان بھی نرالی ہے کہ آپؐ کو روزِ محشر اذنِ الٰہی سے شفاعت کا مقام دیا گیا ہے۔ جب تمام مخلوق نفسی نفسی پکار رہے گی تو آپؐ اپنی اُمت کی شفاعت کے لیے تشریف لائیں گے اور آپؐ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔ آپؐ کی یہ شان بھی ہے کہ آپؐ صبر و شکر کرنے والے ہیں اور صبر و شکر میں آپؐ کا مقام نہایت درجہ بلند ہے۔ آپؐ نے زندگی کے مشکل ترین مراحل گزارے، بے حد سختیاں برداشت کیں ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، گھر سے بے گھر کیے گئے لیکن آپؐ کا دل صبر سے معمور رہا اور آپؐ کی زبان

Marfat.com

اپنے مالک کے شکر سے تر رہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بہت بڑی شان یہ بھی ہے کہ آپؐ صاحبِ فقر ہیں۔ دولت کے دریا آپ کے پاؤں میں بہتے ہیں لیکن آپؐ کے پاؤں کا تلوا بھی اس سے آلودہ نہیں ہوتا۔ مال و دولت اور مالِ غنیمت ہر چہار طرف سے مدینہ کی گلیوں میں اُمڈے چلے آتے ہیں، لوگوں کو مدینہ کی وادی کے برابر بکریوں اور بھیڑوں کے ریوڑ دیے جا رہے ہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں وہی جَو کی روٹی میسر ہے۔ کھجور کی غذا ہے اور مرمت کیے ہوئے کپڑوں اور دھلے ہوئے لباس کا استعمال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پہ کھجور کی چٹائی سے نشان پڑ جاتے ہیں جنہیں دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنکھوں میں آنسو بھر لاتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پرسکون ہیں اور فرماتے ہیں :

"یہ سب میرے لیے نہیں ہے۔ میری حالت تو دنیا میں اس مسافر جیسی ہے جو ذرا سی دیر کے لیے ایک سایہ دار درخت کے نیچے دم لیتا ہے اور پھر اٹھ کر منزل کی طرف آگے بڑھ جاتا ہے۔"

ایک صحابی کہتے ہیں :

"یا رسول اللہ مجھے آپ سے محبت ہے۔"

اور آپ فرماتے ہیں :

"دیکھ کیا کہتا ہے۔ جو مجھ سے محبت کا دعویٰ کرے فقر اس کی طرف یوں آتا ہے جیسے پانی ڈھلوان کی طرف آتا ہے۔"

لوگ عیش و آرام سے سوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مملکت کے سربراہ ہوتے کے باوجود فقر و فاقہ سے گزارتے ہیں۔ آپؐ کو فقر پر فخر ہے آپ اپنے آپ کو مساکین میں شمار کرتے اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ آپؐ کا حشر بھی مساکین کے ساتھ ہو۔ فقر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کا تاج ہے اور یہی تاج فخرِ انسانیت ہے۔

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شان یہ بھی ہے کہ آپؐ جہاد فی سبیل اللہ کا علم بلند کرنے والے ہیں اس سے پہلے دعوتِ دین مسکینی اور کمزوری کی حالت میں دی جاتی رہی اور انبیاء کو قوموں نے اپنے اندر ہمیشہ ضعیف ہی شمار کیا لیکن آپؐ ایک ایسی شریعت لے کر آئے جو غالب ہونے والی تھی اور جسے تمام ادیان باطل پر غالب کرنا آپؐ کا مشن تھا اس لیے آپؐ دین کو قوتِ بازو کے ذریعے غالب کرنے پر مامور تھے۔ آپؐ نے غلبۂ دین کے لیے خدا کے سوا کسی سے کوئی رعایت طلب نہیں کی۔ خدا کے سوا کسی سے کوئی سہولت نہیں مانگی، خدا کے سوا کسی سے کوئی پناہ نہیں لی۔ آپؐ نے باطل کے لوہے سے حق کا لوہا منوایا اور باطل کو قوت سے زیر کیا اور یہ کہہ کر زیر کیا کہ باطل تو زیر ہی ہونے کے لیے ہے۔ غلبہ اور تفوق باطل کا حق اور حصہ نہیں ہے اور جب حق میدان میں ہو تو حق یہی ہے کہ وہ غالب ہو اور باطل پست ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رسالت یہی تھی کہ آپ کے سامنے باطل پست ہو کر رہے چنانچہ باطل کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنا، اسے سرنگوں کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانا، اسے بے دخل کرنے کے لیے اپنے سارے ذرائع وسائل جھونک دینا اسے قوت و تدبیر کے ساتھ زیر کرنا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا طرۂ امتیاز ٹھہرا۔ مسلمان کو مجاہد بنا کر کھڑا کیا گیا اور اس کی ان تمام مساعی کو جہاد قرار دیا گیا جو باطل کو زیر کرنے کے لیے عمل میں لائی جائیں جب جہاد کی نفیر بج جائے تو پھر تمام دیگر حقوق اور پابندیاں ساقط ہو کر صرف فریضۂ جہاد ہی قائم رہ جاتا ہے۔ پھر غلام کو آقا سے اور بیٹے کو باپ سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اس لیے کہ سب سے بڑی عظیم ہستی کے حق کے قیام کا مسئلہ جب سامنے آجائے تو پھر دوسرے سارے حقوق پست اور ساقط ہو جاتے ہیں یہی کامیابی کا راستہ ہے اور اسی قوت و شجاعت کے مظاہرے نے دین اسلام کو وہ غلبہ دیا جو اس سے پہلے کے انبیاء کی دعوتوں کو حاصل نہ ہو سکا اس لیے کہ غلبہ کا راستہ قوت کے استعمال کا راستہ ہے اور حق کے لیے قوت کا استعمال ہی جہاد فی سبیل اللہ ہے یہی وہ جہاد ہے جس کیلئے آپؐ نے خود فرمایا:

"میرا جی چاہتا ہے کہ میں خدا کی راہ میں جہاد کروں۔ پھر شہادت پاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر جہاد کروں، پھر شہادت پاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر جہاد کروں اور شہادت پاؤں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بار بار دہرائی اس لیے کہ دین کی حقیقی زندگی اور اس کے غلبہ کا راز جہاد فی سبیل اللہ میں ہی پوشیدہ ہے اور یہ شان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے کہ آپؐ جہاد فی سبیل اللہ کو لے کر تشریف لائے اور اس کے زور سے حق کو باطل پر غالب کر دیا۔

غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانیں بے پایاں، انتہا اور بیکراں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی دوسری کوئی مثال نہیں ہے نسلِ انسانی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم منفرد بے مثل اور لاجواب ہیں اور آپؐ کا یہ مقام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

Marfat.com

دُوسرا بابؐ

سراپا رحمت

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

حضُور اکرم رحمۃ للعالمین ہیں اور یہ صفت صرف آپ ہی کے لیے مخصوص ہے جس طرح سارے جہانوں کا پالنے والا رب العالمین ہے۔ اور اس کے سوا یہ صفت کسی میں بھی نہیں ہے۔ اسی لیے رب العالمین نے رحمۃ للعالمین کی صفت کہ وہ سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں، صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہی مخصوص رکھی ہے۔ یہ مالک کی دین ہے اور وہ اپنی ربوبیت اور فیاضی میں بے نہایت و بیکراں ہے۔

حضور اکرم خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد دوسرا کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اور جب آپؐ کے بعد دوسرے کسی نبی نے بھی نہیں آنا ہے تو قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان کیلئے اس کے مالک کی طرف سے کامل ترین اور موزوں ترین جو ہدایت نامۂ زندگی دیا گیا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہو چکا ہے۔ اب اس میں کسی اضافے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات میں کامل اور اکمل ہے اور اس میں کسی ترمیم و اضافے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ انسانی فطرت کے عین مطابق اور اس کی دینی اور دنیوی تمام ضروریات میں رہنمائی دینے میں منفرد ہے آپؐ کے خاتم النبیین ہونے سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان اس دنیا کی آخری اُمت ہیں اور ان کے پاس خدا کا آخری پیغام قرآن ہے جو ایک زندہ جاوید کلام الٰہی ہے اب دنیا کی رہنمائی اور ہدایت مسلمانوں کے ہی ذمے ہے۔ اب مسلمان دنیا کی گمراہی میں غیر جانبدار شمار نہیں ہو سکتے جس طرح نبیوں میں آخری نبی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کے ذمے خدا کا کلام پہنچانا اور اس پر عمل کر کے دکھانا تھا جو آپ نے بہترین طریقے پر سرانجام دے کر دکھا دیا

Marfat.com

اسی طرح اب دنیا کی تمام قوموں کے مقابلے میں یہ کام مسلمانوں کا ہے کہ وہ دنیا کی تمام قوموں تک دینِ اسلام کو پہنچائیں اور اسلام کی حقانیت کا عملی مظاہرہ کر کے ساری دنیا کو دکھائیں تاکہ دنیا کے تمام انسانوں پر اتمام حجت ہو جائے۔ ایسی صورت میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا اور مسلمانوں کا خاتم الامم ہونا بہت بڑا مقام شکر ہے وہاں یہ منصب بڑی آزمائش کا مقام بھی ہے۔ اگر یہ کام مسلمان سرانجام دیں تو وہ خدا کے ہاں بری الذمہ ہو جاتے ہیں اور دنیا کے لوگ اپنے کیے کی خود جوابدہی کرتے اور اسے بھگتتے ہیں اور اگر وہ تبلیغ اسلام کا کام سرانجام نہ دیں اور نہ اسلام کا عملی نمونہ دنیا والوں کے سامنے رکھیں تو کافروں سے پہلے مسلمان پکڑے جاتے ہیں کہ ہدایتِ انسانیت کا کامل اور آخری نسخہ تو ان کے پاس موجود ہے اور دنیا والوں کی گمراہی خود ان کے ذمے لگانے کے لیے ان کی تبلیغی مساعی کی مقدار کا اتمام حجت کی حد تک ہونا ضروری ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین بھی ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا نظامِ زندگی جو آخری ہے یہ صرف آخری ہی نہیں ہے بلکہ یہ ساری دنیا کے لیے رحمت و برکت کا ذریعہ بھی ہے۔ گویا اسی نظام میں اب دنیا کی فلاح و بہبود پوشیدہ ہے اسی پر چل کر دنیا تباہی سے بچ سکتی ہے۔ اسی کی ہدایت کے ذریعے وہ گمراہ لوگوں کے ایجاد کردہ ہتھیاروں کی تباہی سے نجات پا سکتی ہے۔ اسی کی مدد سے وہ اپنے طبقاتی، لسانی، علاقائی، قومی، معاشی، سیاسی، معاشرتی، اخلاقی اور روحانی مسائل حل کر سکتی ہے۔ اسی نظامِ رحمت میں اس کی فلاح، اس کی سلامتی اور اس کی ترقی کی ضمانت پوشیدہ ہے۔ اسی نظامِ رحمت کی دستگیری سے انسان تباہی کے گہرے کھڈ میں گرنے سے بچ سکتا ہے۔ غرض بنی نوع انسان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا نظام ہی آخری بھی ہے اور رحمتِ کامل بھی۔ اس دین کا آخری ہونا اس کے کامل ہونے کی اور اس کا رحمت ہونا اس کے دنیا بھر کے انسانوں کے لیے فلاحِ عامہ کا ضامن ہونے کی دلیل ہے جب آپؐ ہی اس نظام کے لانے والے اور غالب کرنے والے

Marfat.com

ہیں تو پھر آپؐ ہی تنہا رحمت للعالمین ہیں چونکہ دنیا اس نظام رحمت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہی آشنا ہوئی ہے۔ پھر چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرف دین اسلام کو اپنے آخری پیغام کے طور پر اتارا ہے اس لیے اب سارے زمانوں اور سارے جہانوں کے لیے، سارے گروہوں، طبقوں، قوموں نسلوں اور علاقوں کے لیے بس آپ ہی رحمت کامل ہیں، اب آپ کے بعد دنیا کو کسی نئے انسان، نئے نبی، نئے نظام کی ضرورت نہیں ہے۔ آپؐ کا تربیت دیا ہوا انسان جس کا مثالی نمونہ صحابہ کرامؓ ہیں اور آپؐ کا پیش کیا ہوا نظام جو دینِ اسلام ہے اس کے بعد کسی دوسرے نمونے کے انسان اور کسی دوسرے طرز کے نظام کی انسانیت کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نظامِ انسانیت نظامِ رحمت ہے، جو انسانیت کے لیے کامل اور کافی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ پہلو اور ہمہ جہت رحمت ہیں۔ آپ نے بندوں اور خدا کے درمیان شعوری رشتہ قائم کیا اور انہیں ان کے مالک سے ملایا۔ آپؐ نے انسانوں کو ان کی بصیرت کی آنکھوں سے ان کے خدا کا جلوہ دکھایا۔ آپؐ نے دلوں کو پاک، روحوں کو روشن، دماغوں کو درست طبیعتوں کو معاملہ فہم و مطمئن اور جسموں کو پاک و صاف کیا۔ آپؐ نے اپنی تعلیم سے امنِ عامہ کو مستحکم کیا اور اپنی تربیت سے انسانوں کو عام انسانی مرتبے سے اونچا کر کے مسلمان بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی ضروریات کے مطابق انہیں سہل ترین دین عطا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غربت امارت، جوانی، بڑھاپا، صلح و جنگ، فقر و پادشاہی، رنج و راحت اور الم و مسرت کے ہر پیمانے میں انسان کی رہبری اور رہنمائی کی اور اسے زمین پر جابروں اور قہاروں کی ماری ہوئی مخلوق اور فطرت کی طاقتوں سے سہمی ہوئی انسانی آبادی نہیں بلکہ اسے اپنی تعلیم و تربیت سے اشرف المخلوقات کے حقیقی مقام تک پہنچایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذراتِ خاک میں اور قطراتِ آب میں امڈتے بادلوں میں اور چڑھتی گھٹاؤں اور کوندتی بجلیوں میں زمین کی پستیوں اور بلندیوں میں، خاک کی خشکیوں اور تریوں میں ذاتِ خداوندی کے جلوے انسان کو دکھائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کو خلاف کے اسلحہ سے فتح کیا۔ دشمنوں کو اپنی دلفریب تعلیم و تربیت سے اپنا جاں نثار بنایا۔ آپؐ نے انسانوں

Marfat.com

مال، نسل اور رنگ کے تمام امتیازات کو یکسر مٹا کر انہیں آدم کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے بھائی بھائی بنا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام و نسب کے بت اس طرح پاش پاش کر دیے کہ بلالؓ و خبابؓ کو حضرت عمرؓ ہمارے مولا۔ ہمارے آقا" کہنے لگے۔ اور سلمان فارسیؓ کے لیے سب سے بڑا بلند نسب اور اعزاز یہی ٹھہرا کہ سلمان اسلام ابنِ اسلام ابنِ اسلام ابنِ اسلام ہیں۔

رحمۃ للعالمین انصاف کا سرچشمہ ہیں، عدل کا مرکز ہیں، مساوات کا پیکر ہیں، حریت کا فرمان ہیں۔ آپ جنگ کو کلمۂ حق بلند کرنے اور کمزوروں کی مدد کرنے کے سوا باقی ہر مقصد کے لیے حرام قرار دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم دے کر انہیں بہتر انسان اور خدا کے نیک بندے بنایا اور اخلاقِ رذیلہ کی مذمت کر کے انہیں مزید بہتر انسان بننے کی طرف رہنمائی کی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے لیے سراپا رحمت ہیں، اور ہر وہ شخص جس کا واسطہ ان سے پڑا اس نے انہیں اپنے لیے شفقت و رحمت کے سوا کچھ نہ پایا۔ اس لیے ہر شخص آپ سے بے پناہ محبت کرتا تھا اور جو شخص بھی ایمان لاتا وہ صرف چند اصولوں پر ایمان نہ لاتا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاں نثار فدائی بن جاتا تھا چنانچہ آپ کی تعلیمات میں مسلمانوں کے محرمات کی تعظیم ان کے حقوق کا احترام اور ان پر شفقت و رحمت کے سلسلے میں بے شمار ارشادات ہمارے سامنے موجود ہیں۔

فرمایا:

"اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں پر شفقت رکھیئے"۔ (سورہ حجر)

فرمایا: "جس شخص نے کسی کو بچایا گویا اس نے تمام انسانوں کو بچا لیا"۔ (مائدہ)

فرمایا: "مسلمان، مسلمان کے لیے مکان کی مانند ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے سے انگلیوں کی طرح پیوست ہے اور حضورؐ نے یہ کہہ کر ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈال کر دکھائیں"۔ (حدیث)

فرمایا: "کوئی مسلمان بازار میں سے نیزہ لے کر گزرے تو اس کے ایک حصے کو ہاتھ سے تھام

سے تاکہ کسی مسلمان کو اذیت نہ پہنچے"۔ (بخاری)

فرمایا: "مسلمان کی مثال باہمی محبت کرنے میں جسم کی مانند ہے کہ ایک حصہ تکلیف سے متاثر ہو تو سارا جسم دکھ محسوس کرتا ہے"۔ (مسلم)

اپنے ایک صحابی حضرت اقرع بن حابس رضؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی کوئی رحم نہیں کرتا، (مسلم و بخاری)

اپنے ساتھیوں کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے اس لیے کہ ان میں کمزور، بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور جب خود تنہا پڑھے تو جتنی چاہے لمبی اور طویل نماز پڑھے"۔ (مسلم، بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ نے آپؐ کا اپنی امت پر شفقت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"رسول اکرمؐ کسی عمل کو محض اس لیے چھوڑ دیتے تھے (حالانکہ وہ آپؐ کو پسند ہوتا تھا) کہ لوگ اس پر عمل پیرا ہوں گے، اور پھر یہ چیز ان پر فرض کر دی جائے گی"۔

(مسلم، بخاری)

حضرت ابوقتادہ رضؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ اکرم نے فرمایا:

میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور اس بات کا ارادہ کرتا ہوں کہ نماز کو دراز اور طویل کروں گا، پھر کسی بچے کے رونے کی آواز سن لیتا ہوں اور اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ یہ بات اس کی ماں پر شاق گزرے گی"۔ (بخاری)

آپؐ نے فرمایا اور حضرت ابن عمرؓ نے اسے بیان کیا کہ:

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ تو اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو اس کے دشمن کے سپرد کرے"۔

"جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی

Marfat.com

میں رہتا ہے اور جو شخص مسلمان سے اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں قیامت کے دن اس کی تکالیف کو دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی عیب پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اس کی عیب پوشی کرے گا۔"

(بخاری، مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا :

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس سے خیانت کرے، نہ اس سے جھوٹ بولے اور نہ اس کو رسوا اور شرمندہ کرے، مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کی عزت آبرو، اس کا مال اور اس کا خون، تقویٰ اِس جگہ ہے (حضورؐ نے سینے کی طرف اشارہ فرمایا) انسان کو یہ شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر و ذلیل سمجھے۔" (ترمذی)

حضورؐ کے اس مزاجِ رحمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن نے کہا :

"اے پیغمبر یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد سے چھٹ جاتے"

(آل عمران ۱۰۹)

اس کے باوجود اللہ تعالےٰ نے مزید تعلیم عفو و درگزر دیتے ہوئے فرمایا :

"پس ان کے قصور معاف کر دو اور ان کے حق میں دُعائے مغفرت کرو۔"

(آل عمران ۱۰۹)

اور یہ کہ :

"اے نبی، ان سے نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کرتے رہو اور جاہلوں سے نہ الجھو۔" (اعراف ۱۸۹)

چنانچہ حضورؐ کے بارے میں فرمایا گیا :

"اور ہم نے تجھے سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" (الانبیاء ۱۰۰)

Marfat.com

دوسری جگہ حضورؐ کے بارے میں فرمایا گیا:

البتہ آیا ہے تمہارے پاس ایسا رسول جو تم ہی میں سے ہے، اسے تمہاری تکلیف نہایت گراں گزرتی ہے وہ تمہارے فائدے کا حریص ہے اور ایمان لانے والوں پر بڑا شفیق و مہربان ہے۔" (التوبہ ۱۲۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی شفقت اور خدا کے بندوں کے ساتھ نرمی کا مظہر یہ بھی تھا کہ آپؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر خندق کھودتے، ٹوکری اٹھاتے، اینٹیں ڈھوتے لکڑیاں جمع کرتے، جوتے اور کپڑے مرمت کرتے، خود دودھ دوھ لیتے، بازار سے سودا سلف لے آتے اور پڑوسیوں کے کام اکثر کر دیا کرتے تھے۔

حد یہ ہے کہ جب مکہ میں قحط پڑا تو آپؐ نے جان کے دشمنوں کو بھی غلہ اور اشرفیاں امداد کے طور پر روانہ کیں۔ اور جب آپؐ نے مکہ فتح کیا تو جنھوں نے سینکڑوں اصحاب رسول کو شہید کیا تھا جو آپؐ کی جان کے دشمن تھے، ساری لڑائیاں جن کے دم قدم سے برسوں تک جاری رہی تھیں جب وہ مفتوح ہو کر سامنے آئے تو آپؐ نے فرمایا:

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ جاؤ! آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔

جب ایک بار کسی جہاد میں ایک غیر مسلم عورت کی لاش پڑی ہوئی دیکھی تو بار بار افسوس کا اظہار فرماتے تھے:

"یہ عورت تو جنگ نہیں کر رہی تھی، اس کو کیوں مار دیا گیا" اس کو کیوں مار دیا گیا"

ایک بدّو نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا تو صحابہ اسے مارنے دوڑے آپؐ نے انہیں روکا اور پھر بدّو سے کہا:

"یہ مسجد اللہ کا گھر ہے، اسے ناپاک کرنا بُری بات ہے۔"

بدّو آپؐ کی بات سمجھ کر نادم ہوا اور چلا گیا۔ جب کسی سے کوئی غلطی بار بار ہوتی تو آپؐ کبھی نام لے کر نہ ٹوکتے بلکہ اکثر خطبہ دیتے ہوئے فرماتے:

Marfat.com

"لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسا اور ایسا کرتے ہیں"

اس طرح جس شخص نے وہ کام کیا ہوتا وہ متنبہ ہو جاتا اور آئندہ ایسے عمل سے باز رہتا ساتھ ہی لوگوں میں رسوائی سے بھی محفوظ ہو جاتا، قرآن نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گواہی دی ہے:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ "اے محمد! تم اخلاق کے بڑے درجے پر ہو۔" (قلم ۴)

جب آپ پر وحی پہلی بار اتری تو آپ بے حد گھبرائے اور ایک غیر مانوس واقعہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشانی کی حالت میں گھر تشریف لائے۔ آپ نے آتے ہی حضرت خدیجہؓ الکبریٰ سے فرمایا کہ انہیں کمبل اوڑھا دیا جائے۔ انہیں اپنی جان کا خطرہ ہے۔ اس پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار پر جو گھر کی گواہی پیش کی وہ گواہی یہ تھی:

"آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، قرض داروں کے قرض کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، یتیموں پر شفقت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں، اللہ تعالےٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔"

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں:

"آپ کی عادت کسی کو بُرا بھلا کہنے کی نہ تھی، آپ برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ درگزر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے، آپ دو باتوں میں سے آسان صورت اختیار فرماتے۔ آپ کبھی کسی سے ذاتی انتقام نہ لیتے، آپ نے کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی، آپ نے کبھی کسی خادم کو نہیں مارا۔ آپ نے کسی کی کوئی درخواست کبھی رد نہیں فرمائی۔"

Marfat.com

آپؐ کا معمول تھا کہ کسی سے ملنے پر ہمیشہ پہلے خود سلام کرتے اور مصافحہ میں جس سے ہاتھ ملاتے کبھی پہلے ہاتھ خود نہ کھینچتے، مجلس میں زانو آگے نکال کر نہ بیٹھتے آپ فرمایا کرتے:

تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا ہو۔"

حضرت انسؓ آپؐ کے خادمِ خاص روایت کرتے ہیں "میں دس سال تک حضورؐ کی خدمت میں رہا، لیکن حضورؐ نے میری کسی بات پر کبھی اُف تک نہیں کہا۔"

شاہ حبش نجاشی کے ہاں سے ایک سفارت آئی تو اس کی مہمان نوازی میں آپؐ خود سرگرم رہے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم یہ کام کریں گے۔ تو فرمایا:

"ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گزاری کی ہے اس لیے میں خود ان کی خدمت گزاری کرنا چاہتا ہوں۔"

ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریابی کی اجازت چاہی آپؐ نے فرمایا "اچھا آنے دو۔ وہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہیں ہے۔" لیکن جب وہ حاضر ہوا تو آپؐ اس سے نہایت خلق و نرمی سے پیش آئے، حضرت عائشہؓ نے تعجب سے پوچھا کہ آپ تو اسے اچھا نہ کہتے تھے آپؐ نے فرمایا:

"خدا کے نزدیک سب سے بُرا وہ شخص ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔"

ایک سفر میں کھانا پکاتے وقت صحابہ نے کام آپس میں تقسیم کر لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکڑیاں لانے کا کام اپنے ذمے لے لیا۔ صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ یہ کام ہم کریں گے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم میں ممتاز بن کر رہوں، خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہیوں میں ممتاز بنتا ہے۔"

Marfat.com

آپؐ نے فرمایا:

"کمال صلہ رحمی یہ ہے کہ جب دوسرے رشتہ دار بے تعلقی کریں تو ان کے ساتھ اپنا تعلق جوڑے اور ان کا حق ادا کرے۔" (بخاری)

آپؐ نے فرمایا:

"خدا کی قسم وہ شخص ایمان نہیں رکھتا جس کا پڑوسی اس کی تکالیف سے محفوظ نہ ہو۔"

(بخاری)

ارشاد ہوا:

"غلام کا یہ حق ہے کہ اُسے کھانا اور کپڑا دیا جائے اور اس پر کام کا صرف اتنا ہی بوجھ ڈالا جائے جس کو وہ سہار سکتا ہو۔" (مسلم)

فرمایا: "مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری دے دو۔"

یہ سارے پہلو آپؐ کی مبارک ہستی کے سراپا رحمت ہونے کے پہلو ہیں اور ان کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ غزوہ اُحد میں جب کفّار نے آپ کو زخمی کر دیا تو صحابہ پر یہ امر بہت شاق گزرا، وہ کہنے لگے "کاش رسول اللہ ان پر بد دعا کرتے اور وہ ہلاک ہو جاتے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"میں لعنت کے لیے مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ میں حق کی دعوت اور جہاں کیلئے رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔"

آپؐ ایک باغ کے پاس سے گزر رہے تھے کہ ایک اونٹ زور زور سے بلبلایا، آپؐ نے اس کی پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور اس کے مالک کو بلا کر کہا:

"اس جانور کے بارے میں خدا سے ڈرو۔"

ایک بار ایک صحابی ابو مسعود انصاریؓ اپنے غلام کو پیٹ رہے تھے کہ آپؐ تشریف لے آئے آپؐ نے رنجیدہ ہو کر فرمایا:

Marfat.com

"ابومسعود اس غلام پر تمہیں جس قدر اختیار ہے اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ اختیار ہے"

ابومسعودؓ یہ بات سن کر خوف زدہ ہو گئے اور غلام کو آزاد کر دیا۔

آپؐ نے فرمایا:

"ہر حسّاس جاندار جس کو بھوک پیاس کی تکلیف ہوتی ہے اس کو کھلانے پلانے میں ثواب ہے۔" (بخاری)

آپؐ نے فرمایا:

"مومن اپنے حسنِ اخلاق سے زاہد شب زندہ دار دائم الصوم کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔" (ابوداؤد)

آپؐ نے مزید فرمایا:

"جو شخص نرمی کی صفت سے محروم کیا گیا وہ سارے خیر سے محروم کیا گیا۔" (مسلم)

آپؐ نے فرمایا:

"قیامت کے دن ان لوگوں کو پکار کر ان کا اجر دیا جائے گا جو دنیا میں لوگوں کی خطائیں معاف کر دیا کرتے تھے۔"

رحمۃ اللعالمین نے فرمایا:

"جو آدمی چاہتا ہے کہ قیامت کے دن اس کے درجے بلند ہوں اس کو چاہئیے کہ وہ اس آدمی سے درگزر کرے جس نے اس پر ظلم کیا ہو اور اس کو دے جس نے اس کو نہ دیا ہو اور اس کے ساتھ رشتہ جوڑے جس نے اس سے رشتہ توڑا ہو اور اس کے ساتھ تحمّل کرے جس نے اس کو برا کہا ہو۔" "ابوہریرہ"

ایک شخص نے پوچھا:

"یارسول اللہ، میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں، آپ نے فرمایا ہر روز

ستر دفعہ۔" (ترمذی)

حضرت جریر بن عبداللہ نے روایت کیا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے آدمیوں کے لیے رحم نہیں ہے اور جو دوسروں پر ترس نہیں کھاتے۔" (بخاری، مسلم)

ایک صحابی عبداللہ بن حمساؓ کہتے ہیں میں نے حضورؐ سے ایک سودا کیا اور کچھ دیر بعد میں ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا اور پھر بھول گیا۔ تیسرے دن میرا ادھر سے گزر ہوا تو آپ اسی جگہ میرے انتظار میں تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھ کر بس صرف اتنا ہی فرمایا:

"تم نے مجھے تکلیف دی میں تین دن سے اسی جگہ تمہارے انتظار میں ہوں۔"

ایک بدو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خوف اور رُعب سے کانپنے لگا۔ آپؐ نے اسے فرمایا:

"خوف نہ کھاؤ میں قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔"

ابوسفیان نے اسلام کے دورِ مکی میں مسلمانوں پر بدترین ظلم ڈھائے۔ آپؐ سے قریش کی تمام لڑائیوں میں کفار کا سردار اور سرغنہ رہا۔ اسلام کے مدمقابل ظالم اور جارحیت پسند کفر کا سرخیل وہی تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک بدر کا بدلہ نہ لوں گا آرام نہ کروں گا۔ غرض آغازِ دعوتِ اسلامی سے فتح مکہ کے دن تک اسلام کے ساتھ کفر کی تمام ترکشمکش میں کفر کی رہنمائی اور قیادت کی باگ ڈور ابوسفیان کے ہاتھ ہی میں تھی اور عرب کا ہر شخص جانتا تھا کہ اسلام کے فروغ میں ابوسفیان کی تباہی ہے اور ابوسفیان کی کامیابی میں مسلمانوں کی ناکامی ہے۔ اس لیے ہر شخص سمجھتا تھا کہ جب مکہ فتح ہوگا تو سب سے پہلا مقتول کفر کا سرغنہ ابوسفیان ہوگا لیکن دنیا یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ آپؐ نے اسے معاف کر دیا۔ معاف ہی نہیں کیا بلکہ اس کے گھر کو عوام کے لیے پناہ گاہ بھی بنا دیا۔

Marfat.com

حضرت عباسؓ نے کہا" یارسول اللہ ابوسفیان عزت پسند آدمی ہے آپؐ اسے کچھ عطا کیجئے " آپؐ نے فرمایا" بے شک جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے۔ اسے امان ہے "

آپؐ مکہ میں فاتحانہ داخل ہو گئے لیکن ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے آپؐ سے جنگ کی اور شکست کھا کر فرار ہو گیا۔ پھر اس نے آپؐ سے امان طلب کی تو آپؐ نے اسے امان بھی دی اور ہوازن کے مالِ غنیمت میں سے حصہ بھی دیا۔

آپؐ نے اسلام کے بدترین دشمن صفوان بن امیہ کو امان دی۔ وہ شکست کھا کر یمن کی طرف بھاگ گیا تھا اور زمین اس کے لیے تنگ ہو گئی تھی۔ وہ خودکشی کا ارادہ کر رہا تھا جب ایک صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ بطور نشانِ امان لے کر پہنچا اور اسے جان بخشی کی خوشخبری سنائی۔

حارث کے بیٹے ابوسفیان شاعر نے ہجو لکھ کر حضورؐ کو سخت قلبی اذیت پہنچائی تھی۔ فتح مکہ کے بعد وہ آپؐ کے پاس حاضر ہونا چاہتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا" میرے پاس اس کے آنے کی ضرورت نہیں۔ اس نے مجھے سخت تکلیف پہنچائی اور میری توہین کی ہے " ابوسفیان شاعر نے کہا" میں اور میرا بیٹا جنگل میں نکل جائیں گے اور وہاں بھوکوں مر جائیں گے اگر آپؐ ہمیں حاضر ہونے کی اجازت نہ دیں گے " حضورؐ پر اس کے ان جملوں سے رقت طاری ہو گئی اور اسے معاف کر دیا۔

مکہ فتح ہو گیا تھا اور کعبے کا طواف ہو رہا تھا کہ ایک شخص فضیلہ بن عمر جو بظاہر مسلمان ہو چکا تھا لیکن درحقیقت ابھی ایمان نہ لایا تھا۔ اس نے آپؐ کو طواف کے دوران حملہ کر کے قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ جب وہ آپؐ کے قریب پہنچا تو آپؐ نے فرمایا" کون فضیلہ ہے؟" اس نے کہا" ہاں یارسول اللہ"

آپؐ نے فرمایا" تم کیا سوچ رہے تھے؟"

اس نے کہا" کچھ بھی تو نہیں "

آپؐ مسکرائے اور فرمایا" فضیلہ خدا سے توبہ کرو " اور پھر اپنا دستِ مبارک اس کے

Marfat.com

دھڑکتے ہوئے سینے پر رکھا اور اسے تسکین ہو گئی۔

جبشی وحشی نے آپؐ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کر دیا تھا۔ آپؐ کو اس کا بڑا قلق تھا اس نے بتایا کہ جب میں فتح مکہ کے بعد حضورؐ کے سامنے حاضر ہوا اور کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہوا تو آپؐ نے میری طرف دیکھا۔

فرمایا "کون، تم وحشی ہو؟"

عرض کیا "ہاں یا رسول اللہ"

آپؐ نے فرمایا "بیٹھ جاؤ، مجھ سے یہ بیان کرو کہ تم نے حمزہؓ کو کس لیے قتل کیا"

چنانچہ وحشی کہتا ہے کہ میں نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔

اس کے بعد آپؐ نے صرف اس قدر فرمایا: "افسوس ہے تجھ پر، تجھے دیکھ کر مجھے اپنے چچا کی یاد آتی ہے تو مجھ سے اپنا چہرہ چھپا لے تاکہ میں تجھے دیکھ نہ سکوں" چنانچہ آپ نے اپنے محبوب چچا کے قاتل وحشی کو بھی معاف کر دیا۔

فتح مکہ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کعبتہ اللہ کی کنجی اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے اٹھے اور کہا: "یا رسول اللہ، سقائیت کے ساتھ ساتھ حفاظت اور نگہبانی کا منصب بھی ہمیں عطا فرمائیے"

آپؐ نے فرمایا "عثمان بن طلحہ (کعبے کا سابقہ کنجی بردار جو آخر تک حضورؐ کا دشمن رہا تھا) کہاں ہے" وہ آیا تو آپؐ نے فرمایا:

"عثمان یہ کنجی تمہیں دی جاتی ہے۔ آج کا دن احسان اور وفاداری کا دن ہے"

طائف کے بنی ثقیف کا وفد مدینہ میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں یالیل بن عمرو کا بیٹا بھی شامل تھا۔ جنہوں نے آپؐ پر بے پناہ مظالم ڈھائے تھے۔ آپؐ نے ان سب کو معاف کر دیا اور انہیں مال و انعام دے کر رخصت کیا۔ انتہا یہ ہے کہ جنگ ہوازن کے قیدی تک بلا معاوضہ رہا کرا دیئے جنہوں نے اسلام کو سخت ترین نقصان پہنچایا تھا۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی شفقت و رحمت کی صفت کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ — تمہیں میں سے تمہارے پاس ایک رسول آیا
اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا — ہے جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق ہے
عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ — وہ تمہارا دلدادہ ہے اور مومنوں پر بے حد
بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (التوبہ: ۱۲۸) — مہربان اور شفیق و رحیم ہے"

مساکین اور فقراء کے ساتھ تو آپ کی محبت و شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ نے انہیں میں اپنی زندگی اور موت کی دعا مانگی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

"اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت ہی میں موت دے اور قیامت کے دن مسکینوں کی جماعت کے ساتھ ہی اٹھا"

اس پر حضرت عائشہ صدیقہ نے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ۔ آپ ایسی دعا کیوں کرتے ہیں" تو آپؐ نے فرمایا:

"مسکین لوگ مالداروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اے عائشہؓ مسکین کو خالی ہاتھ مت لوٹانا۔ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی سہی انہیں دے دینا اے عائشہؓ مسکینوں سے محبت رکھ اور ان کی قربت میں رہ۔ خدا تعالےٰ بھی قیامت کے دن تجھے اپنے قریب کرے گا"

یہی وجہ ہے کہ آپؐ کمزوروں کی دستگیری، یتیموں اور بیواؤں کی غمگساری اور ہمدردی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے اور ہمیشہ ان کے درمیان خوش رہتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ مسجد میں تشریف لائے اور فقراء کے ساتھ بیٹھے اور ان کو جنت کی خوشخبری سنائی اس پر ان کے چہرے مسرت سے کھل گئے۔ میں کچھ غم زدہ سا ہو گیا چونکہ میں ان کے گروہ میں سے نہیں تھا۔

Marfat.com

آپؐ کے غلام زید بن حارث کے والد زید کی تلاش میں آپ تک پہنچے، آپؐ نے زید کو اپنے اور ان کے والد کے درمیان اختیار دے دیا کہ جسے چاہیں پسند کریں۔ انہوں نے آپؐ کو اپنے والد پر ترجیح دی۔ آپؐ نے فرمایا کہ "غلاموں کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔" معاویہ بن سویدؓ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس صرف ایک خادم تھا اور ہم میں سے کسی نے اسے طمانچہ مار دیا۔ آپؐ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا "اسے آزاد کر دو۔"

جانوروں پر ظلم وستم کی تمام اقسام کو آپؐ نے روک دیا تھا۔ بعض صحابہ نے ایک سفر میں ایک پرندہ کے چھوٹے چھوٹے بچے پکڑ لیے۔ ان کی ماں بے تابی سے پھڑ پھڑانے لگی تو آپؐ نے فرمایا "ان کی ماں کو کس نے صدمہ پہنچایا ہے، اس کے بچے اس کو واپس کر دو۔"

حضرت عائشہؓ ایک اونٹنی پر بیٹھی ہوئی غصے سے اس پر سختی کر رہی تھیں، آپؐ نے فرمایا "جو نرمی نہیں کرے گا وہ اپنے اوپر بھلائی حرام کرے گا۔"

آپؐ بچوں کو دیکھ کر خوش ہو جاتے تھے اور بچے بھی آپؐ سے بہت جلد مانوس ہو جاتے جب آپؐ کھیلتے ہوئے بچوں میں سے گزرتے تو انہیں سلام کہتے۔ جب سواری پر گزرتے تو پیار سے بچوں کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیتے۔ ایک اعرابی نے آپؐ کو بچوں کو پیار کرتے دیکھا تو سخت حیران ہوا اور کہنے لگا "میرے تو دس بچے ہیں اور میں نے تو ان سے کبھی اس طرح پیار نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا:

"جب خدا نے تیرے دل سے شفقت و رحمت چھین لی ہے تو میں تھوڑا ہی اس کا ذمہ دار ہوں۔"

ایک جنگ میں آپؐ نے ایک بچے کی لاش دیکھی تو سخت برہم ہوئے اور سختی سے فرمایا:

"تم بچوں کو قتل کرنے سے پرہیز کرو، تمہیں بچوں کو قتل نہیں کرنا چاہیے۔"

بعض لوگوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ دشمنوں پر لعنت بھیجیں اور ان کے لیے بددعا کریں تو آپؐ نے فرمایا:

Marfat.com

"یہ لعنت بھیجنے کے لیے نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

رحمت للعالمین کی رحمت کی انتہا یہ ہے کہ آپؐ نے عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کی موت پر بھی، جس نے عمر بھر آپؐ کی مخالفت اور ایذاء رسانی میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا، اپنا کرتا اس کے کفن کے لیے مرحمت فرمایا اور اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا "اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ اس کی مغفرت کی دعا کروں تو میں اس سے بھی زیادہ اس کی مغفرت کے لیے دعا کرتا۔"

فتح مکہ کا واقعہ عجیب اور حیرت انگیز واقعہ ہے۔ جن دشمنان اسلام نے ۲۱ سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کے ساتھ مظالم کی کوئی انتہا نہ رکھی تھی، بھوک پیاس قید و بند، قتل و غارت، مار پیٹ اور تباہی و بربادی، گھروں سے اخراج اور پھر میدان جنگ میں ۹ سال تک شدید کشمکش اور خاک و خون میں تڑپنے کی دشمنیاں کی تھیں اب وہ مفتوح ہو گئے اور مکہ پر مسلمانوں کا فوجی قبضہ ہو گیا۔ جب اسلامی لشکر فاتحانہ مکہ میں داخل ہو رہا تھا تو حضور کا سر احساس بندگی اور عجز سے جھکتے جھکتے کجاوے کے ساتھ لگتا جا رہا تھا۔ مختلف دستے مختلف راستوں سے شہر میں داخل ہو رہے تھے اور ہر دستے کا ایک علمبردار تھا۔ سعدؓ بن عبادہ جو ایک پرجوش انصاری سردار تھے ایک دستے کے سربراہ اور علمبردار تھے ان کا ابوسفیان سے سامنا ہوا تو انہوں نے للکار کر کہا:

"ابوسفیان! آج کا دن قتل اور خونریزی کا دن ہے۔ آج کے دن خدا ئے شدید العقاب قریش کو ذلیل کرے گا۔"

یہ سن کر ابوسفیان حواس باختہ ہو گیا اور بھاگا بھاگا حضور کی خدمت میں آ کر کہا:

"یا رسول اللہ کیا آپؐ نے اپنی ہی قوم قریش کے قتل و غارت کا حکم دے دیا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہرگز نہیں۔"

ابوسفیان نے کہا: "سعد تو یہی کہہ رہے ہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سعد غلط کہتے ہیں، تم اطمینان رکھو، آج کا دن لطف وکرم اور رحمت کا دن ہے۔"

اور آپؐ نے احتیاطاً حضرت سعدؓ بن عبادہ سے دستے کا جھنڈا لے کر ان کے لڑکے کو دے دیا اور پھر آپؐ نے قریش کی جان بخشی کے لیے فوج کو مندرجہ ذیل ہدایات جاری کیں:

جو شخص ہتھیار پھینک دے اسے قتل نہ کیا جائے۔

جو شخص خانۂ کعبہ میں پہنچ جائے اسے بھی قتل نہ کیا جائے۔

جو شخص ابوسفیان (کفار کی ساری جنگوں کا سرغنہ) کے گھر میں داخل ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔

جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ رہے اسے بھی قتل نہ کیا جائے۔

جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں چلا جائے اسے بھی قتل نہ کیا جائے۔

جو بھاگ جائیں ان کا تعاقب نہ کیا جائے۔

زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے۔

قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔

دنیا اس قسم کی فتح اور دشمن کے ساتھ اس قسم کے لطف وکرم سے پہلے بھی ناآشنا تھی، اور ان کے بعد اب تک بھی ناآشنا ہے۔ فتح کے بعد قریش اور ان کے سردار جمع ہو کر آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رہنمائی اور تعلیم کے مطابق آ کر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا جملہ دہرایا:

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ۔

رسول اکرم رحمت للعالمین نے جواب میں فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ

اور ان میں کون کون تھے جو معاف کر دیے گئے۔

Marfat.com

ابوسفیان کو بھی معاف کر دیا گیا جس نے کفر و اسلام کی لڑائی میں کفر کی ساری جنگ اپنے ہاتھوں لڑی تھی۔

عکرمہ بن ابوجہل کو بھی معاف کر دیا گیا جس نے اسلام اور مسلمانوں پر کوئی ظلم نہ تھا جو ڈھایا نہ ہو۔

ہبّار بھی معاف ہوا جس نے نیزہ مار کر رسول اکرمؐ کی پیاری بیٹی زینب کو اونٹ سے گرا دیا تھا جس کے صدمے ہی سے بعد میں ان کا انتقال ہوا۔

عبداللہ بن ابی سرح کو بھی معاف کر دیا گیا جو تمسخر کرتا تھا کہ وحی تو میرے پاس آتی ہے اور محمدؐ (نعوذ باللہ) مجھ سے ہی سیکھتے ہیں۔

ہندہ جگر خوارِ حمزہؓ زوجہ ابوسفیان بھی معاف کی گئی جس نے میدانِ جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا امیر حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبایا اور ان کے اعضاء کاٹ کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا۔

وحشی بھی معافی لے گیا جس نے حضرت امیر حمزہ کو شہید کر کے گویا اس فوج کا مضبوط ستون گرا دیا تھا اور اپنے بے درد نیزے سے لشکرِ اسلام کا شیر شہید کر دیا تھا۔

اور مکہ کے ان باشندوں کو مسلمانوں کی وہ جائدادیں بھی معاف کر دی گئیں جن پر انہوں نے مسلمانوں کو اپنے شہر سے نکال کر قبضۂ غاصبانہ کر لیا تھا۔

پھر اتنا کچھ ہی نہیں کیا گیا بلکہ ان نو مسلموں کو جو اب اسلام کے غلبے کے زور سے رحم کی اپیلیں کر رہے تھے، جنگ ہوازن کے بعد بے شمار مالِ غنیمت بھی تقسیم کیا گیا اور خود قبیلہ ہوازن، جس نے مسلمانوں کی سخت ترین مزاحمت کی تھی اور اس فوج کو شدید نقصان پہنچایا تھا مفتوح ہونے پر بہترین حُسنِ سلوک کا مستحق ٹھہرایا گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبیلۂ ہوازن کے چھ سردار رحم کی درخواست لے کر حاضر ہوئے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے طائف میں آپؐ پر پتھر برسائے تھے اور حضرت

زیدؓ حضورؐ کو بے ہوشی کی حالت میں زخمی اٹھا کر لائے تھے۔

حضورؐ نے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا:

"میں تمہارا انتظار ہی کر رہا تھا۔ میں اپنے اور اپنے خاندان کے حصے کے قیدیوں کو چھوڑ سکتا ہوں لیکن دوسرے سب لوگ اپنے اپنے حصے کے بارے میں آزاد ہیں، تم کل مجمع عام میں یہ درخواست پیش کرو۔"

چنانچہ حسبِ ارشاد دوسرے دن مجمع عام میں وہ درخواست پیش ہوئی تو رحمت اللعالمین نے فرمایا:

"میں اپنے اور بنو عبدالمطلب کے قیدیوں کو بلا معاوضہ رہا کرتا ہوں۔"

اس پر انصار و مہاجرین نے بھی اعلان کر دیا کہ وہ بھی اپنے قیدی جو قبیلہ ہوازن سے ہیں بلا معاوضہ رہا کرتے ہیں، آپؐ نے تو آزاد قیدیوں کو نئے لباس پہنا کر رخصت کیا۔ دنیا دشمن کے ساتھ یہ فیاضی اور رحم دلی دیکھ کر حیران رہ گئی۔

آپؐ فرمایا کرتے تھے:

"تم ایک دوسرے کی باتیں مجھے نہ سنایا کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے جاؤں تو سب کی طرف سے میرا سینہ صاف ہو۔"

آپؐ سائل کو کبھی رد نہ فرماتے تھے اور زبان مبارک پر حرفِ انکار کبھی نہ لاتے تھے اگر کچھ بھی دینے کو موجود نہ ہوتا تو سائل سے عذر کرتے جیسے کوئی شخص معافی چاہتا ہے چنانچہ ایک شخص نے سوال کیا تو فرمایا:

"بھائی میرے پاس تو اس وقت کچھ بھی نہیں ہے تم میرے نام پر قرض لے لو، میں اتار دوں گا۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا:

"حضورؐ! اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو قدرت سے بڑھ کر کام کرنے کی تکلیف تو نہیں دی ہے۔"

Marfat.com

اس پر آپؐ خاموش ہو گئے۔ ایک انصاری آپؐ کے پاس بیٹھے تھے کہنے لگے "یا رسول اللہؐ خوب دیجئے، رب العرش مالک ہے تو تنگدستی کا کیا ڈر ہے"؟ اس پر آپؐ ہنس پڑے اور چہرۂ مبارک کھل گیا اور فرمایا "ہاں مجھے یہی حکم ملا ہے"۔[1]

ایک اعرابی نے آکر آپؐ کی چادر کو اتنا زور سے کھینچا کہ گلے میں نشان پڑ گیا اور نہایت گستاخی سے کہنے لگا "اے محمدؐ، یہ مالِ خدا جو تمہارے پاس ہے، نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا ہے اس میں سے مجھے بھی ایک اونٹ غلہ دے دو" آپؐ نے تھوڑے سے توقف کے بعد فرمایا:

"بے شک یہ مال خدا کا ہے اور میں اس کا غلام ہوں" اور پھر اسے شتر بھر غلہ عطا فرمایا۔

مشہور واقعہ ہے کہ آپؐ ایک درخت کے نیچے سو گئے اور تلوار درخت سے آویزاں کر دی ایک شخص آیا اور تلوار نکال کر آپؐ کو گستاخی سے جگایا اور بولا اب بتاؤ تم کو مجھ سے کون بچائے گا" آپؐ نے فرمایا "اللہ" اس جواب پر وہ چکرا کر گر پڑا پھر آپؐ نے تلوار اُٹھائی اور فرمایا اب تم بتاؤ تجھے کون مجھ سے بچائے گا لیکن جاؤ میں بدلہ نہیں لیا کرتا"

آپؐ فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں جو اس کے پاس عرش پر ہے، یہ لکھ رکھا ہے۔

اِنَّ رحمتی غلبت غضبی "میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے"

فرمایا: "شہ زور وہ نہیں ہے جو دوسروں کو پچھاڑ دیتا ہے، شہ زور تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو تھام لیتا ہے"

فرمایا: "قیدیوں کو رہائی دلاؤ، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی خبر گیری کرو"

---

[1] شمائل ترمذی

Marfat.com

فرمایا: "جو کوئی شخص دوسرے پر رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔"
اور اس رحمت و شفقت پر حضورؐ کے سب سے بڑے دشمن کی گواہی سے زیادہ سچی گواہی اور کس کی ہو سکتی ہے۔
ابوسفیان بن حرب جس نے حضورؐ کے خلاف جنگوں کا سلسلہ برسوں تک جاری رکھا تھا، قبل از اسلام ایام جنگ کے دوران گرفتار ہو گیا اور حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو حضورؐ نے کمال مہربانی سے فرمایا:

"افسوس، ابوسفیان، کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم اتنی بات سمجھ جاؤ کہ خدا کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔"

اس پر ابوسفیان بولا، "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ آپؐ کتنے بردبار، کتنے قرابت کا حق ادا کرنے والے اور کس قدر دشمنوں پر عفو و کرم کرنے والے ہیں۔"
اس شانِ رحمت اور خوئے دلنوازی کا مظہر یہ ارشاد مبارک ہے:

"میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم کرے میں اس کو قدرتِ انتقام کے باوجود معاف کر دوں، جو مجھ سے قطع تعلق کرے، میں اس کو ملاؤں، جو مجھے محروم رکھے میں اس کو عطا کروں، غضب اور خوشنودی دونوں حالتوں میں حق گوئی کو شیوہ بناؤں۔"

جب کبھی صحابہ کرام نے مشرکوں کے ظلم و ستم پر ان کے حق میں بددعا کی درخواست کی تو آپ نے یہی فرمایا:
"میں لعنت کرنے والے کی حیثیت سے مبعوث نہیں ہوا ہوں میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"
اور قوم کے بارے میں دعا کی تو یہی کی کہ:

"الٰہی میری قوم کو بخش دے اور ہدایت دے یہ لوگ بے خبر ہیں۔"

یمامہ کے حاکم ثمامہؓ نے جب مکہ معظمہ کی طرف غلے کی ترسیل بندی کر دی تو اس بندش سے مکہ میں کہرام مچ گیا۔ ابوسفیان دوڑا دوڑا مدینہ گیا اور رحمت عالم سے درخواست کی کہ یمامہ کے غلہ کی بندش کرنے سے منع کیا جائے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے شعب ابی طالب میں حضورؐ اور آپؐ کے خاندان کو مسلسل تین سال تک بھوکا پیاسا مارا تھا اور دودھ پیتے بچوں پر بھی رحم نہ کیا تھا۔ بچے تڑپتے بلکتے اور بلبلاتے تھے لیکن ان پتھر دل قریش کو ان پر رحم نہ آتا تھا اور اتنا ہی نہ تھا بلکہ

مذاق اڑاتے تھے۔ اب وہ حضورؐ کے پاس یمامہ کے حاکم کی فریاد لے کر آئے تھے کہ پورے شہر مکہ کو شعب ابی طالب بننے سے بچایا جائے آپؐ نے انہیں ان کے مظالم یاد دلانا مروت اور اپنی نشانِ رحمت کے خلاف سمجھا اور یمامہ کے حاکم کو لکھا کہ مکہ کو غلہ جاتے دیا جائے۔

جب یہی قریش مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے بھاری لشکر لے کر میدان بدر میں اترے تو پانی مسلمان لشکر کے قبضے میں تھا۔ مشرکین کی فوج کے آدمی پانی پینے کے لیے مسلمانوں کے بنائے ہوئے حوض پر آئے تو بعض لشکریوں نے ان کو روکا لیکن حضورؐ نے فرمایا "پانی پینے سے منع نہ کرو، انہیں پینے دو۔"

حدیبیہ کے میدان میں ایک طرف صلح نامے کی باتیں ہو رہی تھیں اور دوسری طرف قریش نے ۸۰ آدمی آپؐ کو قتل کرنے کے لیے پوشیدہ طور پر بھیجے جو چھپ چھپا کر اسلامی لشکر میں داخل ہو گئے وہ لوگ بالآخر پکڑے گئے اور آپؐ کے سامنے پیش کیے گئے۔

آپؐ نے فرمایا: "میں تم سب کو معاف کرتا ہوں، جاؤ تم آزاد ہو۔"

ایک مجرم عمیر نے کہا: "میں تو اپنے بیٹے کی خبر لینے آیا ہوں جو آپ کی قید میں ہے۔"

آپؐ نے فرمایا: "یہ تلوار تم نے کیوں گلے میں لٹکا رکھی ہے۔"

اس نے کہا: "میں آتے وقت اسے گلے سے نکالنا بھول گیا تھا۔"

آپؐ نے فرمایا: "کیا تم نے اپنے دوست صفوان بن امیہ کے ساتھ اس کے حجرے میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی یہ کہ صفوان تمہارا قرضہ ادا کرے گا اور تمہارے بال بچوں کا کفیل ہو گا۔"

عمیر حقیقت کے انکشاف پر حیران رہ گیا اور اقرار کیا۔

آپؐ نے فرمایا "اسے چھوڑ دو اور اس کے فرزند کو بھی آزاد کر دو۔" عمیر وہیں مسلمان ہو گیا۔

ابوسفیان نے ایک بدو کو رقم کا لالچ دے کر حضورؐ کے قتل کے لیے آمادہ کر کے مدینہ بھیجا۔ جب وہ مسجد نبوی میں پہنچا تو پکڑا گیا۔ اس نے اقرار کیا تو آپؐ نے فرمایا "تم کو امان دی جاتی ہے جہاں چاہو چلے جاؤ۔" اس حسن سلوک سے وہ مسلمان ہو گیا۔

ایک شخص دعثور بن حارث نے حضورؐ کو تنہا دیکھ کر تلوار کھینچ لی اور وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ تلوار

Marfat.com

ہاتھ سے گر پڑی، پھر آپؐ نے تلوار اُٹھالی اور فرمایا "دعثور چلے جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔" اس سلوک پر وہ مسلمان ہو گیا۔

اس سے بڑھ کر رحمت و شفقت کیا ہو سکتی ہے کہ آپؐ نے منافقین تک کے ساتھ ہمیشہ رحم و کرم کا سلوک کیا۔ عبداللہ بن اُبی کی دشمنیاں ایک طرف اور حضور اکرمؐ کا رحم و کرم دوسری طرف، جو ہمیشہ غالب رہا، عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں نے اُم المومنین پر بہتان تراشی کر کے آپؐ کو سخت ترین اذیت پہنچائی لیکن آپؐ نے انہیں معاف کر دیا۔ انہوں نے مہاجرین اور انصار کو باہمی لڑانے کی سازش کی۔ پھر بھی آپؐ نے انہیں معاف کر دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی مسجد کے مقابلے میں سازشوں اور تخریب کاری کے لیے مسجدِ ضرار بنائی، آپؐ نے حکم ربانی پر ان کی سازشوں کا یہ اڈہ تو جلا دیا لیکن سازشیوں کو معاف کر دیا۔

آپؐ کے خادم حضرت انسؓ کہتے ہیں "حضورؐ اپنے ہم نشینوں کی طرف کبھی پاؤں نہ پھیلاتے تھے کوئی مصافحہ کرے تو پہلے خود ہاتھ نہ کھینچتے تھے، کوئی کھڑا ہو کر بات کرے تو کبھی خود نہ ہٹتے تھے، مجھے دس سال کی خدمت میں ایک بار بھی کبھی نہ ڈانٹا اور میں نے جو کام بھی کیا آپؐ نے کبھی نہیں کہا کہ تم نے یہ اور یہ کیوں کیا۔"

غرض حضورؐ سرچشمۂ رحمت تھے۔ پوری انسانیت کے لیے، ان کی رحمت کا دریا اب تک ٹھاٹھیں مار رہا ہے جس سے دنیا کے تمام انسان سیراب ہو رہے ہیں۔ ان کی ذات سے محبت و شفقت رحمت و اخوت کا نورانی دھارا جاری ہے اور ساری دنیا قیامت تک اس سے شاد کام ہوتی رہے گی۔

Marfat.com

تیسرا باب ۳

سراپا ہدایت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا ہدایت ہیں۔ آپؐ دنیا کے لیے ہدایت و رہنمائی کا سورج ہیں۔ سکونِ قلبی اور اطمینانِ ذہنی کا چاند ہیں۔ بھٹکے ہوئے قافلوں کے لیے روشنی کا مینار ہیں۔ گم کردہ راہ مسافروں کے لیے بانگِ درا ہیں۔ آفت زدہ انسانوں کے لیے امن کا شہر ہیں۔ زخمی انسانیت کے لیے مرہم شفا ہیں۔ ابلیس کی جفاکاریوں سے تباہ حال لوگوں کے لیے دستِ مشکل کشا ہیں۔ کچلی ہوئی پس ماندہ مخلوق کے لیے تعاون و دستگیری کا ذریعہ ہیں۔ آپؐ کی تعلیمات کی روشنی اوہام دنیا کے تاریک جنگلوں اور بھیانک ویرانوں میں وہ صراطِ مستقیم ہے جو انسانیت کے قافلے کو خیریت اور سلامتی کے ساتھ رضائے مالک کی چوکھٹ پر لے جاتی ہے۔ اب آپؐ ہی سلامتی کا واحد راستہ ہیں۔ آپؐ ہی نہار روشنی ہیں۔ آپؐ ہی مالک کے راستے کے واحد رہنما ہیں۔ آپؐ ہی منزل تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہیں۔ اگر آپؐ کا دامن ہاتھ میں رہے تو انسان رضائے الٰہی کی منزل تک پہنچ سکتا ہے اور آپؐ کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے تو رضائے الٰہی منزلوں دور ہو جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا میں انسان بے خبر پیدا ہوا ہے اور اسے صحیح راستہ نہیں مل سکتا جب تک اس کا خالق اسے صحیح راستہ دکھانے کا انتظام نہ فرمائے۔ اور اسے صحیح علم نہ دے۔ صحیح علم دینے اور صحیح راستہ دکھانے کا کام صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسانوں میں ہی سے بعض افراد کو براہِ راست صحیح علم دے کر اٹھایا جائے اور وہ لوگوں کو صحیح علم اور صحیح راستہ بتائیں یہ کام انبیاء کے سپرد کیا گیا اور انبیاء نے یہ کام ہمیشہ احسن طریقے پر سرانجام دیا۔ جن کے سلسلے کی آخری کڑی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو خدا کے کلام "قرآن" کے ذریعے انسانیت کو صحیح علم دیتے اور

Marfat.com

اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعے انسانیت کو صحیح راستہ دکھاتے ہیں۔

قرآن جو زمین والوں کے نام ان کے خالق کی آخری آواز ہے جو مالک کائنات کی تنہا کتاب ہے جو قیامت تک انسانیت کو صراطِ مستقیم کی طرف اسی طرح پکارتی رہے گی جس طرح اس نے مکہ کی گلیوں میں پکارا تھا۔ قرآن نے بار بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کا واحد رہنما اور آخری ہادی قرار دیا ہے اور اب اگر کسی کو واقعی ہدایت کی تلاش ہے تو اسے آپؐ کے سوا اور کہیں سے میسر نہیں آسکتی۔

ظاہر ہے کہ اللہ نے جو کتاب ہدایت قرآن کے نام سے اتاری ہے اس پر پورا پورا عمل کر کے اور اس کی پوری پوری وضاحت کر کے، اس کا ظاہر و باطن کھولنے اور بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ہادی بھی اس کے ساتھ کھڑا کیا ہے اس ہادیؐ نے قرآنِ مجسم بن کر کتاب اللہ کی عملی تشریح و تفسیر کی ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں آپؐ کا اسوۂ حسنہ موجود نہ ہو۔ آپؐ کی زندگی کا ہر سانس اور عمل کا ہر قدم قرآن کی روشنی میں عین اس کے مطابق تھا۔ اسی لیے قرآن نے حضورؐ کی زندگی کو تمام جہان کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ اب جو شخص آپؐ کے نقشِ قدم پر چلے گا وہ دراصل قرآن کے احکام پر ہی عمل پیرا ہوگا اور جو قرآن کے احکام پر عمل پیرا ہوگا وہ ضرور ہی رضائے الٰہی کی پیروی کرے گا گویا حضور اکرمؐ کی پیروی درحقیقت رضائے الٰہی کی پیروی ہے اسی چیز کو قرآن نے حضورؐ کا اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ "تم لوگوں کے لیے اللہ کا رسول ہی بہترین نمونہ ہے۔"

ظاہر ہے کہ رسول اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی قرآن کو کتابِ ہدایت تسلیم کیے بغیر ممکن نہیں ہے۔ قرآن نے مالکِ کائنات کی آواز بن کر انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"وہی ہے جس نے اُمیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے۔ ان کی زندگی کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت

کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔"

(الجمعہ ۲)

مزید فرمایا:

"وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو پوری جنسِ دین پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔"

(الفتح ۲۸)

ہدایت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"اے نبی ہم نے تم کو دین کے معاملے میں ایک صاف شاہراہ پر قائم کیا ہے لہٰذا تم اس پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔ اللہ کے مقابلے میں وہ تمہارے کچھ بھی کام نہیں آ سکتے، ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور متقیوں کا ساتھی اللہ ہے۔ یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں، سب لوگوں کے لیے اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے ہے جو یقین رکھتے ہیں۔"

(الجاثیہ ۱۸ - ۲۰)

ظاہر ہے کہ جو انسان صاف شاہراہ پر قائم ہو وہی کسی دوسرے انسان کو راہِ راست دکھا سکتا ہے اور اس امر کی گواہی اللہ رب العالمین کی طرف سے دی جا رہی ہے کہ حضور اکرمؐ انسانیت کو راہِ ہدایت دکھانے کے لیے اس لیے مامور ہیں کہ وہ خود شاہراہِ مستقیم پر قائم ہیں اور وہ خدا کی رضا کے علاوہ کسی دوسرے راستے کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں ان کا تو کام ہی یہ ہے کہ لوگوں کو اس شاہراہ کی طرف بلاتے رہیں چاہے لوگ توجہ سے سنیں اور مانیں یا گونگے بہرے اور اندھے ہو کر بھٹکنے پر ضد کرتے رہیں۔ چنانچہ ضد کرنے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے اللہ تعالٰے نے فرمایا:

"اے نبی! اب کیا تم بہروں کو سناؤ گے یا اندھوں اور صریح گمراہی میں پڑے ہوئے

Marfat.com

لوگوں کو راہ دکھاؤ گے، اب تو ہمیں ان کو سزا دینی ہے[1] خواہ تمہیں دنیا سے اٹھا لیں، یا تم کو آنکھوں سے ان کا وہ انجام دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے، ہمیں ان پر پوری قدرت حاصل ہے، تم بہر حال اس کتاب کو مضبوطی سے تھامے رہو جو وحی کے ذریعہ سے تمہارے پاس بھیجی گئی ہے یقیناً تم سیدھے راستے پر ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب تمہارے لیے اور تمہاری قوم کے لیے ایک بہت بڑا شرف ہے اور عنقریب تم لوگوں کو اس کی جوابدہی کرنی ہوگی۔" (الزخرف ۴۰-۴۴)

پھر جب منکرین حق رسولؐ کے ایک عام انسان ہونے پر اعتراض کرتے ہیں تو انہیں کہا جاتا ہے:

"اے نبی، ان سے کہو میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا، مجھے تو وحی کے ذریعے سے بتایا جاتا ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔ لہٰذا تم سیدھے اسی کا رُخ اختیار کرو۔" (حٰم سجدہ - ۶)

ظاہر ہے کہ سیدھا راستہ تو صرف خدا پرستی کا راستہ ہی ہے جس کی طرف رسول رہنمائی کرتا ہے اس لیے فرمایا گیا:

"اے نبی ہم نے سب انسانوں کے لیے یہ کتابِ برحق تم پر نازل کردی ہے اب جو سیدھا راستہ اختیار کرے گا، اپنے لیے کرے گا اور جو بھٹکے گا اس کے بھٹکنے کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ تم ان کے ذمہ دار نہیں ہو۔" (الزمر ۴۱)

غرض نبی کا کام لوگوں کے سامنے اپنی ذات میں بندگیٔ رب کا بہترین نمونہ پیش کرنا ہے اور وہ نمونہ حضور اکرمؐ نے پیش فرمادیا۔ چنانچہ قرآن میں فرمایا گیا:

"اے نبی ان سے کہو، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر کے اس کی بندگی کروں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں خود

[1] وہ سزا بھی ان کو میدان بدر میں دی گئی جہاں مشرکین کے بڑے بڑے اساطین کھیت رہے اور کفر کی کمر ٹوٹ گئی، اللہ کے نبی نے پکار پکار کر ان کو خدا کا وعدہ پورا ہونے کا وقت یاد دلایا۔

مسلم ہوں، کہو اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے، کہہ دو کہ میں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اسی کی بندگی کروں گا، تم اس کے سوا جس جس کی بندگی کرنا چاہو کرتے رہو کہو، اصل دیوالیے تو وہی ہیں جنھوں نے قیامت کے روز اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو گھاٹے میں ڈال دیا، خوب سن رکھو، یہی کھلا دیوالیہ پن ہے۔"

(الزمر ۱۱-۱۵)

نبی کو کارِ ہدایت میں بے شمار قسموں کے انسانوں سے واسطہ پیش آتا ہے۔ ماننے والے بھی اور انکار کرنے والے بھی، لیکن ہدایت صرف وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں فرمایا گیا:

"اے نبی، تم صرف انہیں لوگوں کو تنبیہ کر سکتے ہو جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، جو شخص بھی پاکیزگی اختیار کرتا ہے اپنی ہی بھلائی کے لیے کرتا ہے اور پلٹنا سب کو اللہ ہی کی طرف ہے۔ اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہیں، نہ تاریکیاں اور روشنی یکساں ہیں، نہ ٹھنڈی چھاؤں اور دھوپ کی تپش ایک جیسی ہے اور نہ زندے اور مردے مساوی ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے سنواتا ہے، مگر اے نبی تم ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں، تم تو بس ایک خبردار کرنے والے ہو،" (فاطر ۱۸-۲۳)

حضورؐ چراغ ہدایت ہیں اور قرآن آپ کو اسی حیثیت میں پیش کرتا ہے:

"اے نبی ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر بشارت دے دو ان لوگوں کو جو تم پر ایمان لائے ہیں کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے اور ہرگز نہ دبو کفار اور منافقین سے۔ کوئی پرواہ نہ کرو

Marfat.com

ان کی اذیت رسانی کی اور بھروسہ کرلو اللہ پر۔ اللہ ہی اس کے لیے کافی ہے کہ آدمی اپنے معاملات اس کے سپرد کر دے۔" (الاحزاب ۴۵-۴۸)

پھر کفار کے اعتراضات کے جواب میں ہدایت کے اس نسخے کا اللہ کی طرف سے ہونا تکرار سے بار بار بیان فرمایا گیا:

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اسے خود گھڑ لیا ہے، نہیں بلکہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تاکہ تو تنبیہ کرے ایک ایسی قوم کو جس کے پاس تجھ سے پہلے کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا، شاید کہ وہ ہدایت پا جائیں۔" (السجدہ - ۳)

کتابِ ہدایت قرآن ہی ہے جو نبی کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش کی گئی ہے اس میں ہدایت کے تمام اصول اور تمام اوامر و نواہی بیان کر دیئے گئے ہیں تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اسے سیدھے اور ٹیڑھے راستے کا فرق معلوم نہ تھا۔ اسی لیے اس کتاب کو بار بار پڑھنے اور دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہدایتِ الٰہی بار بار کھل کر خلقِ خدا کے سامنے آتی رہے۔ فرمایا:

"اے نبی، تلاوت کرو، اس کتاب کی جو تمہاری طرف وحی کے ذریعے بھیجی گئی ہے اور نماز قائم کرو، یقیناً نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر اس سے بھی زیادہ بڑی چیز ہے، اللہ جانتا ہے جو کچھ تم لوگ کرتے ہو۔" (العنکبوت ۴۵)

کتابِ ہدایت کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے مزید فرمایا گیا:

"اے نبی یقین جانو کہ جس نے یہ قرآن تم پر فرض کیا ہے وہ تمہیں ایک بہترین انجام کو پہنچانے والا ہے۔ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ ہدایت لے کر کون آیا ہے اور کھلی گمراہی میں کون مبتلا ہے۔ تم اس بات کے ہرگز امیدوار نہیں تھے کہ تم پر کتاب نازل کی جائے گی۔ یہ تو محض تمہارے رب کی مہربانی

سے (تم پر نازل ہوئی ہے)۔ پس تم کافروں کے مددگار نہ بنو۔"
(القصص ۸۵-۸۶)

بلاشبہ ہدایت کے لیے آخری رسول حضورؐ اکرم ہی ہیں اور وہی ہدایت کا ذریعہ اور واسطہ ہیں لیکن حقیقی توفیق عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے جو مخلوق کا پیدا کرنے والا ہے، اس لیے ہدایت کے منبع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا :

"اے نبی تم جسے چاہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر ہم تمہارے ساتھ اس ہدایت کی پیروی اختیار کرلیں تو اپنی زمین سے اُچک لیے جائیں گے کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے ایک پُرامن حرم کو ان کے لیے قیام بنادیا جس کی طرف ہر طرح کے ثمرات کھچے چلے آتے ہیں۔ ہماری طرف سے رزق کے طور پر، مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔" (القصص ۵۶-۵۷)

نبی کا کام یہ ہے کہ مالک کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے سامنے ایک طرف اپنی زندگی کا بہترین نمونہ پیش کرے اور دوسری طرف احکامات الٰہی اور ہدایات ربانی کو پیہم اور مسلسل ان کے سامنے پیش کرتا رہے۔ ہر نبی کو اللہ کی طرف سے یہی حکم ہوتا ہے :

"اے محمدؐ، ان سے کہو، مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے رب کی بندگی کروں جس نے اسے حرم بنایا ہے اور جو ہر چیز کا مالک ہے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلم بن کر رہوں اور یہ قرآن پڑھ کر سناؤں۔ اب جو ہدایت اختیار کرے گا وہ اپنے ہی بھلے کے لیے ہدایت اختیار کرے گا۔ اور جو گمراہ ہو اس سے کہہ دو کہ میں تو بس خبردار کردینے والا ہوں۔ ان سے کہو تعریف اللہ ہی کے لیے ہے عنقریب وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا اور تم انہیں پہچان لو گے۔ اور تیرا رب بے خبر نہیں ہے ان اعمال سے جو تم لوگ کرتے ہو۔" (النمل ۹۱-۹۳)

Marfat.com

ہدایت کو زبردستی کسی کے دل میں اُتار دینا یہ امر نہ مطلوب ہے نہ ممکن ہے اور نہ یہ کسی کا اختیار ہے۔ نبی کا کام اپنا پیغامِ حق پہنچاتے رہنا ہے :

"یہ (قرآن) ہدایت اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لیے، یقیناً تیرا رب ان لوگوں کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کر دے گا اور وہ زبردست اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ پس اے نبی اللہ پر بھروسہ رکھو، یقیناً تم صریح حق پر ہو۔ تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ان تک اپنی پکار پہنچا سکتے ہو، جو پیٹھ پھیر کر بھاگے چلے جا رہے ہیں، اور نہ اندھوں کو راستہ بتا کر بھٹکنے سے بچا سکتے ہو، تم اپنی بات اُنہیں کو سنا سکتے ہو، جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور پھر فرمانبردار بن جاتے ہیں۔"

(النمل ۷۷-۸۱)

بلاشبہ ہدایت دینا مالک کائنات ہی کے ہاتھ میں ہے لیکن نبی ہدایت پہنچانے کا ذریعہ ہوتا ہے وہ کوشش کرتا ہے، دوڑ دھوپ کرتا ہے اور ہدایت پہنچانے کے لیے مخالفتوں کے طوفانوں سے گزرتا ہے اس میں لوگوں کے اندر ہدایت کے پھیلنے اور قبول کر لیے جانے کا ایک فطری داعیہ ہوتا ہے جو کسی صورت میں مٹایا نہیں جا سکتا۔ حضور اکرمؐ بھی شب و روز کلامِ الٰہی پہنچانے اور لوگوں کو راہِ راست کی طرف بلانے کے لیے تگ و دو کرتے رہتے تھے اور ساتھ ہی اس غم میں گھلتے رہتے تھے کہ لوگ ،راہِ راست کو دیکھتے بھالتے اور حق کو سمجھتے بوجھتے ہوئے ہدایت قبول کرنے سے گریز کرتے تھے۔ یہ غم حضورؐ کو گھلائے دیتا تھا۔ چنانچہ آپؐ کے اس غم کے پیش نظر بندوں کے خالق و مالک نے فرمایا :

"اے محمدؐ شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ہم چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی نازل کر سکتے ہیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں ان لوگوں کے پاس رحمان کی طرف سے جو نصیحت بھی آتی ہے۔ یہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اب یہ جھٹلا چکے ہیں عنقریب ان کو اس چیز کی حقیقت مختلف طریقوں سے

معلوم ہو جائے گی جس کا یہ مذاق اُڑاتے رہے ہیں ۔"

انہیں باتوں سے کہ ایک طرف کفار ہدایت کو ٹھکراتے چلے جاتے تھے اور دوسری طرف مالک کی طرف سے سخت سے سخت تنبیہات آتی چلی جاتی تھیں ۔ حضورؐ سخت پریشان ہو جاتے تھے کہ کہیں اس قوم کی مہلتِ دعوت ہی پوری نہ ہو جائے اور اس پر وہ عذاب آجائے جو پہلی قوموں پر آتا رہا ہے ۔ ایک بار حضورؐ کی پریشانی دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ آپؐ کچھ بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے"؟ تو آپؐ نے فرمایا "ابوبکرؓ مجھے سورہ ہود اور اس کی ہم مضمون سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے ۔" ظاہر ہے کہ ایک ہادی کے لیے یہ غم بڑا ہی سوہانِ روح اور جان لیوا ہوتا ہے کہ اس کی زیرِ تبلیغ قوم ہدایت پانے سے محروم رہے ، اس کی مہلتِ تبلیغ ختم ہو جائے اور وہ عذابِ الٰہی سے دوچار ہو جائے ۔

فرمایا :

"اے محمد کہہ دو کہ لوگو ، میں تو تمہارے لیے صرف وہ شخص ہوں جو بُرا وقت آنے سے پہلے صاف صاف خبردار کر دینے والا ہے ، پھر جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے ان کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی اور جو ہماری آیات کو نیچا دکھانے کی کوشش کریں گے وہ یارانِ جہنم ہیں ۔" (الحج ۴۹ - ۵۱)

ہر نبی اپنی قوم کے لیے رحمت بن کر آتا ہے اس لیے کہ اس کے ذریعے لوگوں کو مقصودِ زیست میسّر آتا ہے ۔ وہ علمِ صحیح کے ذریعے کائنات کی اس ساری حقیقت سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور اپنے مالک کو علمِ حقیقی کے ذریعے خود پہچاننے لگتے ہیں ، انہیں وہ راستہ مل جاتا ہے جس پر چل کر وہ اپنے مالک کی ابدی اور لازوال نعمتیں حاصل کر سکیں ۔ اس طرح نبی اللہ کی طرف سے انسانوں کے لیے سب سے بڑی نعمت اور رحمت ہوتا ہے ۔ اور چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام سلسلۂ انبیاء میں سب سے آخری نبی ہیں اس لیے وہ پوری بنی نوع انسان کی طرف رحمتِ کاملہ اور نعمتِ عظمیٰ ہیں ۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اے محمدؐ ہم نے تم کو بھیجا ہے۔ تو دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے ان سے کہو میرے پاس جو وحی آتی ہے وہ یہ ہے کہ تمہارا خدا صرف ایک خدا ہے پھر کیا تم سر اطاعت جھکاتے ہو، اگر وہ منہ پھیریں تو کہہ دو کہ میں نے علی الاعلان تم کو خبردار کر دیا ہے۔ اب یہ میں نہیں جانتا کہ وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے قریب ہے یا دور ہے اللہ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو بہ آواز بلند کہی جاتی ہیں اور وہ بھی جو تم چھپا کر کرتے ہو" (الانبیاء ۱۰۰ - ۱۱۰)

گویا نبی کا کام اللہ تعالیٰ کا کلام اور پیغام ہو بہو بلا ترمیم و اضافہ اس کے بندوں تک پہنچا دینا ہے اور یہی اس کی اہم ترین ذمہ داری ہے اور پھر اس کے بعد اس پیغام پر خود پورا پورا عمل کر کے خدا کے بندوں کو دکھا دینا ہے۔ خدا کے احکام پر پورا پورا منشاء ایزدی کے مطابق عمل کر کے دکھانے ہی سے نبی کا اسوۂ وجود میں آتا ہے اور اس کی پیروی کیے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اے نبی، تمہارے رب کی کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے اسے جوں کا توں سنا دو، کوئی اس کے فرمودات کو بدل دینے کا مجاز نہیں ہے (اور اگر تم کسی کی خاطر اس میں ردّ و بدل کر دگے تو) اس سے بچ کر نکل بھاگنے کے لیے کوئی جائے پناہ نہ پاؤ گے اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو۔ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریقِ کار افراط و تفریط پر

مبنی ہے "۔ (الکہف ۲۷ ۔ ۲۸)

حضور اکرمؐ کے غم ہدایت کو کچھ کم کرنے اور لوگوں تک صرف ہدایت پہنچا دینے کی ذمہ داری پوری کرنے پر متوجہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

"اچھا تو اے محمدؐ کیا تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو۔ اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سر و سامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ آخر کار اس سب کو ہم چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں"۔ (الکہف ۶ ۔ ۸)

یہ ہے وہ حقیقی وقعت جو اس ساری دنیا کی اللہ رب العالمین کی نظر میں ہے۔

غرض ہدایت کے ساتھ الٰہی تعلیمات کا یہ سلسلہ بھی جاری رہا۔ یہاں تک کہ ہجرت سے ذرا پہلے معراج کا وہ واقعہ پیش آیا جس میں حضورؐ کو خدا کے بندوں تک پہنچانے کے لیے یہ ہدایات اور حکمت کی باتیں دی گئیں جو بڑی جامع تھیں اور ان کی پاکیزگی اور اخلاقی بلندی میں کوئی شخص بھی کلام نہ کر سکتا تھا چنانچہ ان ہدایات میں فرمایا گیا:

—— تو اپنے اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا، ورنہ ملامت زدہ اور بے یار و مددگار بیٹھا رہ جائے گا تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ:

—— تم لوگ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

—— والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو۔ بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی و رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے اگر تم صالح بن کر رہو تو وہ ایسے سب لوگوں کے لیے درگزر کرنے والا ہے جو اپنے قصور پر متنبہ ہو کر بندگی کے رویے

کی طرف پلٹ آئیں۔
— رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین و مسافر کو اس کا حق۔
— فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔
— اگر ان سے تمہیں کترانا ہو تو اس بنا پر بھی کہ ابھی تم اللہ کی رحمت کو تلاش کر رہے ہو تو انہیں نرم جواب دے دو۔
— نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ کر رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔ نیز ارب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔
— اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی، درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔
— زنا کے قریب نہ پھٹکو وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ۔
— قتلِ نفس کا ارتکاب نہ کرو، جسے اللہ نے حرام کیا ہے۔ مگر حق کے ساتھ۔ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے۔ پس چاہیئے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے اس کی مدد کی جائے گی۔
— مالِ یتیم کے پاس نہ پھٹکو، مگر احسن طریقے سے، یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائے۔
— عہد کی پابندی کرو، بے شک عہد کے بارے میں تم کو جوابدہی کرنی ہوگی۔
— پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو، اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو، یہ اچھا طریقہ ہے اور بلحاظ انجام بھی یہی بہتر ہے۔
— کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس

Marfat.com

ہوتی ہے:

— زمین میں اکڑ کر نہ چلو، تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔

ان امور میں سے ہر ایک کا بُرا پہلو تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تیرے رب نے تجھ پر وحی کی ہیں۔" (بنی اسرائیل ۲۳ تا ۳۸)

پھر دعوت اور ہدایت کا طریقہ بھی خود ہی بتایا گیا:

"اے نبی، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔ تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔" (النحل ۱۲۵)

نبی کی حیثیت اپنی قوم کے سامنے خدا کے نمائندے اور شاہد کی ہوتی ہے۔ وہ خدا کی طرف سے حق کی شہادت دیتا ہے۔ اگر قوم حق کو قبول کرے تو قیامت میں اس کی ہدایت یافتگی، حق آگاہی اور حق پسندی کے بارے میں وہ شہادت دیتا ہے اور اگر وہ دعوتِ حق کو رد کرے تو وہ قیامت میں خدا کی طرف سے حجت بن کر اس کے خلاف باطل پرستی اور ناحق پسندی کی شہادت دیتا ہے۔ قرآن نے فرمایا:

"اے محمدؐ انہیں (اس دن سے خبردار کر دو) جب کہ ہم ہر امت میں خود اس کے اندر سے ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے جو اس کے مقابلے میں شہادت دے گا اور ان لوگوں کے مقابلے میں شہادت دینے کے لیے ہم تمہیں لائیں گے ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے اور ہدایت رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔" (النحل ۸۹)

باطل پرستی تاریکی ہے اور ہدایت روشنی ہے اور حضور اکرمؐ ہدایت اور روشنی کے علمبردار

ہیں، فرمایا گیا :

"اے محمدؐ یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ۔ ان کے رب کی توفیق سے اس خدا کے راستے پر جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے اور زمین اور آسمانوں کی ساری موجودات کا مالک ہے"

(ابراہیم ۔ ۱)

خود ہدایت پہنچانے والا ہادی بھی جس طرح اپنے مالک کی گرفت میں ہے اور جس طرح اس کی نگرانی کی جاتی ہے وہ بھی بے نہایت اور بے پناہ ہے ۔ وہ ایک ایسی نازک صورتحال سے دوچار ہوتا ہے کہ اسے عمر بھر بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز راہِ ہدایت پر چلنا پڑتا ہے۔ ایک طرف خدا کے بندوں کی ہٹ دھرمی ہوتی ہے تو دوسری طرف مالکِ کائنات کے احکام اور اس کا جلال و جبروت ہوتا ہے چنانچہ حضورؐ اکرم کو حکم دیا گیا کہ لوگوں سے صاف صاف کہہ دو کہ :

"مجھے تو صرف اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھہراؤں۔ لہٰذا میں اس کی طرف دعوت دیتا ہوں، اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے ۔ اسی ہدایت کے ساتھ ہم نے یہ عربی فرمان تم پر نازل کیا ہے۔ اب اگر تم نے اس علم کے باوجود جو تمہارے پاس آچکا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کے مقابلے میں نہ کوئی تمہارا حامی اور مددگار ہے اور نہ کوئی اس کی پکڑ سے تم کو بچا سکتا ہے"

(الرعد ۳۶ ۔ ۳۷)

اور یہ کہ :

"تم ان سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔ اور اللہ تعالیٰ

پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے "۔ (الیوسف ۱۰۸)
نیز فرمایا:

"اے محمدؐ ان سے کہو میرا یہ کام نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیّر و تبدّل کر لوں، میں تو بس اسی وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے "۔

(یونس ۱۵)

ہدایت اور گمراہی، روشنی اور تاریکی اور اسلام اور کفر میں کوئی قدرِ مشترک نہیں ہے انسان ان دونوں میں سے ایک ہی شے اختیار کر سکتا ہے اور رسول روشنی کا علمبردار اور ہدایت کا معلّم ہوتا ہے اس لیے اس کی تعلیم صاف اور سیدھی ہوتی ہے۔ اس میں کوئی مداہنت نہیں ہوتی، ایمان والوں اور کفر والوں کا باہمی کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ ہدایت یافتہ مومنین کے لیے لازم ہے کہ وہ ایک ہو کر دین کے راستے پر چلیں چنانچہ انہیں متنبہ فرمایا گیا:

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔ تم میں سے جو اُن کو رفیق بنائیں گے وہی ظالم ہوں گے۔ اے نبی کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ جل شانہٗ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے، اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔"

(التوبہ ۲۴)

جو لوگ رسولؐ کی پاکیزہ زندگی اور اس کی تعلیم کا انسانی فطرت کے مطابق ہونا دیکھنے کے

Marfat.com

باوجود معجزات کے طالب ہوتے ہیں درحقیقت ان میں ہدایت پانے کی صلاحیت کا فقدان ہوتا ہے اور وہ اپنی بدباطنی اور بد دماغی کے لیے ایسے ہی سہارے تلاش کیا کرتے ہیں چنانچہ ہدایت سے بے نیاز ایسے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا :

"اے نبی، جب تم ان لوگوں کے سامنے کوئی نشانی (معجزہ) پیش نہیں کرتے تو یہ کہتے ہیں کہ تم نے اپنے لیے کوئی نشانی کیوں نہ انتخاب کر لی ان سے کہو میں تو صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب نے میری طرف بھیجی ہے۔ یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے، ان لوگوں کے لیے جو اسے قبول کریں، جب قرآن تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو شاید کہ تم پر بھی رحمت ہو جائے "

(الاعراف ۲۰۳-۲۰۴)

اللہ کی رحمت اپنے بندوں پر متوجہ ہونے کے لیے ہر وقت تیار اور آمادہ ہے بشرطیکہ بندے اپنے مالک کی طرف رجوع کریں اور ہدایت کی یہ خوبی ہے کہ وہ آدمی کے دل و دماغ پر سے افکارِ پریشان کے بوجھ بھی اتار دیتی ہے اور معاشرتی رسوم و قیود کو بھی ہلکا کر کے صاف اور سیدھی زندگی کا راستہ بتا دیتی ہے۔

چنانچہ فرمایا گیا :

"آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے جو اس پیغمبر نبیِ اُمی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے۔ بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے، لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں

جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے وہی فلاح پانے والے لوگ ہیں۔ (اے محمدؐ) کہو اے انسانوں میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُمی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے اور پیروی اختیار کرو اس کی۔ اُمید ہے کہ تم راہِ راست پا لوگے۔"

(الاعراف ۱۵۷۔۱۵۸)

گویا انسانی زندگی کا سب سے بڑا مقصود یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کی شناخت کرے اور اس تک پہنچنے کا سیدھا راستہ حاصل کرے وہ سیدھا راستہ وحی اور نبی کی رہنمائی اور ہدایت کے بغیر پانا قطعاً ممکن نہیں ہے۔

وہ سیدھا راستہ ہر دور کے انبیاء کا راستہ ہے جو بذریعہ وحی انسانوں کو دکھایا جاتا ہے فرمایا گیا:

"اے محمدؐ کہو میرے رب نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے، بالکل ٹھیک دین، جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں، ابراہیمؑ کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اس نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ کہو میری نماز، میرے مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا حکم مجھے دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سرِ اطاعت جھکانے والا میں ہوں"

(الانعام ۱۶۱۔۱۶۳)

اور وہ دین جو ٹھیک ٹھیک مالک الملک کو مطلوب ہے وہ ایک صاف صاف کتاب ہدایت کے ذریعے اتارا گیا ہے فرمایا گیا:

"یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ یہ بڑی خیر و برکت والی کتاب ہے اس چیز کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آئی تھی اور اس لیے نازل کی گئی ہے کہ

اس کے ذریعے سے تم بستیوں کے اس مرکز (مکّہ) اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو متنبہ کرو جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں " (الانعام ۹۲)

ہدایت پانے والے اللہ کو بہت عزیز ہیں اور ان کی دلجوئی اسے بہت محبوب ہے۔ فرمایا گیا:

"اے محمدؐ تم اس (علم وحی) کے ذریعے سے ان لوگوں کو نصیحت کرو جو اس کا خوف رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے سامنے کبھی اس حال میں پیش کیے جائیں گے کہ اس کے سوا وہاں کوئی ایسا (ذی اقتدار) نہ ہوگا جو ان کا حامی و مددگار ہو یا ان کی سفارش کرے، شاید کہ (اس نصیحت سے متنبہ ہو کر) وہ خدا ترسی کی روش اختیار کریں، اور جو لوگ اپنے رب کو رات دن پکارتے رہتے ہیں اور اس کی خوشنودی کی طلب میں لگے ہوئے ہیں انہیں اپنے سے دور نہ پھینکو ان کے حساب میں سے کسی چیز کا بار تم پر نہیں ہے اور تمہارے حساب میں سے کسی چیز کا بار ان پر نہیں، اس پر بھی اگر تم انہیں دور پھینکو گے تو ظالموں میں شمار ہو گے"

(الانعام ۵۱-۵۲)

ایک رسول کی ہادی کی حیثیت سے یہی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو اس کے بندوں تک صاف صاف پہنچا دے۔

فرمایا:

"اے پیغمبر جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا (المائدہ ۶۷)

مزید فرمایا:

" اے محمدؐ ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب

Marfat.com

میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔ لہٰذا تم خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔" (المائدہ ۴۸)

مالک اپنے ان بندوں کو مخاطب کر کے اور ان پر احسان جتاتے ہوئے فرماتا ہے۔ جو پہلے سے آسمانی ہدایات سے آگاہ اور ان سے شناسا ہیں اور اس کی پہچان رکھتے ہیں اور اب اللہ تعالےٰ جل شانہٗ انہیں بتاتا ہے کہ تم اہلِ کتاب ہونے کی حیثیت سے اس تعلیمِ ربانی کو پہچاننے اور اسے تسلیم کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہو، جب کہ ایک بشارت دینے اور ڈرانے والا نبی تمہارے درمیان موجود ہے۔

"اے اہلِ کتاب، ہمارا یہ رسول ایسے وقت میں تمہارے پاس آیا ہے اور دین کی واضح تعلیم دے رہا ہے جب کہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک مدت سے بند تھا تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا سو دیکھو اب بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آگیا ہے" (المائدہ ۱۹)

اللہ کا نبی جو راہِ راست اختیار کرنے والوں کو بشارت دینے والا اور کج روی اختیار کرنے والوں کو ڈرانے پر مامور ہوتا ہے۔ وہ اہلِ کتاب کے سامنے بھی دعوتِ دین پیش کرتا ہے۔ وہ اہلِ کتاب جو امتدادِ زمانہ سے اپنی بہت سی دینی تعلیمات کو کھو چکے ہیں، ان سے غافل ہو چکے ہیں اور ان سے منہ موڑ چکے ہیں، اب وہی تعلیمات قرآن کی صورت میں زیادہ بہتر طور پر ان کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں۔

فرمایا گیا:

"اے اہلِ کتاب، ہمارا رسولؐ، تمہارے پاس آگیا ہے جو کتابِ الٰہی کی بہت سی ان باتوں کو تمہارے سامنے کھول رہا ہے جن پر تم پردہ ڈالا کرتے تھے اور بہت سی

باتوں سے درگزر بھی کر جاتا ہے ۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آگئی ہے اور ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعے سے اللہ تعالٰے ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں ، سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اُجالے کی طرف لاتا اور راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے ۔"

(المائدہ ۱۵-۱۶)

خود حضورؐ اکرم سے مخاطب ہو کر اللہ تعالٰے نے ان کے مقام ہدایت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا :

"اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تم کو وہ کچھ بتایا ہے جو تمہیں معلوم نہ تھا اور اس کا فضل تم پر بہت ہے ۔" (النساء ۱۱۳)

ہدایت تمام تر نبی کی تعلیمات ہی میں مضمر ہوتی ہے اور انصاف تمام تر نبی کے فیصلوں ہی پر منحصر ہوتا ہے ، اس لیے جو لوگ نبی کے فیصلوں سے پہلوتہی کریں وہ ایمان سے یکسر خالی ہوتے ہیں چنانچہ فرمایا :

"اے محمدؐ تمہارے رب کی قسم ، یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں ، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو ، اس پر وہ اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سر بسر تسلیم کریں ۔" (النساء ۶۵)

اہل ایمان کی اس سے بڑھ کر خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے درمیان اللہ کا بھیجا ہوا ہادی رسول کی صورت میں موجود ہو جو انہیں ان کے مالک کی رضا سے آگاہ کرے ، انہیں راہِ راست کی نشاندہی کرے اور انہیں سیدھے راستے پر چلنے کی تعلیم دے اور تلقین کرے ۔ فرمایا :

"اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہیں میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے

Marfat.com

اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے ۔ (آل عمران ۱۶۴)

ہدایت دراصل ایک عملِ مسلسل اور ایک سمتِ معین ہے ۔ عمل اللہ کی فرمانبرداری اور سمت اللہ کی رضا ہے اس کی طرف بنی نوع انسان کی زندگی کے ہر دور میں رہنمائی کی جاتی رہی ہے مالک نے جو ربوبیت کا ذمہ دار ہے اور جو اپنے بندوں کو ہدایت کے بغیر بھٹکنے کے لیے چھوڑنے والا نہیں ہے اس نے ہر دور میں اپنے فرستادہ نبی اٹھائے اور انہیں امرِ حق واضح کرنے کے لیے کھڑا کیا۔ اس لیے ہدایت ایک ہی ہے اور وہ مالک کی بندگی اور اطاعت ہے اور ہر فرستادہ اپنے اپنے دور میں اسی ایک ہدایت کی طرف اپنے دور کے لوگوں کو بلاتا رہا ہے ۔

فرمایا گیا :

" اے نبی کہو کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں ، اس تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے ان تعلیمات کو بھی مانتے ہیں جو ابراہیمؑ ، اسماعیلؑ ، اسحاقؑ ، یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ پر نازل ہوئی تھیں اور ان ہدایات پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰؑ ، عیسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئیں ۔ ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے تابع فرمان مسلم ہیں ، اس فرمانبرداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا " (آل عمران ۸۴ ۔ ۸۵)

گویا بندوں کی حقیقی ضرورت یہ ہے کہ وہ اپنے معبود سے آشنا ہوں اور جس طرح اس کی ربوبیت سے مادی طور پر مستفید ہوتے ہیں اسی طرح روحانی طور پر بھی اس کی محبت کی چاشنی سے آشنا ہوں اس لیے نبی کا یہ کام ہے کہ وہ بندوں کو ان کے رب کے قریب تر لائے اور انہیں ان کے رب سے آشنا کرائے اور رب کی آشنائی اس کی بندگی اور اطاعت ہے ۔

Marfat.com

فرمایا:

"اے نبی، لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اللہ تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے ان سے کہو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کر لو پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہیں۔"

(آل عمران ۳۱-۳۲)

فرمایا گیا:

"میں نے تمہارے درمیان خود تم میں ہی سے ایک رسول بھیجا، جو تمہیں میری آیات سناتا ہے، تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے، تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔ لہٰذا تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرو اور کفرانِ نعمت نہ کرو۔" (البقرہ ۵۱-۵۲)

گویا رسولؐ بندوں کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالےٰ کی آیات محکمات بہت بڑی نعمت ہیں۔ اللہ کی وحی بہت بڑی نعمت ہے۔ کتاب و حکمت کی تعلیم بہت بڑی نعمت ہے اور ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا بندوں پر فرض ہے تاکہ انہیں مزید نعمتوں سے نوازا جائے اور کفرانِ نعمت سے اجتناب کیا جائے، اس لیے کہ ہدایت جیسی نعمت کا کفران گمراہی جیسی تاریک بلائے بد کو انسان پر مسلط کر دیتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوی زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنا فریضۂ نبوت ادا کرنے اور خدا کے بندوں تک پیغامِ خداوندی پہنچانے میں صرف کیا۔ ہر وقت، ہر مقام، ہر مجلس اور ہر جگہ حضورؐ کی نبوی حیثیت آپ کے ساتھ ساتھ رہی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کو خدا کی بندگی کی طرف بلاتے رہے اور اسے بندگی کے آداب اور عبودیت کی

تفصیلات سے آگاہ کرتے رہے۔ کبھی آپ نے اپنے گھر والوں کو مخاطب کیا اور فرمایا:

"اے فاطمہ بنت محمدؐ! اور اے صفیہؓ بنت عبدالمطلب اور اے بنو عبدالمطلب مجھے اللہ کی طرف سے تمہیں فائدہ پہنچانے کے سوا کوئی اختیار نہیں ہے تم میرے مال میں سے جتنا چاہو مجھ سے مانگ لو۔ خدا کی قسم جو چیز میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں کوئی نہیں جو اپنی قوم کے پاس اس چیز سے بہتر شئے لایا ہو۔ میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس کی طرف دعوت دوں۔ تم میں سے کون ہے جو میرے اس کام میں میرے ہاتھ مضبوط کرے اور اس کے نتیجے میں میرا بھائی بن جائے"۔ ۱

کبھی آپؐ نے اپنے صحابہ کو نصیحتیں فرمائیں چنانچہ ایک بار حضرت معاذ بن جبل کو دس باتوں کی فرمائی، ظاہر ہے کہ ہر مسلمان ان نصیحتوں کا مخاطب ہے۔ (روایت مسلم، جلد ، صفحہ)

آپؐ نے فرمایا:

— اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو چاہے تمہیں قتل ہی کر دیا جائے۔

— اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو اگرچہ وہ تمہیں حکم دیں کہ اپنے اہل و عیال اور مال و منال چھوڑ کر نکل جاؤ۔

— کبھی ایک فرض نماز بھی قصداً نہ چھوڑو کیونکہ جس نے ایک فرض نماز قصداً چھوڑی اس کے لیے اللہ کا ذمہ اور عہد نہیں رہا۔

— شراب ہرگز نہ پیو کیونکہ شراب سارے فواحش کی جڑ بنیاد ہے۔

— ہر گناہ سے بچو، گناہ سے اللہ کا غصہ نازل ہوتا ہے۔

— جہاد کے معرکے سے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو چاہے کشتوں کے پشتے لگ رہے ہوں۔

— لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے وبا کے ڈر سے نہ بھاگو۔

(۱ روایت مسلم تفسیر ابن کثیر ص: ۳۵۰ جلد ۳)

Marfat.com

___ اپنے اہل و عیال پر اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق خرچ کرو۔

___ اپنے اہل و عیال کو ادب سکھانے کے لیے حسب ضرورت ان پر سختی کرو۔

___ ان کو اللہ سے ڈرایا بھی کرو۔

حضرت ابو ذرؓ غفاری نے روایت کی ہے کہ مجھے میرے محبوب دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں کا خاص طور پر حکم دیا تھا۔

___ مساکین سے محبت رکھنے اور ان کے قریب رہنے کا۔

___ دین میں اپنے سے اوپر اور دنیا میں اپنے سے نیچے کی طرف دیکھنے کا۔

___ اہل قرابت سے صلہ رحمی کرنے کا۔

___ خدا کے سوا کسی سے کوئی چیز نہ مانگنے کا۔

___ ہر موقع پر ہمیشہ حق بات کہنے کا۔

___ اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے کا اور

___ کلمہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھنے کا۔

سورہ مدثر کے پہلے رکوع کی رو سے حضورؐ کی نبوت اور رسالت کے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ لوگوں کو مندرجہ ذیل چیزیں سکھائیں۔

۱ ___ نافرمان لوگوں کو ان کے انجام بد سے ڈرانا۔

۲ ___ اللہ کی ربوبیت اور کبریائی اور عظمت و جلال بیان کرنا۔

۳ ___ لوگوں کو اعتقاد و اعمال کی نجاستوں اور ظاہری اور باطنی اخلاقی گندگیوں سے پاک کرنا۔

۴ ___ پاکیزگی، صفائی اور پاکدامنی سکھانا۔

۵ ___ دینی تعلیمات لوگوں تک پہنچانا۔

۶ ___ راہ حق میں جو مصائب بھی آئیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا۔

لہ مسند احمد۔ معارف الحدیث

اللہ کا اذن ملنے پر حضور اکرمؐ نے اعلانِ نبوت کے ساتھ پہلے ہی خطبے میں قریش کو جمع کر کے حق و ہدایت کی بات ان تک برملا پہنچا دی تھی۔ آپ نے فرمایا:

"کیا تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا جانتے ہو" سب نے بیک آواز کہا:

"ہم یقین کرتے ہیں کہ آپ صادق اور امین ہیں"

حضور نے فرمایا۔ اچھا تو پھر سنو۔

"اے لوگو! میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ساری دنیا کا مالک و خالق ہے۔ وہ واحد و یکتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ اور قائم ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں وہ غنی اور بے نیاز ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ مخلوق کو پالتا اور جانداروں کو رزق دیتا ہے۔ سب کچھ اسی نے پیدا کیا ہے"

"اے لوگو! اللہ تعالےٰ نے تمہیں عقل کی نعمت دی ہے تاکہ تم اس کی وحدانیت، ربوبیت، رزاقیت اور خالقیت پر غور کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو وہ توبہ کرنے والے بندوں پر اپنی رحمت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا اور ان کی آرزوؤں کو پورا کرتا ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو۔ اے اللہ کے بندو! اگر تم اللہ سے ڈرو اور اس کے حکموں کے آگے جھک جاؤ تو پھر تمہیں کسی چیز کے لیے بھی کسی دوسری تدبیر کی احتیاج نہ ہوگی۔ وہ سب سے زیادہ معاف کرنے والا اور غفور و رحیم ہے۔

"اے لوگو! یہ تم نے اپنے خالق و مالک کو چھوڑ کر پتھر کے ٹکڑوں کو کیوں اپنا معبود بنا لیا ہے ان میں کوئی نفع و ضرر کی قوت نہیں ہے، یہ تو اپنے آپ سے بھی ضرر کو دفع کرنے کی قدرت نہیں رکھتے یہ کسی کی پکار نہیں سن سکتے"

اے لوگو! تم خدائے قدوس کو چھوڑ کر عاجز ہستیوں کی پرستش کرتے ہو اور تم نے

اس کے احسانات کو فراموش کر دیا ہے۔ خدا کے بندو خدا کی ہی عبادت کرو میں تمہیں اس نازک وقت کے آنے سے پہلے ہدایت کرتا ہوں کہ اپنی روح، دل، اپنی ساری قوتوں اور خواہشوں کے ساتھ خدائے قدوس کے آگے جھک جاؤ اور اس کی عبادت کرو۔ یقین کرو کہ موت تمہارے سر پر آرہی ہے تمہیں ایک روز خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور میں عالم آخرت کو بھی ایسا ہی دیکھ رہا ہوں جیسا دنیا پر تمہاری نظر ہے کون ہے جو اس کام میں میرے ساتھ تعاون کرے گا۔"

یہ وہ پہلی پکار ہے جو ہدایت کی طرف اللہ کے نبی نے اپنی قوم کو دی اور پھر کشمکش کا وہ دور شروع ہوا جو بالآخر ہجرت اور بدر و اُحد سے گزرتا ہوا فتح مکہ پر منتج ہوا۔

حضورؐ کی تعلیماتِ ہدایت زندگی کے سارے ہی شعبوں کے بارے میں تھیں۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی، معاشرتی اور معاشی زندگی، تہذیبی اور سیاسی زندگی۔ دعوتِ توحید آپؐ کی دعوت کا بنیادی نکتہ تھا۔ رسالت اور اس کی اطاعت، آخرت اور اس کی جوابدہی، اعتقادات کے ساتھ ساتھ معاملات اور لین دین کی صفائی، عبادت پاکیزگی اور عبادات کا پورا نظام بتدریج ہدایاتِ نبوی کا موضوع بنتا چلا گیا۔

حضور اکرمؐ کی دعوت و ہدایت کا نجاشی کے دربار میں ان کے چچیرے بھائی جعفر طیارؓ نے جس انداز میں تعارف کرایا، وہ بھی اپنی تاریخی نوعیت کے لحاظ سے بے حد اہم ہے۔ انہوں نے آپؐ کی دعوتِ ہدایت کا تعارف کراتے ہوئے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے بادشاہ، ہم جہالت میں مبتلا تھے، بتوں کو پوجتے تھے، نجاست میں آلودہ تھے مُردار کھاتے تھے، بیہودہ بکا کرتے تھے۔ ہم میں انسانیت اور سچی مہمانداری کا نشان نہ تھا۔ ہمسایہ کی رعایت نہ تھی، کوئی قاعدہ و قانون نہ تھا۔ ایسی حالت میں خدا نے ہم میں سے ایک بزرگ کو مبعوث کیا جس کے حسب و نسب، سچائی، دیانتداری اور تقویٰ پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہم کو توحید کی

Marfat.com

دعوت دی اور سمجھایا کہ اس اکیلے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانیں، اس نے ہم کو پتھروں کی پوجا سے روکا۔ اس نے فرمایا کہ ہم سچ بولا کریں، وعدہ پورا کریں، گناہوں برائیوں سے بچیں، اس نے حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں، اور صدقہ دیا کریں اور روزے رکھا کریں لیکن ہماری قوم ہم سے ان باتوں پر بگڑ بیٹھی۔ قوم نے جہاں تک ہو سکا ہم کو ستایا تاکہ ہم وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنا چھوڑ دیں اور لکڑی اور پتھر کی مورتوں کی پوجا کرنے لگ جائیں۔ ہم نے ان کے ہاتھوں بہت ظلم اور تکلیفیں اٹھائیں اور جب ہم مجبور ہو گئے تب تیرے ملک میں پناہ لینے کے لیے آئے۔"[1]

پھر جب ان تکالیف سے گزر کر مکہ فتح ہو گیا اور وہ قریش جنہوں نے مسلمانوں کے لیے مکہ کی زمین برس ہا برس تک تنگ رکھی تھی خود اپنے گھر میں مفتوح ہو کر آپؐ کے سامنے حاضر ہوئے تو آپؐ کی زبانِ ہدایت نے جو فرمایا وہ بھی رحمت کے لحاظ سے انسانیت کا قیمتی سرمایہ ہے:

'اے جماعتِ قریش، خدا نے تمہاری جاہلانہ نخوت اور آباؤ اجداد پر اکڑنے کا غرور آج توڑ دیا، حقیقت یہ ہے کہ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔ خدا کے ہاں تو اسی کی عزت زیادہ ہے جس میں خدا خوفی اور تقویٰ زیادہ ہے

"پھر فرمایا" جاؤ تم سب آزاد ہو اور تم پر آج کوئی مواخذہ نہیں ہے۔"

آپؐ کے اس رحم و کرم نے دلوں کے بند دروازے کھول دیے اور لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے چلے گئے حضور کوہِ صفا پر بیٹھ گئے اور نئے مسلمان ہونے والوں سے بیعت لینے لگے بیعت کا اقرارِ ہدایت یہ تھا:

۱۔ میں خدا کے ساتھ کسی کو بھی اس کی ذات میں، صفات میں اور استحقاقِ عبادت اور استحقاقِ استعانت میں شریک نہ کروں گا۔

۲۔ میں چوری نہ کروں گا، زنا نہ کروں گا، خونِ ناحق نہ کروں گا، لڑکیوں کو جان سے نہ ماروں گا، کسی پر بہتان نہ لگاؤں گا۔

[1] سیرت ابن ہشام جلد اوّل صفحہ ۱۱۶۔

Marfat.com

۳۔ میں مومن ہوں میں حضور اکرمؐ کی اطاعت بقدر استطاعت کروں گا[1]

اور نیز عورتوں کو راہِ راست دکھانے کے لیے ان کی اخلاقی کمزوریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مزید یہ اقرار لیا جاتا تھا کہ وہ کسی کے سوگ میں منہ نہ نوچیں گی۔ طمانچوں سے چہرہ نہ پیٹیں گی، بال نہ کھولیں گی، گریبان چاک نہ کریں گی، سیاہ کپڑے نہ پہنیں گی اور قبر پر سوگواری کے لیے نہ بیٹھیں گی۔

پھر رحمت للعالمین نے ہدایتِ ربانی کو چار دانگ عالم تک پہنچانے اور ہدایت رسانی کے فریضے کو ادا کرنے کے لیے سلاطینِ عالم کو بے شمار دعوتی خطوط لکھے جن میں سے شاہ حبشہ کے نام جو خط لکھا گیا تھا وہ اب بھی محفوظ ہے اور دعوتِ حق کا بے نظیر نمونہ ہے۔

آپ نے تحریر فرمایا:

''یہ مکتوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شاہ حبشہ نجاشی الاصحم کے نام ہے سلامتی ہو اس شخص پر جس نے ہدایت قبول کی اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور اس نے اس بات کی شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی نہ بیوی ہے نہ بیٹا ہے اور گواہی دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ پس میں اللہ کا رسول ہوں تم اسلام قبول کرو، سلامتی پاؤ گے۔''

''اے اہل کتاب آؤ ایک ایسے کلمے کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی غلامی اختیار نہ کریں اور نہ کسی چیز کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا مالک نہ سمجھے اگر وہ روگردانی کریں تو تم کہہ دو، اے لوگو تم گواہ رہنا کہ ہم تو مسلمان ہیں۔''

''پس اسے بادشاہ اگر تو نے انکار کیا تو تیری نصرانی قوم کا گناہ بھی تجھ پر ہو گا۔''

یوں حضور اکرمؐ رحمت للعالمین نے اللہ کا پیغامِ رحمت و ہدایت تمام دنیا کے ان

[1] طبری۔

Marfat.com

تک پہنچایا اور اپنا وہ فریضۂ نبوّت احسن طریقے سے سرانجام دیا جس فرض پر خاتم النبیین کی حیثیت سے آپ مامور تھے۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر بھی حضورؐ نے ایک عالمگیر خطبہ ارشاد فرمایا جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ اس کے ذریعے آپ نے دعوتِ حق کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ پھر اتفاقِ حق کے لیے اپنے سامنے تاحدِ نظر پھیلی ہوئی اس خلقِ خدا سے بہ آوازِ بلند خود پوچھا:

"اے لوگو، قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی پوچھا جائے گا مجھے بتاؤ کہ تم کیا جواب دو گے تو لوگوں نے پکار کر کہا کہ "ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم تک پہنچا دیے۔ آپ نے کھرے کھوٹے کی بابت ہمیں اچھی طرح بتا دیا"

اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے فرمایا:

"اے خدا سن لے تیرے بندے کیا کہہ رہے ہیں، اے خدا گواہ رہنا کہ یہ لوگ کیا گواہی دے رہے ہیں۔ اے خدا شاہد رہنا کہ یہ سب صاف اقرار کر رہے ہیں"

پھر مزید فرمایا کہ جو لوگ موجود ہیں وہ ان تک جو موجود نہیں ہیں۔ یہ بات پہنچا دیں۔ اس طرح حضورؐ اکرم نے تکمیلِ ہدایت کی اور اپنی نبوت کے فریضے کو نہ صرف پورا کرنے کا حق ادا کیا بلکہ خدا کی مخلوق کو بھی اس پر گواہ کر لیا تاکہ ہدایت پہنچانے کے فریضے پر مخلوقِ خدا بھی گواہ ہو اور خود خدا بھی گواہ ہو۔

چنانچہ فوراً ہی خدا کی طرف سے ادائیگیٔ فرض اور تکمیلِ ہدایت کی رسید بھی مل گئی اسی جگہ اور اسی وقت آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ	آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے
اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ	کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا
لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا - (المائدہ ۳)	اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا۔

Marfat.com

اور جب آپ دنیا سے رخصت ہوئے تو اس وقت بھی آپ کی زبان مبارک پر انسانوں تک ہدایت پہنچانے کے آخری الفاظ یہی تھے ۔ قرآن ، اہل بیت ۔ قرآن، اہلِ بیت ۔

قرآن ـــــ دعوتِ حق اور ہدایت ربانی کا بہتا ہوا ازلی اور ابدی چشمۂ صافی جس سے انسان قیامت تک سیراب وشاد کام ہوتے رہیں گے اور اس کی مدد سے صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں گے ۔

اہلِ بیت ـــــ داعیانِ دعوتِ حق اور مبلّغینِ ہدایتِ ربانی جو ایک گروہ مبلّغین کی طرح قیامت تک حضورِ اکرمؐ کے مشن کی تکمیل و توسیع کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں گے جو احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کرتے رہیں گے اور جبّاروں ظالموں خدا کے باغیوں اور سرکشوں کے سامنے سربکف دعوتِ حق پیش کرتے رہیں گے چاہے ان کے لیے کتنی بھی کربلائیں برپا کی جائیں ۔

یوں حضورِ اکرمؐ سراپا رحمت اور سراپا ہدایت تھے ۔

Marfat.com

منزل سوم:

آغازِ دعوتِ اسلامی

Marfat.com

Marfat.com

پہلا بابؒ

آغازِ کار

جسم وروح کے رشتے میں پانی کی ایک چھاگل اور تھوڑے سے ستو ہی ایک واضح نشان رہ گئے تھے باقی دنیا بہت پیچھے رہ گئی تھی اور حقیقت کی تلاش جاری تھی، حقیقت کی تلاش ہی مقصدِ زندگی بن کر رہ گئی تھی۔

وہ حقیقت جو ضمیرِ انسانی میں جھلکتی ہے، وہ حقیقت جو فطرتِ انسانی میں بولتی ہے، وہ حقیقت جو پیشانی کے واضح خطوط میں نشانِ بندگی بن کر اُبھرتی ہے۔ وہ حقیقت جو تخلیق بن کر خالق کے وجود پر مجسّم گواہی پیش کرتی ہے۔ وہ حقیقت جو بندے کے عجز و عبودیّت میں رحم و شفقت کی بھرپور اور اطمینانِ قلب کی پُرسُرور پکار بن کر گونجتی ہے۔ وہ حقیقت کہاں ہے۔ وہ حقیقت کدھر ہے۔ عاجز بندے کو اس حقیقت کی بہت تلاش ہے۔ اے حقیقتِ منتظر تو کہاں ہے اضطرابِ بندگی تیری تلاش میں ہے۔

سر سجدے میں ہے، غور و فکر کا عمل جاری ہے، جو قبیس کا بلند و بالا پہاڑ ہے اس کے بلند و بالا دامن میں ایک مختصر سا غار ہے صدیوں سے اس غار میں کبھی کوئی نہیں آیا ہے، لیکن اب کچھ مدّت سے ایک انسان اس غار کا مکین ہے۔ وہ انسانِ عظیم جس کا شہرِ مکہ میں اپنا گھر بھی موجود ہے اس کے گھر میں آسائش کے سارے سامان موجود ہیں، اس کے بیوی بچے ہیں، اس کا کاروبار ہے اسے فارغ البالی حاصل ہے، لیکن وہ ان سب آسائشوں کے درمیان سخت مضطرب

Marfat.com

ہے، اس کا دل مضطرب ہے، اس کا ذہن سوچتا ہے۔ اس کی فکر پہنائے کائنات میں "تلاش حقیقت" میں سرگرداں ہے، اے حقیقتِ عظمیٰ تو کہاں ہے، بندۂ عاجز کو تیری تلاش ہے۔

بندے کو اب ایک شے مل گئی ہے جو نشانِ بندگی ہے وہ شے سجدۂ عبودیت ہے۔ انتہائی اضطراب میں، ہجومِ افکار اور تلاشِ حقیقت کے پرشور تصورات میں وہ جب کبھی حقیقتِ عظمیٰ کے سامنے سربسجود ہوتا ہے تو اسے سکون مل جاتا ہے۔ اس کے سکون کا سب سے بڑا مرکز اس کا سجدہ ہے۔ غارِ حرا میں حقیقتِ عظمیٰ کے سامنے ایک بھرپور سجدہ جس میں بندے کی بندگی کا سارا عجز سمیٹ کر خالقِ اکبر کے سامنے نذر کر دیا جاتا ہے۔

مکمل خانہ داری اور بھرپور دنیا داری کی زندگی سے گریز جاری ہے، سارا سکون اب پہاڑ کی اسی کھوہ میں سمٹ آیا ہے، دل کو کس کی تلاش ہے، ذہن کو کس کی جستجو ہے، حواس کو کس کی آمد کا احساس ہے، کوئی بتائے کہ یہ کائنات کیا ہے؛ اس کا خالق کون ہے؛ انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے ہم کون ہیں اور کیوں ہیں، دل مضطرب ہے اور پیشانی مالک کے آگے جھکی پڑتی ہے، میرے آقا، میرے آقا تو کہاں ہے، تیرا بندہ حاضر ہے، تیرا بندہ تیری تلاش میں سرگرداں ہے، بندہ حاضر ہے مالک تو کہاں ہے؟

اور پھر اس کھوہ میں جہاں اس کے سوا کبھی کوئی نہ آیا تھا، اس غار میں جو بلند و بالا پہاڑ کے بلند و بالا دامن میں دشوار گزار تھا اور اس تک جانے کی کسی کو کوئی غرض نہ تھی۔ یہاں صرف وہی جاتا تھا اور دوسرا کوئی نہ جاتا تھا، جہاں مضطرب سکون تھا اور جہاں متجسس اطمینان تھا وہاں اچانک کوئی دوسرا بھی آگیا جس کی آمد کا دور دور تک گمان نہ تھا جس کا انتظار نہ تھا، جس کے وجود کا وہم و گمان بھی نہ تھا جس کی آمد کی کوئی اطلاع اور کوئی خبر نہ تھی جو نہ ہم جنس تھا اور نہ اپنا ہمسایہ اور شہری تھا لیکن وہ بہت ہی زیادہ اپناپن کر آیا تھا اور سب سے زیادہ قریب ہو کر آیا تھا وہ شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب کا ایلچی بن کر آیا تھا اور اس نے آتے ہی حروف و الفاظ کی دنیا سے ناآشنا اس مضطرب انسان اور متلاشی روح سے حیران کن بات کہہ دی۔ یہ بات اس کا جاننے والا کوئی

بھی نہ کہہ سکتا تھا، وہ بات اس آنے والے نے اس حیران و پریشان بندے سے کہہ دی تھی۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ	پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اِقْرَاْ	پیدا کیا تم کو، پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون
وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ	کے ایک لوتھڑے سے، پڑھ اور تمہارا رب
بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ	کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور
یَعْلَمْ (العلق - ۱-۵)	انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

پڑھ (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ اسے بتایا گیا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، آنے والے نے یہ سن کر حق کے متلاشی کو پکڑ کر محبت بھرے زور سے بھینچا اور پھر چھوڑ کر دہرایا، پڑھ، اس نے پھر یہی دہرایا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر آنے والے نے پکڑ کر محبت و اپنائیت کے اس زور سے بھینچا کہ جیسے دم ہی نکال دے گا۔ اور پھر کہا اچھا پڑھ، جس نے پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے۔ پڑھ اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔ یہ باتیں سکھا کر وہ اچانک آنے والا پھر اچانک ہی نظروں سے اوجھل بھی ہو گیا۔

آنے والا تو اوجھل ہو گیا لیکن حقیقت منکشف ہو گئی جس کی تلاش تھی وہ مل گیا۔ پیدا کرنے والا ہی درحقیقت رب تھا اور وہ بڑا کریم تھا اور انسان کو سارا علم اسی کا دیا ہوا تھا اور وہی بندگی اور عبادت کے قابل اور اس کا سزاوار تھا۔ حقیقت واضح ہو گئی تھی لیکن یہ ایک بڑا ہی انوکھا تجربہ اور دہشتناک صورتِ حال تھی انسان اپنے چاروں طرف جن معمولات کا عادی ہوتا ہے ان سے ہٹ کر کوئی بات ہو جائے تو وہ چیز اس کے لیے بڑی دہشت ناک ہوتی ہے۔ خدا کا نیک بندہ اس تجربے سے دہل گیا تھا، اب غار میں مزید ٹھہرنا ممکن نہ رہا تھا۔

اور آپ پہاڑ سے اتر کر واپس گھر تشریف لائے۔ ڈرے ڈرے، سہمے سہمے، گھبرائے گھبرائے

Marfat.com

پریشان پریشان، خوف زدہ خوف زدہ، ان سے پہلے یہ انوکھا تجربہ صدیوں صدیوں کے بعد بعض انسانوں کو ہوتا رہا تھا، مالک کا اپنے بندوں سے رابطہ کا یہی طریقہ اور یہی ذریعہ تھا سلسلۂ رسالت! غارِ حرا میں یہ تو مکتبِ خداوندی کا اوّلین درس تھا۔ جو اپنے محبوب اور منتخب بندے کو دیا گیا تھا۔

آپؐ لرزتے کانپتے گھر پہنچے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے فرمایا:

"خدیجہ مجھے اوڑھا دو، مجھے اوڑھا دو"

اور فرمانبردار بیوی نے آپؐ کو لپیٹ اوڑھا کر لٹا دیا۔ جب ذرا طبیعت میں سکون پیدا ہوا تو اپنی اہلیہ کو سارا واقعہ سنایا اور پھر فرمایا:

"اے خدیجہ، یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ مجھے تو اپنی جان کا ڈر ہے"

محرمِ راز نے عرض کیا "نہیں، نہیں" ایسا نہیں ہے۔ ہرگز نہیں ہے بلکہ آپ خوش ہو جائیے خدا کی قسم خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا، آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں سچ بولتے ہیں، امانتیں ادا کرتے ہیں۔ بے سہارا لوگوں کا بار برداشت کرتے ہیں۔ نادار لوگوں کو کما کر دیتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ نیک کاموں میں مدد دیتے ہیں۔ بخدا اللہ آپ کو ضائع نہ کرے گا۔

اور پھر غیر محسوس طور پر آپ کو اس انوکھے تجربے کا انتظار رہنے لگا۔ غارِ حرا کی عبادت اور وہاں کی آمد و رفت میں اضافہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک بار پھر وہی رفیقِ تنہائی آپ کو آسمان و زمین کے درمیان ایک عظیم الشان کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ وہی عظیم اجنبی جس نے علمِ وحی کا پہلا سبق آپ کو غارِ حرا میں دیا تھا۔ اسے اس ہیئت میں دیکھ کر آپ ایک بار پھر سہم گئے۔ اور جلد جلد گھر لوٹ آئے۔

"خدیجہ، مجھے اوڑھاؤ، مجھے اوڑھاؤ" اور آپ کو کمبل اوڑھا دیا گیا۔ تب آپ پر وہ ناموسِ الٰہی نازل ہوا۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ — اے گلیم پوش اُٹھ اور لوگوں کو خدا سے

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ. وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ.

(المدثر - ۱ - ۷)

اور اپنے رب کی کبریائی بیان کر اپنے کپڑے پاک صاف رکھ گندگی سے دور رہ اور احسان نہ کر زیادہ حاصل کرنے کے لیے اور اپنے رب کی خاطر مشکلات پر صبر کر۔

یوں اللہ کی بڑائی بیان کرنے، اس کی کبریائی کا سکّہ جمانے اور کے مدّمقابل کھڑے ہوئے شرک کی ہر گندگی کو مٹانے کے لیے صبر و ہمت اور جوش و جذبے کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ کفر اور شرک کے گڑھ میں پوری قوم کے مدّمقابل جس کے سارے مفادات اس شرک کی مجاوری سے وابستہ ہو کر رہ گئے تھے۔ تنہا ایک فرد کا کھڑے ہو جانا اس بات کی دلیل تھا کہ جس عظیم ربِ کائنات کے نمائندے بن کر آپ کھڑے ہوئے تھے اس کی کبریائی نے پوری قوم کے غیظ و غضب کا سارا خوف و خطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے بالکل نکال دیا تھا۔ اور یہ مقابلہ بڑا ہی عجیب مقابلہ تھا کہ ایک طرف پوری قوم تھی اور دوسری طرف تنِ تنہا ایک فرد رب کی کبریائی بیان کرتا ہوا میدانِ عمل میں اُتر آیا تھا جس کے پاس صرف ایمان باللہ، عمل صالح اور صبر کے ہتھیار تھے۔ اور یہی ہتھیار اس معرکے میں موثر ترین ہتھیار تھے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔

اللہ ہی واحد الٰہ ہے۔ یہ توحیدِ باری تعالٰے پر ایمان لانے کی دعوت تھی محمد ہی اللہ کے برگزیدہ رسول ہیں۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت تھی۔ اللہ کے سامنے ساری زندگی کے اعمال کی جوابدہی ہوگی۔ یہ آخرت پر ایمان لانے کی دعوت تھی۔

Marfat.com

بس انہیں تین باتوں سے دعوتِ اسلامی کا آغاز ہوا تھا۔ بظاہر یہ روکھی پھیکی سی دعوت تھی جس سے کسی کا بھی مادی مفاد وابستہ نہ تھا۔ اس دعوت سے بظاہر بہت سے مفاد یافتہ لوگوں کے مفادات پر توچوٹ پڑتی تھی لیکن کسی گروہ کا بھی مادی مفاد اس دعوت سے وابستہ دکھائی نہ دیتا تھا۔

اس وقت مکہ کی بستی میں ایسی دعوت کا شاید کسی کو بھی انتظار نہ تھا۔

عرب کا کافی زرخیز علاقہ ایرانی اور رومی سلطنتوں کے زیرنگین تھا اور صرف اس کا بنجر علاقہ ہی آزاد پڑا رہ گیا تھا۔ وہ حصہ بھی دونوں بڑی سلطنتوں کے غالب سیاسی اثرات کے تحت نیم آزاد تھا۔ ایران کے کسریٰ اس علاقے کو بس اتنا ہی سا آزاد سمجھتے تھے کہ انہوں نے عرب میں ایک دعوت اٹھنے کی خبر سننے پر اس کے داعی کو گرفتار کرنے کے لیے مدینے میں دو پیادے بھیج دینا ہی کافی سمجھا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر عرب کے استقلال، استحکام، آزادی، ترقی و اتحاد کی دعوت لے کر اٹھتے تو قوم میں سے پرجوش عنصر آگے بڑھ کر ضرور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیتا کہ اس دعوت میں اسے قوم و وطن کی خوشحالی اور ملک و ملت کی ترقی کے آثار دکھائی دیتے اور اس طرح ایک آزاد ترقی یافتہ خوشحال عرب معاشرہ وجود میں لانا ممکن ہو جاتا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب قومیت کی ترقی و بہبود پر مشتمل ایسی کوئی سیاسی دعوت نہ دی، عرب معاشی لحاظ سے بھی سخت پس ماندہ تھے۔ چند خوشحال سرداروں اور تاجروں کو چھوڑ کر باقی ساری آبادی چراگاہوں اور بھیڑ بکریوں کی پرورش پر اپنی گزر بسر کرتی تھی اور معاش کے وسیع تر ذرائع سے بالکل محروم تھی۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاشی بہبود اور معاشی ذرائع و وسائل کی ترقی و توسیع کے لیے اٹھتے اور لوگوں کو معاشی ترقی کی جد و جہد کرنے کی دعوت دیتے تو اس کے لیے بھی معاشرے میں مانگ موجود تھی اور ایسے افراد کی کھیپ مل سکتی تھی جو روٹی کپڑے مکان اور

معاشی سہولتوں کے حصول کے شوق میں نئی دعوت کا ساتھ دیتی لیکن آپؐ نے معاشی بہبود کے پروگرام کو بھی اپنا نصب العین نہ بنایا۔

عربوں میں معاشرتی خرابیوں کی بھی انتہا تھی۔ کردار کی چند خوبیوں کو چھوڑ کر معاشرتی برائیاں ان میں بدرجہ اتم داخل ہو گئی تھیں۔ شراب نوشی، جوا، سود، فخر و مباہات کے مقابلے، ناموری کے فسادات، قتل و غارت اور تباہی و بربادی کے ہنگامے اور دوسری بے شمار بدترین اخلاقی خرابیاں جس میں قوم بری طرح آلودہ اور تباہ حال تھی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاشرتی اصلاح کا بیڑا اُٹھاتے تو اس کام میں بھی بہت سے خیر اور شریف لوگ دلچسپی رکھتے تھے اور وہ نہایت آسانی سے بغیر کسی مزاحمت کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیتے اور یہ کام عزت و آبرو اور سماجی برتری کے احساس کے ساتھ بروئے کار لایا جاتا۔ لیکن آپ نے تو اپنی قوم کی بظاہر اس ضرورت کو بھی پیش نظر رکھ کر دعوت کا آغاز نہ کیا اور جو دعوت ان کے سامنے پیش کی وہ یہ تھی:

خدا کے بندو،

——— خدا کی بندگی اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

——— خدا کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت کرو۔

——— مرنے کے بعد خدا کے سامنے جانے اور اپنے دنیا کے کارنامۂ زندگی کا حساب دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

یہ دعوت اوّل روز سے ہر متکبر، مفاد پرست، جاہ پسند، ہٹ دھرم، ضدی اور خوشامد پسند انسان کو ناپسند رہی ہے جس میں بظاہر مادی فوائد کا کوئی وعدہ نہیں ہوتا لیکن ہر انسان سے خدا اور رسول کے لیے ایثار نفس، کلی اطاعت، قربانی اور خدا ترسی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا یہی کٹھن راستہ اختیار کیا اس لیے کہ آپؐ

Marfat.com

کے سامنے دعوت کو پیش کرنے میں اپنی پسند کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ آپ اس کام کے لیے خدا کی طرف سے مامور تھے اور اللہ کی تو یہ سنّت ہے کہ وہ حق کو باطل سے ٹکراتا ہے تاکہ حق اپنی ساری قوت و توانائی کے ساتھ غالب آجائے اور باطل اپنی ساری کھوٹ کے ساتھ تباہ و برباد ہو کر فنا ہو جائے اس لیے حق اپنے ظہور کے لیے کسی دنیوی مصلحت اور کسی وقتی ضرورت کا قائل یا منتظر نہیں ہوتا ہر دور میں انسان کے لیے سب سے بڑی وقتی ضرورت خود حق ہی ہوتا ہے جو اس کے سارے مسائل حل کرتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ انسان کی کوتاہ نظر حق کے دور رس نتائج سے بے خبر اور بے بصر ہوتی ہے۔

Marfat.com

دوسرا باب

دعوت کی تین اصولی بنیادیں

توحید

دعوتِ حق کا سب سے بڑا، سب سے وزنی اور سب سے اہم جزو توحید باری تعالےٰ کا اقرار ہے یعنی اللہ ہی واحد معبود و مسجود، خالق و مالک، آقا و رب اور پروردگار ہے اس کے سوا دوسرا کوئی بھی اس کے اختیارات میں ذرہ بھر بھی دخیل نہیں ہے۔ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا وہی ہے۔ انسان اور ہر جانور کا خالق وہی ہے آسمان سے بارش اور زمین سے روئیدگی لانے والا وہی ہے۔ موسم گرما، سرما، بہار اور خزاں لانے والا وہی ہے۔ پناہ دینے والا، پرورش کرنے والا، دست گیری کرنے والا، مشکل کشائی کرنے والا، نفع و نقصان دینے والا اور زندگی و موت دینے والا وہی ہے۔

سب کو توفیقیں اسی کی طرف سے دی گئی ہیں۔ سماعت و بصارت اسی کی دی ہوئی ہے مُردوں میں سے زندہ نکال لانا اور زندوں میں سے مردہ برآمد کرنا اسی کی قدرت کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ بھنور اور گرداب میں پھنسی ہوئی کشتیوں کو بخیریت ساحلِ مراد تک لے جانا اسی کا کام ہے۔ وہی ساری کائنات کی تدبیر کرتا ہے۔ رزق کے خزانے، انتظام کی تدابیر، زندگی کے سرچشمے، موت کے سامان، صحت و توانائی کے سوتے، سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اس کے سوا دوسرا کوئی نہیں ہے وہ مایوسیوں کے اندر سے امید کی بہاریں نکال لاتا ہے۔ وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ کر زندگی کی ٹھہری ہوئی ندی کو جوئے رواں بنا دیتا ہے۔ وہ بچھڑے ہوؤں کو ملاتا اور ان میں محبت و آشتی کے چشمے رواں کر دیتا ہے۔ وہ بے سہاروں کا آسرا ہے، وہ بے یار و مددگار کا سہارا ہے۔ وہ بھٹکے ہوؤں کا رہنما ہے۔ وہ گم کردہ راہوں کا ہادی ہے، وہ گِرے ہوؤں کا

Marfat.com

دست گیر ہے، وہ مشکلات و آفات میں گھرے ہوؤں کا مشکل کشا ہے۔

اس کے نام میں تسکین ہے، وہ دل میں پکارنے والے کی پکار بھی سنتا اور اس کا جواب دیتا ہے
قدم بہ قدم اپنے بندے کے ساتھ ساتھ ہوتا اور اس کی پشت پناہی کرتا ہے۔ وہ اپنی طرف چل کر
آنے والے کی طرف دوڑ کر جاتا ہے۔ وہ علیم ہے، خبیر ہے، حکیم ہے، علیم ہے، الرازق ہے،
رحمٰن ہے۔ اس کی ہر صفت آفاق گیر ہے، اور ہر صفت اپنی پوری مخلوقات کے لیے کفیل ہے۔

وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کی کسی صفت میں کسی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ نہ تخلیق میں، نہ
رزق میں، نہ پشت پناہی اور دست گیری میں اور نہ احتساب اور حساب میں۔ وہ ایک ہی ہے،
وہ ایک ہی رہے گا، وہ ہمیشہ سے ہے، وہ ہمیشہ رہے گا نہ اس سے پہلے کوئی تھا اور نہ اس کے
بعد کوئی ہوگا۔ وہ مولا ہے اور اس کی وحدانیت کامل و اکمل ہے۔ وہ قائم و دائم ہے، وہ بلند و
بالاتر ہے وہ بے مثل اور لازوال ہے، وہ حاجت روا اور خود مختار ہے وہ غیر فانی بے مثال اور
بے نظیر ہے۔

وہ پیدا کرنے والا، پالنے والا، زندگی دینے والا، قوّت و توانائی دینے والا، جوانی اور
بڑھاپا دینے والا، وہ زندگی پھر موت اور پھر دوبارہ زندگی دینے والا اور آخرت میں حساب
لینے اور اجر دینے والا ہے۔ اس کی کوئی جنس نہیں اور وہ نہ کسی جنس سے ہے وہ اللہ ہے اور
یہی اس کی صفت ہے۔

إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗ	"اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے وہ پاک ہے
أَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي	اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو، جو کچھ آسمانوں
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ	میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اسی
(النساء: ۱۷۱)	کی ملک ہے۔"
وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ	تجھ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اسے
رَّسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهٗ لَا إِلٰهَ	یہی وحی کی کہ میرے سوا اور کوئی معبود

Marfat.com

إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ (انبیاء) | نہیں، لہٰذا تم سب میری ہی عبادت کرو۔"

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا۔ (نساء: ۵) | "اللہ ہی کی عبادت کرو اور اللہ کی عبادت میں کسی شے کی ذرا بھی آمیزش اور شرک نہ کرو۔"

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهٖ أَوْلِيَاءَ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ۔ (شوریٰ: ۹) | "کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو کارساز بنا لیا ہے کہ وہ کہ کارساز تو صرف اللہ ہی ہے۔"

اور پہلے ہی مرحلے میں مومن کو یہ سکھایا گیا کہ اسے اللہ کے سوا نہ کسی کی عبادت کرنی ہے اور نہ کسی سے مدد طلب کرنی ہے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ | "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔"

اور یہ بات ہر مومن سے ہر نماز میں بار بار دہرائی جاتی ہے تاکہ اس کے قلب و نظر میں یہ بات اچھی طرح پیوست ہو جائے کہ عبادت کا ہر پہلو اور گوشہ اور مدد کا ہر حصہ اور جزو اللہ کے سوا اور کسی طرف بھی وابستہ نہ کیا جائے گا۔

یہی تو قوت کا سرچشمہ وہ کلمۂ توحید ہے جس کے بارے میں حضورؐ نے قریش کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ:

"یہ ایک کلمہ ہے جس کے تم قائل ہو جاؤ تو عرب و عجم کے فرمانروا بن جاؤ گے۔"

وہ کلمہ یہی ہے کہ اللہ کے سوا دوسرا کوئی الٰہ نہیں ہے وہی رازق، خالق، مالک، اور حاکم ہے اور اس کی اطاعت سے باہر کسی کی بھی اطاعت کرنا آدابِ بندگی کے خلاف ہے اور اس کی بندگی اور اطاعت ہی عین مطابقِ بندگی حقیقتِ بندگی اور منشاءِ تخلیقِ انسانی ہے اور جب انسان اس کی حاکمیت کو تسلیم کر کے کائنات میں آگے بڑھتا ہے تو جہاں اسے ہر شے

اسی خدا کی مطیع نظر آتی ہے وہیں خدا کے ارضی خلیفہ کی حیثیت میں ہر شے انسان سے تعاون کرتی ہوئی بھی دکھائی دیتی ہے۔

اللہ کی طرف سے ایک ہی دینِ بندگی (اسلام) انسانوں کو مختلف ادوار میں انبیاء کی معرفت دیا جاتا رہا ہے اور ہر دور میں اللہ کے نبی ایک ہی بات خدا کے بندوں سے کہتے رہے ہیں کہ خدا کے بندو خدا کی بندگی کرو اور خدا کی بندگی ہی بندوں کا حقیقی دین اور نظامِ زندگی ہے درحقیقت اپنے مالک کی شناخت اور اس کی بندگی ہی زندگی کی حقیقی غرض وغایت ہے رسالت بھی مالک کی شناخت کا ذریعہ ہے اور آخرت بھی مالک کے سامنے جوابدہی اور مسئولیت کا اظہار ہے حقیقی ذات اللہ ہی کی ہے جو سب سے اول سب سے آخر سب سے بالا اور سب سے بہتر ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت سے حضور اکرمؐ نے فرمایا

"جو شخص اس امر کی شہادت دے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے" (مسلم)

مزید فرمایا:

"اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی بندگی کریں اور بندگی میں کسی غیر کو ذرا بھی شریک نہ کریں اور اللہ پر بندوں کا حق یہ ہے کہ وہ ایسے بندوں کو عذاب نہ دے" (مسلم)

رسالت:

اللہ کی بندگی کی دعوت انسانوں میں سے ایک منتخب انسان کے ذریعے پیش کی جاتی ہے جسے خود اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے تحت اس کام کے لیے تیار کر کے تجویز اور مقرر کرتا ہے دعوتِ حق کے لیے اللہ کا مقرر کردہ انسان ہی رسول ہوتا ہے۔ یعنی وہ انسان جو خدا کے بندوں کی طرف ان کے خدا کا پیغامِ حق لے کر آتا ہے جس کے ذریعے خدا اپنے بندوں تک اپنے احکام پہنچاتا ہے اور اپنی مرضیات ان پر منکشف کرتا ہے، یہ انسان جو رسول ہوتا ہے براہِ راست بندوں کے مالک سے ہدایات وصول کرتا ہے۔ یہ احکام وصول کرنے کے طریقے کو ہی وحی

الہام کہا جاتا ہے۔ اللہ کی پیغامبری یعنی رسالت ایک ایسا منصب ہے جس پر یونہی کسی انسان کو پکڑ کر نہیں بٹھا دیا جاتا بلکہ اللہ تعالےٰ کی مشیت جس انسان کو اس کام کے لیے منتخب کرتی ہے اس کی اوّل روز سے حفاظت اور کردار سازی کرتی ہے اس کا اخلاق، کردار، تربیت تعلیم اور اٹھان اسی طرح ہوتی ہے کہ خود اس کی زندگی ہی لوگوں کے سامنے ایک مثالی پاکیزہ زندگی ہوتی ہے اس لیے کہ اس نے بندوں تک خدا کے احکام کو پہنچانا ہے۔ اسے امانت دار ہونا چاہیئے تاکہ خدا کے احکام میں سرِمو تغیر و تبدّل نہ ہو۔ اس نے لوگوں کو نیکی کا حکم دینا ہے اور بدی سے روکنا ہے اس لیے اس کی زندگی اس پر گواہ ہونی چاہیئے کہ وہ خود نیکی کا عامل اور علمبردار اور بدی سے مجتنب اور طبعاً اس کا مخالف ہو اس کا اخلاقی وجود حسین ترین خوبیوں کا بہترین مجسمہ ہوتا ہے اور وہ لوگوں کو نیکیوں اور خوبیوں کی طرف بلاتا ہے قرآن نے رسول کا منصب اس طرح بیان کیا ہے۔

"وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے ان پر سے بے جا بوجھ اتارتا ہے ان بندشوں کو کاٹتا ہے جن میں وہ دبے اور جکڑے ہوئے تھے پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت کریں اور اس کی مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی فلاح پانے والے ہیں۔" (الاعراف ۱۵۷)

—— انسانوں کے درمیان منصبِ رسالت کا اجراء بنی نوع انسان پر ان کے خدا کا اتنا بڑا احسان اور رحمت ہے کہ جسے بیان نہیں کیا جا سکتا وہ ایک طرف انہیں دنیا میں پاکیزہ، صاف ستھری، معقول، پُرامن، دیانتدارانہ اور شائستہ زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھاتا ہے جس سے ان کی دنیا کی زندگی شیریں اور سازگار ہو جاتی ہے اور باہمی جنگ و جدل اور حیوانی کشمکش کی بجائے پرسکون اور شرفِ انسانیت کے مطابق زندگی بن جاتی ہے۔ تو دوسری طرف وہ انہیں اس دنیا کے بعد آنے والی ایک اور دنیا یعنی آخرت میں زندگی کو خوشگوار اور رضائے الٰہی کے مطابق بنانے کے طریقے بتاتا ہے جس سے انسان کا دوہرا فائدہ ہوتا ہے وہ رسول کی ہدایات

Marfat.com

پر اس دنیا میں عمل کر کے دوسری دنیا کو بھی ساتھ ہی ساتھ اپنے لیے سازگار بناتا چلا جاتا ہے، اور آخرت میں اپنے مالک کی ناراضگی اور جواب طلبی سے بچ کر اس کی رضا حاصل کر لیتا ہے اگر رسالت کا منصب نہ ہوتا تو انسان اس دنیا میں اپنے ہی ہتھیاروں سے زخمی اور مجروح ہوتا پھر آخرت میں اپنے مالک کی مرضیات کی خلاف ورزی کے جرم میں پکڑا جاتا اور ابدی سزا کا مستحق ہو کر اپنی زندگی کے دونوں حصوں میں ناکام و نامراد ہو جاتا۔ رسولوں نے خدا کے بندوں کو اس دُہری ناکامی سے بچا کر دُہری کامیابی کا راستہ دکھایا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا:

"اے بنی آدم، یاد رکھو اگر تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایسے رسول آئیں جو تمہیں میری آیات سنا رہے ہوں تو جو کوئی نافرمانی سے بچے گا اور اپنے رویّے کی اصلاح کرے گا اس کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقعہ نہیں ہے اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں گے اور ان کے مقابلہ میں سرکشی برتیں گے، وہی اہلِ دوزخ ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔" (اعراف ۳۵-۳۶)

رسول انسانوں کو زندگی کے کسی ایک دائرے ہی میں رہنمائی اور ہدایت نہیں دیتا بلکہ وہ ان کی زندگی کے ہر گوشے میں ہمہ پہلو رہنمائی کرتا ہے وہ صرف عبادات اور خدا کی بندگی کے طریقے ہی نہیں سکھاتا بلکہ وہ پوری انسانی زندگی کو خدا کی اطاعت میں گزارنے کا راستہ بتاتا ہے ظاہر ہے کہ وہ اس وقت تک پوری انسانی زندگی کے لیے تعلیمات مہیا نہیں کر سکتا جب تک ان تعلیمات کا مکمل اور جامع عملی نمونہ بھی ان کے سامنے پیش نہ کرے، اس لیے کہ ہر رسول کی زندگی خدا کے بندوں کے لیے اُسوۂ حسنہ اور نمونہ قابلِ تقلید ہوتی ہے۔ وہ خدا کی بندگی کی جامع تعلیم دیتا ہے، انفرادی، اجتماعی، سیاسی، معاشی، تہذیبی، اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی غرض زندگی کے ہر ہر دائرے میں وہ خدا کے بندوں کے لیے ان کے مالک کے احکام بیان کرتا ہے تاکہ کامل بندگی اور عبودیت عبدیت کا ظہور ہو وہ اپنی زندگی کے گوشے گوشے میں بھی اپنے خدا کی تعلیمات کو نافذ کرتا اور اس کی پوری بندگی کا حقیقی، مثالی، اور معیاری نمونہ پیش کرتا ہے اس طرح رسول اپنی امت کے لیے ہم

ہلو بہمہ وقت اور بہمہ جہت رسول ہوتا ہے اور وہ ہر وقت منصبِ رسالت پر فائز ہوتا ہے۔ اس کا ہر فعل رسالت کا ایک حکم ہوتا ہے اس کی ہر حرکت رسالت کے کسی گوشے کی تکمیل کرتی ہے وہ اپنے پیروؤں کے لیے ایک اسوۂ کامل ہوتا ہے۔ جن جن امور میں وہ خدا کے بندوں کو ان کی آزاد مرضی کی اجازت دیتا ہے اس ای قدر ان کے لیے آزادی ہوتی ہے اور جن جن پہلوؤں میں ایسی کوئی صراحت نہیں ہوتی ان کی اصلاح کے لیے رسول کی زندگی کے نمونے ہی سے اصلاح اخذ کی جاتی ہے۔ رسول کی زندگی پر اللہ کی سخت نگرانی ہوتی ہے اور اسے اللہ کی پوری حفاظت میں امت کے لیے ایک ایسی معصوم اور پاکیزہ زندگی عطا کی جاتی ہے جس سے کسی کے بُرا نمونہ لینے کا احتمال تک نہیں ہوتا۔ اگر رسول کی زندگی میں صراطِ مستقیم سے ذرا بھی جھول پیدا ہو جائے تو امت کے لیے میلوں تک گمراہی کے راستے پر نکل جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے اس لیے رسول کی زندگی محفوظ اور خطاؤں سے مامون ہوتی ہے اللہ رب العلمین اپنے بندوں کو کسی ایسے خطرے میں نہیں ڈالتا جس سے وہ کسی غلط راستے پر پڑ جائیں اور اس کے لیے ان کے پاس کسی غلط نمونے کی دلیل بھی موجود ہو۔

اسی لیے انسانوں کے درمیان انہیں راہِ ہدایت دکھانے کے لیے ہمیشہ انہیں میں سے انسان اٹھائے گئے۔ جن کے لیے ہدایت ارسال کی گئی انہیں میں سے رسول بھی اُٹھے۔ انہیں کی بولی بولتے ہوئے اور انہیں کا لباس پہنے ہوئے، انہیں کی بستیوں کے رہنے والے، انہیں کے اندر سے ان کے جاننے والے اور ان کے درمیان ایک طویل عرصہ پاکیزہ ترین مثالی زندگی گزارتے ہوئے اور اس مثالی زندگی پر قوم سے خراجِ عقیدت وصول کیے ہوئے۔ ان کی بے داغ پاکیزگی پر قوم کی مکمل گواہی ہمیشہ بطور ثبوت موجود ہوتی تھی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک قوم کی طرف کسی دوسری قوم کا رسول بھیج دیا گیا ہو یا ایک بولی بولنے والوں کی طرف کوئی دوسری بولی بولنے والا ہادی بنا کر اٹھا دیا گیا ہو یا انسانوں کی طرف کوئی فرشتہ رسول بنا کر بھیجا گیا ہو اگر ایسی صورت ہوتی تو پھر ان کی تعلیمات سے بچنے اور اپنے آپ کو ان تعلیمات پر عمل سے معذور قرار دینے کے بیسیوں بہانے انسان کو مہیا ہو جاتے۔ اگرچہ اس کے باوجود بھی انسانوں نے رسولوں کی تعلیمات سے بچنے کے بیسیوں

Marfat.com

بہانے بنا ڈالے، کبھی نبیوں کو مافوق الفطرت ہستی قرار دے دیا گیا اور اس بہانے ان کی تعلیمات سے بچنے کی یہ آڑ لے لی گئی کہ ایسی مافوق الفطرت تعلیمات پر مافوق الفطرت ہستیاں ہی عمل پیرا ہو سکتی ہیں عام گنہگار انسانوں کا کیا کام ہے کہ وہ ایسی اعلیٰ و ارفع اور ناقابلِ عمل تعلیمات پر پورے اتر سکیں کبھی نبیوں کو خدا یا خدا کے اوتار بنا کر پیش کیا گیا۔ تاکہ محض ان کی پرستش ہی سے کام نکال لیا جائے اور ان کی دی ہوئی تعلیمات پر عمل کرنے سے نجات مل جائے غرض لاتعداد بہانے ہیں جو قدیم سے بنی نوع انسان، رسولوں کی تعلیمات کو تسلیم کرنے سے بچنے کے لیے پیش کرتے چلے آرہے ہیں قرآن نے ان بہانوں کو کھول کھول کر بیان کیا ہے جو شیطان انہیں ہمیشہ سکھاتا رہا ہے۔

پہلا بہانہ بشر ہونے کا ہے یعنی یہ کہ بھلا رسول بھی کوئی بشر اور انسان ہو سکتا ہے بشر کا کیا کام ہے کہ وہ رسول بن سکے اس طرح رسول کی تعلیمات سے گریز کرنے کے لیے اس کی بشریت سے احتراز کیا جاتا ہے اور اگر بشریت کے ساتھ اس کی اعلیٰ پاکیزہ زندگی سے متاثر ہو کر اس کے رسول ہونے کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو آگے چل کر اسے خدا کا بیٹا یا خدا کا نور یا خود خدا وغیرہ بنا دیا جاتا ہے اور پھر اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی بجائے صرف اس کو پوجنے اور اس کی ذات کی کبریائی نمایاں کرنے ہی پر سارا زور صرف کیا جاتا ہے جیسے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ کیا اس کے تدارک کے لیے قرآن نے فرمایا :

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ	اے محمد کہہ دو کہ میں تو محض تمہیں جیسا ایک
يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ	انسان ہوں مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا
وَّاحِدٌ ۔ (کہف : ۱۱۰)	خدا ایک ہی ہے۔

دوسری چیز جو رسولوں کی طرف ان کی زندگی اور ان کی موت کے بعد بھی منسوب کی جاتی رہی ہے وہ یہ ہے کہ خدا کے کارخانے میں ان کو بے انتہا قدرت و اختیار حاصل ہے وہ نفع پہنچا سکتے ہیں جس کو چاہیں۔ وہ جزا و سزا میں اختیار رکھتے ہیں ان پر دور و نزدیک کی باتیں روشن ہیں قسمتوں کے فیصلے ان کی مرضی سے ہوتے ہیں، خیر و شر کے وہ مالک ہیں۔ کائنات کی اکثر قوتیں ان کے زیرِ نگیں

ہیں وہ ایک نظر سے سیاہ دلوں کو قطب اور ابدال بنا سکتے ہیں اور ذراسی خوشنودی سے بد قسمتوں کی جھولیاں خزانوں سے بھر سکتے ہیں۔ گویا سارے اقتدار و اختیار کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں دے کر خدا اپنے اختیارات سے دست بردار ہو گیا ہے اور اب جو کچھ ملنا ہے وہ بس اسی جگہ سے ملنا ہے یہ تصور ایک عظیم گمراہی کا تصور ہے جس کی مدد سے رسول کی تعلیمات سے بچ کر صرف اس کی حمد وثنا کر کے اس سے نفع حاصل کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس طرح رسول کی ہدایت اور تعلیم پس پردہ چلی جاتی ہے اور اس کی ذات گویا نفع و ضرر تقسیم کرنے کی ایجنسی بنا کر رکھ دی جاتی ہے۔ سارے انبیاء کے ساتھ بعد میں گمراہ لوگ یہی سلوک کرتے رہے ہیں اور ہوشیار مذہبی لوگ سادہ لوح لوگوں کو یہ تصوّر دے کر اپنے ذاتی منافع کماتے اور اپنی شخصیت چمکاتے رہے ہیں۔ قرآن نے اس تصوّر کی بھی تردید کی ہے۔

فرمایا:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔	"اے محمدؐ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنی ذات کے لیے بھی نفع یا نقصان کی قدرت نہیں رکھتا سوائے اس کے جو خدا چاہے۔"
(یونس: ۵)	

پھر رسولوں کے ساتھ اس امر کی وضاحت بھی کی جاتی ہے کہ وہ سلسلۂ انبیاء میں سے ایک کڑی ہیں۔ جب سے بنی نوع انسان وجود میں آئے ہیں ان کی ہدایت کا انتظام کرنے کے لیے انبیاء کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے۔ وہ ہمیشہ ہر قوم اور ہر دور میں ہدایتِ ربانی لے کر آتے رہے ہیں رسول کا آنا اور کسی کا منصب رسالت پر فائز ہونا کوئی ایسا انوکھا اور اچھوتا واقعہ نہیں ہے کہ جس پر صرف تعجب اور حیرت کا ہی اظہار کیا جائے اور ایسی اچھوتی بات کو ماننے سے صرف اس لیے انکار کر دیا جائے کہ رسول تو آیا ہی نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت ان کی روحانی رزق رسانی اور اپنی الوہی ربوبیت کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ہمیشہ انبیاء ارسال کیے ہیں جو ہمیشہ آتے رہے اور اپنے اپنے دور میں اپنی اپنی قوموں کو راہ ہدایت

Marfat.com

دکھاتے رہتے ہیں۔ یوں کسی انسان کا اچانک رسول کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کر دینا جب تک اس کی اعلیٰ تعلیمات اور اس کا ارفع کردار اس کی رسالت پر گواہی بھی دے رہے ہوں انکار کے لیے کافی نہیں ہے۔ سلسلہ انبیاء تو نظامِ ربوبیت الٰہی ہی کا ایک ناگزیر حصہ ہے اور انبیاء بنی نوع انسان کی پوری تاریخ میں بار بار آتے اور اسے خدا کی بندگی کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں اس لیے کسی انسان کا اپنے آپ کو رسول کی حیثیت سے پیش کر دینا اس امر کے لیے کافی نہیں ہے کہ اسے رد کر دیا جائے۔

اِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡھَا نَذِیۡرٌ۔ (فاطر: ۲۴)

کوئی قوم ایسی نہیں گزری ہے جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔

خود حضور اکرمؐ کے بارے میں فرمایا گیا:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ (آل عمران: ۱۴۴)

محمدؐ بس اک ایک رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔

ظاہر ہے کہ رسولوں کا سلسلہ زمین پر بنی آدم کی آبادکاری کے بعد سے جاری ہے اور ان کی ہدایت کا بندوبست اسی اہتمام سے کیا گیا ہے جس اہتمام سے ان کے رزق کا بندوبست کیا گیا ہے پھر جس طرح عام جانداروں کے مقابلے میں ان کے لیے حصولِ رزق ان کی سمجھ بوجھ اور تگ و دو پر چھوڑا گیا ہے اسی طرح اپنی زندگی کے لیے صراطِ مستقیم کی تلاش و جستجو اور ہدایت یا گمراہی بھی انسان کی سمجھ بوجھ اور عقل و شعور ہی پر چھوڑی گئی ہے۔ رسول بار بار آتے رہے اور انسانیت کی بگڑی ہوئی کل کو اپنی اپنی قوموں کے اندر سیدھا کرتے رہے، ان کے جانے کے بعد بگڑے ہوئے انسانوں نے رنگ برنگ کے ڈھکوسلے بنا بنا کر شیطانوں کی مدد کی اور ان کی اکساہٹ سے نئے نئے راستے نکال کر انسانوں کو از سرِ نو گمراہ کر دیا۔ اس طرح ہدایت اور گمراہی کا سلسلہ تاریخ کے مختلف ادوار میں یکے بعد دیگرے اسی طرح انسانوں کے اندر گردش کرتا رہا جس طرح دن کے بعد رات اور روشنی کے بعد تاریکی کی گردش جاری رہتی ہے۔ اسی بات کو قرآن مجید نے بہت سے

سے بیان کیا ہے:

"ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (یعنی ہدایت پر یہ حالت نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتابِ برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے ان کا فیصلہ کرے۔ اختلاف ان لوگوں نے کیا جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا۔ انہوں نے روشن ہدایات پا لینے کے بعد محض اس لیے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں باہمی زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ پس جو لوگ انبیاء پر ایمان لے آئے انہیں اللہ نے اپنے اذن سے حق کا راستہ دکھایا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا اللہ جسے چاہتا ہے راہِ راست دکھا دیتا ہے۔"

(البقرہ - ۲۱۳)

لیکن حضور اکرمؐ کا معاملہ دیگر انبیاء سے کچھ مختلف ہے۔ آپ دنیا والوں کی طرف آخری رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپ قیامت تک کے لیے رسول ہیں اور آپ کی رسالت جاری ہے اب دنیا کے انسانوں کے لیے ہدایت کا راستہ وہی ہے جو حضورؐ نے پیش فرمایا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ - (الاحزاب)

"محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حیثیت کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ یہ ثابت کرتی ہے کہ اب اللہ کی طرف سے بندوں کی طرف آنے والے سلسلۂ ہدایات میں مزید کسی اضافے کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ سلسلہ اب کامل اور مکمل ہے۔ چنانچہ اس امر کی صراحت بھی کر دی گئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ "آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا

Marfat.com

اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ) اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے لیے اسلام کے طریقے کو پسند کر لیا۔"

مزید فرمایا گیا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اللہ کے نزدیک تو اسلام کا طریقہ ہی پسندیدہ ہے۔"

گویا اللہ کی طرف سے جو دین حضور اکرمؐ کی معرفت اپنے بندوں کی طرف ارسال کیا گیا ہے بس وہی کامل ہے، مکمل ہے، کافی ہے، ناقابل ترمیم و اضافہ ہے، پسندیدہ ہے اور انسانوں کی قیامت تک کے لیے تمام ضروریات پوری کرنے والا ہے۔ اس لیے یہی طریقہ انسانوں کے تمام مسائل کا حل ہے۔ یہی طریقہ انسانوں کو خاک سے اٹھا کر عرش الٰہی تک پہنچانے والا ہے یہی طریقہ مرضیات الٰہی کے حصول کا ذریعہ اور اس کی خوشنودی تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ اسی کی مدد سے دنیا اور آخرت دونوں کو سنوارا جا سکتا ہے۔ یہی دین اسلام دنیا کے لیے رحمت اور خیر و برکت کا باعث ہے۔ اور اسی کو انسانوں تک پہنچا کر حضور اکرم جہاں خاتم النبیین ہیں وہاں رحمت اللعالمین بھی ہیں اور آپ کی یہ حیثیت صرف خطۂ عرب کے ہی لیے نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام انسانوں کو تلاوتِ قرآن کے ذریعے صراطِ مستقیم کی طرف لانا ہے۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ۔ وہ انہیں آیات الٰہی سناتا ہے۔

پھر آپ آیات الٰہی سناتے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کی کردار سازی بھی کرتے ہیں۔

وَيُزَكِّيْهِمْ۔ وہ ان کا تزکیہ کرتا ہے۔

پھر کردار سازی سے بھی آگے بڑھ کر وہ انہیں نظریۂ حیات کی جامع تعلیم دیتا اور انہیں حکمتِ دین سکھاتا ہے۔

Marfat.com

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ وہ انہیں کتاب اور حکمتِ دین کی تعلیم دیتا ہے۔

آپؐ یہ کام ساری دنیا کے انسانوں کے لیے سرانجام دیتے ہیں اور اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت تمام جغرافیائی، لسانی اور علاقائی حدبندیوں سے بالاتر ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (سبا ۲۸)

"اے محمدؐ ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لیے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

مزید فرمایا:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۔ (التکویر ۔ ۲۸)

"یہ قرآن تو ایک نصیحت ہے تمام دنیا والوں کے لیے۔ ہر اس شخص کے لیے جو تم میں سے راست رو بننا چاہے۔"

اس طرح حضورؐ اپنے بعد اب تمام زمانوں کے لیے، تمام انسانوں کے لیے اور تمام انسانی معاشروں کے لیے قیامت تک کے لیے ہادی و رہنما و رسول ہیں اور آپ کی تعلیمات کا ایک ایک گوشہ سارے انسانوں کی تمام ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ سارے انسانوں کے لیے تمام حالات میں ایک اسوہ حسنہ اور قابلِ تقلید نمونہ ہے اس لیے کہ آپ زمین پر کامل ترین اور بہترین انسانیت کا مثالی مظہر ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعلیمات کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے اور آج چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود آپ کی تعلیمات کا ایک شوشہ بھی نہ مسخ ہوا ہے نہ ضائع ہوا ہے اور نہ گم ہوا ہے۔ وہ اپنی پوری شکل و صورت میں قرآن کی صورت میں موجود ہے۔ دنیا کے ہر زمانے ہر دور اور ہر مسلمان معاشرے کا قرآن آج تک ایک شوشے اور زیر زبر میں بھی ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہے۔

Marfat.com

اسی طرح حضور اکرمؐ کی عملی زندگی کا ہر گوشہ آج بھی احادیث اور سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے اور خدا کے بندے اس کے سانچے میں آج بھی اپنی زندگیوں کو ڈھال کر آپؐ کے اتباع کا حق ادا کرتے ہیں۔ محدثین اور سیرت نگاروں نے ہی نہیں بلکہ خود قرآن نے بھی آپؐ کی زندگی کے مثالی خدوخال کو پوری طرح محفوظ کر دیا ہے اور وہ قرآن کے ساتھ ہی قیامت تک کے لیے محفوظ ہو گئے ہیں گویا نظریات اصول، عقائد و تعلیمات بھی ہوبہو محفوظ ہیں اور ان نظریات، عقائد، اصول و تعلیمات کے سانچے میں ڈھلا ہوا مثالی کردار بھی ہوبہو محفوظ و مامون ہے۔ قیامت تک لوگ آپؐ کے اسوۂ حسنہ اور آپؐ کے صحابہ کے کردار کے نمونے کی پیروی کر سکتے ہیں۔

حضورؐ نے اپنے مخصوص اخلاقی سانچے میں اپنی ہی نہیں اپنے صحابہ کی ہزاروں اور لاکھوں زندگیاں بھی ڈھال دیں اور انہیں تلاوتِ قرآن کے ذریعے تزکیۂ نفس کے مراحل سے گزار کر تعلیم دین اور حکمتِ دین کی معراج تک پہنچا دیا۔ آپؐ نے ان گمراہیوں کی بھی نشاندہی کر دی جن سے ٹھوکریں کھا کر اس سے پہلے اُمتیں بگڑتی رہیں اور پھر ان کی اصلاح کے لیے نئے رسول الٰہی تعلیمات کا از سرِ نو مرقع لے کر ان کی طرف مبعوث ہوتے رہے۔ آپؐ نے نافرمانوں کو ڈرانے اور فرمانبرداروں کو رحمتِ الٰہی کی خوشخبریاں سنانے کا حق ادا کر دیا اور نافرمانیوں کے سارے پیچیدہ موڑوں کی نشاندہی کر دی معروف کو منکر سے اور اوامر کو نواہی سے جُدا جُدا کر کے صاف صاف بتا دیا۔ آپؐ نے نیکی اور بدی، حلال و حرام کی حدیں مقرر کر دیں اور انسانوں کو بے جا قسم کی عائد کردہ پابندیوں سے آزاد کر کے انہیں ہلکا پھلکا کر دیا۔ آپ نے اللہ کے دین کی صرف علم و حکمت کی حد تک ہی تعلیم نہیں دی بلکہ اسے عملی طور پر نافذ کر کے اس کی تمام باطنی اور ظاہری برکات کو بھی ساری دنیا پر نمایاں کر دیا اور عملی طور پر ثابت کر دیا کہ ساری دنیا کی فلاح و عافیت اسی میں مضمر ہے کہ وہ اس دین کے سائے تلے اپنی زندگیاں گزارے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی	وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت
وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ	اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے پوری

کُلِّہٖ ۔ (الفتح : ۲۸) جنس دین پر غالب کر دے ۔"

اس طرح آخری رسول نے دنیا کے سامنے خدا کے دین کے تمام شعبے عملی طور پر پیش کر دیئے سیاست، عدالت، اصلاحِ اخلاق و تمدن، تہذیب اور کلچر، صلح و جنگ، بین الاقوامی معاہدے اور تعلقات غرض یہ دین انسانی زندگی کے جدید ترین اور تازہ ترین سارے ہی تقاضوں پر حاوی ہو گیا۔

اسی تکمیلِ دین کی مثال ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمائی تھی۔

"ایک شخص نے ایک نہایت خوبصورت مکان بنایا اور تمام عمارت بنا کر صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ اب جو لوگوں نے اس کے گرد چکر لگایا تو وہ خالی جگہ انہیں کھٹکنے لگی اور وہ کہنے لگے کہ اگر یہ آخری اینٹ بھی رکھ دی جاتی تو مکان بالکل مکمل ہو جاتا۔ سو وہ آخری اینٹ جس کی جگہ نبوّت کے محل میں باقی رہ گئی تھی وہ میں ہی ہوں۔ اب میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔"

اس طرح آپؐ نے انسانیت کی بقا و حفاظت و رہنمائی کے لیے جو عمارتِ دین مطلوب تھی اسے اپنے نبوی وجود، اپنی پاک تعلیمات اور اپنے پاکیزہ ترین اسوۂ حسنہ کے ذریعے مکمل کر دیا۔ اس طرح آپؐ کا کردار وہ مثالی کردار ہے جسے پوری بنی نوع انسان کے سامنے واحد مثالی کردار کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے خود اس کی گواہی دی :

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ۔ "اے محمدؐ یقیناً آپ اخلاق کے بڑے درجے پر فائز ہیں۔"

حضورؐ اپنے عزم میں پختہ، ارادے میں مضبوط اور اللہ پہ ہر حال میں توکل کرنے والے انسان تھے جب کافروں کا تعاقب غارِ ثور تک پہنچا اور تلاش کرنے والی پارٹی کے پاؤں تک انہیں غار کے اندر سے دکھائی دینے لگے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ ثانی اثنین فی الغار مضطرب ہو گئے، ان کی گھبراہٹ

Marfat.com

کو دیکھ کر آپؐ نے بڑے اطمینان سے فرمایا:

ابوبکر، لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ "ابوبکر، غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

آپؐ نہایت درجہ فراخ حوصلہ، فیاض، ہمدرد، رحمدل کریم النفس اور بامروت انسان تھے۔ انہوں نے آپ نے بدترین دشمنوں کے لیے بھی بخشش کی دعا کی اور جب دشمن مفتوح ہو کر آپ کے سامنے آکھڑے ہوئے تو انہیں دیکھ کر کہہ دیا کہ:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ آج کے دن تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

اور یہ کہہ کر ان سب کو معاف کر دیا، جو مدّت سے آپ کے خون کے پیاسے تھے۔

آپؐ نہایت درجہ نرم دل، حلیم الطبع، نرم خو اور شفقت و رحمت کرنے والے تھے اور کبھی کسی سے عمر بھر ایک بار بھی سختی، درشتی اور ترشی سے پیش نہ آئے۔ آپ کو اپنے ہم قوموں کی گمراہی شاق گزرتی تھی۔ اور آپؐ ان کے لیے ہدایت کے غم میں گھلتے رہتے تھے۔ آپؐ ان کی بھلائی کے طالب اور ان کے نقصان پر کڑھتے تھے۔ آپؐ دہاں کے لیے سراپا شفقت و محبت و رحمت تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے آپؐ کی ذات میں ساری دنیا کے لیے ایک بہترین نمونہ رکھ دیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب: ۲۱) تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔

چنانچہ آپ نے فرمایا:

"جس شخص نے خدا کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمدؐ کو اپنا رسول مان لیا اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا" (مسلم)

مزید فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

(بخاری)

Marfat.com

آپؐ نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے نفس کی خواہشات اس ہدایت کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لایا ہوں"۔ (بخاری)

وہ منصبِ رسالت ہے جو خدا کے بندوں کو خدا تک پہنچانے کا واحد ذریعہ ہے اور اس سے مستغنی اور بے نیاز ہو کر کوئی انسان بھی خدا تک نہیں پہنچ سکتا اس لیے کہ خدا نے اپنے تک پہنچنے کا رسالت کو ہی ذریعہ بنایا ہے۔ یہی وہ حبل اللہ ہے کہ جسے پکڑ کر بندہ اپنے مالک کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔

آخرت:

آخرت اسلام کی تعلیمات میں ایک بنیادی عقیدہ ہے، یہ خدا کو ماننے اور رسول کو تسلیم کرنے کا لازمی تقاضا ہے جس طرح خدا کو تسلیم کر کے انسان آوارہ مزاجی، پریشان خیالی اور دل و دماغ کی بے سکونی سے نجات حاصل کرتا ہے۔ رسول کو تسلیم کر کے ایک منظم، مربوط اور بامقصد زندگی کا حامل بن جاتا ہے۔ اسی طرح آخرت کو تسلیم کر کے انسان غیر مسئولیت، غیر ذمہ داری، بے لگامی اور بے مہاری سے نجات حاصل کر کے ایک ذمہ دارانہ زندگی اختیار کر لیتا ہے جس طرح خدا کو ماننے اور نہ ماننے والے انسان کے کردار میں ایک بنیادی فرق ہوتا ہے اسی طرح آخرت کو تسلیم کرنے اور نہ کرنے والے کے کردار میں بھی نمایاں اور بنیادی فرق ہوتا ہے۔ آخرت کو ماننے والا انسان ایک ذمہ دار اور بااصول انسان ہوتا ہے اور بعض حدود کا از خود پابند ہو جاتا ہے اور آخرت کا منکر انسان اپنی خواہش کے سوا اور کسی حد کا پابند نہیں ہوتا۔

دنیا اور آخرت دونوں درحقیقت ایک ہی انسانی زندگی کے دو علیحدہ علیحدہ دائرے ہیں انسانی زندگی کا ایک دور یہ دنیا ہے جس میں چند ہدایات کے ساتھ انسان کو تربیتِ نفس کا وہ کورس پاس کرنا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وہ دورِ آخرت میں کامیاب انسان ثابت ہو سکے۔ دنیا کا یہ کورس ایک اختیاری کورس ہے اور یہی اختیار ہے جس کا صحیح یا غلط استعمال اسے جزا یا سزا کا یا دوسرے الفاظ

Marfat.com

میں جنت یا دوزخ کا حقدار قرار دیتا ہے۔ اگر اس نے دنیا میں اپنے حاصل کردہ آزمائشی اختیار کو رضا کارانہ طور پر ہدایاتِ خداوندی کا تابع رہ کر استعمال کیا ہے تو وہ آخرت میں اس سے بھی زیادہ وسیع تر اختیاراتِ تصرف کے ساتھ اعلیٰ مناصب پر فائز کیا جائے گا اور دنیا میں اس کے تجرباتی اور تربیتی دور کے بعد اسے خلافتِ ربانی کے زیادہ اختیارات اور انسانیت کے زیادہ بلند مدارج و مراتب دیے جائیں گے اور اگر اس نے اپنے تجرباتی دور (PROBATIONARY PERIOD) میں ہی اپنی ناکامی اور اپنے تربیتی دور میں ہی اپنی نااہلی کا ثبوت فراہم کیا ہے تو اسے ایک ناکارہ شے کی حیثیت سے آخرت کے دوسرے دور میں گشتنی اور سوختنی قرار دے کر دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔ دنیا کے اس تربیتی دور میں اس کی رہنمائی کے لیے رسولوں کو مقرر کیا گیا ہے۔ چنانچہ رسول ایک طرف اپنی زندگی کا اعلیٰ ترین نمونہ دکھا کر انسانوں کو بتا دیتے ہیں کہ ان کے خالق کی مطلوبہ زندگی کا معیار کیا ہے..... دوسری طرف وہ اپنی صالح اور پاکیزہ تعلیمات سے آخرت کی حقیقی اور پائیدار زندگی کی ایسی واضح اور متعین چشم دید تصویر پیش کرتے ہیں کہ گویا یہ دنیا پیدا ہی اس لیے کی گئی ہے کہ اس کے بعد آخرت آنے والی ہے اور آخرت کی خاطر ہی یہ دنیا وجود میں لائی گئی ہے۔ گویا آخرت کی انسانی آبادکاری کی تقسیم، دنیا میں انسان کے طرزِ عمل سے متعین ہوگی۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے لیے ایک ایسی دوجہانی اسکیم جاری کی ہے اور ایک ہی انسانی زندگی کا ایک ایسا دوجہانی منصوبہ تیار کیا ہے جس کے ذریعے ایک جہاں کی زندگی انسان میں دوسرے جہاں کی زندگی کے لیے صلاحیت و اہلیت کا اہتمام کرتی ہے (گویا انسان کی ایک ہی ہستی ہے اور اس کے پاس زندگی بھی ایک ہی ہے بس اس دنیا میں اسے ایک قالب یہاں کے حالات اور موسم و ضرورت کے مطابق دیا گیا ہے اور اس قالب کے ساتھ وہ اس دنیا کا الٰہی تربیتی کورس کرنے پر مامور ہے جس تربیتی کورس کا مربی اعظم اپنے دور کا رسولؐ ہوتا ہے جو شخص اس تقسیم کار کو تسلیم کرتا، مالک کی برتر ہستی کو مانتا، رسول کے مزکی و مربی ہونے کی حیثیت سے استفادہ کرتا، اپنی زندگی کو حتی الوسع رسول کی تعلیمات و تربیت

لہ اب قیامت تک کے لیے حضور اکرمؐ ہی انسانیت کے مربی اور مزکی اعظم ہیں۔

Marfat.com

کے سانچے میں ڈھالتا اور ایک مخصوص دل دماغ کے ساتھ بندگیٔ رب پر مشتمل اعمال کا مجموعہ تیار کرتا ہے وہ گویا اس دنیا کی تربیت گاہ میں رہ کر اور اس کے منصب کی تیاری کر کے آخرت کی طرف جاتا ہے جہاں اس کی تیاری اور تربیت کا مناسب جائزہ لے کر اسے کامیاب یا ناکام قرار دیا جائے گا۔ کامیابی کی صورت میں وہ زیادہ وسیع تر اختیارات کے ساتھ جنت کے خطے میں آباد کر دیا جائے گا اور ناکامی کی صورت میں ایک ناکارہ اور ردی مال قرار دے کر دوزخ کے کباڑ خانے میں پھینک دیا جائے گا۔ یہاں دنیا میں اگر اس نے معمولی فساد اور بگاڑ پیدا کر کے اپنے آپ کو اور اپنے ماحول کو ظلم و ستم کا تختہ مشق بنایا تھا تو آخرت میں وہ اپنی فطرت اور طبیعت کے مطابق لاکھوں گنا بڑے فساد اور بگاڑ سے دوچار ہوگا اور اسے سارا ماحول ہی ایسا فراہم کر دیا جائے گا جہاں اسے اپنے ذوقِ فساد کا پورا پورا مزہ چکھنے کا موقع فراہم ہو جائے گا۔

آخرت درحقیقت دنیاوی زندگی کے ہی وسیع ترین امکانات کے وقوع پذیر ہونے اور ان کے وجود میں آنے کا نام ہے وہاں کے وسیع ترین امکانات کے لیے موجودہ جسم کو جو محدود صلاحیتوں اور وجودی امکانات کے ساتھ ہمیں دیا گیا ہے وہاں کے حالات و ضروریات کے مطابق بے انتہا وسیع اور جامع مواقع اور امکانات مہیا کر دیے جائیں گے۔ یہاں خواہش کے ساتھ کوشش ایک لازمی جزو ہے۔ لیکن وہاں خواہش ہی کوشش کا روپ دھار کر پوری ہو جائے گی۔ یہ انسان کی اس خوبی کا انعام ہوگا کہ اس نے دنیا میں رہ کر آخرت کی پوشیدہ حقیقتِ عظمیٰ کو تسلیم کیا۔ آزاد پیدا ہو کر اس نے رسول کی ہدایات و تعلیمات کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنایا اور دنیا کی زندگی کو اس طرح بسر کیا کہ آخرت کا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہمیشہ موجود رہا۔ اس طرح اس نے اپنے آپ کو عالمِ آخرت کا ایک ایسا وفادار اور باشعور اور صاحبِ ادراک شہری ثابت کیا جس کے نتیجے میں وہ جنت کا اہل قرار دیا گیا۔ اگر اس کے عمل میں بعض تربیتی کوتاہیاں اور خامیاں موجود بھی رہیں تو اس کے دل و دماغ کی کیفیت اور اس کی شعوری وفاداری غیر متزلزل رہی اور وہ اپنے پورے دل و دماغ کے ساتھ جنت کی آبادکاری کے قابل رہا۔ جنت درحقیقت اصلاح یافتہ انسانیت کا مسکن ہے جبکہ

دوزخ بگڑی ہوئی فساد زدہ آدمیت کا ٹھکانہ ہے۔ اور جس طرح آدے سے اینٹ ایک ہی بار پک کر نکلتی ہے۔ اگر اچھی ہوتی ہے تو اسے تعمیر میں لگا دیا جاتا ہے اور اگر بگڑی ہوئی نکلتی ہے تو سڑک پر اس کی روڑی کوٹ دی جاتی ہے اور اس پر رولر پھرایا جاتا ہے اسی طرح دنیا کا یہ آوا بھی آخرت میں قابل استعمال اور ناقابلِ استعمال انسان ایک ہی بار بنا دیتا ہے اس کے بعد قابلِ استعمال جنت کے محل میں اور ناقابلِ استعمال دوزخ کے گڑھے میں لگا دیے جاتے ہیں۔

آخرت کا تصوّر قرآن کریم میں پوری طرح حاوی اور غالب ہے، قرآن کے صفحات پر ہر کہیں اس کی تفصیلات پھیلی ہوئی ہیں جس کثرت اور مختلف پیرائوں میں یہ مضمون ہر جگہ بیان ہوا ہے دوسرا کوئی مضمون اس کثرت سے بیان نہیں ہوا ہے، گویا قرآن مالکِ کائنات کی طرف سے آخرت نامہ ہے جو آخرت کی خبریں نہایت تفصیل سے بتاتا ہے۔ اس کی روشنی میں انسانی زندگی کو ڈھالنے، تیار کرنے اور بنانے کی ہدایات دیتا ہے۔ اسی لیے اسلام میں غیب کی جن حقیقتوں پر ایمان لائے بغیر انسان مسلمان نہیں بن سکتا ان میں آخرت سب سے زیادہ جامع حقیقت ہے جس میں باقی ساری پوشیدہ حقیقتیں از خود شامل ہیں۔ اس دنیا میں اس حقیقت کا انسان کے موجودہ حواس کے ذریعے ادراک نہیں کیا جا سکتا اس لیے اسے رسول کے اعتماد پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر آنکھ ایک شے کو دیکھتی ہے تو ہم اسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ کان ایک آواز کو سنتا ہے اور ہم اسے مان لیتے ہیں۔ زبان ایک شے کا مزہ چکھتی ہے اور ہم اس شے سے انکار نہیں کرتے۔ ناک ایک شے کو سونگھتی ہے اور ہم اس شے کے وجود کے منکر نہیں ہوتے تو کیا خدا کا فرستادہ بہترین زندگی کا حامل اور بہترین تعلیمات کا معلم رسول ایک چیز کی اطلاع دے اور اس کی زندگی میں کسی غلط گواہی کا کوئی ثبوت بھی موجود نہ ہو تو ہم اسے کیوں تسلیم نہ کریں۔ رسول کی ہستی اس کی اہمیت، اس کی پاکیزہ زندگی کی گواہی کا وزن لامحالہ ہمارے حواسِ خمسہ کی گواہی سے زیادہ ہونا چاہیے۔ ہمارے ان حواس میں بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے جبکہ شب و روز ہوتا رہتا ہے لیکن رسول جو اپنی ساری صالح زندگی اور پاکیزہ تعلیمات کے ساتھ خدا کی حفاظت میں خدا کے وجود اور آخرت کی گواہی دیتا ہے اس کی شہادت سے زیادہ

معتبر شہادت اور کون سی ہو سکتی ہے۔

آخرت کا عقیدہ انسان کو بعض امور کا پابند کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ آخرت کے منکر انسان سے ایک مختلف انسان بن جاتا ہے اور وہ امور یہ ہیں:

انسان اس دنیا میں ایک غیر مسئول اور غیر ذمہ دار ہستی نہیں ہے بلکہ اسے اپنے تمام دنیوی کاموں کے لیے خدا کے سامنے ایک روز جوابدہی کرنا ہے۔

یہ دنیا کوئی مستقل اور پائیدار مقام نہیں ہے، یہاں کی ہر شے عارضی ہے اور یہاں سے فنا کے راستے رخصت ہو رہی ہے اسی طرح ایک روز دنیا کا یہ سارا نظام ہی بیک وقت ختم ہو جائے گا اور فنا کے گھاٹ اتر جائے گا۔

اس دنیا کے خاتمے کے بعد کائنات کا مالک ایک دوسرا عالم وجود میں لائے گا جس میں دنیا کے آغاز سے انجام تک پیدا ہونے اور مرنے والے انسانوں کو بیک وقت اٹھا کر لائے گا اور ان کا کارنامۂ زندگی دیکھ کر ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ جو لوگ نیک قرار دیے جائیں گے وہ جنت میں، اور جو لوگ بُرے قرار دیے جائیں گے وہ دوزخ میں جائیں گے۔

موجودہ دنیا کی خوشحالی یا بدحالی اور ناکامی یا کامیابی کا کوئی تعلق آخرت کی ناکامی یا کامیابی سے نہ ہوگا۔ اس دنیا کے سارے احوال و احوال آزمائشی ہیں اور آخرت کے احوال اس آزمائش میں انسان کے طرزِ عمل پر مبنی ہوں گے۔

قرآن نے اس آخرت کے نہایت درجہ حقیقی مناظر پیش کیے ہیں۔ ان میں سے ایک منظر کو دیکھئے:

"بس ایک ہی جھڑکی ہوگی اور یکایک یہ اپنی آنکھوں سے (وہ سب کچھ جس کی خبر دی جا رہی ہے) دیکھ رہے ہوں گے اس وقت یہ کہیں گے۔ ہائے ہماری کم بختی، یہ تو یوم الجزا ہے، یہ تو وہی فیصلہ کا دن ہے جسے ہم جھٹلایا کرتے تھے۔ حکم ہوگا گھیر لاؤ سب ظالموں اور ان کے ساتھیوں اور ان معبودوں کو جن کی وہ خدا کو

چھوڑ کر بندگی کیا کرتے تھے۔ پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ اور ذرا انہیں ٹھہراؤ۔ ان سے کچھ پوچھنا ہے، کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ اب کیوں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ارے آج تو یہ اپنے آپ کو (اور ایک دوسرے کو) حوالے کیے دے رہے ہیں"

(الصفت ۱۹-۲۶)

دور حاضر کے ایک عظیم قرآنی مفکر نے اس آیت کے منظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے [1]

"یہ فقرہ خود بتا رہا ہے کہ اس وقت حالت کیا ہوگی۔ بڑے بڑے ہیکڑ مجرمین کے کس بل نکل چکے ہوں گے اور کسی مزاحمت کے بغیر وہ کان دبائے جہنم کی طرف جا رہے ہوں گے۔ کہیں کوئی ہز میجسٹی دھکے کھا رہے ہوں گے اور درباریوں میں سے کوئی اعلیٰ حضرت کو بچانے کے لیے آگے نہ بڑھے گا۔ کہیں کوئی فاتح عالم اور کوئی ڈکٹیٹر انتہائی ذلت کے ساتھ چلا جا رہا ہوگا اور اس کا لشکرِ جرار خود اسے سزا کیلئے پیش کر دے گا۔ کہیں کوئی پیر صاحب یا گرو جی یا ہولی فادر واصلِ جہنم ہو رہے ہوں گے اور مریدوں میں سے کسی کو یہ فکر نہ ہوگی کہ حضرت والا کی توہین نہ ہوتے پائے کہیں کوئی لیڈر صاحب کس مپرسی کے عالم میں جہنم کی طرف رواں دواں ہوں گے اور دنیا میں جو لوگ ان کی کبریائی کے جھنڈے اُٹھائے پھرتے تھے وہ سب وہاں ان کی طرف سے نگاہیں پھیر لیں گے۔ حد یہ ہے کہ جو عاشق دنیا میں اپنے معشوق پر جان چھڑکتے تھے انہیں بھی ان کے حالِ بد کی کوئی پروا نہ ہوگی "

اس طرح گویا خدا سے بغاوت پر مبنی سارے تعلقات منقطع، ساری شیخیاں کرکرے، سارے غرور نذرِ خاک اور ساری بڑائیاں ذلت و پستی کا شکار ہو جائیں گی اور انسان کے پاس جو متاع باقی رہ جائے گی وہ مالک الملک کے دربار میں خالص بندگی کا سرمایہ ہوگا جو قبول کیا جائے گا۔

---

[1] تفہیم القرآن جلد چہارم ص ۲۸۰ حاشیہ ۱۵۔ از سید ابوالاعلیٰ مودودی

آخرت ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کا انکار کرنے کے لیے عقل کی نہیں بلکہ وافر مقدار میں ڈھٹائی اور حماقت کی ضرورت ہے۔ ورنہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ پکار پکار کر ایک دوسرے عالم کے انعقاد کی خبریں سُنا رہا ہے یہاں ہر شے نامکمل بھی ہے اور فانی بھی۔ نامکمل شے اپنی تکمیل کی اور فانی شے اپنی بقا کا مطالبہ کرتی ہے یہاں اعمال بھی ہیں اور کردار بھی۔ خوبیاں بھی ہیں اور خرابیاں بھی۔ نیکیاں بھی ہیں اور بدیاں بھی، خیر خواہی بھی ہے اور بدخواہی بھی، دستگیری بھی ہے اور ظلم و زیادتی بھی۔ سارا عالمِ دنیا ایک بوقلموں (Flux) صورتِ حال سے دوچار ہے۔ اور ہر صورتِ حال اپنے وجود سے اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ ظلم کا بدلہ، نیکی کا اجر اور بدی کی سزا دی جائے۔ لیکن جس نامکمل فنا پذیر دنیا میں ہم رہتے ہیں یہاں کسی بھی عمل کا پورا بدلہ اچھا یا بُرا ممکن نہیں ہے ہر عمل شاخ در شاخ اپنے اثرات بے شمار افراد، بے شمار سمتوں میں بے شمار نسلوں تک پھیلاتا ہے۔ یہاں کوئی ایسی عدالت ہی موجود نہیں ہے جو ان سارے اثرات کو سمیٹ کر، ناپ کر اور ان کا صحیح تخمینہ لگا کر اس کے مطابق سزا و جزا دے سکے۔ اور نہ یہ موجودہ زندگی کے اجسام اس امر کے متحمل ہیں کہ ایسی سزا و جزاء کو بھگت سکیں، لیکن اگر اس دنیا اور اس کے موجودہ زمان و مکان و ظرف میں یہ ممکن نہیں ہے تو کیا پھر ان اعمالِ خوب و زشت کو یوں ہی ضائع ہو جانا چاہیئے۔ خود انسانی عقل و انصاف اس کا تقاضا کرتے ہیں اور خالق کے انصاف سے بھی یہ بعید ہے کہ ایسا ہو اس دنیا کے حالات و ظروف تو اپنے اندر کیے جانے والے اعمال کا بدلہ چکانے کے لیے بالکل ہی ناکافی ہیں۔ یہاں تو کبھی الٹی نیکی برباد اور گناہ لازم ہو جاتا ہے۔ یہاں تو کہیں ظلم کرنے پر سرداری اور سربلندی مل جاتی ہے اور کسی کا بندگی میں بھی بظاہر بھلا نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ دونوں صورتیں اپنی فطرت کے لحاظ سے اپنا اپنا صلہ طلب کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورتِ حال قائم کرنے کے لیے ایک دوسرا عالم تخلیق کرنے کی ضرورت ہے جو انصاف کی تمام ضروریات کو پورا کر سکے اور جس ہستی نے یہ عالم محض "کُن" کے حکم سے تخلیق کیا ہے اس کے لیے دوسرا عالم تخلیق کرنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ کیا خوب فرمایا قرآن نے:

Marfat.com

قیامت کو اَن ہونی بات سمجھنے والے اگر آنکھیں کھول کر مظاہرِ قدرت کا مشاہدہ کریں تو انہیں نظر آئے گا کہ اللہ تو ہر لحظہ نئی سے نئی قیامتیں برپا کر رہا ہے اور جہاں وہ زندہ اجسام کو فنا کے گھاٹ اتار رہا ہے وہاں وہ پے در پے مُردوں کو زندہ بھی کر رہا ہے۔ روزانہ لاکھوں کی تعداد میں انسانی جسم اسی زمین کے مختلف اجزاء سے تخلیق پاکر وجود میں آجاتے ہیں جہاں روزانہ کروڑوں چرندے اور پرندے وجود میں آتے ہیں۔ یہاں سوکھی کھیتیاں پانی کے ذرا سے چھینٹے سے لہلہاتی فصلیں بن کر وجود میں آتی ہیں۔ یہاں بے جان بیج زمین کے سینے میں جاکر جاندار پودے بن کر نمودار ہوتے ہیں۔ ہر برسات میں یہاں بے شمار زندگیاں نمودار ہوتی ہیں اور ہر خزاں میں وہ زمین کے وسیع قبرستان میں محوِ خواب ہو جاتی ہیں اور بہار اور برسات کی واپسی پر پھر وہ زندہ ہو کر ہر طرف پھیل جاتی ہیں۔ اس طرح ہر خزاں بے شمار اشیاء کے لیے ایک قیامت ہے اور ہر بہار بے شمار زندگیوں کے لیے ایک نئی زندگی کا پیغام ہے۔ اسی طرح اگر انسان اپنے امکانات میں روز بروز وسعت پیدا کرتا چلا جاتا ہے تو کیا خدا جس نے یہ کائنات تخلیق کی ہے اس کے مزید امکانات کو کون محدود کر سکتا ہے۔

انسان تو انسان ہے قیامت کے دن تو زمین بھی حساب دے گی اور جو کچھ انسان اس پر روزِ اول سے کارگزاریاں کرتا چلا آرہا ہے اس پر سب سے قریبی اور چشم دید گواہ تو ہمیشہ زمین ہی رہی ہے۔ اس طرح ہر جگہ ہر مقام پر جہاں جہاں اس نے کوئی نیکی یا بدی کی ہے زمین اس کے ساتھ رہی ہے اور وہ اس کی حرکات سے خوب واقف ہے۔ اسی لیے قرآن نے اطلاع دی:

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا (الزلزال: ۴)

اس روز وہ (زمین) اپنے اوپر گزرے ہوئے سارے حالات بیان کرے گی۔

اس کا ذکر کرتے ہوئے حضور اکرمؐ نے فرمایا جسے حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا۔

"جانتے ہو اس کے وہ حالات کیا ہیں؟"

لوگوں نے عرض کیا "اللہ اور اس کے رسول کو ہی زیادہ علم ہے۔"

Marfat.com

آپؐ نے فرمایا:

"وہ حالات یہ ہیں کہ زمین ہر بندے اور بندی کے بارے میں اس عمل کی گواہی دے گی جو اس کی پیٹھ پر اس نے کیا ہوگا۔ وہ کہے گی کہ اس نے فلاں دن فلاں کام کیا تھا یہ ہیں وہ حالات جو زمین بیان کرے گی۔" (مسند امام احمد)

آپؐ نے مزید فرمایا:

"ذرا زمین سے بچ کر رہنا کیوں کہ یہ تمہاری جڑ بنیاد ہے اور اس پر عمل کرنے والا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے عمل کی یہ خبر نہ دے خواہ اچھا ہو یا بُرا۔"

چنانچہ حضرت علیؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب آپ بیت المال کا سب روپیہ اہلِ حقوق میں تقسیم کرکے اسے خالی کر دیتے تو اس میں دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر فرماتے:

"تجھے گواہی دینی ہوگی کہ میں نے تجھ کو حق کے ساتھ بھرا اور حق ہی کے ساتھ خالی کر دیا۔"

آخرت میں حساب کتاب کا عقیدہ انسان کو احساسِ ذمہ داری کے اُس مقام پر رکھتا ہے جہاں وہ خدا ترسی اور انصاف کے اصولوں کو نظر انداز کرنے کی کبھی جرأت نہیں کرتا اور ایسے ہی لوگ ہیں جنہیں قرآن نے آسان حساب کی خوشخبری سنائی ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیْنِہٖ	پھر جس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے
فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا	ہاتھ میں دیا گیا اس سے ہلکا حساب لیا
وَّ یَنْقَلِبُ اِلٰۤی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا	جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش
(الانشقاق: ۷-۹)	خوش پلٹے گا۔

گویا جس سے سخت حساب فہمی نہ ہوگی اس سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے فلاں فلاں کام کیوں کیے۔ تمہارے پاس اس کے کیا عذر ہیں۔ ظاہر ہے کہ نیکیاں اور بدیاں تو ہر ایک کے نامۂ اعمال میں ہوں گی بس ذرا بھلائیوں کو زیادہ دیکھ کر اس کے قصوروں سے درگزر کر کے اسے معاف

Marfat.com

کر دیا جائے گا۔ اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "اے عائشہؓ جس سے بھی حساب لے لیا گیا وہ تو مارا گیا"۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا "یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ جس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا؟" آپؐ نے فرمایا: "وہ تو صرف اعمال کی پیشی ہے لیکن جس سے پوچھ گچھ کی گئی وہ تو مارا گیا"۔

حضورؐ کی خدمت میں کھانا کھاتے ہوئے ایک بار حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سورۃ زلزال کی یہ آیات سنیں:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ	"جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ
خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ	لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی
ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۔	وہ اس کو بھی دیکھ لے گا"۔

یہ سنتے ہی کھانا کھاتے کھاتے انہوں نے اپنا ہاتھ کھانے سے کھینچ لیا اور فرمایا "یا رسول اللہؐ کیا میں اس ذرہ برابر برائی کا بھی نتیجہ دیکھوں گا جو مجھ سے سرزد ہوئی"۔ حضورؐ نے فرمایا "اے ابوبکر دنیا میں جو معاملہ بھی تمہیں پیش آتا ہے جو تمہیں ناگوار ہو وہ ان ذرہ برابر برائیوں کا بدلہ ہے جو تم سے صادر ہوں اور جو ذرہ برابر نیکیاں بھی تمہاری ہیں انہیں اللہ آخرت میں تمہارے لیے محفوظ رکھ رہا ہے"۔ حضرت ابو ایوبؓ انصاری سے بھی ان آیات کی وضاحت فرماتے ہوئے حضور اکرمؐ نے یہی فرمایا: "تم میں سے جو شخص نیکی کرے گا اس کی جزا آخرت میں ہے اور جو کسی قسم کی برائی کرے گا وہ وہ اسی دنیا میں اس کی سزا مصائب اور امراض کی شکل میں بھگت لے گا"۔

آخرت پر ایمان لانے والوں کو یہی زیب دیتا ہے کہ وہ نیکی کی حرص کریں چاہے وہ چھوٹی سے چھوٹی ہو اسے نظر انداز نہ کریں جیسے حضورؐ نے فرمایا تھا "چاہے تم پانی کا ایک ڈول ہی اپنے بھائی کے برتن میں ڈال دو یا اسے خندہ پیشانی سے مل کر اس کا دل خوش کر دو"۔ اسی طرح مومن کا یہ بھی کام نہیں ہے کہ وہ بدی کا بدلہ بدی سے دے بلکہ عقیدۂ آخرت رکھنے والے کا اخلاق یہ ہونا چاہیے کہ وہ بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دے، شر کا مقابلہ خیر سے اور ظلم کا مقابلہ انصاف سے کرے

جھوٹ بولنے والے کے مقابلے میں سچ بولے اور خیانت کرنے والے سے بھی دیانت سے کام لے۔

حضورؐ نے فرمایا:

"تم اپنے طرزِ عمل کو لوگوں کے طرزِ عمل کے تابع بنا کر نہ رکھو۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اگر لوگ بھلائی کریں گے تو ہم بھی بھلائی کریں گے اور لوگ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے تم اپنے نفس کو ایک قاعدے کا پابند بنا لو۔ اگر لوگ نیکی کریں تو تم نیکی کرو اور اگر لوگ بدسلوکی کریں تو تم ظلم نہ کرو۔"

اسی بات کو آپؐ نے ایک دوسری جگہ اس طرح بیان فرمایا:

"میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں خواہ کسی سے خوش ہوں یا ناراض، ہر حالت میں انصاف کی بات کہوں۔ جو میرا حق مارے میں اس کا حق ادا کروں جو مجھے محروم کرے میں اس کو عطا کروں اور جو مجھ پر ظلم کرے میں اس کو معاف کروں۔"

اسی بات کو حضرت عمرؓ نے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا:

"جو شخص تیرے ساتھ معاملہ کرنے میں خدا سے نہیں ڈرتا اس کو سزا دینے کی بہترین صورت یہ ہے کہ تو اس کے ساتھ خدا سے ڈرتے ہوئے معاملہ کر۔"

حضور اکرمؐ نے فرمایا:

"بہت یاد کرو، لذتوں کو کھو دینے والی چیز، یعنی موت کو۔" (ترمذی)

آپؐ نے حضرت عدیؓ سے فرمایا:

"تم میں سے ہر شخص سے اللہ براہ راست گفتگو کرے گا اور وہاں نہ تو کوئی سفارشی ہوگا اور نہ اوٹ ہوگی جو چھپا لے۔ وہ شخص دائیں بائیں دیکھے گا تو سوائے اپنے اعمال کے اور کوئی اسے نظر نہ آئے گا۔ پھر سامنے دیکھے گا تو دوزخ اپنی ہولناکیوں کے ساتھ نظر آئے گا تو اے لوگو، آگ سے بچنے کی فکر کرو۔ چاہے آدھی کھجور دے کر

Marfat.com

ہی سہی ۔" (متفق علیہ)

حضرت عبداللہؓ بن عمر کہتے ہیں، حضور اکرمؐ نے فرمایا:

" اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں اور زمین کو اپنی مٹھی میں لے کر پکارے گا۔ میں ہوں بادشاہ، میں ہوں جبّار، میں ہوں متکبّر، کہاں ہیں وہ جو زمین میں بادشاہ بنتے تھے، کہاں ہیں جبابرۂ وقت، کہاں ہیں متکبّرین زمانہ ۔" (احمد)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ آپؐ نے فرمایا:

"قیامت کے دن آدمی کے پاؤں جنبش میں نہ آئیں گے جب تک اس سے پانچ باتیں دریافت نہ کرلی جائیں گی۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ اپنی عمر کو اس نے کس کام میں صرف کیا۔ اپنی جوانی کس کام میں پرانی کی۔ مال کیونکر کمایا اور کیونکر خرچ کیا اور علم جو حاصل کیا تھا اس کے موافق کیا عمل کیا ۔" (ترمذی)

غرض آخرت کا عقیدہ اور اس کے نتائج ایسے ہیں جو انسان کے اندر خدا کے سامنے جوابدہی کا احساس زندہ و تابندہ رکھتے ہیں اور اس سے مومن کے ایمان میں زندگی پیدا ہوتی اور اخلاقی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔

توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کے باوجود سب کے سب اہل ایمان یکساں اعمال و افعال سرانجام نہیں دیتے۔ کچھ سرتاپا نیکی، تقویٰ اور پرہیز گاری ہوتے ہیں کچھ ملے جلے عمل والے درمیانی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ جنہوں نے نیکیاں بھی کی ہیں اور ان سے بدیاں بھی سرزد ہوئی ہیں اور کثیر تعداد تو پھر بھی ایسے ہی افراد کی ہوتی ہے جن سے بہت سے بڑے گناہ بھی سرزد ہو جاتے ہیں اور ایمان و آخرت کے نقطہ نظر سے انہوں نے اپنی اپنی جانوں پر ظلم کیا ہوتا ہے۔

قرآن نے ان تینوں گروہوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا ہے:

"کوئی ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی بیچ کی راس ہے اور کوئی اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے، یہی بہت بڑا فضل ہے۔

Marfat.com

ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے"۔ (فاطر: ۳۲-۳۳)

اس کی تشریح کرتے ہوئے حضور اکرمؐ نے فرمایا جسے حضرت ابو الدرداء نے روایت کیا :

"جو لوگ نیکیوں میں سبقت لے گئے ہیں وہ تو جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔ اور جو بیچ کی راس رہے ہیں ان سے محاسبہ ہوگا مگر ہلکا محاسبہ۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تو وہ محشر کے طویل عرصے میں روک رکھے جائیں گے پھر ان کو اللہ اپنی رحمت میں لے لے گا اور یہی لوگ ہیں جو کہیں گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دُور کر دیا"۔

گویا اپنی جان پر ظلم کرنے والے اہلِ ایمان کو تا برخاست عدالت کی سزا دی جائے گی۔

ظاہر ہے کہ آخرت میں روزِ حساب جس طرح حضورؐ اس بات کی گواہی دیں گے کہ انہوں نے دین اسلام کے تعلیم کردہ فکرِ صحیح، عملِ صالح اور نظامِ عدل کی پوری پوری تعلیم بے کم و کاست مسلمانوں تک پہنچا دی اور اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا اسی طرح مسلمانوں کو بھی اُٹھ کر یہ گواہی دینی ہوگی کہ انہوں نے اپنے رسولِ کریمؐ سے جو تعلیم پائی تھی وہ دنیا کے تمام انسانوں تک پہنچا دی۔ اگر ہم خدا کی عدالت میں اس بات کی شہادت فراہم نہ کر سکے کہ ہم نے خدا کی ہدایت جو اس کے رسولؐ کے ذریعے ہم تک پہنچی تھی وہ ہم نے خدا کے تمام بندوں تک پہنچا دی تو ہم بہت بُری طرح پکڑے جائیں اور اس امر کا مواخذہ دیگر تمام اُخروی اور انفرادی مواخذوں سے زیادہ سخت ہوگا۔

پورے مکی دور میں حضور اکرمؐ کا سارا زور دعوت اسلامی کے انہیں تین نکات پر رہا۔ اللہ کی توحید و حاکمیت و الوہیت۔ رسول اکرمؐ کی رسالت اور خدا کی طرف سے فرستادگی نیز آخرت میں حساب کتاب، جوابدہی اور مسئولیتِ اعمال، جہاں تک خدا کی توحید کا تعلق ہے، بگاڑ کے باوجود قریش خدا کے منکر نہ تھے اور اس کی بالاتر ہستی کے بھی قائل تھے البتہ اس کے کام میں اپنے دوسرے اولیاء کو بھی شریک کرتے تھے۔ وہ رسالت کا مسئلہ بھی نظر انداز کر سکتے تھے لیکن جو چیز مشرکین کیلئے سب سے زیادہ پریشان کن، ناقابلِ یقین اور ناقابلِ تسلیم تھی وہ آخرت کی جوابدہی کا عقیدہ تھا آخرت

Marfat.com

کے عقیدے کے ساتھ جو ذمہ دارانہ زندگی، احساسِ مسئولیت، نیکی و بدی کا امتیاز، حقوق و فرائض کی شناخت واہتمام، ظلم و زیادتی سے اجتناب اور خواہشات نفس پر قدغن کا مسئلہ وابستہ تھا بس یہ ان کے لیے بہت بھاری پتھر تھا جسے اٹھانا ان کے نفس پر بہت گراں تھا لیکن جو انقلاب حضور اکرمؐ کے پیش نظر تھا وہ اقتدار کا انقلاب نہیں بلکہ انسان کی تبدیلی کا انقلاب تھا جس کے ذریعے انسان کو اندر سے بالکلیہ بدل کر اسے بندۂ نفس کی بجائے بندۂ خدا بنانا مطلوب تھا۔ یہ انقلاب اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک اس انقلاب کی اخلاقی، علمی اور حقیقی بنیادیں مخاطب لوگوں کی نفسیات میں گہری پیوست نہ ہو جائیں پھر جو اس کی مخالفت کریں وہ بھی یہ بات جان لیں کہ وہ کن چیزوں کی مخالفت کر رہے تھے اور جو لوگ حمایت کے لیے آگے بڑھیں وہ بھی دنیوی اور ظاہری امور میں صرف چند تغیرات کی دعوت سمجھ کر آگے نہ بڑھیں بلکہ یہ سمجھ کر آگے آئیں کہ خدا کی توحید کے ساتھ کسی دوسری ہستی کا جوڑ ممکن نہ تھا۔ رسول کی رسالت کے ساتھ کسی دوسرے شارع یا قائد کی اطاعت گوارا نہ تھی۔ آخرت کے حساب کتاب کا احساس رکھتے ہوئے زندگی کا طرزِ عمل متعین کرنے سے بڑھ کر دوسرا کوئی طرز زندگی انہیں مطلوب نہ تھا۔ سیاست، معیشت، معاشرت، رسوم و رواج اور حکومت و اقتدار بدلنے کی بجائے انسان بدلنے کی اس اسکیم پر عمل پیرا ہونے کے لیے اس کے سوا دوسری کوئی تدبیر نہ تھی۔ انسان کو بدلنے والا انقلاب جب بھی رونما ہوگا وہ سب سے پہلے اس کے عقائد کی بنیادیں بدلے گا اور جب تک عقائد کی بنیادیں نہ بدلیں گی۔ ظاہری انسان اگر لباس اور خوراک میں بدل بھی گئے تو اخلاق و اعمال میں کبھی نہ بدلیں گے، اس لیے اسلام کی انقلابی اسکیم میں اوّلین چیز سامانِ دنیا نہیں بلکہ انسانِ دنیا کی تبدیلی تھی چنانچہ اس تبدیلی کی جڑیں انسان کے عقائد کی بنیادوں میں اتارنے کے لیے حضور اکرمؐ نے تمام دوسرے مسائل سے صرف نظر کر کے پورے ۱۳ سال صرف اسی کام پر صرف کیے۔ یہاں تک کہ حمایت کرنے والوں کو بھی اطمینان ہو گیا کہ ان کا مطلوبہ انقلاب کس نوعیت کا تھا جس میں دنیوی مفادات کی شرط نہیں بلکہ آخرت میں سرفرازی حقیقی طلب تھی۔ دوسری طرف مخالفت کرنے والوں کو بھی پتہ چل گیا کہ یہ صرف سیاست معیشت یا سیادت کا جھگڑا نہ تھا بلکہ انسانیت کی تعمیرِ نو کا جھگڑا تھا۔ اسی لیے اس کے

Marfat.com

ساتھ شامل ہونے والوںؓ نے نہایت آسانی سے تمام مادی علائق کو حالات کے تقاضے کے مطابق قدم قدم پر اس طرح اتار اتار کر پھینکا جس طرح گرمی میں انسان بھاری کپڑے اتار دیتا ہے اور وہ گھر بار، مال و دولت رشتہ و ناتہ اور جان تک کی قربانیاں بڑی آسانی سے دے گئے اس لیے کہ آخرت کا عقیدہ انہیں بتاتا تھا کہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی ضائع نہیں ہو رہی ہے بلکہ ان کے مالک کے پاس ان کے حساب میں جمع ہو رہی ہے۔

۱۳ سال تک دعوتِ اسلامی کی یہ حقیقی بنیادیں اس انقلابی گروہ کے رگ و ریشہ میں اتاری اور پیوست کی گئیں اور جب انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ خدا سے بڑھ کر ان کے نزدیک کوئی ہستی بالاتر نہ تھی جس سے وہ ڈریں اور رسول سے بڑھ کر ان کا کوئی ہادی اور رہنما نہ تھا جس کی وہ اطاعت کریں اور آخرت سے بڑھ کر دوسرا کوئی اہم مقام نہ تھا جس میں فلاح پانے کی وہ حرص کریں تو پھر وہ گروہ زمین پر آباد تمام انسانوں کی مجموعی تعداد میں ایک نیا، انوکھا اور انقلابی گروہ بن کر اٹھا۔ اب انہیں ایک نیا نظام برپا کرنے کے راستے کی مشکلات کا کوئی خوف اور ایک غالب نظام سے حاصل ہونے والے منافع کا کوئی لالچ اپنی جگہ سے ڈگمگا نہ سکتا تھا۔ اب وہ حقیقی اسلامی انقلاب کا مستند علمبردار گروہ تھا اب اس کے سامنے نئے نظام کے انقلابی عزائم کے سارے امکانات کھلے ہوئے تھے۔ اب وہ دعوت سننے ہی نہیں بلکہ دعوت دینے اور دنیا کی رہنمائی کرنے کے قابل افراد بن گئے تھے۔ جب مکہ کی بھٹی نے تیرہ سال تک ان اینٹوں کو اس سہ نکاتی دعوتی آنچ سے پکا کر خوب پختہ کر دیا تو وہ اسلامی نظام کی رفیع الشان عمارت میں لگنے کے قابل ہو گئے۔ گویا جب دعوتِ اسلامی کا آہنی فریم بن گیا تو اس پر تفصیلاتِ زندگی کی شاندار عمارت تعمیر کرنے کا اہتمام بھی ممکن ہو گیا اور تحریک ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں داخل ہونے کے لیے پختہ اور تیار ہو گئی۔

Marfat.com

تیسرا باب

دعوتِ اسلامی کی مزاجی خصوصیات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ دعوتِ اسلامی اپنی فطرت اور نوعیت کے لحاظ سے مختلف مزاجی خصوصیات کی حامل ہے جن کا تذکرہ اس کی ماہیت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے ان میں سے چند ایک کا بیان ناگزیر ہے۔

عالمگیریت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دعوت لے کر اٹھے وہ اپنی نوعیت اور مزاج کے اعتبار سے ایک عالمگیر دعوت تھی۔ وہ سارے انسانوں کو مخاطب کرتی تھی۔ اس کے راستے میں کوئی جغرافیائی حدود حائل نہ تھیں، وہ کسی خاص علاقے کے لوگوں کو خطاب نہ کرتی تھی بلکہ تمام انسانوں کو خدا کے بندوں کی حیثیت سے دعوتِ بندگی دیتی تھی ظاہر ہے کہ قرآن کا عمومی انداز اور لہجہ پوری بنی نوع انسان کو خطاب کرنے کا ہے۔ وہ کسی نسل یا علاقے کو مخاطب نہیں کرتا، یوں بھی فطری طور پہ خاتم النبیین ہی کی دعوت عالمگیر ہو سکتی ہے جو تمام انسانوں کو ہدایت کا راستہ دکھائے۔ اس لیے اس دعوت کی تعلیمات اور اندازِ مخاطب دونوں میں عالمگیریت کا رنگ بہت غالب ہے اس لیے اسلامی دعوت ہی واحد عالمگیر دعوت ہے جو تمام دنیا کے انسانوں کو یکساں اپیل کر سکتی ہے۔

علم و آگہی

اگرچہ اسلامی دعوت ایک اُمّی انسان کے ذریعے اٹھائی گئی اور اس دعوت نے جس قوم کو سب سے پہلے مخاطب کیا وہ خود بھی بڑی حد تک اُمّی ہی تھی۔ عرب کے لوگ علم و آگہی، فکر و نظر اور تحقیق و تدبر سے محروم تھے۔ لیکن اس دعوت نے انہیں علمِ حقیقی سے مالا مال کر دیا ان میں علم کا ذوق پیدا کیا۔ ان

Marfat.com

میں علم کی تحریک چلائی اور یہ دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ مالکِ کائنات سے علم کا سب سے بڑا اور سب سے حقیقی سرچشمہ پوری انسانیت کے لیے ایک اُمّی نبی کے ذریعے ہی منکشف کیا گیا جس کے نتیجے میں مسلمان قوم ہی دنیا میں علم کی سب سے بڑی علمبردار قوم بن کر اٹھی اور علم کی خاطر سب سے زیادہ سفر مسلمانوں نے کیا۔ مسلمانوں نے ساری دنیا کو علم و آگہی سے روشناس کیا دورِ جدید کے علوم کی تمام بلند و بالا عمارات مسلمانوں کی رکھی ہوئی علمی بنیادوں ہی پر اٹھائی گئیں یہ دین ان الفاظ کے ساتھ شروع ہوا کہ میں "پڑھنا نہیں جانتا"۔ لیکن پھر اس دین نے علم کے دریا بہا دیئے اور ساری دنیا کو علم سے سیراب کر دیا۔

مساواتِ انسانی

پوری انسانی تاریخ میں پہلی بار اسلامی دعوت نے انسانوں کے درمیان رنگ، نسل، خاندان، علاقے اور زبان کی اونچ نیچ مٹا کر انہیں بنی آدم کی حیثیت سے برابری کی سطح پر لا کھڑا کیا۔ اس نوعیت کے امتیازات کو جو دنیا کے ہر معاشرے اور قوم میں چلتا ہوا سکہ سمجھے جاتے تھے سب کھوٹے سکے قرار دیا اور تمام انسانوں کو انسانی سطح پر یکساں انسانی حقوق، عزت، احترام، تحفظ، ملکیت اور ترقی کا حقدار قرار دیا۔

سادگی اور آسانی

اس دعوت نے انسانی زندگی میں سادگی اور تفہیم دین اور عملِ دین میں آسانی کی روش اختیار کی۔ تمام جاہلی تکلفات کو اپنے پیروؤں کی زندگیوں سے خارج کر دیا اور ان کے عقائد کو سادہ اور عام فہم بنا دیا حصولِ علم اور فہم دین میں آسانی اور سہولت کا راستہ پیدا کیا۔ خدا اور بندوں کے درمیان جو رکاوٹیں کھڑی تھی انہیں ہٹایا۔ اپنے اندر کوئی ایسا طبقہ پیدا ہونے کو سختی سے روکا جو بندے اور خدا کے درمیان بعض ناگزیر فرائض سرانجام دیتا ہو بلکہ ہر بندے کو خدا تک پہنچنے کا صراطِ مستقیم دکھایا۔ ہر کسی کے لیے اپنی اپنی حیثیت اور صلاحیت کے مطابق دین میں ترقی اور بلندی کے مواقع پیدا کر دیے۔ اس دعوت نے انسانوں کو ان کے بے معنی رسوم و رواج

Marfat.com

بوجھوں سے ہلکا کیا انہیں جکڑبندیوں کے شکنجوں سے نجات دلائی اور انہیں ہلکا پھلکا طرزِ زندگی بھی سکھایا۔

کامل و اکمل

یہ دعوت انسان تک خدا کی ساری مرضیات اور مکمل پیغامِ ہدایت لے کر آئی۔ اس نے پہلے کی نازل شدہ تمام مقدس کتابوں کی تعلیمات کا نچوڑ اپنے اندر سمو کر اپنے آپ کو جامع ہدایتِ الٰہی ثابت کیا اور مزید تعلیمات کو حالات و ضروریات کے مطابق داخل کر کے انسان کی مطلوبہ ہدایت کو کامل و مکمل کر دیا اب یہ حاجت نہ رہی کہ ادھورے کو مکمل کیا جائے یا نامکمل کی تکمیل کی جائے۔ اس دعوت نے انسانیت کی تاریخ میں پہلی بار کامل طور پر خدا کے دین کو پیش بھی کیا اور اسے عملی صورت میں جاری کر کے اس کا تکمیلی اور عملی نمونہ بھی دنیا کے سامنے رکھ دیا تاکہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ اگر دنیا کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہو تو انسانوں کے درمیان سے شر و فساد کا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔

دین و دنیا میں یکجائی

اسلام کی دعوت دین و دنیا کی یکجائی کی دعوت ہے۔ اس میں دین و سیاست علیحدہ نہیں ہیں چنانچہ اس دعوت نے تاریخِ انسانی میں پہلی بار حکمرانوں کے لیے صالحیت سے مشروط حکمرانی کا تصور پیش کیا۔ تمام انسانی تاریخ میں اس سے پہلے یہ تصور کہیں بھی موجود نہ تھا۔ حد یہ ہے کہ بنی اسرائیل جو ایک مقدس کتاب کے حامل اور نبیوں کے ماننے والے تھے وہ بھی نبی کی موجودگی میں اپنے لیے کسی دوسرے کو بادشاہ بنانے کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس طرح وہ دینداری اور دنیا داری کو الگ الگ کرتے تھے جبکہ نبی کی موجودگی میں کسی دوسرے کی اطاعت جائز ہی نہیں ہوتی غرض بنی اسرائیل ایسی حرکات کتابِ مقدس رکھنے کے باوجود کرتے تھے جس کی وجہ سے ان پر عذابِ الٰہی نازل ہوا تھا۔ البتہ دعوت اسلامی نے دین و دنیا کو یکجا کر دیا اور خلافتِ راشدہ کے ذریعے دنیا پر یہ ثابت کیا کہ جب دنیا کے امور صالح حکمران دین کے مطالبات کے مطابق طے کرتے ہیں

Marfat.com

تو وہ دورِ انسانیت کا سنہری دور ہوتا ہے۔

اخلاقی پہلو

حضورؐ کی دعوتِ اسلامی تمام تر اخلاقی قدروں کی حامل اور ان کی سختی کے ساتھ پابند دعوت تھی۔ نہ صرف اپنے دورِ ضعف میں اس نے ہمیشہ اخلاقی حدود کی پاسداری اور حفاظت کی بلکہ اپنے دورِ قوت و اقتدار میں بھی اس کے ذریعے اخلاقی قدریں ہی بحال اور محفوظ ہوئیں۔ اس کے دورِ اقتدار میں کبھی کسی فرد یا جماعت نے کسی اخلاقی قدر کو پامال نہیں ہونے دیا بلکہ اپنے بدترین مخالفوں اور دشمنوں کے مقابلے میں بھی شدید اشتعال انگیز حالات کے اندر اخلاقی اقدار کا اہتمام و انصرام کیا۔ پوری تاریخِ انسانی میں اخلاقیات کے تحفظ کے معاملے میں اس دعوت کو یہ منفرد مقام حاصل ہے بلکہ یہ دعوت انسانیت کے لیے تکمیلِ اخلاقیات کی دعوت بن کر اٹھی اور جہاں جہاں پھیلی اس نے بلند ترین انسانی اخلاق کے اعلیٰ ترین نمونے پیش کیے۔

نظریاتی پہلو

آپؐ کی یہ اسلامی دعوت ایک نظریاتی اور اصولی دعوت تھی اس میں کسی نوعیت کی عصبیت کا کوئی دخل نہ تھا۔ نہ طبقاتی، نہ لسانی، نہ علاقائی اور وطنی تمام افراد کو صرف نظریے کے معیار ہی جانچا پرکھا اور تولا جاتا تھا۔ نظریاتی اعتبار سے جو شخص جس درجے میں ہوتا اسی درجے میں وہ دعوت و تحریک کے اندر اپنا مقام رکھتا تھا۔ اس نے اپنے نظام میں سربراہوں کا موروثی حق تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے مال و دولت کا افتخار ماننے سے بھی انکار کر دیا اس نے خاندان، نسل اور عربیت و عجمیت کی تمیز کو مٹا دیا۔ یہ دعوت خالص نظریاتی بنیادوں پر اٹھی اور سردارانِ قریش کو سب سے زیادہ شکوہ یہی رہا کہ اس میں ان کے پہلے سے بنے بنائے فخر و افتخار کو منتقل کرنے کی گنجائش موجود نہ رہی تھی۔ انہیں رنج تھا کہ اس دعوت میں بلالؓ و خبابؓ کو ابوسفیان و عتبہ جیسے سرداروں سے زیادہ درجہ حاصل تھا۔

تبلیغی پہلو

حضورؐ کی اسلامی دعوت اپنے مزاج کے لحاظ ہی سے ایک عمومی تبلیغی مزاج رکھتی تھی اور

اس کا کام مسلسل پھیلنا، بڑھنا اور نفوذ کرنا تھا۔ اسے تسلیم کرنے والوں نے دعوت کو کسی جامد مجموعۂ عقائد کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا، بلکہ ایک جامع انقلابی دعوت کی حیثیت سے تسلیم کر کے انہوں نے اسے آگے پھیلانے کی کوشش کی۔ اس دعوت کا تسلیم کرنے والا ہر شخص بیک وقت مبلغ و داعی تھا اور اپنے اپنے دائرے میں اشاعتِ دین کا کام کرتا تھا۔ اس طرح یہ دعوت ہر روز ایک نیا روپ اور نئی شان حاصل کرنے والی قوت تھی یہ بڑھتے اور پھیلتے ہوئے چشمے کی مانند تھی جس کے کناروں کو مٹی کے بند باندھ کر روکا نہ جا سکتا تھا چنانچہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی یہ دعوت مسلسل پھیلتی رہی۔ لوگ اس کے لیے گھروں، کاروباروں اور عزیز و اقربا کی محبتوں سے دست بردار ہوتے رہے۔ اور دعوت کی محبت کو سینے سے لگائے اُسی راستے پر آگے ہی آگے بڑھتے رہے جس طرف یہ انہیں لے جانا چاہتی تھی اس راستے میں نہ صرف مردوں نے بلکہ عورتوں نے بھی وہ مثالی ایثار و قربانی کا نقشہ پیش کیا جو دعوت و تبلیغ کے میدان میں بالکل انوکھا تجربہ اور منفرد حیثیت رکھتا تھا۔

Marfat.com

Marfat.com

چوتھا باب

دعوتِ اسلامی کے عمومی خدوخال

دعوتِ اسلامی حیرت انگیز خصوصیات کی حامل دعوت ہے اور جب تک انسان اس کی مجموعی خصوصیات سے آشنا نہ ہو وہ اس کی شناخت میں غلطی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

مزاجی خصوصیات کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلامی کے چند عمومی خدوخال بھی ہیں جن کو متعین طور پر جان لینا نہایت ضروری ہے۔ یہ تو ایک بدیہی حقیقت ہے کہ بنی نوعِ انسان کے لیے امن وسکون اور فوز وفلاح کا واحد راستہ اللہ کا دیا ہوا نظامِ زندگی ہی ہے۔ جب دنیا میں فلاحِ انسانیت کا یہ نظام قائم نہ ہو اور ابن آدم صراطِ مستقیم سے محروم بدنصیبی کی ٹھوکریں کھا رہا ہو تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اپنے بندوں کو صراطِ مستقیم دکھانے کا انتظام کر دیتی ہے اور جب کبھی کوئی ایسی دعوت کسی قوم میں اللہ کے دین کا علم لے کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے تو وہ قوم آزمائش کی میزان میں تلنے کے لیے رکھ دی جاتی ہے پھر اس دعوت کے ساتھ اس کے طرزِ عمل ہی پر اس قوم کے مستقبل کی درخشانی یا تاریکی کا انحصار ہو جاتا ہے۔ ایسی ایک دعوت کے برپا ہو جانے کے بعد اس سے بے خبری، محرومی، اس سے بے نیازی، بدنصیبی اور اس کی مخالفت افراد اور قوموں کے لیے بدترین بدبختی ہوتی ہے۔ اس لیے عام دنیادارانہ انسانی دعوتوں کے مقابلے میں اسلامی دعوت کی شناخت انتہائی ضروری ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اسلامی دعوت کے برپا ہونے کے بعد کسی قوم کا اس دعوت کے ساتھ طرزِ عمل ہی درحقیقت اس قوم کی بلندی وپستی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

غرض دعوتِ اسلامی کی شناخت کا مسئلہ ہر قوم اور اس قوم کے ہر فرد کے لیے نہایت اہم مسئلہ ہے۔ انبیاء کی دعوتِ اسلامی ایک روحانی اور الٰہی تحریک ہوتی ہے جس کے بنیادی اصول اللہ

Marfat.com

کی بھیجی ہوئی تعلیمات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ تاریخی لحاظ سے بھی یہ دعوت انسانی معاشرے میں قدیم ترین دعوت ہے۔ انسانی ضمیر ہمیشہ سے اس تحریک کے عمومی خدوخال سے پوری طرح آگاہ، اس کے انداز بیان سے واقف اور اس کے طرزِ عمل سے باخبر چلا آتا ہے۔ البتہ یہ معاملہ توفیق الٰہی پر مبنی ہوتا ہے کہ بھٹکا ہوا انسان آغوشِ مادر کی طرف لوٹتا ہے یا قسمت کے دھکے اسے کسی اور سمت دھکیل کر لے جاتے ہیں۔ کائنات کے لیے ایک خالق کی موجودگی کا اعتراف اور اس کی بندگی کی طرف دعوت ایک اسلامی تحریک کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے یہ دعوت پوری انسانیت کو چاہے وہ سفید ہو یا سیاہ، سرخ ہو یا زرد جغرافیائی حدبندیوں سے بالاتر ہو کر آدم کے بیٹوں کی حیثیت سے یکساں سطح سے مخاطب کرتی ہے اور ان میں قطعی کوئی فرق نہیں کرتی۔ یہ انسان کی فطرت کی آواز ہے۔ وحدتِ انسانیت، وحدتِ کائنات اور وحدتِ الٰہ، دعوتِ اسلامی کا معروف نعرہ ہوتا ہے۔ غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی دعوت بھی جو تمام انبیاء کی دعوت کا نچوڑ اور خلاصہ تھی اپنے چند نمایاں خدوخال رکھتی ہے ان خدوخال اور نشان ہائے شناخت کو جاننا بہت ضروری ہے اس لیے کہ یہ دعوت دنیا کی تمام دعوتوں اور تحریکوں کے مقابلے میں اپنا نمایاں اور مخصوص کردار رکھتی ہے۔

تصوّرِ حاکمیّت

ہر دعوت اپنے سامنے حاکمیّت کا ایک تصوّر رکھتی ہے اس لیے کہ ہر دعوت ایک ریاست کی تشکیل کی طرف بھی اقدام کرتی ہے۔ ایک منظّم اجتماعی معاشرے میں حاکمیت کا تصوّر، اس کی ساری اجتماعی زندگی اس کی تہذیب و ترقی، تعلیم و تربیت اور انفرادی و اجتماعی کردار کی صورت گری کرتا ہے اسلامی دعوت درحقیقت اپنے خالص اور بے آمیز عقیدے سے اللہ کی حاکمیت کی علمبردار ہے دنیا میں حاکمیت کے تمام تصورات میں یہ ایک انوکھا تصوّر ہے پھر دنیا کی تمام دوسری تحریکیں حاکمیت کو مختلف خانوں میں تقسیم کرتی ہیں۔ کوئی رنگ، نسل، قبیلہ، افراد، گروہ، زبان جغرافیہ اور خاندان میں اسے محدود کرتا ہے اور کوئی کسی خاص طبقہ کے ساتھ اسے منسلک کرتا ہے۔ لیکن اسلامی دعوت حاکمیت کو صرف خدا کے لیے وقف کرنے کا اعلان کرتی ہے اور سارے اختیارات کا سرچشمہ اللہ

Marfat.com

ہی کی ذات کو قرار دیتی ہے۔ اس کے قائم کردہ معاشرے میں بندوں کے لیے صرف نیابت کا مقام ہوتا ہے سَروری صرف اسی ذاتِ بے ہمتا کو زیب دیتی ہے۔ باقی سب دعویدارانِ حاکمیت بتانِ آذری شمار ہوتے ہیں۔

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۔ بے شک اختیار اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہے۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ خبردار جس کی مخلوق ہے، اسی کا حکم چلے گا۔

اسی تصورِ حاکمیت کے تحت پھر ایک اسلامی دعوت کا نصب العین طریقِ کار، پروگرام، معیارِ اخلاق، نظامِ تربیت اور اس سے وابستہ لوگوں کے اوصاف نمودار اور متعین ہوئے ہیں حضور کی دعوت ایسی ہی شانِ دعوت تھی۔

منصبِ رسالت

دعوتِ اسلامی میں حاکمیت کا مقام ایک بالاتر ذات اور مالک الملک ہستی کے حوالے ہونے کے بعد احکام کے حصول اور اطاعت کے نظام کو مربوط کرنے کا واحد ذریعہ رسالت ہے۔ یعنی بندوں کے حقیقی بادشاہ اور ان کے حاکمِ اعلیٰ کا جائز اور مستند نمائندہ رسول ہے جو بندوں کے مالک اور بادشاہ کا پیغام ان تک پہنچاتا ہے اور ان کے مالک کی مرضی سے ان کو آگاہ کرتا ہے۔ ان کا حقیقی بادشاہ ان کو کن باتوں سے روکتا ہے اور کن باتوں پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیتا ہے اس طرح رسول خدا کا نمائندہ ہوتا ہے جو وحی والہام کے ذریعے خدا سے پیغام حاصل کرتا ہے چنانچہ سب سے پہلے یہ بات رسول ہی جانتا ہے کہ بندوں کے رب نے کیا حکم دیا ہے اور اپنے بندوں کو کس بات سے منع کیا ہے اور وہ اپنی رعایا سے کس طرزِ عمل کا طالب ہے اس لیے دعوتِ اسلامی میں رسولؐ کی بلاچون وچرا اطاعت ایمان کے لیے شرطِ اول قرار پاتی ہے اس سے محبت رکھنا اور اس پر مال وجان قربان کر دینے کا پختہ عزم رکھنا ایمان کی شرائط میں شامل ہے۔ اس سلسلے میں انسان کے بادشاہِ حقیقی نے رسول کی بالاتر پوزیشن کو خود اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔ فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ۔ اللہ تعالٰی کے اذن سے رسول کی اطاعت لازم ہے۔

چنانچہ دعوتِ اسلامی کا حقیقی رہنما رسول ہی ہوتا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی قیامت تک آپؐ ہی ہر دور کی اسلامی تحریک کے حقیقی رہنما ہیں اور انہیں کے احکام و ارشادات، طرزِ عمل اور اسوۂ مبارک ہر دور کی اسلامی تحریک کے ہر پروگرام میں حجت اور سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لیے رسول کی شخصی غیر موجودگی میں وہی شخص ایسی دعوت کا رہنما اور قائد ہو سکتا ہے جو خدا کے احکام اور رسول کی تعلیمات پر سب سے زیادہ عمل پیرا ہو اور خدا و رسول کے دیے ہوئے نظامِ زندگی کا سب سے بہتر فہم رکھتا اور دین کی حکمت اور تدبیر کار سے بھی آگاہ ہو۔

نیابتِ الٰہی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلامی میں انسان کا یہ تصوّر پیش نہیں کیا گیا تھا کہ وہ حیوانات کی مختلف انواع میں سے بتدریج ترقی کرتا ہوا بالآخر انسان بن گیا ہے بلکہ اس دعوت نے انسان کا یہ تصوّر پیش کیا کہ وہ اوّل روز ہی سے انسان اور اشرف المخلوقات بنا کر پیدا کیا گیا ہے اور اسے براہِ راست تخلیقِ ربّانی کے ذریعے نیکی اور بدی کا علم، ذوق، ضمیر اور فطرت دے کر بھیجا گیا ہے۔ اسے زمین پر خدا کا خلیفہ مقرر کیا گیا ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اس کی پیدائش کا مقصد ہی یہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اپنے حقیقی بادشاہ کے تمام احکام کو نافذ کرے اور ساری دنیا میں ان کے نفاذ کی جدّوجہد کرے۔ یہ جدّوجہد ہی اس کے ذمّے اس کے خالق اور مالک کا حقِ بندگی ہے اور اسی جدّوجہد میں اس کی وفاداری اور غداری کا امتحان ہے۔

نظریاتی اجتماعیّت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلامی نے ایک نظریاتی اجتماعیّت کا تصوّر پیش کیا جس میں

Marfat.com

نظریے کی بنیاد پر تعلقات استوار ہوتے اور ٹوٹتے تھے۔ ایسی اجتماعیت ہمیشہ اپنے چند نظریاتی اوصاف رکھتی ہے۔

ایسی اجتماعیت خدا پرستانہ نظامِ زندگی کی علمبردار ہوتی ہے اور اس کا مقصدِ وجود ہی خدا پرستی کو زندگی کے تمام دائروں میں جاری و ساری کرنا ہوتا ہے۔

وہ شرفِ انسانیت پر مبنی بین الانسانی اجتماعیت ہوتی ہے جس میں تمام انسانوں کے لیے تمام بنیادی حقوق مساوی ہوتے ہیں اس کے بنیادی اصولوں کو ماننے والوں کے لیے بھی اور نہ ماننے والوں کے لیے بھی البتہ اس کے اجتماعی اداروں کو چلانے کی ذمہ داری صرف اس کے بنیادی اصولوں کے ماننے والوں ہی پر فطری طور پر ڈالی جا سکتی ہے۔

ایسی اجتماعیت کا نظامِ سیاست تمام تر شورائی ہوتا ہے جس میں شہریوں کے حقوق اور ان کی رائے کو خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور ان کی بہبود اجتماعی معاشرے اور اس کے اداروں کے اوّلین فرائض میں شامل ہوتی ہے۔

ایسی اجتماعیت کوئی خود مختار بے مہار اور بے لگام حیثیت نہیں رکھتی بلکہ خدا کے بالاتر احکام کے تابع خلافتِ ربانی قائم کرتی ہے جس میں معاشرے کے تمام افراد مل کر بھی الٰہی قوانین میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتے۔

مقصدِ وجود

تمام انبیاء کی اسلامی دعوتوں کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلامی بھی ایک ہی نصب العین رکھتی تھی۔ دنیا میں حاکمیتِ الٰہی کا قیام و نفاذ اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے نزدیک انسانی زندگی کا خاتمہ قبر کے کنارے ہی پر نہیں ہو جاتا بلکہ وہاں سے تو انسانی زندگی کا دوسرا مستقل دور شروع ہوتا ہے۔ اس طرح اسلامی دعوت اپنے مقصد کی وسعت کے اعتبار سے دنیا سے آخرت تک محیط ہوتی ہے۔ حضور کی دعوت بھی ایسی ہی دونوں جہانوں پر حاوی ایک وسیع دعوت تھی۔

اجتماعی زندگی میں مقامِ دعوت

انسانی معاشرے میں دعوتِ اسلامی کا مقام ہمیشہ نکتۂ اعتدال پر ہوتا ہے اور دعوت لے کر اُٹھنے والا گر(وہ) ایک اُمّتِ وسط ہوتا ہے۔ دعوتِ اسلامی اپنے پروگرام، طرزِ عمل، کردار اور تعلیمات کے اعتبار سے انسانی ضمیر کے انتہائی معتدل اور متوسط مقام پر واقع ہوتی ہے۔ ہر معاشرے کے سعید فطرت افراد اس کی طرف نہایت آسانی سے کھنچ کر آجاتے ہیں جو کسی قسم کے تعصبات میں مبتلا نہیں ہوتے۔ ایسے افراد نظ(ام) باطل کے کارندے نہیں ہوتے۔ وہ اپنی قوتِ بازو سے حلال رزق کماتے اور شریفانہ زندگی گزارتے ہیں۔ ایسے لوگ نہایت آسانی سے دعوتِ اسلامی کی گود میں آجاتے ہیں۔

اسلامی دعوت جب بھی کسی معاشرے میں اٹھتی ہے تو اس کی مخالفت ہر طرف سے ہوتی ہے انتہائی دنیا دار اور بگڑے ہوئے افراد کی طرف سے اس کی مخالفت تو ایک فطری بات ہے۔ نظامِ با(طل) کے سربراہوں اور سرداروں کی طرف سے حملہ ہونا بھی ناگزیر ہے۔ لیکن قدیم مذہبی طبقوں میں سے خاصی تعداد اس کی مخالفت کے لیے ہر دور میں اور ہمیشہ ضرور ہی نکلتی ہے اس کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ نظامِ باطل اپنے غلبے کے زور سے معاشرے کے ہر طبقے میں سے اپنا حصہ وصول کرتا ہے اور جب کوئی معاشرہ باطل کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اس کی سیادت و فرمانروائی پر راضی ہو چکا ہو تو ظاہر ہے کہ باطل اپنے زور اور زر دونوں ذرائع سے ہر بستی اور معاشرے کے ہر طبقے میں سے اپنے مطلب کے آدمی برآمد کر لیتا ہے۔

چنانچہ مذہبی گروہ میں بھی مفاد پرست لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ باطل ہر طبقہ کو نکتۂ اعتدال سے ہٹا دیتا ہے۔ چونکہ باطل افراط و تفریط اور فساد پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتا اس لیے جب کبھی کوئی اسلامی دعوت نمودار ہوتی ہے جو ہمیشہ نکتۂ اعتدال پر کھڑی ہو کر اپنی بات کہتی ہے تو دنیا دار سے لے کر مذہبی لوگوں تک ہر ایک اسے اپنے مقامِ انحراف ہی سے دیکھتا ہے اور اسے اپنے سے اجنبی اور مختلف پاکر ہمیشہ سخت اختلاف کرتا ہے گویا اس کا اپنا مقامِ انحراف ہی اس کا [illegible] اختلاف بن جاتا ہے اس لیے ایک اسلامی دعوت کے برسرِ حق ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہوتی

Marfat.com

ہے کہ بڑے بڑے پرانے باہمی مخالف گروہ بھی اس کی مخالفت میں ہم آواز ہو جاتے ہیں یہ حیرت انگیز تضاد کھل کر بہت جلد سامنے آجاتا ہے اور اس تضاد کو دیکھ کر ہی ہر متوازن اور معتدل ذہن رکھنے والا شخص دعوتِ اسلامی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

ڈسپلن اور نظمِ اطاعت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلامی دنیا کی تمام اسلامی دعوتوں میں مثالی اور معیاری دعوت تھی اور اس کی اجتماعیت کا نمونہ ہر دور کی اسلامی دعوت کے لیے بے نظیر نمونہ تھا۔ آپؐ نے اپنی جماعت میں ڈسپلن اور اطاعت کو معروف کے ساتھ مشروط کر دیا تھا اور معروف وہ تھا جو خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام سے ثابت ہو۔ اس نظمِ جماعت کے ذریعے آپؐ کی اسلامی دعوت کو بہترین فداکار اور مطیعِ فرمان کارکن فراہم ہوئے۔ جو اپنی آخرت کے نقطہ نظر سے سخت سے سخت احکام سنتے اور مانتے تھے وہ ایسے باشعور لوگ تھے جو تحریک کی عام قیادت کو بھی راہ مستقیم سے منحرف نہیں ہونے دیتے تھے وہ آنکھیں کھول کر اس کے پورے طرزِ عمل کا جائزہ لیتے رہتے تھے اور اپنے علم و فراست کی روشنی میں اسے تولتے رہتے تھے اور جہاں اسے جادۂ معروف سے ذرا بھی ہٹتے ہوئے محسوس کرتے تھے وہاں ایک طرف اس کی اطاعت سے رک جاتے تھے وہاں اپنی قیادت کا ہاتھ پکڑ کر اسے سیدھے راستے پر قائم بھی کر دیتے تھے اسلامی دعوت کی یہ وہ خوبی اور قوت تھی جو کسی دوسری دعوت کو حاصل نہ تھی۔ یوں رہنمائی آگے سے بھی ہوتی تھی اور نگرانی پیچھے سے بھی ہوتی تھی اور مل جل کر پوری ہوشمندی کے ساتھ اطاعتِ خداوندی کے حقیقی نصب العین کی منزل کی طرف پیش قدمی کی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ کی چادروں کی تقسیم پر ایک شہری کا محاسبہ سب کے سامنے ہے کہ کس طرح اس نے برسرِ عام حضرت عمرؓ سے چادروں کی تقسیم کا حساب پوچھا تھا اور وہ اطاعت پر تب تیار ہوا تھا جب اسے اطمینان حاصل ہو گیا تھا کہ تقسیم میں پورا پورا انصاف ہوا ہے۔

Marfat.com

اسلامی اجتماعیت میں شورائیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی دعوت اور آپ کی قائم کردہ اسلامی اجتماعیت میں سارے ہی کام مشورے سے سرانجام پاتے تھے اور پورا نظامِ جماعت اس طرح مرتب کیا گیا تھا کہ مشورے کا اہتمام نیچے سے اوپر تک برابر قائم رہتا تھا۔ قرآن نے مومنین کی صفت ہی یہ بیان کی تھی کہ وہ: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ۔ کے پابند تھے۔ حضورؐ کی اسلامی تنظیم میں سارے معاملات ہر سطح پر مشورے ہی سے طے ہوتے تھے اسی مشورے میں تائیدِ ربانی اور برکت ہوتی تھی اور اس مشترکہ ذمہ داری ہی سے بہترین اجتماعی نتائج برآمد ہوتے اور مل جل کر کام کرنے کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہوتا تھا۔

فضیلت کا معیار

حضور اکرمؐ کی اسلامی دعوت میں عام دنیوی دعوتوں اور تحریکوں کے معیاراتِ قیادت کے مقابلے میں افراد کی فضیلت اور رہنمائی کا معیار بالکل ہی مختلف تھا۔ دوسروں کے ہاں قبیلے کی سرداری، جاگیرداری، مالداری، شہرت، نسلی گروہ بندی، جتھہ بندی اور اقتدار بڑائی کا معیار تھا لیکن آپؐ کی اسلامی تحریک میں یہ سارے معیار پست شمار ہوتے تھے۔ آپ کی جماعت میں بڑائی کا معیار تھا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔

جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا، دین کا پابند، رسول کا سچا پیروکار اور سب سے بڑھ کر ایثار و قربانی کرنے اور اس راہ میں جان کھپانے والا تھا وہی مقامِ رہنمائی پر فائز ہوتا تھا اور اسی معیار سے رہنمائی کے سارے مراحل طے کیے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ دوسرا ہر معیار، جاہلی معیار تصوّر ہوتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ باطل میں بلند مقامات پر فائز لوگوں کے لیے بالعموم فقراء کی اس دعوت میں داخل ہونے میں بڑی رکاوٹیں پیش آتی تھیں اور بنی بنائی شخصیتوں کے بت راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ جو شخص شخصیت کے اس بت کو خود اپنے ایثار و قربانی کے گرز سے توڑ کر آگے آسکتا تھا اس کے لیے فضیلت کے سارے راستے خود بخود کھل جاتے تھے اور جو شخص اپنی باطل

Marfat.com

کی بنائی ہوئی شخصیت کو ہمراہ لے کر آنا چاہتا تھا اسے برسوں تک دروازے کے اندر قدم رکھنے کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی تھی۔

طلبِ منصب سے بے نیاز اجتماعیّت

دنیا کی ہر اجتماعیت میں عہدہ و منصب کی کشمکش انسانوں میں اوّل روز سے موجود ہے لیکن دنیا میں ایک اسلامی دعوت ہی ایسا واحد گروہ موجود ہے جو مناصب کی کشمکش سے پاک اجتماعی نظام رکھتی ہے۔ آپؐ کی جماعت میں منصب کی طلب نااہلی کی علامت اور خدا کی تائید سے محروم کر دینے والی نحوست سمجھی جاتی تھی۔ وہاں کُہنی مار کر آگے بڑھنے والوں کے لیے کوئی مقام نہیں تھا۔ وہاں قربانی کرنے والوں اور السّابقون الاوّلون کی قدر و قیمت تھی۔ وہاں مسجد میں خدا کے حضور صف بندی کا ماحول تھا یعنی جو پہلے آیا پاکیزگیٔ قلب لے کر آیا وہ آگے کھڑا ہوگا اور جو بعد میں آیا وہ پیچھے کھڑا ہوگا۔ پھر اپنی اخلاقی صفات کے زور سے ترقی کر کے چاہے وہ تحریک کی سربراہی کے مقام تک جا پہنچے آپؐ کی جماعت میں وہ شخص سب سے زیادہ غیر موزوں اور تحریک کی رُوح کو برباد کر دینے والا شمار ہوتا تھا جو منصب کی خواہش اور طلب رکھتا تھا۔ اس جماعت کا اجتماعی ماحول گروہ بندی، جتھہ بندی اور جوڑ توڑ سے بالکل پاک صاف ماحول تھا۔

دعوتِ اسلامی کا مخصوص منفرد کردار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلامی کا رہنما کردار خدا ترس، ایثار پیشہ، دیانت دار اور مجاہدانہ کردار تھا۔ آپ کی جماعت میں چرب زبانی اور کھوکھلے دعوے سے کام نہیں چلتا تھا بلکہ اللہ کی راہ میں ٹھوس کام مطلوب ہوتا تھا۔ آپ کی دعوتِ اسلامی کا رہنما کردار عزیمت کا پیکر تھا اس کی نگاہ اپنے بلند ترین نصب العین کے حصول پر جمی رہتی تھی۔ درمیانی مراحل کی کوئی مصیبت یا کسی دنیوی منصب کا لالچ نہ اسے اپنے مقامِ عزیمت سے ہٹا سکتا تھا اور نہ الجھا سکتا تھا۔ آپؐ کے پاس قریش کا وفد اقتدار، زر اور زن کی پیش کش لے کر آیا تو اس نے آپ سے یہی جواب پایا تھا:

"اگر تم میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پہ سورج بھی لا کر رکھ دو تو میں

اس کام سے باز نہ آؤں گا یا یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچے گا یا میری جان اس راہ میں کھپ جائے گی "

یہ خصوصیت دعوتِ اسلامی کے سوا اور کسی دعوت کو حاصل نہیں کہ دنیا کی بڑی سے بڑی پیش کش بھی اسے اصولوں سے نہ ہٹا سکے۔

بھائی چارہ اور اخوت کا ماحول

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی دعوت سے وابستہ ساتھی سب بھائی بھائی تھے اور آپ کی دعوت اپنے اندر ایک ایسا نظامِ اخوت رکھتی تھی جو اس کے پیروؤں کو ایک مضبوط بھائی چارے میں پرو کر بنیان مرصوص بنا دیتا تھا۔ باہمی ایک دوسرے پر سلامتی اور رحمت بھیجنے کا معمول، ایک دوسرے کے چھینکنے پر رحمت کی دعا، باہمی دعوتیں دینا اور انہیں قبول کرنے کا اہتمام۔ بیماری میں ایک دوسرے کی عیادت اور غمخواری۔ جنازے میں شرکت کا التزام۔ ایک دوسرے کے لیے آئینہ کی مانند ہونا اور اس کے عیبوں سے اسے پوری ہمدردی اور محبت سے آگاہ کر کے اس میں خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔ ایک دوسرے کے نقصان کو رفع کرنا۔ ایک دوسرے کو بہترین مخلصانہ مشورے دینا۔ کسی کی غیر حاضری میں اس کے گھر کی حفاظت اور اس کے اہل و عیال کی خبر گیری کرنا۔ اپنے ہمسائے کے حقوق کا لحاظ کرنا اور ان کی پوری پوری نگہداشت کرنا، یہ ان کا معمول تھا۔ اس کے مقابلے میں غیر اسلامی اور باطل معاشرے میں باہمی مادّی مسابقت۔ مناصب کی کشمکش اور ایک دوسرے سے بے تعلقی اور بے نیازی روزمرّہ کا چلن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی اسلامی دعوت نے ایک بدترین خود غرضانہ ماحول کے درمیان رہتے ہوئے بھی اپنے بہتر نظام کے سبب مسلمانوں کے درمیان ایک ایسا برادرانہ خوشگوار ماحول پیدا کر دیا تھا جو پیاسوں کے لیے چشمے کی مانند ٹھنڈا اور تپتے صحراؤں میں سایہ دار درخت کی مانند خنک پر سکون اور روح افزا تھا جس کی مثال کسی دوسری اجتماعیت میں موجود نہ تھی۔

Marfat.com

اسلامی دعوت کے کام کا انداز

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی دعوت کا طریق کار پر امن، تبلیغی، غیر خفیہ اور تدریجی تھا۔ آپ کی دعوت معاشرے میں فساد پیدا کرنے کے لیے نہیں تھی بلکہ وہ فساد کو اصلاح سے بدلنے کے لیے تھی وہ لوگوں کو تبلیغ و تلقین سے اپنے نصب العین کی طرف بلاتی تھی اور وقتی طور پر معاشرے کے مروجہ ڈھانچے کے اندر رہ کر اصلاح کی دعوت دیتی تھی۔ آپ کی دعوت میں جبر و تشدد کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ آپ لوگوں کی طرف سے ایک ایک سوال اور اعتراض کا جواب دیتے اور ہر شبے کا ازالہ کرتے تھے۔ آپ ذہنوں کو مطمئن کرتے اور دلوں کو اپیل کرتے تھے۔ آپ کا سارا دعوتی کام معاشرے کی عمومی سطح پر غیر خفیہ انداز میں سرانجام پاتا تھا۔ آپ کے پروگرام میں سازش کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ آپ کی دعوت کا جمہوری اور تبلیغی عمل تدریج سے آگے بڑھتا تھا۔

یہی سبب ہے کہ افہام و تفہیم اور اپنی سوچ بچار سے خود آئے ہوئے لوگ جب پورے اطمینانِ دل و دماغ کے ساتھ آتے تھے تو ان کو واپس لوٹانا ممکن نہ ہوتا تھا۔ یہ اسی طریق کار کا نتیجہ تھا کہ آپ کی ۲۳ سالہ دعوتی جدوجہد کے نتیجے میں جو اسلامی انقلاب برپا ہوا وہ حیرت انگیز انسانی اور اخلاقی انقلاب تھا۔ اور اس ساری انقلابی جدوجہد کے دوران آپ مکمل صبر و تحمل اور جرأت و ہمت سے اپنی دعوت کو آگے بڑھاتے رہے۔ نہ کسی دباؤ کے نتیجے میں آپ دعوت سے دست بردار ہوئے اور نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے پریشان ہو کر اپنا راستہ چھوڑا۔ صبر و تحمل کی جدوجہد، عزیمت اور استقامت کی جدوجہد۔ امن و سلامتی کی جدوجہد اور اخلاق و شرافت کی جدوجہد۔ آپ کی جدوجہد کا انداز ایک جرأت مندانہ باحیثیت، با اصول اور باکردار افراد کا انداز تھا۔ اخلاقی حدود کے اندر رہتے ہوئے تاریخ کے کسی دور میں کسی گروہ نے بھی ایسی عظیم جدوجہد نہیں کی ہوگی۔ آپ کی اسلامی دعوت کی جدوجہد کا یہی انداز تھا۔ با اصول جرأت مندانہ!

اسلامی دعوت کی قوت کے سرچشمے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی دعوت کی قوت کے سرچشمے اپنے مدمقابل سے تین گنا

Marfat.com

ناٹا تھا۔ مادی قوت جو نئے نئے افراد کی شرکت کے ساتھ آپ کی دعوت کو فراہم ہوتی چلی جاتی تھی۔ پھر وہ اخلاقی قوت جو آپ کی دعوت کے شریفانہ باوقار اور پابندِ اخلاق طریقِ کار کے سبب اور آپ کے ساتھیوں کے پاکیزہ کردار کے ذریعے آپ کو خود بخود حاصل تھی اس کے علاوہ اللہ پر توکل اور اس کی غیبی امداد کی قوت، جس کی موجودگی میں مومنین کے چھوٹے سے چھوٹے گروہ کفار کے بڑے سے بڑے گروہوں سے ٹکرا جاتے ، اور کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔ چنانچہ پوری اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ بظاہر مادی بے سروسامانی کے باوجود دوسری دونوں قوتوں کا بھرپور ہمیشہ اسی طرح اسلامی دعوت کی پشت پر موجود رہتا ہے کہ اس سے دعوت کی حقیقی قوت میدانِ عمل میں کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

دعوتِ اسلامی اور سیاسی اقتدار

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ اسلامی جماعت ایک بہترین نظریاتی گروہ تھا جو عقائد کی بنیاد پر قائم تھا۔ ایسے گروہ کے لیے اقتدار تک پہنچنے کا جو مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا تھا وہ یہ تھا:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ۔ (الحج : ۴۱)	یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے۔

یعنی اسلامی دعوت کے علمبردار ہمیشہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں اگر زمین میں اقتدار نصیب ہو جائے تو وہ اللہ کا نظامِ عبودیت قائم کرتے ہیں جس کا بہترین نمونہ نماز ہے وہ اللہ کا دیا ہوا معاشی انصاف کا نظام قائم کرتے ہیں جس کا بہترین نمونہ زکوٰۃ ہے۔ جہاں سود کے ذریعے مال غریبوں سے امیروں کی جیبوں میں نیچے سے اوپر نہیں کھینچا جاتا کہ جس سے معاشرے کی جڑیں ہی خشک ہو جائیں بلکہ زکوٰۃ اور صدقے کے ذریعے مالداروں سے غریبوں کی طرف اوپر سے نیچے اترتا ہے وہ معاشرے

ریاست میں نیکی کی عملداری اور معروف کی برتری قائم کرتے ہیں۔ وہ برائی کا استیصال کرتے ہیں۔ یہ وہ اصولی نظام ہے جس میں جاہلی روایات، علاقائی تعصبات، نفسانی خواہشات اور پست مفادات کے جھگڑوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ اقتدار کی قوت زندگی کے ہر گوشے میں برائی کی مزاحمت کرتی اس کی پرورش کو روکتی، اس کے لیے عرصۂ حیات تنگ کرتی اور اس کے امکانات کا خاتمہ کرتی ہے اور نیکی اور بھلائی کی پرورش میں اپنے سارے تعلیمی، تربیتی اور قانونی اداروں کو لگا کر اسے معاشرے میں ایک قابلِ قدر اور قابلِ فخر شے بناتی ہے حضور اکرمؐ کی قائم کردہ جماعت اس معیار پر مثالی انداز میں پوری اترتی تھی۔ جب انہیں اقتدار حاصل ہوا تو انہوں نے خلقِ خدا کی خدمت اور خدا کی بندگی انہیں دونوں پہلوؤں کو اپنی جدوجہد کا ہدف بنایا۔

مخالفتوں میں دعوتِ اسلامی کا طرزِ عمل

حضور اکرمؐ کا مکی دور اس پر گواہ ہے کہ آپ نے مخالفینِ دعوت کے مقابلے میں کتنا صابرانہ طرزِ عمل اختیار کیا جبکہ مدنی زندگی کی مجاہدانہ کشمکش اس پر گواہ ہے کہ مخالفین کے ساتھ آپ کا طرزِ عمل کتنا فراخدلانہ اور ہمدردانہ تھا۔ آپ کی اسلامی تحریک کا اپنے مخالفین کے مقابلے میں یہ طرزِ عمل دنیا بھر سے انوکھا طرزِ عمل تھا اور بالعموم یہ طرزِ عمل ہی لوگوں کے لیے اس کی حقانیت کی شناخت کا بہترین ذریعہ بن گیا تھا۔ اس کے مخالفین اسے بدنام کرنے کے لیے الزامات، اتہامات، جھوٹ افترا اور گالی گلوچ کا طوفان کھڑا کرتے تھے۔ لیکن اس سارے گرد و غبار میں اس تحریک کے داعیوں کی شرافت ان کا بلند کردار اور ان کا شریفانہ طرزِ عمل تحریک کے چہرے کی چمک کو اور نکھارتا چلا جاتا تھا۔ اس پوری مدت میں آپؐ کا طرزِ عمل ہمیشہ صبر و شکر کا رہا۔ طائف میں بدترین ظلم و ستم کے درمیان بھی آپ کے لبوں پر دعائے رحمت ہی رہی۔ ظلم کی انتہا دیکھ کر پہاڑوں کے فرشتے نے اذنِ الٰہی سے جب یہ پیش کش کی کہ اس بستی کو دونوں پہاڑوں کے درمیان پیس دیا جائے تو رحمت اللعالمین نے زخمی اور مضمحل حالت میں بھی یہی فرمایا کہ:

"نہیں! شاید یہ نہیں تو ان کی اولادیں ہی اللہ پر ایمان لے آئیں"۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔

Marfat.com

آپ کی تحریک سے وابستہ لوگ ظلم وستم کے مقابلے میں ہمیشہ صبر کرتے تھے اور انتہائی اشتعال انگیز حالات میں بھی کسی حالت میں مشتعل نہ ہوتے تھے۔ وہ اپنی زبان اور مزاج پر ہمیشہ قابو رکھتے تھے اور ہر اشتعال کے موقعہ پر اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔ سخت سے سخت بیہودہ مخالفت میں بھی حدود اللہ سے کبھی تجاوز نہ کرتے تھے۔ ہر لفظ جو ان کی زبان سے نکلتا کبھی خلاف حق نہ ہوتا تھا وہ ہر بات کے بارے میں یہ احساس رکھتے تھے کہ وہ اس کا حساب خدا کے ہاں دے سکیں گے۔ وہ ہمیشہ ہر حالت میں خدا سے ڈرتے رہتے تھے۔ وہ تشدد کے مقابلے میں ہمیشہ پرعزیمت اور مخالفتوں کے طوفانوں میں ہمیشہ ایک منظم اور با اصول گروہ بن کر رہے۔ وہ ہمیشہ حملہ آوروں کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ڈٹے رہے اور خوف وہراس کی ہر حالت میں نڈر بے خوف اور لوہے کے چنے کی مانند دندان شکن رہے۔ وہ مخالفِ اسلام قوتوں کے مقابلے میں ایک ایسا ناقابلِ شکست قلعہ ثابت ہوئے جسے اپنے مقام سے نہ ہٹایا جا سکتا تھا اور نہ گرایا جا سکتا تھا۔

دعوتِ اسلامی کے چند تنظیمی اصول

حضور اکرمؐ کی قائم کردہ تحریک اسلامی جن تنظیمی اصولوں پر قائم تھی وہ اجتماعیت کو منظم کرنے کے بے مثل اصول تھے۔ ان اصولوں کی موجودگی میں آپ کی دعوت ایک فعال اور صحت مند اجتماعی ادارہ بن گئی تھی۔ جو اپنی منزل کی طرف مسلسل اقدام کرتی چلی جا رہی تھی اور جس کا نتیجہ لازمی طور پر انقلابی تبدیلی اور فتح ونصرت ہی ہو سکتا تھا۔

آپ کی اسلامی تنظیم کا سب سے پہلا اصول سمع واطاعت تھا۔ آپ کی تحریک سے وابستہ ہر شخص دعوتِ اسلامی کے ہر کام کو خدا کا کام سمجھتا تھا۔ اور اسے سرانجام دینا کارِ ثواب اور دنیا و آخرت کا نفع شمار کرتا تھا۔ وہ حکم سے کبھی انحراف نہ کرتا تھا۔

اس کا دوسرا اصول شورائیت تھا جو سمع واطاعت کے لیے مددگار تھا۔ اس کے ذریعے مشورے کا اہتمام وانتظام جماعت کے ہر گوشے میں ہر سطح پر کیا جاتا تھا تاکہ اجتماعی ذمہ داری کا کام اجتماعی رائے سے سرانجام پائے۔

Marfat.com

اس کا تیسرا اصول باہمی خیرخواہی تھا یعنی ایک زندہ ہمدردانہ اور صحت مند رجحانِ تعاون جو جماعت کی صحت کو بحال رکھتا اور اس کے تمام ساتھیوں کو خوب سے خوب تر کی طرف کھینچتا رہتا تھا۔

اس کا چوتھا اصول باہمی محبت و اخوت و تعاون تھا جو اسلامی تحریک کی جان تھا جس کی مدد سے غیر اپنے اور مخالف دوست بن جاتے تھے اور تھوڑی سی قوت بھی باہمی تعاون و محبت سے کئی گنا ہو جاتی تھی۔

اس کا پانچواں اصول ایثار و قربانی تھا یعنی مقصدِ زندگی اور ساتھیوں کے لیے جاں نثار کرنا اور خدا اور رسول کی رضا کے لیے تن من دھن سے نچھاور ہونا۔ اس ایثار و قربانی کی مقدار ہی ایک کارکن کے خلوص کا پیمانہ بن جاتی تھی۔

اس کا چھٹا اصول اکثریت کے مقابلے میں انفرادی رائے کی قربانی تھا اس سے وہ آزادی برقرار رہتی تھی جو سب کے لیے قیمتی چیز ہے اس کی مدد سے مسائل طے کرنے میں دلائل تو سارے سامنے آجاتے تھے جو فیصلوں میں ذہنی اطمینان کا باعث ہوتے تھے لیکن رکاوٹ کا باعث کوئی فرد بھی نہیں بنتا تھا چونکہ حق صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ تھا البتہ تدابیر میں اجتماعی رائے کا لحاظ ضرور رکھا جاتا تھا۔ البتہ رسول اکرمؐ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا تھا جو بالعموم وحی پر مبنی ہوتا تھا۔

اس کا ساتواں اصول باہمی عفو درگزر اور وسعت قلبی کا رویہ تھا۔ اس سے دوسروں کی کمزوریوں سے چشم پوشی اور دوسروں کی خوبیوں سے استفادے کا راستہ کھل جاتا تھا لوگ ایک دوسرے کی غلطیاں چن چن کر مقدمہ تیار کرنے کی بجائے اپنی اپنی غلطیوں کی اصلاح پر لگ جاتے تھے جس سے ساری جماعت میں ہمیشہ اصلاح کا عمل کارفرما رہتا تھا اور بغض و حسد، تو تکار اور تنگ دلی کے جذبات سے ماحول پاک و صاف رہتا تھا۔ ان اصولوں کی مدد سے حضور اکرمؐ کی اسلامی تنظیم جو کلمہ طیبہ پر قائم تھی ایک زندہ، متحرک، تندرست اور توانا

Marfat.com

مضبوط درخت کی مانند تھی جس کی جڑ مضبوط، جس کا تنا سر بلند، جس کی شاخیں گھنی، جس کا سایہ خنک اور جس کا پھل خوشگوار تھا۔

ایسی انقلابی دعوت اور ایسے جاندار اصولوں کو لے کر جو تحریک اٹھی تھی اس کے لیے اپنا منشور انقلاب برپا کرنا کوئی دشوار کام نہ تھا۔ لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس تحریک کو ایک ایسا انقلابی قائدؐ اور جرأت مند مدبر رہنما میسر آیا تھا جو تصوّرِ منزل کے ساتھ تدبیر منزل بھی خوب جانتا تھا۔ اس کی مومنانہ فراست اور جرأت مندانہ قیادت نے باطل کے جمے ہوئے نظام کو اکھاڑ کر پھینک دیا لیکن یہ کارنامہ جس انداز میں سرانجام پایا وہ انقلابات کی تاریخ کے طالب علم کے لیے قابل غور موضوع ہے۔

Marfat.com

منزلِ چہارم:

حضورؐ کا انقلاب آفریں اسلحہ

Marfat.com

Marfat.com

پہلا باب

معجزۂ کردار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلامی کا آغاز ایک فی قوم کے تناسب سے کیا۔ پوری قوم ایک طرف تھی اور حضور اکرمؐ پوری قوم کے مقابل دوسری طرف تھے۔ جو دعوت آپ نے پیش کرنی شروع کی وہ پوری قوم کے سارے ڈھانچے کو اُدھیڑ کر اسے از سر نو استوار کرنے والی تھی۔ اور یہ بات قریش آپؐ کے پیش کردہ صرف ایک کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ کے چند الفاظ سے ہی سمجھ گئے تھے۔ اس دعوت کے ذریعے پورے معاشرے کی قدریں بدلی جا رہی تھیں۔ خیر و شر کے پیمانے منقلب ہو رہے تھے۔ معیاراتِ قیادت و رہنمائی تبدیل ہو رہے تھے۔ نفع و نقصان کی میزان بدل رہی تھی دعوتِ اسلامی کا مسئلہ صرف چند مذہبی تصورات میں تھوڑی سی تبدیلی لانے ہی کا معاملہ نہیں تھا بلکہ ہر نو ہمہ پہلو، ہمہ جہت اور کلی تبدیلی کا مسئلہ تھا۔ اس کلمہ کی روشنی میں تو ہر چیز بدل جانے والی تھی جگادری دل سے کیسے کر وہ طلوعِ سحر کو ٹھنڈے پیٹوں ہنسی خوشی برداشت کرلیں تو یہ ایک ناقابل قبول اور کٹھن مطالبہ ہے۔ چنانچہ عین توقع کے مطابق دعوتِ عام کے ساتھ ہی مخالفت شروع ہو گئی اور پھر بے پناہ مخالفت ہوئی۔ حضور اکرمؐ نے خود فرمایا کہ کسی نبی کو ان مشکلات سے سابقہ پیش نہیں آیا جن مشکلات سے مجھے سابقہ پیش آیا ہے۔

اس کلی انقلابی دعوت کو نظام باطل کے چوکیدار برداشت نہ کر سکتے تھے۔ وہ لوگ جو سیاسی اور معاشرتی مفادات کے محافظ تھے ان کے لیے اس دعوت کو ہضم کرنا سخت مشکل تھا۔ اس دعوت کو برداشت کرنے کے معنی اپنی سابقہ حاصل کردہ سیادتوں، زیادتوں اور محفوظ مفادات سے دست برداری

اور محرومی تھی۔ چنانچہ دعوت کے سامنے آتے ہی وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں پر پل پڑے۔ ایسی شدید مخالفانہ یلغار اور اتنی کثیر طاقت در مخالفت کے مقابلے میں ایک نئی قوم کے تناسب سے ایک انقلابی دعوت کو آگے بڑھانا کوئی کھیل نہ تھا۔ یہ آنکھوں دیکھتے ہوئے اپنی موت سے کھیلنے والی بات تھی لیکن اس کے باوجود اتنی بڑی مخالفت اور عداوت کے مقابلے کے لیے حضورؐ کے پاس ایسے تین انقلاب انگیز ہتھیار تھے جن کا مخالفین کے پاس کوئی توڑ نہ تھا۔ یہ تھے معجزۂ کردار، معجزۂ قرآن، اور معجزۂ کلام۔ ان میں سب سے پہلا مؤثر اور کارگر ہتھیار حضور اکرمؐ کا اپنا کردار تھا جو آپ نے قریش کے درمیان گزری ہوئی پوری چالیس سالہ زندگی میں ان کے سامنے رکھا تھا۔

ایک شخص جس کی شرافت کی شہرت دور دور تک تھی جس کی حیا کنواری لڑکیوں کی طرح کسی غیر محرم کی طرف بے جا نظر اٹھانے کی بھی روادار نہ تھی۔ جس کی دیانت و امانت کا یہ حال تھا کہ دشمن بھی آپ کے پاس امانتیں رکھواتے تھے۔ اس دیانت و امانت کا سکہ اتنا رواں تھا کہ جب اپنی قوم کے ظلم و ستم سے تنگ آکر حضور اکرمؐ نے ہجرت کی تو اس وقت بھی اسی ظالم قوم کی امانتیں آپؐ کے پاس اتنی جمع تھیں کہ آپ کو حضرت علیؓ کی ڈیوٹی لگانی پڑی کہ وہ اس ظالم قوم کی سب امانتیں واپس کرکے مدینہ تشریف لائیں۔ ان حالات میں بھی آپ کی امانت اور دیانت پر سب اعتماد کرتے تھے مخالفین اپنے مقدمات و تنازعات کے فیصلوں کے لیے آپؐ کے پاس آتے تھے آپؐ کی طرف سے بے سہارا بیواؤں کے وظیفے مقرر تھے اور آپ یتیموں کی سرپرستی فرماتے تھے۔ آپؐ مظلوموں کی حمایت کا اہتمام اور رشتہ داروں اور عزیزوں سے صلہ رحمی کرتے تھے۔ کسی نے کبھی کوئی نازیبا بات آپؐ کی پوری مدت عمر میں آپؐ کی زبان سے نہ سنی تھی اور کوئی اس بات کا گواہ نہ تھا کہ آپؐ نے کبھی کسی سے جھگڑا کیا ہو۔ کسی کو گالی دی ہو۔ کسی سے کبھی کوئی زیادتی کی ہو۔ کسی سے وعدہ خلافی کی ہو اور کسی سے بدمعاملگی کی ہو کیونکہ آپؐ کے کردار کا خود اللہ تعالیٰ محافظ و نگران تھا۔

بچپن میں جب آپؐ بکریاں چراتے تھے اور آپؐ کا بیشتر وقت شہر سے باہر دشت و صحرا اور پہاڑوں میں گزرتا تھا اس وقت آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی کائنات پر غور و فکر کرنے

Marfat.com

اور فطرت کی گود میں رہ کر اس کا قریبی مطالعہ کرنے کے مواقع میسر تھے۔ ان حالات میں بھی جب آپ لڑکے تھے اور لڑکوں میں کھیل تماشے کا شوق اس عمر کا عمومی تقاضا ہوتا ہے۔ آپ کبھی کسی کھیل تماشے میں دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ آپ کے ساتھی چرواہے اکثر شہر میں ایسی تقاریب میں شرکت کے مواقع ڈھونڈتے رہتے تھے جہاں راگ رنگ ہو لیکن آپ ایسی باتوں سے ہمیشہ بے نیاز رہتے تھے۔ ایک بار اپنے ایک ساتھی چرواہے کے اصرار پر آپ نے شہر میں کسی شادی پر گانے بجانے کی مجلس میں شرکت کا ارادہ کر لیا۔ گرمی کا موسم تھا اور جب آپ شہر میں پہنچے تو ابھی مجلس منعقد ہونے میں بہت دیر تھی۔ آپ تقریب گاہ کے باہر سائے میں انتظار کرنے کے لیے بیٹھ گئے اور پھر آپ پر غنودگی طاری ہو گئی جب بیدار ہوئے تو مجلس منعقد ہو کر برخاست ہو چکی تھی بس اس واقعہ کے بعد پھر آپؐ نے ایسی کسی مجلس میں شرکت کا کبھی ارادہ نہیں کیا۔

اسی طرح تعمیر کعبہ میں شہر کے سارے ہی نوجوان حصہ لے رہے تھے اور آپؐ بھی پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ آپؐ کے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب نے کہا کہ "بھتیجے تم خراش سے بچنے کے لیے تہمند اتار کر کندھے پر رکھ لو" اور جب آپؐ نے اس سے پہلوتہی کی تو انہوں نے ازراہ ہمدردی اور بزرگی خود ہی آپؐ کا تہمد اتار کر آپؐ کے کندھے پر رکھ دیا۔ لیکن آپ فرطِ حیا سے تھرّا کر نیم بے ہوشی کی حالت میں زمین پر گر پڑے۔ آپؐ نے اس پر اتنی شدید ندامت محسوس کی کہ پھر اس کا کبھی تصوّر تک نہ کیا۔

جوانی کا دور انسان کے لیے بڑا رنگین دور ہوتا ہے۔ عمر کے اس حصے میں ہر شے حسین و دلفریب دکھائی دیتی ہے۔ جوانی کو دیوانی تو کہا ہی جاتا ہے لیکن آپؐ کو قدرت نے ایسی صالح اور سعید فطرت سے نوازا تھا کہ جذبات کا بے قابو ہونا تو درکنار کبھی خیال کا دامن بھی آلودگیوں سے نہ چھوا تھا۔ [1]

مکہ کے اس رنگین اور آزاد ماحول میں جہاں قدم قدم پر ہوسناکیاں جال بچھائے ہوئے تھیں

---

[1] محبوب خدا۔ چودھری افضل حق۔

Marfat.com

اور نفس کے لیے تمام رغبتیں اور دلچسپیاں موجود تھیں۔ جہاں سفلی جذبات کی تکمیل و تسکین کے لیے طرح طرح کی آسانیاں معاشرے کے رسم و رواج ہی میں موجود تھیں۔ وہاں آپؐ نے جوانی کا زمانہ اس قدر پاکیزگی، شرافت و احتیاط کے ساتھ گزارا کہ پاکیزگی کا زیادہ سے زیادہ تصور بھی اس معصوم و پاکیزہ جوانی کے مقابلے میں فروتر ہی دکھائی دیتا ہے۔ پھولوں کی پتیاں بہت صاف و شفاف ہیں قوس قزح نہایت معصوم ہے۔ چاندنی بہت اُجلی اور بے داغ ہے۔ مگر آپؐ کی جوانی ان سب سے زیادہ معصوم، پاکیزہ اور عفیف تھی۔ جہاں حُسن کو بے نقابی کے لیے بتوں کی ضرورت نہ ہو بلکہ معاشرے میں کھلے بندوں متاعِ ایمان پر ڈاکے ڈالنے کی اجازت ہو وہاں عشق کی کشاکش سے بچ نکلنا بہت بڑی سعادت اور حفاظتِ خداوندی ہے۔ جہاں گلی گلی شراب خانے اور گھر گھر بادۂ ناب کی گردش ہو جہاں قدم قدم پر مے شبینہ کے جام لنڈھائے جاتے ہوں اور ساقی گری کی لاج رکھنے کے لیے ایمان و اخلاق کو بے آبرو کیا جاتا ہو وہاں ایک سعید فطرت انسان کا اس کے ایک قطرے سے بھی اپنے آپ کو پاک رکھنا فرشتوں کی سی صفت ہے۔ جہاں جنگ کھیل ہو اور انسانی خون بہانا ایک تماشا ہو۔ وہاں احترام آدمیت کا علمبردار ایک ایسا نوجوان بھی موجود ہو جس کے دامن پر خونِ ناحق کی ایک چھینٹ بھی نہ پڑی ہو جہاں بتوں کے سامنے سجدہ ریزیاں ہوں۔ غیر اللہ کے سامنے نذر و نیاز ہوں۔ زمانہ حج میں برہنہ طواف کرنا عین شعائر مذہب میں شامل ہو وہاں ابراہیمی فطرت کا ایک انسان پاکیزگی، عفت نگاہی اور توحید پرستی کی تصویر بنا ہوا موجود ہو۔ جہاں قدم قدم پر قمار خانے، بدکاری کے اڈے، داستان گوئی کے چوپال، لہو و لعب کی مجالس، گانے بجانے کی محفلیں، حسین و گداز جسموں کی تھرتھراہٹیں اور بانکپنیں، نوجوانوں کا راستہ دیکھتی ہوں وہاں ایک پاکیزہ فطرت ہاشمی نوجوان تزکیہ و طہارتِ نفس کی تصویر بنا ہوا پایا جاتا ہو اور اس کے دامن پر ان خرافات کا سایہ بھی نہ پڑتا ہو تو اسے معجزۂ کردار نہ کہا جائے تو پھر اسے کس لفظ سے تعبیر کیا جائے گا اور یہ کردار اگر انسانوں کے دلوں کو، جو دل نیکی اور پاکیزگی سے متاثر ہوتے اور طہارتِ نفس اور شرافت سے مرعوب ہوتے ہیں، اپنا گرویدہ بنا لے تو یہ عین انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ یہ نوجوان جس نے ہر خوبی کو اپنے کردار میں سمیٹ لیا تھا اور جو ہر بدی سے دامن کش تھا

جو لوگوں کی آنکھ کا تارا اور ان کے دلوں کا محترم ومکرم مہمان تھا۔ یہی نوجوان دعوتِ اسلامی کا علمبردار تھا۔
یہی سبب ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ نے جو مکہ کی امیر وکبیر بیوہ تھیں جب اس نوجوان کو اپنے کاروبار میں آزمایا اور کھرا پایا تو اسے اپنی طرف سے نہ صرف خود نکاح کا پیغام بھیجا، بلکہ بلا کر خود بالمشافہ بھی آپ سے بات پختہ کی۔ اس موقعہ پر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں اپنے ذاتی تجربے کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا:

"میں نے آپ کی صداقت اور اچھے اخلاق کی وجہ سے آپ کو پسند کیا ہے اس لیے کہ میں آپ کی صداقت اور کردار سے متاثر ہو گئی ہوں۔"[1]

چنانچہ شادی پر خطبۂ نکاح پڑھتے ہوئے حضرت ابو طالب نے جو بچپن سے آپؐ کے سرپرست چچا تھے آپ کے کردار کے بارے میں گواہی دی۔ حمد وثنا کے بعد انہوں نے فرمایا:

"یہ میرے بھائی کا لڑکا محمد بن عبداللہ ہے۔ یہ ایک ایسا جوان ہے کہ قریش کے کسی شخص سے اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا مگر یہ اس سے بڑھا رہے گا۔ ہاں البتہ مال اس کے پاس کم ہے لیکن مال تو ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے اور ایک بدل جانے والی چیز ہے۔ محمد وہ شخص ہے کہ جس کی میرے ساتھ قربت و یگانگت کو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو اس کا مستقبل خدا کی قسم عظیم الشان اور جلیل القدر ہے۔"

اس خطبے کا جواب دیتے ہوئے ورقہ بن نوفل جو حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی اور ایک مشہور ومعروف عالم وفاضل آدمی تھے۔ انہوں نے کہا:

"حمد وثنا خدا کے لیے ہے۔ بلاشبہ آپ لوگ تمام خصائل کے اہل ہیں کوئی طاقت آپ کے فضل وشرف کو رد نہیں کر سکتی۔ اور بے شک ہم نے نہایت رغبت کے ساتھ آپ کے ساتھ شامل ہونا پسند کیا ہے۔ پس اے قریش گواہ رہو کہ میں خدیجہ بنت خویلد کو محمد بن عبداللہ کی زوجیت میں دیتا ہوں۔"

[1] ابن اسحاق۔

شادی کے بعد آپؐ کاسہ بار میں پہلے سے بھی زیادہ انہماک سے مصروف ہو گئے۔ ان کے ایک کاروباری ساتھی قیس بن سائب نے آپؐ کے بارے میں کہا :

"کاروبار میں میں نے محمدؐ سے بہتر ساتھی کوئی نہیں پایا۔ اگر ہم ان کا سامان لے کر جاتے تو واپسی پر وہ ہمارا استقبال کر کے صرف ہماری خیر و عافیت پوچھتے اور پھر چلے جاتے اور بعد میں حساب دینے پر قطعاً تکرار اور حجت نہ کرتے۔ حالانکہ دوسرے لوگ سب سے پہلی بات صرف اپنے مال کی کیفیت کے متعلق پوچھتے تھے اس کے برخلاف اگر خود وہ ہمارا سامان لے کر جاتے تو واپسی پر جب تک پائی پائی بے باک نہ کر لیتے گھر تک کبھی نہ جاتے۔ اس لیے وہ ہمارے درمیان "الامین" کے لقب سے معروف تھے۔"

کاروبار کے سلسلے میں ہی ایک شخص عبداللہ بن الحمساء نے آپ سے کہا کہ ذرا ٹھہریے میں ابھی آتا ہوں لیکن وہ جا کر بھول گیا۔ پھر تین دن کے بعد اچانک اتفاق سے وہ ادھر سے گزرا تو آپؐ وہاں وعدے کے مطابق راستے میں ہی اس کے منتظر تھے۔ وہ آپ کو دیکھ کر سخت پریشان ہوا، تو آپؐ نے اسے صرف اتنا کہا "عبداللہ تم نے ہمیں بہت تکلیف دی۔" ظاہر ہے کہ یہ اخلاق کسی کو گرویدہ بنائے بغیر کیسے چھوڑ سکتا ہے۔

جاہلیت میں قبائلِ عرب میں لڑائیاں چھڑتی تھیں تو برسوں تک چلتی رہتی تھیں۔ ایک بار "حرب فجار" کے نام سے لڑائی چھڑی تو برسوں تک وقفہ وقفہ سے چلتی رہی یہاں تک کہ اس خونریزی سے قریش تنگ آ گئے اور ان میں پریشانی اور پشیمانی کے زبردست جذبات پیدا ہوئے چنانچہ قریش میں بنوہاشم کے سردار زبیر بن عبدالمطلب کی تجویز پر ایک "انجمن قیام امن و نگرانیِ حقوق" قائم کی گئی۔ اس انجمن میں قریش کے قبائل نے مندرجہ ذیل حلف لیا۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ :

"ہم ملک سے بدامنی دور کریں گے، مسافروں کی حفاظت کریں گے، غریبوں کی امداد کریں گے۔ اور زبردستوں کو ظلم سے بچائیں گے۔ اور ظلم کا ہاتھ پکڑ لیں گے۔"

Marfat.com

اس انجمن کے اجلاس میں آپؐ بھی اپنی نوجوانی کے دور میں شامل ہوئے تھے۔ آپؐ اس کے بعد اپنے دورِ نبوت میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر آج بھی اس انجمن کے نام سے کوئی کسی کو مدد کیلئے بلائے تو میں سب سے پہلے اس کی امداد پر اپنے آپ کو تیار پاؤں گا اس بات سے ظاہر ہے کہ انجمن کے اغراض و مقاصد کو پورا کرنے کے لیے جو خالص خدمتِ خلق کا کام تھا آپؐ نے کتنی محنت اور ایثار و قربانی سے کام لیا ہو گا۔ اسی خدمت کے نتیجے میں آپؐ اپنی قوم کے اندر بے حد مقبول امین و صادق اور خادمِ خلق مشہور تھے۔

ایک بار جب سیلاب اور بارش کی شدت سے کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا تو اہلِ مکہ نے اس کی نئی تعمیر کا فیصلہ کر لیا۔ پھر ہر شخص اور قبیلہ نے اس سعادت میں حصہ لینے کے لیے پوری یکسوئی سے تعمیر کعبہ میں شرکت کی۔ یہاں تک کہ حجرِ اسود نصب کرنے کا وقت آ گیا۔ اس وقت ہر قبیلے کی خواہش تھی کہ یہ اعزاز اسے ہی حاصل ہو یہاں تک کہ بات تُو تُو مَیں مَیں سے بڑھ کر تلوار کے دستے تک جا پہنچی۔ حلیم کی تعمیر کرنے والوں نے تو خون کا پیالہ سامنے رکھ کر اس پر حلف لیا کہ وہ اس اعزاز سے کبھی دست بردار نہ ہوں گے۔ بالآخر ایک معمّر بزرگ امیہ بن مغیرہ نے رائے دی کہ کسی کو ثالث بنا کر فیصلہ کر لیا جائے۔ چنانچہ یہی طے پایا کہ جو شخص سب سے پہلے حرم میں آئے اسی کو ثالث بنا لیا جائے۔ اس فیصلے کے بعد اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تشریف لے آئے۔ آپ کو دیکھ کر لوگ دور سے ہی چلانے لگے۔

"یہ تو امین آ رہا ہے، ہم اس پر راضی ہیں۔ یہ تو محمد ہے ہم اس کے فیصلے پر رضامند ہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملے کو دیکھ کر ایک چادر منگائی۔ پھر اس چادر میں حجرِ اسود کو خود رکھ دیا پھر ہر قبیلے کے سردار سے کہا کہ چادر کے کونے کو پکڑ کر اسے اوپر اٹھائیں یہاں تک کہ پتھر اس جگہ تک پہنچ گیا جہاں اسے نصب کرنا تھا چنانچہ آپؐ نے اسے اٹھا کر اس کے مخصوص مقام پر رکھ دیا۔ اور اس طرح آپؐ کی تدبیر اور ذہانت سے ایک خونریز خانہ جنگی ٹل گئی اس سے یہ

Marfat.com

بھی معلوم ہوتا ہے کہ قریش کو آپ پر اعلان نبوّت سے پہلے بھی کس قدر اعتماد و اعتقاد تھا۔

آپؐ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ پندرہ سال گزارے تھے جب پہلی وحی کے نزول کا واقعہ پیش آیا تو آپ اس واقعہ سے بے حد پریشان ہوئے۔ یہ ایک نہایت درجہ غیر متوقع انوکھا اور حیران کن تجربہ تھا جس سے آپؐ کو واسطہ پڑا۔ آپ کانپتے لرزتے گھر واپس آئے۔ آتے ہی اپنی اہلیہ سے فرمایا "مجھے اُڑھا دو، مجھے اُڑھا دو"، چنانچہ آپ کو کمبل اُڑھا دیا گیا۔ جب کچھ سکون ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوفزدگی کچھ دور ہوئی تو آپؐ نے سارا واقعہ سنایا اور سخت پریشانی سے حضرت خدیجہؓ سے کہا:

"اے خدیجہ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے، مجھے تو اپنی جان کا ڈر ہے"

حضرت خدیجہؓ آپؐ کی بیوی تھیں۔ بیوی سے زیادہ شوہر کی خوبیوں اور کمزوریوں سے کون آگاہ ہوتا ہے۔ انہوں نے جو آپؐ کے بارے میں اس وقت گواہی دی وہ یہ تھی۔ انہوں نے کہا:

"ہرگز نہیں آپ خوش ہو جائیے اے محمدؐ، خدا کی قسم، خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں۔ امانتیں ادا کرتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا بار برداشت کرتے ہیں۔ نادار لوگوں کو کما کر دیتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے ہیں۔ آپ تو اللہ کے نبی ہیں" [1]

اور پھر جب حضرت خدیجہؓ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عالم و فاضل آدمی تھے۔ وہ مطالعہ کر کے بالآخر عیسائی ہو گئے تھے اور خود انجیل لکھتے تھے، بہت بوڑھے اور نابینا تھے انہوں نے آپؐ کا سارا واقعہ سن کر کہا:

"یہ تو وہی ناموس الٰہی (وحی لانے والا فرشتہ) ہے جو اللہ نے موسیٰ پر نازل کیا تھا۔ کاش میں آپ کے زمانۂ نبوّت میں قوی اور جوان ہوتا، کاش میں اس وقت

---

[1] ابن سعد ص ۱۹۰

تک زندہ ہی رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔"
آپؐ نے حیران ہو کر پوچھا : "کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے۔"
ورقہ نے کہا :

"ہاں، یہ کبھی نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا ہو جو آپ لائے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو اگر میں نے آپ کا زمانہ پایا تو میں آپ کی پُرزور مدد کروں گا۔"[1]

حضور کا بے مثال پاکیزہ کردار کھلی کتاب کی طرح پورے چالیس سال سے قوم کے سامنے موجود تھا۔ اس لیے جب پہلی دفعہ حضورؐ نے لوگوں کو جمع کر کے دعوتِ اسلامی پیش کرنے کا فیصلہ کیا اور لوگوں کو جمع کیا تو سب سے پہلے اپنے کردار پر ہی ان سے گواہی طلب کی۔

آپؐ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر لوگوں کو پکارا۔ جب سب جمع ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا جانتے ہو۔"
سب نے بیک آواز کہا :

"ہم نے کبھی کوئی بات غلط یا بیہودہ آپ کی زبان سے نہیں سنی، ہم یقین رکھتے ہیں کہ آپ صادق اور امین ہیں۔"

گویا صادق اور امین کے القاب تھے جو پوری قوم نے آپ کو اعلانِ دعوتِ اسلامی سے پہلے ہی دے رکھے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار سے مکے کے لوگ اور آپ کے قریب ترین عزیز بھی اتنے متاثر تھے کہ وہ آپ کے لیے نبوّت کو بھی بعید نہیں سمجھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت خدیجہؓ کوئی کم عمر خاتون نہ تھیں اور وہ آپؐ کے ساتھ پندرہ سال گزار کر آپ کے کردار کے ہر پہلو سے خوب آگاہ تھیں غارِ حرا کے واقعہ نے ان کے ذہن کو آپ کے بارے میں کسی برائی کی طرف نہیں بلکہ ایک بلند ترین منصب کی طرف موڑ دیا تھا۔ ورقہ بن نوفل بھی ایک عمر رسیدہ جہاں دیدہ انسان

[1] تفہیم القرآن جلد ششم صفحہ ۳۹۳

Marfat.com

تھے اور آپؐ کی ساری عمر اُن کے سامنے مکہ میں گزری تھی۔ ان کے لیے بھی حضورؐ کے کردار کے ساتھ ان پر ناموس الٰہی کا اترنا کوئی بعید از قیاس بات نہ تھی۔

آپؐ کے بلند کردار نے آپؐ کی ذات میں رُعب وہیبت کا عنصر بھی پیدا کر دیا تھا۔ جیسا کہ حضورؐ نے خود فرمایا تھا کہ مجھے اپنے دشمنوں کے مقابلے میں ایک ماہ کی مسافت تک رُعب سے مدد دی گئی ہے۔

اس بات کا تجربہ ہر شخص کو ہے کہ ایک بلند کردار انسان ہمیشہ اپنے اندر عظمت و ہیبت رکھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی بلند اخلاق اعلےٰ پائے کی دیانت اور پاکیزگی اور شرافت پر مبنی کردار اپنے اندر زبردست طاقت اور قوت رکھتا تھا جس کے سامنے عام حالات میں آسانی سے بولنے کی مجال بڑے بڑے اکھڑ کافروں کو بھی نہیں تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں تو یہ کہا ہی جاتا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں زور سے آواز بھی نہ نکالتے تھے اور ہمیشہ دم بخود بیٹھتے تھے۔ جیسے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ مسلمان تو خیر مطیع فرمان لوگ تھے۔ خود ابو جہل جیسے شدید دشمن کو بھی بعض اوقات مجرم ضمیر کے ساتھ بولنے کی مجال نہ ہوتی تھی۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ " اراشی " نام کا ایک شخص کچھ اونٹ فروخت کرنے کے لیے مکہ شہر میں لایا۔ ابو جہل نے سودا کر کے اونٹ لے لیے لیکن قیمت ادا کرنے میں مسلسل کئی روز تک ٹال مٹول کرتا رہا۔ وہ شخص کئی قریشی سرداروں کے پاس مدد کے لیے گیا۔ اور فریاد کی:

> " میں ایک بے وطن مسافر ہوں۔ میرا حق مارا گیا ہے تم ابو الحکم سے میرا حق دلا دو۔"

لیکن کسی میں ابو جہل سے کہنے کی جرأت نہ تھی۔ ان سرداروں میں سے کسی ایک نے ازراہ مذاق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر دیا کہ ان سے کہو۔ یہ تیرا حق دلوا دیں گے

وہ ناواقف شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر فریادی ہوا۔ حضورؐ سارا قصہ سن کر فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا:

"میرے ساتھ آؤ۔"

قریش کے سردار خوب دلچسپی سے یہ تماشا دیکھنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاکر ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون"

اندر سے آواز آئی۔

"میں ہوں محمدؐ۔ باہر آؤ۔" آپؐ نے فرمایا۔

اندر سے ابوجہل برآمد ہوا۔ لیکن اس کا رنگ فق تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

"اس شخص کو اس کا حق فوراً ادا کر دو۔"

ابوجہل خاموشی کے ساتھ اندر گیا اور قیمت لاکر مسافر کے ہاتھ پر گن کر رکھ دی۔ "اراشی" نے خوشی خوشی واپس آکر یہ سارا قصہ قریش کو سنایا۔ تھوڑی دیر بعد ابوجہل بھی آگیا تو لوگوں نے خوب مذاق اڑایا۔

"تجھے کیا ہوگیا تھا۔ ہم نے تو ایسا کوئی نہیں دیکھا۔ یہ تو نے کیا کیا۔" سب نے کہا:

ابوجہل نے کہا:

"کمبختو، جب اس نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور میں نے اس کی آواز سنی تو رعب اور ہیبت سے میری حالت لکڑی کے ایک پتلے کی سی ہوگئی تھی۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی بلندی اور صداقت و پاکیزگی کا یہ عظیم ترین نمونہ تھا۔ کہ نبوت کا اعلان کرنے کے بعد بھی قریش نے انتہائی مخالفت اور مزاحمت کے باوجود کبھی آپؐ کو جھوٹا نہیں کہا اور آپؐ پر یہ الزام کبھی نہیں لگایا کہ آپؐ جھوٹ بولتے ہیں۔ انہوں نے

Marfat.com

جس امر کی تکذیب کی وہ آپؐ کی نبوّت کی حیثیت کی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل نے دورانِ گفتگو حضورؐ سے کہا:

"ہم آپ کو تو جھوٹا نہیں کہتے۔ مگر جو کچھ آپ پیش کر رہے ہیں اسے جھوٹ قرار دیتے ہیں۔"

چنانچہ جنگِ بدر کے موقعہ پر اسی ابوجہل سے ایک شخص اخنس بن شریق نے تنہائی میں پوچھا:

"یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی تیسرا تو موجود نہیں ہے۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم محمدؐ کو سچا کہتے ہو یا جھوٹا۔"

ابوجہل نے جواب میں کہا:

"خدا کی قسم، محمدؐ ایک سچا آدمی ہے۔ اس نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ مگر جب لواء، سقایت، حجابت اور نبوّت سب کچھ بنی قصی ہی کے حصے میں آجائے تو بتاؤ باقی سارے قریش کے پاس کیا رہ گیا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی کردار کی معجزانہ عظمت کی بنا پر قرآن نے حضور اور اسلام کے مخالفین کو چیلنج دیا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ - (یونس: ۱۶) "میں یہ قرآن پیش کرنے سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں۔"

گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار اس شان کا تھا کہ اسے نبوّت کی صداقت کے لیے بطور گواہ کے منکرین قرآن کے سامنے پیش کیا جا سکتا تھا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ آپؐ کی چالیس سالہ زندگی میں سے کوئی ایک واقعہ بھی جھٹلانے کے لیے دلیل کے طور پر پیش کر سکے۔ حضورؐ ابتداء ہی سے اخلاق و کردار و عادات میں ہر ایک سے مختلف، ممتاز اور منفرد نظر آتے تھے۔ جھوٹ، بدکلامی

گالی و فحش بات کسی نے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نہ سنی تھی۔ وہ لوگوں سے ہر قسم کے معاملات کرتے تھے۔ مگر آپؐ کی کسی کے ساتھ بھی تلخ کلامی اور تُو تُو مَیں مَیں کبھی نہ ہوئی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں ایسی شیرینی تھی کہ ہر کوئی آپؐ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ آپؐ نے کبھی کسی کی حق تلفی نہیں کی۔ برسوں تک تجارت کرنے کے باوجود کسی کا ایک پیسہ بھی کبھی ناجائز طریقے سے نہیں لیا۔ جن لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ پیش آیا وہ آپؐ کی دیانت، امانت اور شرافت کے معتقد پائے گئے۔ ساری قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امین کہتی تھی۔ دشمن تک آپؐ کے پاس اپنی امانتیں رکھواتے تھے اور ان امانتوں کی بھی حفاظت کی جاتی تھی۔ بے حیا لوگوں کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرم و حیا کا مجسمہ تھے۔ بد اخلاقوں کے درمیان آپؐ اخلاق کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز تھے۔ بدکاروں کے درمیان آپؐ عصمت و عفّت اور پاکیزگی و طہارت کا بہترین نمونہ تھے۔ آپؐ نے کبھی شراب اور جوئے کو ہاتھ نہ لگایا۔ غیر شائستہ لوگوں کے ساتھ بھی آپ ہمیشہ شائستگی سے پیش آتے۔ بدتمیزوں سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نرمی اور پاکیزگی کا رویہ رکھتے۔ سنگ دلوں سے نرمی برتتے، ہر کسی کے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ یتیموں بیواؤں، بے کسوں، محتاجوں، فقیروں اور بے نواؤں کی مدد کرتے۔ آپؐ کسی کو دکھ نہ دیتے جبکہ خود دوسروں کے دکھ اٹھاتے۔ جھگڑالو لوگوں کے درمیان آپ صلح پسند تھے۔ فساد و خون ریزی کرنے والوں کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم امن پسند تھے۔ مصالحت اور خدمت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیش پیش ہوتے۔ بت پرستوں کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدائے واحد کے پرستار تھے اور کسی مخلوق کے آگے سر جھکانے کو تیار نہ تھے۔ اس سارے تنگ و تاریک اور متعفّن ماحول میں حضورؐ کا کردار ایک ہیرے کی طرح چمکتا اور ایک پھول کی طرح مہکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

یہ وہ معجزہ کردار تھا جو اسلامی انقلاب کی دعوت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

Marfat.com

ایک مؤثر ہتھیار تھا۔ اس ہتھیار کی موجودگی میں دشمنوں کے دل دشمنی میں بھی اندر سے مرعوب اور بھنچے ہوئے تھے اور ان کے لیے کھل کر بے دھڑک دشمنی کرنا سخت دشوار کام تھا۔ اس کردار کی حق پرستانہ کاٹ سے اپنے ضمیر کو صاف بچا کر لے جانا اور اس میں دعوتِ حق کی تخم ریزی نہ ہونے دینا ان کے بس سے باہر تھا۔ حضورؐ کے کردار کا یہ عظیم انقلاب آفرین ہتھیار دعوتِ حق کے مخاطب لوگوں پر بڑا اثر انداز ہوتا تھا اور حضورؐ کے کردار کی پُرزور پھوار سے سعید فطرت لوگوں کے دلوں کی کھیتیاں سرسبز ہوتی چلی جاتی تھیں۔

Marfat.com

دوسرا باب

معجزۂ قرآن

دعوتِ اسلامی کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزۂ کردار کے ساتھ ایک دوسرا زبردست ہتھیار اللہ کا کلام تھا۔ قرآن پاک جو پے در پے اور موج در موج آپؐ پر نازل ہو رہا تھا۔ اس کلام کے سامنے بڑے بڑے زبان آور خطیبوں، شاعروں، ادیبوں، شعلہ بیاں مقرروں اور زباں آوروں کی زبانیں گنگ تھیں۔ وہ جلیل و جمیل، عظیم و کبیر، فصیح و بلیغ، زور آور و زور دار ہولناک و ہیبت ناک، دہشت ناک و مرعوب کن، گرفت کرنے والا اور دبا دینے والا، عاجز کر دینے والا اور سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دینے اور وراء الوراء ہیبت کا حامل بالاتر از انسان الٰہی کلام تھا۔ قرآن، ایک معجزہ جس کا کسی کے پاس کوئی توڑ نہ تھا۔ جو سیلاب کی طرح یلغار کرتا، برق کی طرح کڑکتا، بارش کی طرح برستا، بادل کی طرح چڑھتا بجلی کی طرح کوندتا، دریا کی طرح لہریں مارتا، طوفان کی طرح اُمنڈتا اور پھولوں کی طرح مہکتا تھا۔ یہ دعوتِ اسلامی کا دوسرا انقلاب آفریں ہتھیار تھا۔

تنہا یہ قرآن ہی کافروں کی ساری یلغاروں پر بھاری تھا۔ اس کا کوئی توڑ نہ تھا۔ اس کا کوئی جوڑ نہ تھا، اس کا مقابلہ کسی کے بس میں نہ تھا۔ یہ بے پناہ توانائی کا حامل ہتھیار تھا جو آپؐ کے پاس تھا۔ اس کی کوئی بات بھی ایسی نہ تھی جس پر گرفت کی جا سکے اور جس کی تردید ہو سکے۔ اور جس سے پہلوتہی کی جا سکے۔ یہ زبانوں کو گنگ کر دینے والا، دلوں کو لرزا دینے والا، عقلوں کو دنگ کر دینے والا اور حریفوں کو فنا کر دینے والا کلام تھا۔ یہ بار بار اپنے مخاطبین اور منکرین کو چیلنج کرتا تھا اور اس کے چیلنج کا کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ حضورؐ تنہائی کے باوجود اس کے ذریعے عظیم لشکروں والے تھے۔ بے بسی کے باوجود اس کے ساتھ بہت زور آور تھے۔ بے سہارا ہونے کے باوجود اس کے ذریعے زبردست

تائید اور حمایت کے حامل تھے۔ اس کی حمایت نے آپؐ کو ایک ایسی حمایت فراہم کردی تھی جس کے بعد آپؐ کو اور کسی حمایت کی حاجت نہ تھی۔

آج تک دنیا میں کسی نے اتنا بڑا دعویٰ نہیں کیا جتنا بڑا دعویٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں، آپؐ خاتم النبیین ہیں، آپؐ ساری دنیا کی طرف ہادی بنا کر بھیجے گئے ہیں اپنے اس عظیم دعوے کے ثبوت میں آپؐ نے ایک کتاب پیش کردی اور اس کتاب نے ساری دنیا کو چیلنج کر دیا اس کتاب کے سامنے آج تک کسی کو بولنے کی جرأت نہ ہوئی۔

قرآن کی یہ خصوصیت حیران کن ہے کہ اس میں بیک وقت علوم عقلی اور علوم روحانی و اُخروی، دو پڑزور دریاؤں کی طرح پہلو بہ پہلو جوش مارتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اس میں سمندر کی سی گہرائی اور عمق ہے۔ اس میں سمندر کے موتیوں کی سی نفع رسانی اور آب و تاب ہے، اس میں شکوک و شبہات کو بہالے جانے والی روانی اور قوت ہے۔ اس میں بے تکان مسلسل پڑھتے چلے جانے کی رعنائی، خوبی اور لذت ہے۔ اس عظیم اور بھاری بھرکم کتاب میں حفظ ہو جانے اور دل و دماغ میں اثر کر جانے کی خوبی ہے اس کی ہدایت کسی کے لیے خاص نہیں ہے سب کے لیے عام ہے۔ اس کے ارشادات محدود نہیں بلکہ غیر محدود ہیں۔ یہ فطرت انسانی کے عین مطابق اور اس کے پاکیزہ تقاضوں کی حامل ہے اس میں کسی نسل قوم یا علاقے کی محدودیت نہیں ہے یہ کسی گروہ کو خدا کی بندگی سے ازلی طور پر خارج نہیں کرتی اور نہ کسی گروہ کو ازلی طور پر خدا کی محبوبیت کا مصداق قرار دیتی ہے۔

یہ وہ کتاب ہے جس نے روئے زمین کے ہر حصے تک اپنے قوانین پہنچائے اور ان کا دائم قابل عمل ہونا ثابت کیا ہے۔

یہ وہ کتاب ہے جس نے رنگ و قومیت اور ملک و ملت کے امتیازات سے بالا ہو کر ساری دنیا کو اپنا فیض پہنچایا ہے۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ تمام الٰہی مذاہب کی پاکیزہ تعلیمات کی تائید کرتی اور ان کو بہتر صورت میں پیش کرتی ہے۔ وہ دنیا کی کسی مسلمہ صداقت کی تردید نہیں کرتی۔ صداقت شعاری اس کی شانِ امتیازی ہے۔ اس صداقت پسندی میں عدل و انصاف کا

Marfat.com

روش اس کا خاص طرزِ عمل ہے۔ یہ کتاب راست بازوں کی تائید کرتی اور ان کو تقویت پہنچاتی ہے۔

قرآن ایک ایسا قولِ فیصل ہے جس نے تمام انسانی مسائل کو حل کر دیا ہے۔ قرآن کے بعد افکارِ انسانی کا کوئی پیچیدہ مسئلہ بھی اب لاینحل باقی نہیں رہ گیا ہے۔ قرآن نے افراط میں مبتلا اور تفریط کی ماری ہوئی پوری انسانیت کو اعتدال کے مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو اپنے کلام کا آغاز اس دعوے سے کر سکتی ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ شک و شبہے سے ماورا ہے اور لاریب فیہ، اس کی وہ امتیازی خصوصیت ہے جو دنیا کی دوسری کسی کتاب کو بھی حاصل نہیں ہے۔ یہ قرآن ہی کی خصوصیت ہے کہ اس کا اسلوبِ بیان نہایت شائستہ پاکیزہ اور پُر از حکمت ہے۔ اس میں کوئی ایک لفظ بھی تہذیب کے دائرے سے باہر اور شرم و حیا کے تقاضوں کے منافی نہیں ہے۔ اس نے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ پیدائشِ انسانی کے عقدے کو حل کیا ہے اور کمال درجے کی حکمت و شائستگی کے ساتھ اس نے ایسے ایسے نازک مسائل پر روشنی ڈالی ہے جو صرف اسی کا حصہ ہے۔

قرآن نے کہا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا	اے رسول سب کو کہہ دیجئے کہ اگر سب انسان اور تمام جن بھی مجتمع ہو جائیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں اور پھر وہ اس قرآن جیسی کوئی کتاب بنانا چاہیں تو ہرگز ہرگز ایسا نہ کر سکیں گے۔
(بنی اسرائیل: ۸۸)	

قرآن کا یہ دعویٰ صدیوں سے قائم ہے اور اس دعویٰ کی موجودگی میں مخالفین اسلام چاہے کتنا ہی زور لگائیں وہ قرآن کے سامنے بے بس ہیں۔ ایک انسان جس نے کوئی تعلیم نہیں پائی اور انہیں کے درمیان پلا بڑھا وہ ان کو ایسا چیلنج دے رہا ہے اور کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس کے چیلنج کو باطل کر سکے، آج دنیا ترقی کر کے علم و ادب کے تارے توڑ لائی ہے۔ علم و فضل کے دریا بہا لائے گئے ہیں

Marfat.com

علوم کی یونیورسٹیاں کھڑی ہو گئی ہیں اور آج بھی یہ چیلنج اسی طرح سب اہلِ دنیا کے سامنے کھڑا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اس زبان میں جو قرآن کی زبان ہے جس قدر زیادہ مہارت رکھتا ہے اسی قدر وہ بہتر جانتا ہے کہ اس چیلنج کا کوئی جواب ممکن نہیں ہے۔

قرآن نے زندگی کے بارے میں جو اصول بیان کیے ہیں اور قوموں کے عروج و زوال کی جو حکمتیں اور دلیلیں بتائی ہیں، اگرچہ آج کا دور علوم میں ترقی کر کے کہیں سے کہیں چلا گیا ہے لیکن آج بھی قرآن کے ان اصولوں میں کوئی اصول بھی نہ پرانا ہوا ہے اور نہ اس کی تردید ممکن ہے۔ اس میں باطل کا کوئی دخل نہیں ہے۔ زمانے کی ترقی نہ اس میں کسی شے کو کم ثابت کرتی ہے اور نہ زیادہ۔ یہ ایک مکمل، جامع اور ناقابلِ ترمیم و اضافہ کتاب ہے۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ	"باطل اس کے آگے یا پیچھے سے نہ آئے گا،
وَلَا مِنْ خَلْفِهِ، تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ	یہ تو خدائے حکیم و محمود کی طرف سے نازل
حَمِيدٍ ۔ (حٰم السجدة: ۴۲)	کردہ کلام ہے"!

قرآن کا مقابلہ مشکل ہے نہ اس کی شیرینی کا، نہ ادبیت کا، نہ روانی اور موزونیت کا، نہ تلاوت اور لطافت کا، نہ زورِ بیان اور زورِ استدلال کا، نہ حرکت اور تحریک کا، نہ رعب و دبدبہ اور عظمت کا، یہ چھوٹے چھوٹے بولوں اور پیارے پیارے جملوں کا مرقع ہے۔ زبان شستہ، الفاظ شیریں، جملے پُر اثر، تراکیب دلگداز، اندازِ بیاں ادب سے بھرپور، ایسا کلام جو دلوں میں تیر و نشتر کی طرح اترتا چلا جاتا ہے۔ آنکھوں میں حُسن و خوبی کی طرح سماتا چلا جاتا ہے۔ کانوں میں مٹھاس کی طرح رس گھولتا ہے اور اس کے جملوں کا حُسنِ تناسب آدمی کو اسے دہرانے، یاد کرنے، تلاوت کرنے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ سچائیاں عالمگیر بیان ہوتی ہیں اور الفاظ و تماثیل مقامی استعمال ہوتے ہیں۔ دلائل آفاقی ہیں اور تاریخی شواہد مانوس اور جانے پہچانے ہیں۔ حقائق ازلی و ابدی ہیں اور مثالیں آس پاس کی ہیں۔ سننے والوں میں کسی کے لیے بھی کوئی چیز ناقابلِ فہم اور اجنبی نہیں ہے۔

Marfat.com

اس میں سنگدلوں کو پگھلا دینے کی قوت ہے۔ اس میں بے حسوں کو جھنجھوڑ ڈالنے کی صلاحیت ہے۔ اس میں ظالموں کو موم کر دینے کی حرارت ہے۔ اس میں بے سمجھوں کو سمجھا دینے کا سلیقہ ہے اس میں جاہلوں کو علم دینے، بے شعوروں کو شعور عطا کرنے اور بے خبروں کو آگاہ اور متنبہ کرنے کی طاقت ہے۔ اس میں جباروں کو ڈرا دینے کی، بزدلوں کو بہادر بنا دینے کی اور شہ زوروں کو جھکا دینے کی توانائی ہے۔ اس کی یہی اثر پذیری تھی جس سے بڑے بڑے مضبوط دل والے خوف کھاتے تھے۔ کانوں میں روئی ٹھونس لیتے تھے تاکہ یہ قرآن ان کو فتح نہ کرے، اور جب اسے بادشاہوں کے درباروں میں پڑھا جاتا تھا تو درباروں میں سناٹا اور آنکھوں میں آنسو چھلک پڑتے تھے۔

مکہ کے مشرکین نے حضورؐ کے ساتھیوں پر جب ظلم و ستم کی انتہا کر دی تو انہیں حبش کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی گئی لیکن قریش کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ مسلمان کسی جگہ جا کر سُکھ کا سانس لے سکیں چنانچہ انھوں نے مشورہ کر کے سفارت مرتب کی اور شاہ حبشہ نجاشی اور اس کے درباریوں کے لیے تحفے تحائف لے جا کر پیش کیے پھر ان سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کے مفرورین کو ان کے حوالے کر دیں۔ اہلِ دربار کو وہ پہلے ہی ہموار کر چکے تھے چنانچہ اس مطالبے کی پر زور تائید بھی اہلِ دربار کی طرف سے بیک وقت ہو گئی۔ لیکن نجاشی نے کہا:

> "ٹھیرو، میں اپنے ملک میں پناہ لینے والوں کو اس طرح کسی کے حوالے نہیں کر سکتا جب تک میں یہ یقین نہ کر لوں کہ اصل بات کیا ہے۔"

چنانچہ بادشاہ نے اصحابِ رسولؐ کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ انھوں نے باہمی یہی فیصلہ کیا کہ بادشاہ کے سامنے وہی تعلیم پیش کی جائے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، پھر چاہے وہ اپنے ہاں رکھے یا نکالے۔ چنانچہ دربار میں پہنچ کر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے مہاجرین کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک بھرپور اور برجستہ تقریر کی جس میں اپنے دورِ جاہلیت کی خرابیاں اور اسلام کی تعلیمات کا مقدمہ بیان کیا گیا تھا۔ پھر انھوں نے قریش کے مظالم کا ذکر کیا اور اپنے حبشہ میں ہجرت کر کے آنے کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ ظلم سے بچ سکیں۔ نجاشی نے ان کی تقریر سن کر کہا:

Marfat.com

" اچھا تم مجھے ذرا وہ کلام تو سناؤ جو تم کہتے ہو کہ خدا کی طرف سے اترا ہے "

اس پر حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی تلاوت شروع کی جس میں حضرت عیسٰیؑ اور حضرت یحییٰؑ کا ذکر ہے۔ نجاشی یہ کلام سنتا رہا اور روتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تربتر ہو گئی۔ جب حضرت جعفرؓ نے تلاوت ختم کی تو اس نے کہا:

" یقیناً یہ کلام اور جو کچھ عیسٰی علیہ السلام لائے تھے دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں خدا کی قسم میں تمہیں ان کے حوالے نہیں کروں گا "

قریش کی سفارت کے ایک ہوشیار نمائندے نے پھر ایک اور بات اٹھائی:

" جناب ذرا ان کا عقیدہ تو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں معلوم کیجئے "

دوسرے روز مہاجرین پھر بلائے گئے، وہ بہت پریشان تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے "ابن اللہ" ہونے والا نازک مسئلہ چھیڑ دیا گیا ہے جو عیسائیوں کا متفق علیہ عقیدہ ہے لیکن مسلمانوں نے یہی فیصلہ کیا کہ بات وہ کہیں گے جو اللہ اور اس کے رسول نے سکھائی ہے چاہے وہ ہمیں حبش میں رکھے چاہے ان کے حوالے کرے۔ چنانچہ دربار میں نجاشی نے جب یہ سوال دیا تو حضرت جعفرؓ نے بے تکلف اور بے جھجک اُٹھ کر کہا:

ھُوَ عبد اللہ و رسولہ وروحہ	" وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اس
وکلمتہ القاھا الی مریم	کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں،
العذراء البتول۔	جسے اللہ نے کنواری مریم پر القا کیا "

نجاشی نے یہ بات سن کر زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا:

" خدا کی قسم جو کچھ تم نے کہا ہے عیسٰی علیہ السلام اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے "

دعوتِ اسلامی کا یہ عظیم ہتھیار قرآن تھا جو حضورؐ کے پاس موجود تھا یہ قرآن بادشاہوں کو ان کے بھرے درباروں میں بھی اعترافِ حقیقت پر مجبور کر دیتا تھا۔

Marfat.com

تو دقریش جو بڑے ہیکڑی باز اور ضدّی تھے اس قرآن کا سامنا کرنے سے گھبراتے تھے اور قرآن سے منہ چھپانے کے لیے کبھی آپ کو شاعر کہتے تھے کبھی کاہن اور کبھی جادوگر۔ یہ سارے حربے قرآن کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں لائے جاتے تھے۔ چنانچہ کبھی بے بس ہو کر وہ مصالحت کے انداز میں درخواستیں کرنے پر بھی اتر آتے تھے۔

ایک دفعہ عتبہ بن اُمیہ جو ابوسفیان کا خُسر تھا سرداران قریش سے کہنے لگا۔

"اگر تم پسند کرو تو میں محمدؐ سے بات چیت کروں اور انہیں سمجھاؤں"

قریش دعوتِ اسلامی کی ترقی سے پہلے ہی سخت پریشان تھے۔ سب نے کہا کہ:

"ہاں تم پر ہمیں پورا اطمینان ہے تم ضرور جا کر ان سے بات کرو۔"

چنانچہ وہ آپؐ کے پاس جا کر کہنے لگا:

"بھتیجے، تم ہمارے درمیان بڑے عزت والے تھے، نسب میں تم شریف ترین گھر کے فرد ہو، آخر یہ اپنی قوم پر کیا مصیبت لے آئے ہو۔ لوگوں میں تفرقہ ڈال دیا ہے پوری قوم کو بے وقوف بنا دیا ہے۔ قوم کے دین اور اس کے معبودوں کی برائی کرتے ہو۔ ہمارے جو آباؤ اجداد مر گئے ہیں تم ان کو بھی گمراہ قرار دیتے ہو۔ بتاؤ آخر ان باتوں سے تمہارا کیا مقصد ہے۔ اگر تم بڑائی چاہتے ہو تو ہم سب مل کر تمہیں اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سب میں زیادہ مالدار ہو جاؤ گے۔ اگر سرداری چاہتے ہو تو ہم مل کر تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ اگر بادشاہی چاہتے ہو تو ہم تمہیں بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ بیمار ہو گئے ہو اور سوتے جاگتے اُلٹے سیدھے خواب نظر آتے ہیں۔ تو ہم مل کر تمہارا بہترین معالجوں سے علاج کرا دیتے ہیں۔"

عتبہ یہ باتیں کہتا رہا اور آپؐ خاموشی سے اس کی باتیں سنتے رہے۔ جب وہ خوب بول چکا تو آپؐ نے فرمایا:

"ابوالولید جو کچھ آپ نے کہنا تھا کہہ چکے ہیں یا اور کچھ کہنا ہے۔"

Marfat.com

اس نے کہا:

"بس جو کچھ مجھے کہنا تھا میں نے کہہ دیا ہے"

آپؐ نے فرمایا:

"اچھا اب تم میری سنو"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اور اس کے بعد مسلسل سورہ حٰمٓ سجدہ کی تلاوت فرماتے رہے اور عتبہ دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے غور سے سنتا رہا۔ اڑتیسویں آیت پر پہنچ کر آپؐ نے سجدہ کیا اور پھر سر اٹھا کر عتبہ سے فرمایا:

"ابوالولید جو کچھ مجھے کہنا تھا وہ آپ نے سن لیا، اب آپ جانیں اور آپ کا کام"

عتبہ خاموشی سے اٹھا اور سردارانِ قریش کی طرف پلٹا۔ لوگوں نے دور ہی سے دیکھ کر کہہ دیا:

"خدا کی قسم ابوالولید کا چہرہ بدلا ہوا ہے۔ یہ وہ صورت نہیں ہے جسے لے کر وہ گیا تھا"

اس کے واپس آنے پر سب نے پوچھا:

"بتاؤ کیا کر آئے ہو"

اس نے کہا:

"خدا کی قسم آج میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہ سنا تھا۔ واللہ یہ شعر نہیں ہے، یہ سحر بھی نہیں ہے، یہ کہانت بھی نہیں ہے۔ اے گروہِ قریش میری بات مانو تو اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ میں نے جو اس کی باتیں سنی ہیں وہ رنگ لا کر رہیں گی۔ اگر عرب اس پر غالب آ گئے تو اپنے بھائی کا خون تمہاری گردن پر نہ ہو گا دوسروں پر ہو گا اور اگر یہ عرب پر غالب آ گیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت ہو گی اور اس کی عزت تمہاری عزت"

لہ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۳۱۳-۳۱۴۔

Marfat.com

"واللہ ابوالولید تم پر بھی اس کا جادو چل گیا۔" حاضرین نے کہا۔

اس نے کہا:

"یہ میری رائے ہے اب تم جانو اور تمہارا کام۔"

یہ تھی قرآن کی اثر پذیری، اسی طرح ایک اور واقعہ ہے۔

"طفیل بن عمرو دوسی مشہور شاعر تھا۔ وہ کہتا ہے کہ جب میں مکہ گیا تو لوگوں نے میرے خوب کان بھرے اور کہا کہ محمدؐ سے بچ کر رہنا چنانچہ میں نے یہی طے کر لیا۔ حرم میں گیا تو وہاں آپ نماز پڑھ رہے تھے میرے کان میں بھی ان کے چند جملے پڑ گئے۔ میں نے اچھا کلام محسوس کیا اور دل میں کہا کہ میں بھی شاعر ہوں اور جواں مرد ہوں، عقل رکھتا ہوں۔ بچہ تو نہیں ہوں کہ غلط صحیح کی تمیز ہی نہ کر سکوں۔ اس شخص سے ملنا تو چاہیئے۔ چنانچہ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ان کے مکان پہ پہنچ گیا اور اپنی ساری کیفیت بیان کی۔ اور عرض کیا کہ آپ ذرا تفصیل سے بتایئے کہ آپ کیا کہتے ہیں۔ آپؐ نے اس بات کے جواب میں مجھے قرآن کا کچھ حصہ سنایا اور میں اس سے اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت ایمان لے آیا اور واپس جا کر اپنے باپ اور بیوی کو بھی مسلمان کیا اور پھر اپنے قبیلے میں مسلسل تبلیغ اسلام کرتا رہا"۔[1]

سعدیہ ہے کہ خود سرداران قریش بھی اپنی مجالس میں اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جھوٹ گھڑتے ہیں۔ قریش کی ایک مجلس میں نضر بن حارث نے تقریر کی اور کہا:

"تم لوگ جس طرح محمدؐ کا مقابلہ کر رہے ہو یہ بالکل بے اثر ہے۔ تم اس کو اول روز سے جانتے ہو وہ تمہارے درمیان سب سے زیادہ خوش اطوار آدمی تھا۔ سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ ذہین۔ اب اس کے بال سفید ہونے کو آئے ہیں تو تم اسے ساحر، کاہن، شاعر اور مجنوں کہتے ہو اور دوسروں کو بھی باور کرانا چاہتے ہو۔ بخدا وہ

---

[1] ابن ہشام جلد ۲، صفحہ ۲۲، ۲۴۔

Marfat.com

ساحر نہیں ہے ہم نے ساحروں کو دیکھا ہے وہ نو جھاڑ پھونک کرتے ہیں۔ وہ کاہن بھی نہیں ہے ہم ان کی تک بندیوں اور گول مال باتوں کو جانتے ہیں۔ وہ شاعر بھی نہیں ہے ہم اصنافِ شعر سے خوب واقف ہیں۔ وہ مجنوں بھی نہیں ہے ہم دیوانوں کی بے تکی باتوں سے بے خبر نہیں ہیں۔ اے سردارانِ قریش محمدؐ کے بارے میں کوئی اور بات سوچو یہ ان باتوں سے بڑی بات ہے جو تم سوچتے ہو۔ اس کو شکست دینا آسان نہیں ہے"۔[له]

پھر اس نے تجویز پیش کی کہ لوگوں کو رستم اور اسفندیار کی کہانیوں میں لگایا جائے تاکہ وہ عجم کے قصوں میں دلچسپی لینے لگیں، چنانچہ اس نے خود اسی پر عمل شروع کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے مسلمان ہونے کے بعد اپنے قرآن سننے کا ایک تاثر کچھ ایسا ہی بیان کیا ہے کہتے ہیں :

"میں ایک روز رسول اللہؐ کو ستانے کے لیے گھر سے نکلا۔ آپ مسجد حرام میں داخل ہو چکے تھے۔ میں پہنچا تو آپ نماز میں سورہ الحاقہ پڑھ رہے تھے میں پیچھے کھڑا ہو گیا اور قرآن سننے لگا۔ میں قرآن کی شانِ کلام اور اندازِ بیان ہی پر حیران ہو رہا تھا کہ اچانک میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ شخص ضرور شاعر ہے جو اکثر قریش کہتے ہیں۔ فوراً ہی آپ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔ "یہ ایک رسول کریم کا قول ہے کسی شاعر کا قول نہیں ہے"۔ میں نے دل میں کہا شاعر نہیں تو پھر کاہن ہے، اسی وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے۔ " اور نہ کسی کاہن کا قول ہے تم لوگ کم ہی غور کرتے ہو۔ یہ تو رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے "۔ یہ سُن کر اسلام میرے دل میں گہرا اُتر گیا"۔[۵۲]

کچھ نضر بن حارث ہی سے ملتا جلتا واقعہ ولید بن مغیرہ کو بھی پیش آیا۔ حج کے موسم میں قریش آپؐ کے خلاف پروپیگنڈہ زیادہ زور شور سے شروع کر دیتے تھے۔ چونکہ آپؐ بھی حج کے موسم میں اپنی دعوت تیز تر کر دیتے تھے۔ حج کے ایام آنے سے پہلے شہر کے مشہور سرمایہ دار سردار ولید

له ابن ہشام جلد اول، ۳۳۰، ۳۳۱، ۵۲ مسند احمد،

بن مغیرہ نے قریش کے معززین کا اجلاس بلا کر کہا:

"دیکھو اگر آپ لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں مختلف باتیں لوگوں سے کہیں تو ہمارا سب کا اعتبار جاتا رہے گا اس لیے کوئی متفق علیہ بات سوچ لیں۔ پھر سب وہی کہیں۔ بعض نے کہا ہم ان کو کاہن کہیں، ولید نے کہا نہیں، خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہیں، ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے جس طرح کے فقرے وہ جوڑتے ہیں قرآن کو ان سے دور کی نسبت بھی نہیں ہے بعض نے کہا ہم انہیں دیوانہ کہیں۔ ولید نے کہا ہم نے دیوانے دیکھے ہیں۔ جیسا کلام وہ پیش کرتے ہیں کون تسلیم کرے گا کہ جنون کے دورے میں کوئی آدمی ایسی باتیں بھی کر سکتا ہے۔ بعض نے کہا تو ہم انہیں شاعر کہیں۔ ولید نے کہا نہیں وہ شاعر بھی نہیں ہے، شعر کی ساری اقسام سے ہم واقف ہی ہیں ان کے کلام کو کون شعر مانے گا۔ پھر لوگوں نے کہا تو کیا ہم ان کو ساحر نہ کہیں ولید نے کہا وہ ساحر کیسے ہو سکتے ہیں ہم جادوگروں اور ان کے کرتبوں کو جانتے ہیں یہ بات تو محمدؐ پر چسپاں نہیں ہوتی۔ اس نے کہا ان باتوں میں سے جو بات بھی کہو گے وہ ناروا ہی ہوگی اس کو کوئی نہ مانے گا۔ خدا کی قسم اس کے کلام میں بڑی حلاوت ہے۔ اس کی جڑیں بڑی گہری اور اس کی ڈالیاں بڑی ثمردار ہیں"

اس پر ابوجہل، ولید کے سر ہو گیا اور کہنے لگا کہ جب تک تم خود محمدؐ کے بارے میں کچھ نہ بتاؤ گے تمہاری قوم تم سے راضی نہ ہوگی۔ ولید نے کہا سوچ کر بتاؤں گا، پھر سوچ سوچ کر کہنے لگا۔ بس قریب ترین بات یہی ہو سکتی ہے کہ تم اسے جادوگر کہو اور یہ کہ یہ ایسا کلام پیش کرتا ہے جس کے سحر سے باپ بیٹے سے اور بھائی بھائی سے اور میاں بیوی سے چھوٹ جاتا ہے۔ بس تم یہی بات چلاؤ چنانچہ سب نے ولید کی بات اس پراپیگنڈہ مہم کے لیے تسلیم کر لی۔

سردارانِ قریش مخالفت تو کرتے تھے لیکن قرآن سے اتنے مرعوب اور اس کی شیرینی سے اتنے متاثر تھے کہ کبھی کبھی خود بھی چھپ چھپا کر قرآن سنتے تھے۔ بس بات کی تہہ کے لیے صرف اپنی

Marfat.com

اس بات کو دوسروں سے چھپاتے تھے۔

ایک مؤرخ[1] نے نقل کیا ہے:

"سرداران قریش ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام الاخنس بن شریق اور ابن وہب الثقفی یہ چاروں ایک رات الگ الگ نکلے تاکہ چھپ کر قرآن کی تلاوت سنیں جو رسول اکرمؐ نماز کے دوران اپنے گھر میں کیا کرتے تھے۔ ان میں سے ہر شخص نے اپنے لیے ایک ایک جگہ لے لی اور بیٹھا سنتا رہا۔ ہر شخص دوسرے کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ اس طرح انہوں نے کافی رات گزار دی اور پھر اپنی اپنی راہ لی۔ راستے میں سب جمع ہو گئے اور سب ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ ہر ایک نے دوسرے سے کہا" دیکھو دوبارہ ایسا نہ کرنا، اگر کم عقل لوگوں نے دیکھ لیا تو وہ کیا خیال کریں گے" پھر وہ سب لوٹ گئے۔ جب دوسری رات ہوئی تو وہ چاروں پھر اپنی اپنی جگہ تلاوت سننے کو واپس آئے اور جب سن کر واپس ہونے تو پھر سب جمع ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو پھر ویسے ہی کہا جیسے پہلے کہا تھا اور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ لیکن جب تیسری رات ہوئی تو پھر وہ اپنی اپنی جگہ آموجود ہوئے۔ اور واپسی پر پھر اسی طرح باہم مل گئے۔ تب انہوں نے کہا:

"ہماری یہ عادت نہیں چھوٹے گی، جب تک ہم عہد نہ کریں کہ دوبارہ ایسا نہیں کریں گے"

اور پھر باہمی عہد کر کے منتشر ہو گئے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا ایمان لانا بھی تاثیر قرآن ہی کا معجزہ ہے۔ ایک دن عمر بن خطاب رضؓ اپنی بہادری کے بھروسے پر آپؐ کو قتل کرنے کے ارادے سے گھر سے نکلے۔ بدن پر سارے ہتھیار سجا رکھے تھے۔ راستے میں ہی کسی نے کہا کہ میاں پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کی تو خبر لو وہ تو مسلمان

[1] ابن ہشام

Marfat.com

ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر وہ فی الفور اپنی بہن کے گھر چلے گئے اور پھر ان دونوں کو خوب مارا پیٹا بالآخر ان کی بہن نے جرأت سے کہا:

"عمر جو چاہو کر لو یہ ایمان اب دل سے نہیں نکل سکتا۔"

عمرؓ اپنی بہن کی اس جرأت پر سخت حیران ہوئے اور ان سے قرآن سنانے کے لیے کہا۔ ایک صحابیؓ رسولؐ جو وہاں موجود تھے۔ انہوں نے قرآن مجید میں سورہ طٰہٰ سنانی شروع کی عمر قرآن سن رہے تھے اور رو رہے تھے۔ پھر اسی وقت آپؐ کے پاس حاضر ہو کر ایمان لے آئے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے گئے تو وہاں کے لوگوں نے بدترین مخالفت کا سلوک کیا اور آپؐ کو اپنے تشدد کا نشانہ بنایا جس سے آپؐ زخمی ہو گئے۔ آپ نے ایک باغ میں پناہ لی۔ یہ جگہ ربیعہ کے فرزندوں کی تھی۔ انہوں نے دور سے آپ کی یہ حالت دیکھی تو انہیں رنج ہوا اور ترس کھا کر اپنے غلام عداس کے ہاتھ انگوروں کی ایک پلیٹ ہدیۃً روانہ کی۔ آپؐ نے انگور لیے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر کھانے شروع کر دیے غلام عداس نے حیرت سے یہ کلمہ سنا اور پھر کہا:

"یہ تو ایسا کلام ہے جو یہاں کے باشندے نہیں بولا کرتے۔"

آپؐ نے اس سے اس کا مذہب اور وطن پوچھا تو اس نے کہا:

"میں عیسائی ہوں اور نینوی کا رہنے والا ہوں۔"

آپؐ نے فرمایا:

"تم میرے بھائی مردِ صالح یونس بن متی کے شہر کے باشندے ہو۔ وہ بھی نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں۔"

عداس یہ سن کر جھک پڑا اور اس نے آپ کے ہاتھ سر اور قدم چوم لیے۔

ایک شخص سوید بن صامت تھا جس کے پاس حکمتِ لقمان کا صحیفہ تھا۔ آپؐ نے اسے دعوتِ اسلام پیش کی۔ اس نے کہا:

Marfat.com

"آپ کے پاس بھی وہی کچھ ہے جو میرے پاس ہے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"بیان کرو"

اس نے کچھ عمدہ سے اشعار سنائے۔

آپؐ نے فرمایا:

"یہ کلام تو اچھا ہے لیکن میرے پاس قرآن ہے جو اس سے افضل تر ہے اور ہدایت و نور ہے۔"

پھر آپؐ نے اسے قرآن سنایا۔ وہ شخص بلا تامل مسلمان ہو گیا۔

انہیں دنوں یمن سے ایک شخص حماد ازدی مکہ آیا جو مشہور جادوگر تھا۔ حضورؐ کے بارے میں حالات سن کر اس نے قریش سے کہا:

"اگر تم کہو تو میں محمدؐ کا علاج کر سکتا ہوں۔"

چنانچہ وہ اس نیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

"محمدؐ آؤ میں تمہیں اپنے منتر سناؤں۔"

آپؐ نے فرمایا:

"پہلے تم مجھ سے سن لو۔"

پھر آپؐ نے اسے قرآن سنایا۔ حماد نے کہا ایک بار اور سنا دیجئے۔ آپؐ نے پھر سنایا، اس نے ایک بار پھر سننے کی فرمائش کی۔ آپؐ نے پھر سنایا۔ بالآخر وہ بول پڑا:

"میں نے بہتیرے کاہن دیکھے ہیں، ساحر دیکھے ہیں، شاعر دیکھے ہیں لیکن ایسا کلام تو کسی سے بھی نہیں سنا۔ یہ کلمات تو اتھاہ سمندر ہیں۔ اے محمدؐ ہاتھ بڑھائیے میں اسلام قبول کرتا ہوں۔"

قرآن کی تاثیر اور قلوب میں نفوذ کے لاتعداد واقعات ہیں۔ یہ کلام ہی ایسا ہے کہ اس میں

Marfat.com

ایٹمی توانائی ہے یہ دل و دماغ کے ریشے ریشے میں اتر جاتا ہے اور اپنے مخاطب کو بے بس کر کے اپنا مطیع بنا لیتا ہے۔

مدینہ کے مشہور سردار اسعدؓ بن زرارہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبلغ حضرت مصعبؓ بن عمیر کی تبلیغی سرگرمیوں سے پریشان ہو کر ان کا قصہ ختم کرنے کے لیے مسلح ہو کر گھر سے نکلے۔ انہوں نے آکر حضرت مصعبؓ سے چند آیات قرآنی سنیں اور اُٹھ کر حضرت مصعبؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔

ثمامہ بن اثال مشہور سردار کو آنحضرتؐ اور مدینہ سے زیادہ کسی چیز سے بغض نہ تھا۔ وہ قید ہو کر آیا اور دوران قید روزانہ قرآن پاک سننے کا موقعہ اسے ملتا رہا اور رشد و ہدایت کی آواز کان سے ہو کر دل تک پہنچتی رہی۔ جب آپ نے از سرِ راہ نوازش و کرم اسے قید سے آزاد کر دیا تو وہ سیدھا کنوئیں پہ گیا غسل کیا اور پھر واپس آکر آپؐ کے ہاتھ پہ اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد وہ دل و جان سے اسلام کا خادم بن گیا۔

✓ مشہور شاعر خالد بن عقبہ قرآن سن کر بے ہوش ہو گیا۔ جب ذرا اس کی حالت سنبھلی تو وہ پکار اٹھا۔

> "بخدا اس کلام میں عجیب شیرینی ہے، اس میں عجیب تر و تازگی ہے۔ اس کی جڑیں سیراب ہیں۔ اس کی شاخیں شیریں پھل سے لدی ہوئی ہیں، اور بشر تو ایسا کلام کہہ ہی نہیں سکتا۔"

ایک چرواہا جو جنگل میں بکریاں چراتا تھا۔ ذوالبجادین، آنے جانے والے مسلمان مسافروں سے قرآن سنتا رہتا تھا۔ بالآخر جنگل میں مسلمان ہو کر اور گھر بار چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس طرح قرآن نے اسے بھیڑوں کے گلے سے نکال کر مجاہدین کے لشکر میں شامل کر دیا۔

لبید عامری بہت مشہور شاعر تھا اور اس کی شہرت دور دور تک تھی۔ اسلام قبول کیا تو حضرت عمرؓ

Marfat.com

کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے شعر سنانے کی فرمائش کی تو کہنے لگا :

"امیر المومنین جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن عطا فرمایا ہے تب سے مجھے اشعار میں کچھ مزہ نہیں آتا۔"

حضرت عمرؓ نے خوش ہو کر وظیفہ مقرر کر دیا :

جنگِ بدر میں جبیر بن مطعم گرفتار ہو کر آئے۔ انہوں نے مسجد نبوی میں حضورؐ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا۔ جب حضورؐ نے یہ آیات پڑھیں۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ۔ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۔ (الطور : ۳۵-۳۷)	کیا وہ خود بخود معرضِ وجود میں آگئے ہیں یا پیدا کیے گئے ہیں۔ کیا آسمانوں اور زمین کی تخلیق انہوں نے کی ہے۔ لیکن وہ یقین نہیں کرتے۔"

تو جبیر بن مطعم پر ان آیات کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ ایسا ہی واقعہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کا ہے۔ وہ بھی قیدیوں میں تھے لیکن انہوں نے جب یہ آیات سنیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔ (النحل : ۹۰)	بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان اور رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے اور بدکاری اور ظلم سے روکتا ہے اور تمہیں نصیحت کرتا ہے۔ شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔"

جیسے ہی انہوں نے یہ آیت سنی اس آیت نے ان کے دل میں گھر کر لیا اور وہ فوراً حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

مشہور شاعر لبید بن ربیعہ نے جس کا شمار اصحابِ معلقات میں ہوتا ہے جب قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت کو کعبہ میں آویزاں دیکھا تو قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کی خوبی بیان

سے اتنا متاثر ہوا کہ اسے یقین ہو گیا کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔ چنانچہ وہ بلا تاخیر اسلام کے دائرے میں داخل ہو گیا۔

حضرت اُمّ طلحہ انصاری نے جب یہ آیت سنی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ تم نیکی کا اصل درجہ نہیں پا سکتے جب تک اپنی محبوب چیز ہی اللہ تعالےٰ کی راہ میں نہ دو۔

(آل عمران: ۹۲)

یہ سن کر ان پر اتنا اثر ہوا کہ ان کے پاس ایک عمدہ باغ تھا جو انہیں بہت پسند تھا۔ وہی باغ انہوں نے اللہ کی راہ میں وقف کر دیا۔

کون نہیں جانتا کہ قرآن نے ۳۶۰ بتوں کے پجاریوں کو توحید کے علمبردار بنا دیا۔ یتیموں اور بیواؤں کا مال اُڑا لینے والوں کو امین بنا دیا۔ خود سروں اور قانون شکنوں کو قانون کا مطیعِ فرمان بنا دیا۔ قاتلوں، جواریوں اور شرابیوں کو دیندار خدا ترس اور پرہیزگار بنا دیا۔

اس حقیقت سے کون بے خبر ہے کہ اس قرآن کی آیات اگر بڑے بڑے جابر بادشاہوں کے درباروں میں پڑھی جاتی تھیں تو انتقام اور غصّے کی آگ ٹھنڈی پڑ جاتی تھی۔ دل خدا کے سامنے جھک جاتے اور آنکھیں آنسوؤں سے چھلکنے لگتی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح مختلف انبیاء کرام کو معجزے دیے گئے تھے جو ان کی حقانیت کی دلیل تھے اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا معجزہ دیا گیا تھا جس کے سامنے سب ہی بے بس تھے۔ زمانہ گزر گیا ہے اور آج تک کسی میں یہ جرأت نہیں ہو سکی ہے کہ وہ کسی پہلو سے بھی قرآن سے آگے نکل سکے۔ اسی بات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا تھا:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

Marfat.com

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء سابقین میں کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جسے معجزہ نہ دیا گیا ہو اور لوگ اس پر ایمان لائے ہوں لیکن جو چیز مجھے دی گئی ہے وہ اللہ تعالےٰ جلّ شانہٗ کی طرف سے وحی ہے۔ قرآن کریم جس کے سبب میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے روز میرے پیرووں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔"

(مسلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ قرآن، آفتاب کی طرح درخشاں اور تاباں ہے یہ کلام حسین و جمیل اور ذی شان و پر شوکت اوّل سے آخر تک ہے۔ اس میں کہیں جھول نہیں ہے۔ فصاحت و بلاغت اور معارف و حقائق کی بلندی یکساں ہے۔ اس کلام کو پڑھنے سے یہ ایک عظیم بادشاہ کا با جبروت حکم نامہ محسوس ہوتا ہے۔ ایک اعرابی نے جب ایک قاری کو یہ آیت پڑھتے سنا:

قِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ۔	اے زمین اپنا پانی جذب کرلے اور اے آسمان تھم جا۔ پانی جذب کر دیا گیا۔ اور کام تمام کر دیا گیا۔"
(ھود: ۴۴)	

تو وہ کہنے لگا:

"ان الفاظ میں جو شاہانہ شوکت ہے یہ تو صرف بادشاہِ کائنات کو ہی زیب دیتی ہے کہ وہ ایسا حکم جاری فرمائے۔"

چنانچہ وہ اعرابی مسلمان ہوگیا۔

ایک ہی طرز کے مضامین کو بار بار دہرانا اور نئے سے نئے پیرائے میں بیان کر کے ان میں تازگی اور حسن و خوبی پیدا کرنا یہ کسی انسان کے بس کا کام نہیں ہے۔

Marfat.com

قرآن میں انسانوں کو مسخر کرنے، مرعوب کرنے اور خدا کے سامنے جھکا دینے کی زبردست قوت پائی جاتی ہے۔ یہ قرآن انسانوں کو بدلنے اور بدل کر کچھ سے کچھ کر دینے کی اپنے اندر حیرت انگیز قوت رکھتا ہے۔ وہ روح انسانی کو موم کی طرح پگھلا کر اسے اندر سے کچھ سے کچھ بنا دیتا ہے۔ یہ قرآن سب سے زبردست انقلاب تو خود اپنے لانے والے میں لایا۔ جو اپنے آپ کو اُمی کہتا اور جبریل امین سے بھی بہ اصرار اپنے حروف سے ناآشنا ہونے کا اظہار کرتا تھا۔ وہ علم کا مدینہ بن گیا۔ جو مکہ کا خاموش شہری تھا وہ ایک زبردست مبلّغ اور مقرر بن گیا۔ جو غارِ حرا کے گوشۂ تنہائی میں جاکر دن رات عبادت میں گزارتا تھا۔ اس نے انسانی بستیوں، مجلسوں، میلوں، بازاروں اور گلیوں میں تبلیغِ توحید کے لیے چلنا پھرنا شروع کر دیا جہاں کہیں چند انسانوں کے جمع ہونے کا موقعہ ہوتا وہ وہاں پہنچ جاتا۔ جو انسان سارے علاقے میں محترم و مکرم تھا اسے لوگوں کے طعنے سننے، گالیاں برداشت کرنے، ظلم وستم کا مقابلہ کرنے اور الزامات و بہتانات کا سامنا کرنے کے لیے اس قرآن نے میدان میں لا کھڑا کیا۔ جو خاموش شہری لوگوں سے الگ تھلگ رہا کرتا تھا اس نے خدا کے وجود، آخرت کی زندگی اور حساب کتاب کے بارے میں بحثیں شروع کر دیں۔ جو شخص ایک معروف کامیاب تاجر تھا وہ تجارت سے ہٹ کر اللہ کے کام کی مصروفیات میں لگ گیا۔ اور یہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ایسا نہیں ہوا بلکہ جس جس انسان نے بھی اس کتاب کو برحق تسلیم کیا اور اس پر ایمان لایا اس کے روز و شب ہی بدل گئے۔ اس کے دل و دماغ بدل گئے۔ اس کے دن رات کے پروگرام اور مصروفیات بدل گئیں۔ اس میں اتنی جرأت و ہمت پیدا ہو گئی کہ وہ بڑی سے بڑی مخالفت کا خندہ پیشانی سے اور بڑے سے بڑے ظلم کا صبر و سکون سے مقابلہ کر سکے۔ غرض اس کتاب نے انسانوں میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا کرنی شروع کر دی اس کے چند کلمات ہی انسانوں کو ہلا کر رکھ دیتے۔ یہ جس وجود میں سرایت کر جاتا اس وجود میں ایک دوسرا ہی انسان نمودار ہو جاتا۔ قرآن کی تسخیری قوت اور انقلابی قوّت ایسی تھی جس کا مقابلہ کسی

Marfat.com

کے بس میں نہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قرآنی ہتھیار عصاء موسیٰ، ید بیضا اور دم عیسیٰؑ ہر چیز سے بڑھ کر معجزہ تھا۔ اس کا مقابلہ انسانوں کے بس سے باہر تھا۔ قرآن ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اور یہی آپؐ کا موثر ترین اسلحۂ دعوت تھا۔ اپنے نزول کے وقت سے آج تک اس کتاب نے دنیا میں جتنے انسانوں کی زندگیوں کو گمراہی سے راستی اور بے راہروی سے خدا پرستی کی طرف موڑا ہے اس کی کوئی حد اور کوئی حساب نہیں ہے اس میں تسخیرِ قلوب اور تسخیرِ عالم کی حیرت انگیز قوت پوشیدہ ہے۔ قریش بھلا اس قرآن کا مقابلہ کیسے کر سکتے تھے۔

Marfat.com

تیسرا باب ۳

معجزۂ کلام

اسلام کی انقلابی دعوت کے لیے حضورؐ کے پاس ایک تیسرا ہتھیار بھی موجود تھا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نطقِ مبارک تھا۔ یہ معجزہ آپ کا اپنا کلام تھا۔ آپ کے کلام کی مٹھاس، اس کی خوبی، اس کی جامعیت اور اس کا اعجاز و ایجاز دلوں کی دنیا اور عالمِ احساس میں زبردست ارتعاش پیدا کر دیتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کلام کا ایک ایسا سلیقہ عطا فرمایا تھا جو دلوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا تھا اور پھر انہیں سکون و اطمینان کی دولت دے کر اپنے خالقِ حقیقی کی طرف راغب کر دیتا تھا۔

آپؐ کی باتوں میں عجیب تاثیر تھی۔ اس تاثیر کی حلاوت، شیرینی، دل پذیری، دلربائی، دلفریبی دلکشی، دل بستگی اور دلآویزی کا کوئی جواب نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات میں مٹھاس ہی مٹھاس تھی۔ آپؐ کی بات میں کشش ہی کشش تھی۔ ویسے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہی دلکشی کا مرقع تھی لیکن اس حسین و جمیل اور مجسمۂ رُعب و جلال شخصیت کی زبانِ مبارک سے جب کوئی کلام نکلتا تھا تو جیسے نور کا ایک فوارہ پھوٹ پڑتا تھا۔ جیسے سماعت کی شیرینی کا دھارا بہہ نکلتا تھا۔ جیسے خوشبو کا ایک جھونکا آجاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ انسان کی گفتگو ہی اس کی ساری شخصیت اور اس کے اخلاق و اطوار کی نمائندگی کرتی ہے۔ اور شخصیت ہی انسان کے اندر سے بولتی ہے اور آپؐ کی شخصیت تو رحمتِ عالم تھی۔ آپؐ کی زبان سے جو بات نکلتی وہ بات کلامِ حبیبِ خدا ہوتی تھی۔ آپؐ کی گفتار گفتارِ رسولؐ تھی۔ ظاہر ہے کہ آپ کے کلام و گفتار کا کسی عام انسان کے کلام سے کیا مقابلہ و موازنہ کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بات کرتے تو جیسے آپ کے منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ آخر جو دہن قرآن پاک جیسے چشمۂ صافی کا دہانہ قرار پایا ہو اس کی خوبی و لطافت کا کیا ٹھکانہ ہو سکتا ہے ظاہر ہے کہ کلام کوئی مجرد شئے نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے بولنے والی ہستی کا کردار۔ اخلاق شخصیت مرتبہ اور علم و فضل بولتا ہے۔ کلام کے موضوعات، انتخابِ مضمون و الفاظ، ترتیبِ الفاظ، ترکیب فقرات، آواز اور لہجہ یہ ساری چیزیں خود بولنے والی شخصیت کا پایہ اور وزن بیان کر دیتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی متوازن دعوتِ زندگی کے حامل تھے جس میں کوئی افراط و تفریط نہ تھی اس دعوت میں وہ سب کچھ موجود تھا جو اعتدال کے ساتھ انسان میں مطلوب ہے۔ اس میں دنیا و آخرت کا حُسن و توازن موجود تھا۔ تزکیہ ذات و اجتماع۔ اصلاح فرد و معاشرہ۔ انفرادیت کی خوبیاں اور اجتماعیت کی ضروریات۔ اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور دوسروں کے دکھوں میں شرکت اور ان کا مداوا سب کی شادی میں مسرت اور غمی میں حزن و ملال۔ دل نواز تبسم بھی اور رقت کے آنسو بھی۔ سنجیدگی کے ساتھ مزاح، نصیحت کے ساتھ مدد، علم کے ساتھ عمل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نمونے کی مثالی زندگی تھی۔ اس لیے آپ کا کلام متوازن ترین کلام تھا اور جس دہن سے قرآن نکلتا اور انسانوں کو مبہوت کر دیتا تھا اس دہن سے پیغمبرانہ کلام نکلتا اور دلوں کی ویران بستیوں کو گل و گلزار اور ذہنوں کی بجھتی شمعوں کو پُر نور کر دیتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ ہر قسم کے انسان سے تھا۔ آغازِ دعوت کے بعد آپ غارِ حرا کے متفکر نہیں بلکہ دنیا جہاں کے لیے مبلغ بن کر نمودار ہوئے تھے۔ آپ کو دن رات تبلیغ کے سلسلے میں لوگوں سے بات چیت کرنی پڑتی تھی۔ دین کی معلومات لینے والے ساتھی، استفسارات کرنے والے اجنبی، مزاحمت کرنے والے کفار، مخالفت کرنے والے مشرکین، الزامات و بہتان لگانے والے دشمن، دیہاتی، شہری، دوکان دار، تاجر، مزدور، قبائل کے سردار، شاعر، خطیب

Marfat.com

غرض ہر رنگ کا آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا اور بات کرتا تھا اور آپ کو ان سب قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا۔

✓ آپ طویل باتیں کرتے تو اپنا وقت ضائع کرنے اور تبلیغِ دین کا راستہ کھوٹا ہوتا۔ الجھ جاتے تو دین کا راستہ الجھ جاتا۔ ناراض ہوتے تو لوگ منتشر ہو جاتے۔ گھبرا جاتے تو لوگ مزید پریشان کر دیتے۔ لوگوں کو منہ نہ لگاتے تو تبلیغ نہ ہو سکتی اور دین کا کام رُک جاتا۔ ہر شخص سے اس کی حیثیت، ذہنی صلاحیت اور معاشرتی سطح کے مطابق بات نہ کرتے تو لوگوں کے لیے بات کا سمجھنا مشکل ہو جاتا۔ لوگوں کے ذاتی مسائل سے دلچسپی نہ لیتے تو لوگ بد دل اور مایوس ہو کر بکھر جاتے۔ تیز تیز گفتگو کرتے تو ہدایت کی بنیاد گہری نہ ہو سکتی اور لوگوں کے لیے بات کا سمجھنا، اسے دل میں بٹھانا اور اسے یاد کر کے حرزِ جان بنانا مشکل ہو جاتا۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو بھی اسی ضرورت اور کام کے مطابق بنایا تھا جس ضرورت اور کام کے لیے آپ کو رسولؐ بنا کر اٹھایا گیا تھا۔ جس طرح آپ کی ہر چیز، ہر بات، ہر حرکت، ہر ادا اور ہر صلاحیت نبوّت و رسالت کے لیے موزوں ترین تھی اور خالقِ کائنات کا یہ انتخاب سراسر برحق تھا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بھی کلامِ نبوّت تھا اور اس کارِ تبلیغ و رسالت کے لیے آپ موزوں ترین انسان تھے۔

گفتگو میں حضورؐ ٹھیر ٹھیر کر بات کرتے تھے اس ٹھیراؤ میں خوبصورتی رعنائی اور دلنوازی ہوتی تھی تاکہ لوگ ایک ایک لفظ سن لیں۔ سمجھ لیں، یاد کر لیں، اور اگر کچھ پوچھنا ہو تو سوچ سمجھ کر موقعہ پر پوچھ لیں۔ آپؐ کے الفاظ منتخب اور موزوں ترین ہوتے نگینوں کی طرح جڑے ہوئے جن کو ان کی جگہ سے ہلایا نہ جا سکتا تھا۔ آپؐ کا لہجہ دھیما ہوتا جس میں رحمت، شفقت، محبت اور بزرگی کی ملاوٹ ہوتی۔ کوئی دشمن بھی آپؐ کی بات سنتے ہوئے کاٹنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ آپؐ اپنے مخالف کو پورے اطمینان سے بات کرنے کا موقعہ دیتے اور اس کی بات اس وقت تک پوری توجہ اور انہماک سے سنتے رہتے جب تک وہ اپنی بات بیان کرنا چاہتا اور پھر جواباً اپنی بات

بھی آپ نہایت اطمینان سے کہتے لیکن مختصر ترین الفاظ میں تاکہ سننے والا بے دھیان نہ ہو جائے گھبرا نہ جائے یا سلسلۂ بیان بھول نہ جائے۔ سہل بیانی، اختصار اور جامعیت یہ آپ کی گفتگو کا محوری سانچہ ہوتا۔ آپ کی ساری گفتگو انہیں اخلاقی اور نفسیاتی اصولوں کے اہتمام سے مزین ہوتی۔ آپ کی گفتگو کی اس حسین انفرادیت نے آپ کی بات کو بے حد مؤثر و دلنشین اور ناقابلِ فراموش بنا دیا تھا۔ ہر شخص آپ سے گفتگو کرتے ہی آپ کی گفتگو کے اس حسن کو محسوس کرتا اور اس سے متاثر ہوتا تھا۔

آپ کی گفتگو میں ادب کی چاشنی، مثال کی دلچسپی، ندرتِ الفاظ کی خوبی اور سہولتِ فہم کی آسانی موجود ہوتی تھی۔ مخاطب آپ کی بات سنتے ہی پوری طرح متوجہ ہو جاتا تھا۔ دنیا بھر کی زبانوں میں اقوالِ زریں، ادبِ عالیہ کی وہ قسم ہے جو خوبصورت ترین الفاظ ہیں۔ جن میں تجرباتِ زندگی کا نچوڑ ہوتا ہے اور جس کا ایک ایک جملہ زندگی کی داستانیں بیان کر دیتا ہے۔ ایسے اقوال کا ایک ناصحانہ جملہ بھی بعض اوقات پوری کتابِ زندگی کا کام دیتا ہے۔ آپ کے کلام میں یہ خصوصیت تھی کہ آپ کا پورا کلام ہی بالعموم اقوالِ زریں کا عمدہ ترین نمونہ ہوتا تھا۔ آپ کی بات سننے والا ہر شخص آپ کے ایک ایک لفظ کو جمع کر کے حرزِ جان بنا کر رکھنا چاہتا تھا جس طرح کوئی شخص پھول کو پا لینے کے بعد اسے پھینک دینا پسند نہیں کرتا، جس طرح کوئی جوہری لعل و گہر کو پا لینے کے بعد اسے ضائع کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اسی طرح ایک با اخلاق اور با ذوق انسان عمدہ کلامِ حکمت کا ایک جملہ بھی پا لینے کے بعد اسے بھول جانا پسند نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے علاوہ صحابہ نے آپؐ کے ارشادات کو بھی اچھی طرح یاد رکھا اور محنت سے محفوظ کیا۔ آپؐ کے جامع اقوالِ زریں جو جوامع الکلم کہلاتے ہیں۔ حیرت انگیز ادبیت اور معنویت کے حامل ہیں۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کے مسلکِ زندگی کے بارے میں سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جو تاریخی جواب دیا وہ حکمتِ انسانی کا جامع ترین نمونہ اور ادبیت و معرفتِ الٰہی کا منفرد شاہکار ہے۔

Marfat.com

فرمایا:[1]

عرفان میرا سرمایہ ہے۔

عقل میرے دین کی اصل ہے۔

محبت میری بنیاد ہے۔

شوق میری سواری ہے۔

ذکرِ الٰہی میرا مونس ہے۔

اعتماد میرا خزانہ ہے۔

حُزن میرا رفیق ہے۔

علم میرا ہتھیار ہے۔

صبر میرا لباس ہے۔

رضائے الٰہی میری غنیمت ہے۔

عجز میرا فخر ہے۔

زُہد میرا روزگار ہے۔

یقین میری قوّت ہے۔

صدق میری سفارش ہے۔

جہاد میرا کردار ہے۔

طاعت میری پناہ ہے۔

اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

آپ کا ایک اور کلام صحاح ستہ میں درج ہے۔ جو مختصر، سادہ، پرصدق، معانی کا خزانہ اور ہدایت کا گنجینہ ہے۔ اس کے معانی اور تاثیر پر غور کیجیے۔ فرمایا:[2]

---

[1] کتاب الشفاء از قاضی عیاض۔ [2] رحمۃ للعالمین، جلد سوم، ۱۳۹-۱۳۸۔

Marfat.com

"خبردار، بدگمانی سے بچو جو جھوٹی بات ہے۔ نہ عیب جوئی کرو اور نہ تجسس کرو۔ جھگڑے اور حسد سے بچو، باہمی بغض نہ رکھو۔ نہ غیبت کرو، اللہ کے بندو بھائی بھائی بن کر رہو۔ مسلمان اپنے بھائی پر ظلم نہ کرے، نہ اسے حقیر سمجھے، مسلمان کا مال خون اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ اللہ تعالےٰ نے صورتوں اور جسموں کو نہیں دل کو دیکھتا ہے"

اسلام کی تبلیغ کا حکم ملنے پر حضور نے اپنے قریب ترین عزیزوں اور اہلِ خاندان کو بلا کر ان کی دعوت کی اور پھر اپنی سب سے پہلی دعوتی تقریر ارشاد فرمائی:

"حاضرین! میں تم سب کے لیے دنیا و آخرت کی بہبود دے کر آیا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ عرب بھر میں کوئی شخص بھی اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر اور افضل کوئی شے لایا ہو۔ مجھے اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ لوگوں کو اس کی دعوت دوں۔ بتاؤ تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا"

یہ مختصر ترین لیکن نہایت جامع ہمدردانہ اور مشفقانہ اوّلین دعوتی تقریر تھی اس میں اپنے مخاطبین کی ہمدردی بھلائی اور بہبودی کا پورا پورا اور گہرا جذبہ پایا جاتا ہے۔

اس کے بعد دوسرے موقعہ پر آپ نے شہر کے عام باشندوں کو صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر بلایا۔ جب وہ آئے تو سب سے پہلے ان سے اپنے کردار اور اخلاق کی تصدیق کروائی۔ آپ نے فرمایا:

"لوگو، تم مجھے بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا جانتے ہو؟"

عام لوگوں نے پکار کر کہا:

"ہم آپ کو امین اور صادق جانتے ہیں۔ ہم نے آپ سے کوئی بے ہودہ بات کبھی نہیں سنی"

پھر آپ نے (جواب میں) فرمایا۔

Marfat.com

"اچھا دیکھو، میں پہاڑی پر کھڑا ہوں اور تم اس کے نیچے ہو میں اس پہاڑ کے ادھر بھی دیکھ رہا ہوں اور ادھر بھی میری نظر جاتی ہے۔ اب اگر میں یہ کہوں کہ مجھے ڈاکوؤں کا ایک مسلح گروہ نظر آرہا ہے جو مکہ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم یقین کروگے ؟"

لوگوں نے پکار کر کہا :

"بے شک ہم یقین کریں گے، آپ راستباز بھی ہیں اور بلند جگہ بھی کھڑے ہیں ؟"

آپ نے فرمایا :

"اچھا تو پھر میں کہتا ہوں کہ اب تم یہ بھی یقین کر لو کہ موت ہم سب کے سر پر منڈلا رہی ہے۔ اور سب کو خدا کے سامنے حاضر ہونا اور اپنا حساب دینا ہے۔ میں خدا کا رسول ہوں اور عالمِ آخرت کو بھی ویسے ہی دیکھ رہا ہوں جیسے تم اس دنیا کو دیکھ رہے ہو ؟"

یہ مختصر ترین سہل ترین پیرائے میں اسلام کی دعوت تھی جس میں ہر بات کو سمیٹ کر بیان کر دیا گیا ہے۔ اس میں دعوے کے ساتھ دلیل بھی موجود ہے۔ یہاں آپ نے اپنے کردار کو نبوّت کے دعوے کے لیے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے اور لوگوں نے اس معجزۂ نبوّت کا اقرار کیا ہے جو چالیس سال سے ان کے سامنے آپ کے کردار کی صورت میں موجود تھا اور جو اجلا ہی اُجلا تھا اس میں کوئی اخلاقی داغ موجود نہ تھا۔ آپ کا کلام جہاں تھوڑے سے الفاظ میں معانی کے سمندر بیان کر دیتا تھا وہاں آسانی، سادگی اور لطافت میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔

ایک شخص عمر بن عتبہ نے آپ سے کچھ سوالات کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مختصر ترین جوابات دیے۔ یہ ایک ایسا دلنشین انٹرویو ہے جس کے مطالعہ سے علم و آگہی کے پٹ کھل جاتے ہیں [1]

[1] مشکوٰۃ کتاب الایمان۔

Marfat.com

اس کام میں (ابتداءً) کون آپ کے ساتھ تھا۔؟

ایک مرد آزاد (حضرت ابوبکرؓ) اور ایک غلام (حضرت بلالؓ)۔

اسلام کیا ہے؟

پاکیزہ گفتار اور حاجت مندوں کو کھانا کھلانا۔

ایمان کیا ہے؟

صبر اور سخاوت۔

کیسا اسلام افضل ہے؟

"اس شخص کا جس کے ہاتھ اور زبان کی زیادتیوں سے مسلمان محفوظ رہیں۔"

کیسا ایمان افضل ہے؟

جس کے ساتھ پسندیدہ اخلاق پایا جائے۔"

کیسی نماز افضل ہے؟

"جس میں دیر تک عاجزی سے قیام کیا جائے۔"

کیسی ہجرت افضل ہے؟

"ایسی کہ تم ان چیزوں سے کنارہ کش ہو جاؤ جو تمہارے پروردگار کو ناپسند ہیں۔"

کیسا جہاد افضل ہے؟

"اس شخص کا جس کا گھوڑا میدان میں مارا جائے اور وہ خود بھی شہادت پائے۔"

کون سی گھڑی (عبادت کے لیے) افضل ہے؟

"رات کا پچھلا پہر۔"

کسی شخص نے پوچھا "دوزخ تک پہنچانے والی کون سی چیزیں ہیں؟

حضورؐ نے فرمایا "منہ اور شرمگاہ۔"

ایک موقعہ پر آپؐ نے ایک تقریر فرمائی جس کا ایک ایک فقرہ موتیوں کی لڑی اور ایک

ایک لفظ لعل و گہر ہے۔ حمد وثنا کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:[1]

"سب سے سچی بات اللہ کی کتاب ہے۔ سب سے زیادہ قابلِ اعتماد چیز تقویٰ کی بات ہے۔ بہترین ملت ابراہیم کی ملت ہے۔ سب سے بہتر طرزِ زندگی محمدؐ رسول اللہ کا طرزِ زندگی ہے سب سے اشرف بات اللہ کا ذکر ہے۔ سب سے اچھا قصہ قرآن ہے۔ بہترین کام وہ ہیں جو نص سے ثابت ہوں اور بدترین کام بدعات ہیں سب سے بہتر طریقہ انبیاء کا ہے اور سب سے عزت کی موت شہادت ہے بدترین بے بصیرتی ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ بہترین عمل وہ ہے جو نفع بخش ہو اور بہترین ہدایت وہ ہے جس کی پیروی کی جائے۔ بدترین اندھاپن دل کی کوری ہے اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ تھوڑی چیز اگر کافی ہو تو اس وافر سے بہتر ہے جو غفلت پیدا کرے۔ بدترین معذرت موت کے وقت کی معذرت ہے اور بدترین ندامت قیامت کے دن کی ندامت ہے بعض لوگ جمعہ کو دیر سے آتے ہیں اور ان کے دل پیچھے لگے ہوتے ہیں۔ سب گناہوں سے بڑا گناہ جھوٹی زبان ہے اور بہترین تونگری دل کی بے نیازی ہے۔ بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ دانائی کی بنیاد خدا کا خوف ہے۔ دلنشین باتوں میں بہترین چیز یقین ہے۔ شک کفر کی ایک شاخ ہے۔ نوحہ جاہلیت کا کام ہے۔ مالِ غنیمت میں چوری جہنم کا ایندھن ہے۔ شراب کی بدمستی گناہوں کا ذخیرہ ہے۔ شعر ابلیس کا حصہ ہے۔ بدترین غذا یتیم کا مال ہے۔ سعادت مند وہ ہے جو نصیحت حاصل کرے اور بدبخت وہ ہے جو شقی ہے۔ مومن کو گالی دینا فسق ہے اس کے ساتھ قتال کرنا کفر ہے اور اس کی غیبت کرنا نافرمانی ہے اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے۔ جو کسی کا عیب چھپاتا ہے خدا اس کے عیب چھپاتا ہے جو معافی دیتا ہے اسے معافی دی جاتی ہے جو غصے کو پی جاتا ہے خدا اسے

[1] مسند احمد بن حنبل عن الجاسیہ۔

اجر دیتا ہے۔ جو چغلی کو پھیلاتا ہے خدا اس کی رسوائی عام کر دیتا ہے۔ جو صبر کرتا ہے خدا اسے بڑھاتا ہے جو بلا ضرورت قسمیں کھاتا ہے اللہ اسے جھوٹا کر دیتا ہے اور جو شخص مغفرت طلب کرتا ہے۔ اللہ اس سے درگزر کرتا ہے۔"

آپؐ سے قیامت کے آثار کے بارے میں استفسار کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا:[1]

"جب مالِ غنیمت کو دولت قرار دیا جائے، جب امانت کو ضائع کیا جائے، جب زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے۔ جب علم کی تحصیل دنیا کمانے کے لیے ہو۔ جب مرد عورت کی اطاعت کرنے لگے۔ جب ماں کی نافرمانی اور اس سے سرکشی ہونے لگے۔ جب آدمی باپ سے دور اور دوستوں کے قریب ہونے لگے۔ جب مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں۔ جب قوم کے فاسق قوم کی سرداری کرنے لگیں۔ جب قوم کا بدترین شخص قوم کا لیڈر بن جائے۔ جب کسی کی عزت اس کے شر سے بچنے کے لیے کی جائے۔ جب گانے اور باجے عام ہو جائیں۔ جب شرابوں کے علانیہ دور چلنے لگیں۔ جب امت کے پچھلے لوگ اگلوں پر طعن کرنے لگیں تو پھر تم انتظار کرو آندھیوں اور زلزلوں کا۔ زمین کے دھنسنے اور صورتوں کے مسخ ہونے کا۔ پتھروں کی بارش اور اللہ کی جانب سے ایسی پے درپے آفات کا جس طرح تسبیح ٹوٹ گئی ہو اور دانے یکے بعد دیگرے گر رہے ہوں۔"

اسی طرح آپؐ نے قیامت کے دن سایۂ عرشِ الٰہی کو حاصل کرنے والے سات افراد کا بھی ذکر کیا۔ آپ کی اس وصیت میں ایک جہانِ نصیحت پوشیدہ اور نیک عمل کا درس موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"جب سایۂ الٰہی کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا اس دن اللہ تعالیٰ سات قسم کے لوگوں کو اپنے سائے تلے جگہ دے گا۔"

عادل امام

وہ جوان جس نے اللہ کی بندگی اور اطاعت میں نشوونما پائی۔

---

[1] ترمذی

Marfat.com

"وہ شخص جو مسجد سے نکلتا ہے تو اس کا دل مسجد ہی میں اٹکا ہوتا ہے۔"

"وہ دو شخص جنہوں نے محض خدا کے لیے آپس میں محبت کی جمع ہوئے یا جدا ہوئے تو اسی بنیاد پر۔"

"وہ شخص جس نے تنہائی میں خدا کو یاد کیا تو خشیت الٰہی سے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔"

"جس نے اللہ سے ڈر کر بدکاری سے اجتناب کیا۔"

"اور وہ شخص جس نے یوں صدقہ دیا کہ اس کے دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہوئی۔"

حضورؐ کو گھمنڈ کرنے والے، بڑے بول بولنے والے، شیخی باز اور فحش گو لوگ پسند نہ تھے۔ آپؐ کے کلام میں حسن، فروتنی، حکمت، شگفتگی، نصیحت، پاکیزگی اور خوش خلقی کے اجزاء پائے جاتے تھے یہی اجزاء ہیں جو مخاطب کے دل کو موہ لیتے ہیں۔ حضورؐ "قولوا للناس حسنا" کی قرآنی ہدایت کے مطابق لوگوں سے حسنِ تکلم سے پیش آتے تھے اور یہی پُرحکمت حسنِ تکلم آپؐ کی وہ لسانی قوت تھی جس کی زد میں آنے کے بعد مخاطب آپؐ کو آسانی سے جھٹلانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ سعید فطرت لوگوں نے تو ہمیشہ آپؐ کو دیکھ کر ہی کہہ دیا کہ "یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا" لیکن جب کوئی آپؐ کی مجلس میں بیٹھتا یا آپؐ کی بات سنتا اور آپؐ سے مخاطب ہوتا، تب وہ حقیقی معنی میں آپؐ کی قوتِ خطابت سے آگاہ ہوتا تھا۔ آغازِ دعوتِ اسلامی کے ایام میں بستی کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے آپؐ نے ایک بار فرمایا:[۱]

"قافلے کا نگہبان کبھی اہلِ قافلہ کو غلط خبر نہیں دیا کرتا۔ خدا کی قسم اگر (بفرضِ محال) میں اور سب لوگوں سے غلط بات کہنے پر آمادہ بھی ہو جاتا تو تم سے کبھی کوئی غلط بات نہ کہتا۔ اور اگر دوسروں کو ہلاکت کے خطرے سے دوچار بھی کر دیتا تو تم کو تو کبھی ہلاکت کے خطرے سے دوچار نہ کرتا۔ اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ میں تمہاری طرف خصوصاً اور پھر دیگر انسانوں کی طرف خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں بخدا تم کو ایک روز لازماً مرنا ہے جیسے کہ تم سوتے ہو اور پھر مرنے کے بعد جی اٹھنا ہے جیسے کہ تم نیند سے بیدار ہو جاتے ہو۔ تم سے لازماً تمہارے اعمال کا حساب لیا جانا

[۱] جمہرۃ الخطب۔

Marfat.com

ہے اور نہیں بھلے کا بھلا اور بُرے کا بُرا بدلہ ضرور ملنا ہے۔ پھر یا تو ہمیشہ کی جنت ہو گی یا ہمیشہ کا دوزخ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سن لو، میں تمہارا خیر خواہ ہوں ۔"

اس طرح آپؐ نے نہایت خوبی کے ساتھ اہل مکہ کو ہمدردی، محبت، شفقت اور اعتماد کے رنگ میں دنیا و آخرت کے مسائل سے آگاہ کیا اور انہیں ان کے فرائض یاد دلائے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؐ کے کردار جیسے قیمتی سونے کے ساتھ قرآن جیسے قیمتی لعل و جواہر کا اضافہ اتنا عظیم سرمایہ اور دعوتِ اسلامی کا اتنا زبردست موثر انقلابی اسلحہ تھا جس کا کوئی توڑ نہ تھا۔ پھر اس کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پُرتاثیر کلام نے اس انقلابی قوت و توانائی کو مزید چار چاند لگا دیے تھے حضورؐ کی پیش کردہ دعوتِ اسلامی کے یہ تین انقلاب آفرین ہتھیار تھے اور یہی ہتھیار آپؐ کی زبردست انقلابی قوت کا ذخیرہ تھے۔ چنانچہ ان ہتھیاروں کی قوت سے تھوڑے ہی عرصے میں دعوتِ اسلامی کی زبردست بارش سعید فطرت لوگوں کی دل و دماغ کی کھیتیوں کو سیراب کرتی چلی گئی۔

منزل پنجم

رسولِ اکرمؐ کی حکمتِ انقلاب

Marfat.com

پہلا باب ۱

انقلابی فرد کی تیاری

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلامی انقلاب کا بغور مطالعہ کریں تو ہمیں یہ انقلاب سہ نکاتی فارمولے پر مبنی دکھائی دیتا ہے :

۱۔ فرد میں اخلاقی انقلاب اور اسے ایک نئے انسان کے روحانی قالب میں ڈھال دینا۔

۲۔ ایک ایسے خدا ترس، خدا رسیدہ اور با اخلاق گروہ کی تیاری جو جری، جانباز اور جفاکش ہو جو ایثار و قربانی اور محنت و مشقت کا پُتلا ہو۔ خدا کی راہ میں اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتا ہو اور اسے باطل کے مقابلے میں جس مورچے پر بھی کھڑا کر دیا جائے وہ کٹ تو سکتا ہو لیکن اپنے مقام سے ہٹ نہ سکتا ہو۔ قائدِ انقلاب نے اپنی ساری مساعی ایسے گروہ کی تعلیم و تربیت پر صرف کر دیں۔ جسے جس چیز کا حکم دیا جائے وہ اسی کو اختیار کر لے اور جس سے منع کر دیا جائے وہ اسے چھوڑ دے۔ جو ہر نوعیت کی عصبیتوں سے بالاتر صرف اصول و نظریات کا علمبردار گروہ ہو۔

۳۔ جب ایسا گروہ مناسب حد تک تیار ہو جائے تو باطل کے نظام سے جانگسل انقلابی کشمکش برپا کر دینا اور اس کے پورے وجود کے خلاف جہادِ مسلسل لڑنا۔ یہاں تک کہ باطل کی قوت کے منبع پر خدا پرستوں کا قبضہ ہو جائے اور دین سارے کا سارا صرف بادشاہِ حقیقی، حکمرانِ اعلیٰ یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے وقف ہو جائے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی مدعیٔ حاکمیت باقی نہ رہ جائے۔

Marfat.com

یہ وہ سیدھا سادا سہ نکاتی انقلابی فارمولا ہے جس کے ذریعے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں انقلاب برپا فرمایا اور جب اس انقلاب نے اپنے پاؤں جمائے اور اپنے برگ و بار دکھانے شروع کیے تو پھر جس طرح آندھی کو تھامنا، طوفان کو روکنا اور آبشار کا رُخ موڑنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح اس انقلاب نے بھی عرب سے نکل کر دنیا کے چاروں گوشوں کی طرف یلغار شروع کر دی اور دیکھتے دیکھتے آباد دنیا کا ایک تہائی سے زائد حصہ اس کی اخلاق آموز رد کی زد میں آگیا اس انقلاب سے دنیا کا نقشہ یکسر بدل گیا۔ تہذیب و تمدن کے پیمانے بدل گئے۔ ملکوں اور قوموں کا کلچر بدل گیا۔ علاقوں کی علمی زبان بدل گئی۔ کھانے، پینے، اور رہنے سہنے کے ذوق اور ڈھنگ بدل گئے۔ حرام و حلال کے اصول بدل گئے۔ انسان کی تعلیم و تربیت اور تنظیم و معاشرت کے معیار بدل گئے اور پھر زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ جو انقلاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک حصے میں برپا فرمایا تھا وہ عالمگیر صورت اختیار کر گیا۔ جب تک وہ بے آمیز اور با اصول انقلاب رہا اس کی یلغار کو روکنا دشوار ہو گیا۔ اس کے سامنے پہاڑ پست اور سمندر پایاب ہو گئے یہی بات تھی جسے ایک مستشرق نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ:

"عرب میں ایک دھماکہ ہوا اور دنیا کا سارا منظر بدل گیا[1]"

انقلاب کا یہ فارمولا اتنا سادہ فطری اور ہر دور میں قابلِ عمل ہے کہ اس کے نکات کی ترتیب کو ملحوظ رکھ کر جب اور جہاں بھی جدّ و جہد کی جائے یکساں نتائج برآمد کیے جا سکتے ہیں۔ اس انقلابی فارمولے کے اجزاء کچھ یوں ہیں۔

اسلام جو زمین پر خدا کا پیغام ہے زمین کی ساری آبادی میں سب سے زیادہ اہمیت فرد کو دیتا ہے۔ فرد ہی ہے جو سب سے پہلے وجود میں لایا گیا۔ جسے خدا نے زمین پر اپنا نائب قرار دیا۔ جس کی طرف اپنا خصوصی پیغام انبیاء کی معرفت ارسال فرمایا۔ جس کے لیے حساب کتاب جنت و دوزخ، سزا و جزاء کا سلسلہ قائم کیا جو تنہا پیدا ہوتا ہے۔ تنہا مرتا ہے۔ تنہا اپنی

[1] اسبابِ زوالِ سلطنتِ روما (از گبن)

Marfat.com

میں اُترتا ہے اور روزِ حساب کو تنہا ہی اپنی قبر سے اُٹھ کر اپنے خدا کے سامنے تنہا اپنے اعمال کا حساب دے گا، پھر تنہا سزا یا جزا بھگتے گا۔ اس میں کیا شک ہے کہ وہ کائنات کا تنہا محور ہے فرد کے لیے یہ سب کچھ ہے اور فرد خدا کی اطاعت کے لیے ہے۔

اسلام نے اسی فرد کی اصلاح پر اپنی ساری اسکیم کا مدار رکھا ہے۔ وہی انقلابی ہے وہی جانفروش مجاہد ہے۔ وہی جذبہ وجوش کا منبع ہے وہی ایثار و قربانی کا پتلا ہے۔ اسی کے اُٹھ کر علمِ حق اٹھانے سے حق کا اعلان و اظہار ہوتا ہے اسی کے لیے ساری تعلیمات ساری اجتماعیات اور ساری معاشیات کے اسباق ہیں۔ ساری اجتماعیات اسی کی انفرادی شخصیت کی تکمیل کے لیے ہیں۔ معاشیات اس کے وسائلِ رزق ہی سے بحث کرتی ہیں، سیاسیات بھی اسی کی حفاظت، پشت پناہی اور حق رسانی کے لیے ہیں۔ اخلاقیات اس کے اخلاق کو معیار کے مطابق رکھنے اور اسے بہتر فرد بنانے کے لیے ہیں۔ غرض اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اس کی مدد، تعاون، ترقی اور تعمیر کے لیے اس کا معاون ہے اور وہ خود خالقِ کائنات کا بندہ اور غلام ہے۔ اس لیے اس ساری کائنات کا محور فرد ہی ہے اور فرد سے بالاتر صرف خدا کی ذات ہے وہ اس کائنات میں خدا کا خلیفہ ہے جو اجتماعیت فرد کو بگاڑتی، تباہ کرتی اسے ضمیر و ایمان کی حرارت سے محروم کرتی اور اسے اپنا بندۂ بے دام بناتی ہے۔ وہ شیطانی اجتماعیت ہے جو اجتماعیت اس سے اس کا انسانی اختیار جو اس کا حقیقی شرف ہے چھین کر اسے حیوانات کی سطح پر گرانا چاہتی ہے وہ اس کی نشوونما میں مزاحمت کرتی ہے ایسی اجتماعیت کا کوئی احترام کسی ضابطہ اخلاق میں ملحوظ نہیں رکھا جاسکتا۔

(غرض یہی وہ فرد ہے جسے اسلامی انقلاب کا علمبردار بنانے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق پرستی کے رنگ میں رنگنے کا اہتمام کیا اس فرد کو اسلامی انقلاب کا علمبردار بنانے کے لیے جو کام سرانجام دیا گیا وہ یہ تھا کہ سب سے پہلے اس سے اس کلمۂ حق کا اعلان و اعتراف کرایا گیا جس کے اعلان سے وہ انسانوں کی ایک قسم (کافر) سے علی الاعلان نکل کر دوسری قسم

Marfat.com

(مسلمان) میں داخل ہو جاتا تھا، یہ کلمہ تھا:

(لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ)

یہ گویا حضورؐ کی دعوتِ انقلاب کا آغاز و اعلان تھا اور اپنی زبان سے یہ کلمہ ادا کرنے والا شخص خوب جانتا تھا کہ اس نے یہ کلمہ ادا کر کے اپنے بارے میں ساری دنیا سے کیا کہہ دیا ہے اور دوسرے بھی جانتے تھے کہ یہ کلمہ کہنے والا اب کیا بن گیا ہے۔ یہ کلمہ کہتے ہی وہ فرد نظامِ باطل کے گروہ سے کٹ جاتا تھا۔ اور حق کے قیام کی جدّوجہد کرنے والے گروہ میں شامل ہو جاتا تھا اس کلمہ کے ایک ایک لفظ کا حقیقی مفہوم ہر ایک پر واضح تھا۔ نہ کہنے والا اس سے بے علم ہوتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور نہ سننے والا اس سے بے خبر ہوتا تھا کہ اس نے کیا کہہ دیا ہے۔ یہ بات کہنے والا درحقیقت اپنے آس پاس کے ماحول اور معاشرے کی اجتماعی ہئیتِ حاکمہ اور ساری دنیا کو مخاطب کر کے یہ بات کہتا تھا کہ وہ اللہ کے سوا کسی کو بھی کسی قسم کے اختیار کا مالک و حقدار نہیں سمجھتا اور محمد رسول اللہ کے سوا وہ کسی کو بھی اپنا رہنما ہادی اور قائد تسلیم نہیں کرتا۔ گویا وہ یہ کہتا تھا کہ ہر حاکم، ہر بادشاہ ہر مختار اور ہر مدعیٔ اقتدار سن لے کہ بادشاہی اور حکم دینے کا سارے کا سارا حق صرف اور صرف ذاتِ باری تعالےٰ کو ہے اور جو کوئی اس سے آزاد اپنی بادشاہی اور حکومت کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا اور مٹا دیئے جانے کا سزاوار ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا میں زمانہ دراز سے جگہ جگہ نسلی، خاندانی، قومی، علاقائی اور شخصی حاکموں کے گڑھ بنے ہوئے ہیں اور ہر جگہ کوئی نہ کوئی انسان زمین کے کسی نہ کسی ٹکڑے کا دائرہ بنا کر اس میں صاحبِ اختیار بنا ہوا کوس لمن الملک بجاتا رہتا ہے۔ جب ایسے کسی گڑھ میں کلمۂ طیبہ کی اذانِ دعوتِ حق بلند کر دی جائے تو اسے اعلانِ بغاوت کے سوا اور کیا سمجھا جائے گا۔ ہر گدی نشین، کرسی نشین، تخت نشین اور جاہ نشین ہر جہان پناہ آنریبل اور ہزایکسی لینسی بلکہ ہر مختار کار، کارپرداز اور صاحبِ اقتدار اپنے آپ کو اس اعلان کا مخاطب اور نشانہ سمجھے گا اور اس نوعیت کا اعلان کرنے والے کا گلا دبانے کے لیے اپنا سارا زور صرف کر دے گا تاکہ ایسا کلمہ دوبارہ بلند نہ ہو۔ اس لیے کہ

اس اعلان کو برداشت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے مکمل با اختیار تسلیم نہ کرنے والوں کا جتھا بننے دیا جائے اور ایک روز وہ اپنی گدی سے واقعی محروم ہو جائے اس لیے ہر طاغوت اور باغیٔ حق میں تحفظِ ذات کا جو فطری حیوانی جذبہ موجود ہے وہ اسے مجبور کرتا ہے کہ اگر اس کے اندر فطری سعادت کی چمک موجود نہیں ہے تو پھر وہ ظلم و ستم کی ظلمت کے ساتھ ایسی آوازِ حق کی روشنی کو دبانے کے لیے میدان میں نکل آئے اور اپنے آپ کو بچانے کے لیے دیوانہ وار وہ کچھ کرے جو تھوڑے سے اختیار والا انسان خود مختاری کے جنون میں دیوانہ وار کر سکتا ہے۔

بس یہیں سے آزمائش شروع ہو جاتی ہے یہ آزمائش کلمۂ حق زبان سے نکالنے والے ہر فرد کے اخلاص و ایمان اور جوہرِ انسانیت کو آزماتی ہے۔ یہ آزمائش پہلے ہی مرحلے میں حقیقی مخلص فرد کے اخلاص کو چمکا کر کندن کی طرح کھرا بنا دیتی ہے۔ اس میں سے ہر قسم کی حرص و ریاکاری کی کھوٹ نکل جاتی ہے۔ انسان صرف اور محض خدا کے لیے ہی ایسی سخت پکڑ کو برداشت کر سکتا ہے۔ یہ آزمائش زمان و مکان کی حدود سے ماورا آتی ہے۔ ہر صورت اور ہر حالت میں آتی ہے اور یہ کلمہ ادا کرنے والے نے جتنی گہری بصیرت اور اخلاص سے ادا کیا ہوتا ہے اسی تناسب سے وہ آزمائش آتی ہے۔ جسمانی شدائد سے لے کر خاندانی مقاطعہ اور تعلقات کی شکست و ریخت سے لے کر معاشی تباہی و بربادی، سیاسی ظلم و ستم اور معاشرتی بائیکاٹ تک۔

غرض جاہلی معاشرہ کانٹوں کا تاج اس کے سر پر رکھتا ہے۔ کانٹوں کے جوتے اسے پہناتا ہے اور کانٹوں کا لباس پہنا کر اسے گلی کوچوں میں پھراتا اور اسے اس کلمے سے تائب ہونے پر مجبور کرتا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ کلمہ پرانے نظامِ باطل سے بغاوت اور ایک نئے نظامِ حق کے قیام کا اعلان ہے اور باطل اس کی آواز سن کر جس قدر بھی سٹپٹائے اس کا سٹپٹانا درست اور بجا ہے۔ یہ اس کی پوری ہستی یعنی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ کتنے

والے نے جس قدر گہرا مفہوم اپنے جسم وجان دفہم کی توانائی سے اس کلمے میں پیدا کیا ہوتا ہے اسی قدر معاشرے کی اجتماعیت اپنے ردِّ عمل کا اظہار کرتی ہے اگر اس نے وہ کلمہ محض کھیل اور ہنسی مذاق کے طور پر زبان سے ادا کیا ہوتا ہے اور اس کے پیچھے کوئی انقلابی کردار تشکیل نہیں پایا ہوتا تو مخاطب قوم اور ہیئت حاکمہ اس کا کوئی نوٹس نہیں لیتی۔

معاشرے اور اس کی ہیئتِ حاکمہ کی طرف سے اس نوعیت کے اعلانِ انقلاب کا کلمہ سن کر جو ردِّ عمل ہوتا ہے بس وہی اس فرد کا مدرسۂ تربیت قرار پاتا ہے اور اس درسگاہ آزمائش میں داخل ہوتے ہی وہ ایک انقلابی گروہ کا فرد بنتا چلا جاتا ہے۔ باطل نظام یکایک اپنے دیے ہوئے سارے مفادات اس سے واپس لینا شروع کر دیتا ہے۔ تب اس فرد کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اس ماحول میں غیر اور اجنبی مسافر کی مانند ہے جس نظام کا وہ حقیقی شہری ہے وہ اس نے خود اپنے ہاتھوں برپا کرنا ہے اس کے بعد اس کی زندگی کا محور صرف اور صرف اسلامی انقلاب ہی بن کر رہ جاتا ہے۔

اِبتلاؤ آزمائش کی یہ کلاس پہلے ہی مرحلے پر اسلامی تحریک کو بتا دیتی ہے کہ اس کا نیا ساتھی کھرا سکہ ہے یا کھوٹا ہے یا اس میں کچھ ملاوٹ ہے۔ کھرا تو اپنے طور واطوار سے فوراً اپنا کھرا ہونا ثابت کر دیتا ہے۔ اگر معمولی کھوٹ ہو تو وہ بھی نکل کر کھرا سونا سامنے آجاتا ہے اور اگر کوئی کھوٹا سکہ ہی ہوتا ہے تو وہ معاشرے کو واپس مل جاتا ہے۔ اس طرح تحریک پہلے ہی مرحلے میں کھوٹے سکوں کی بھرمار سے، جن کی منڈی میں کوئی مانگ نہیں ہے محفوظ رہتی ہے یہ وہ کھرا سونا بنانے والی بھٹی ہے جسے بگڑا ہوا معاشرہ اور اس کی باطل ہیئت حاکمہ خود بناتی ہے۔ اور بنا بنا کر تحریک اسلامی کے حوالے کرتی ہے۔

اسلامی تحریک کے فرد کی تعلیم کی بنیاد انہیں تین نکات پر مبنی ہے جو اسلام کی اصل بنیادیں ہیں اور جن پر ایمان لانے سے انسان مسلمان بنتا اور دیگر تمام انسانوں سے مختلف

انسان بن جاتا ہے وہ بنیادیں ہیں۔

توحید ..... رسالت ..... آخرت

توحید

توحید انسان میں ایک طرف عجز بندگی پیدا کرتی ہے تو دوسری طرف اس میں نیابتِ الٰہی کا شرف واحساس پیدا کر کے اسے ہزار سجدوں کی غلامی سے نجات دلاتی ہے۔ توحید پرست انسان کا سر خدا کے سوا کسی دوسرے مدعیٔ کبریائی کے سامنے کبھی جھک نہیں سکتا۔ خدا کے لیے اس کی ہر دوسرے مدعیٔ کبریائی سے جنگ ہے۔ توحید پرست انسان کی داخلی قوت کا یہ ایک زبردست منبع ہے کہ خدا کو مان کر وہ اس کی پشت پناہی کے ساتھ ہر اس قوت کا باغی ہوتا ہے جو خدا سے بے نیاز اپنی قوت وحاکمیت کی مدعی ہے۔ توحید انسان کو اس کی خودی عطا کرتی ہے اور اس میں شعورِ بندگی کے ساتھ شعورِ نیابت ابھارتی ہے توحید پرست انسان کا بادشاہ ذاتِ الٰہی ہے۔ اور باقی سارے مدعی اس کے سامنے مٹی کے کھلونے ہیں۔

یہی چیز تھی جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ایک خطبے میں نہایت خوبصورت پیرائے میں بیان کیا تھا:

> "سُن اے اسرائیل، خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے تو اپنے سارے جسم اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا کے ساتھ محبت رکھ"[1]

> "اے اسرائیل، خداوند تیرا خدا تجھ سے اس کے سوا اور کیا چاہتا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کا خوف مانے اور اس کی سب راہوں پر چلے اور

[1] خطبہ از بائبل کتاب استثنا باب ۶ آیت ۴-۵

اس سے محبت رکھے۔ اور اپنے سارے دل اور ساری جان سے خداوند اپنے خدا کی بندگی کرے"۔[1]

رسالت

اس کے بعد اس انقلابی فرد کی تعلیم کا دوسرا جزو رسالت پر ایمان لانے کا عقیدہ ہے اس عقیدے کے ساتھ اس کو وہ رہنمائی میسر آتی ہے جو سفرِ زندگی میں اسے صراطِ مستقیم پر قائم رکھتی ہے۔ وہ ایک ایسے ہادی کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیتا اور ایسے قائد کا دامن پکڑ لیتا ہے جس کی منزل اس کی اپنی منزل ہے اور وہ قائد منزل کے راہ و رسم سے بھی خوب آگاہ ہے اس قائد کا براہِ راست تعلق مالکِ کائنات اور بادشاہِ حقیقی کے ساتھ ہے۔ اس قائد کا مقام دربارِ الٰہی میں رضا و حمد کا مقام ہے اور اس کا دامن پکڑ کر انسان نہ گمراہ ہو سکتا ہے۔ نہ بھٹک سکتا ہے اور نہ شکست کھا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ چلتے ہوئے انسان کا دنیا کے پرپیچ خیالات و اوہام سے واسطہ نہیں پڑتا بلکہ سچی حقیقتوں اور حقیقی صداقتوں سے واسطہ پڑتا ہے اس کے سامنے کوئی بات الجھی ہوئی نہیں ہوتی بلکہ زندگی اور موت کے حقائق دو اور دو چار کی طرح اس کے سامنے اس طرح کھولے جاتے ہیں کہ موت، حیاتِ مسلسل کا ایک درمیانی دروازہ ہے جس میں سے گزر کر انسان اعمال کی دنیا سے جزا کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے وہی جسم، وہی روح، وہی انسان، وہی عزیز و اقربا، وہی اعمال اور اس کے وہی متوقع نتائج، وہی محبتیں اور قربتیں بس عمل و آزمائش کا دور ختم ہو کر سزا و جزا کا دور شروع ہو جاتا ہے اور چونکہ اعمال کے اثرات و نتائج طویل ہیں اس لیے وہ زندگی بھی لامتناہی اور لازوال ہے۔

آخرت

تیسرا بنیادی عقیدہ آخرت ہے جو درحقیقت اسی دنیا کا دوسرا وسیع تر عکس ہے۔

---

[1] خطبہ از بائبل کتاب استثنا باب ۱۰ آیت ۲ - ۱۴

درحقیقت وہ دوسری دنیا ہے جس کی بنیاد ہر انسان کے لیے اسی دنیا کے اعمال و احوال پر رکھی گئی ہے وہ نیکی جس کی شیرینی اس دنیا میں دل میں محسوس کی گئی تھی اس کا شیریں پھل وہاں اپنے مادی جسم کے ساتھ سامنے آئے گا اور انسان کے کام و دہن کو آسودہ کرے گا اور وہ بدی جس کی تلخی انسان نے یہاں ضمیر میں کانٹے کی صورت اور دل میں تکلیف دہ خلش کی صورت میں چبھتی ہوئی اور تپتی ہوئی محسوس کی تھی وہ بدی داخلی جہنم کا درخت بن کر نمودار ہوگی اور اپنے تلخ نتائج سے انسان کو مجروح اور آزردہ کرے گی۔ کوئی عمل ضائع نہ ہوگا کوئی بھلائی نظر انداز نہ ہوگی۔ اللہ کی راہ میں اٹھایا ہوا کوئی قدم حساب میں آنے سے نہ رہے گا۔ اس کی راہ میں گرد آلود چہرے اور اس کے راستے میں اُٹھتے ہوئے گرد آلود پاؤں نوازشات سے محروم نہ رہیں گے۔ جنہوں نے اس کے دین کی سربلندی اور اس کے نام کی کبریائی کے لیے جدّوجہد کی تھی وہ عنایات و نوازشات سے محروم نہ رہیں گے اور جنہوں نے آنکھوں، کانوں اور ہوش و خرد کے باوجود آیاتِ الٰہی کے شعور، ضمیر کی خلش اور سوجھ بوجھ کے باوجود عنقا کو جھٹلایا ہوگا ان کے سامنے وہ حقائق آئیں گے جن کو وہ دوبارہ نہ جھٹلا سکیں گے اور اعتراف کریں گے کہ ان کا پہلا جھٹلانا بھی قصورِ فہم کا نتیجہ نہیں بلکہ ہیکڑی اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ تھا۔

یہ تینوں عقائد کلمہ طیبّہ کا براہِ راست نتیجہ اور اس کی تشریح و تعبیر ہیں اور حق کے علمبردار مسلمان کی تعلیمی ضرورت ہیں۔ اس تعلیمی ضرورت کے ساتھ اس کی عملی تربیّت کا کام بھی شروع ہوجاتا ہے اور اسے نیکیوں کی شناخت اور ان پر عمل پیرا ہونے کا اہتمام اور بدیوں کی شناخت اور ان سے اجتناب کرنے کی تلقین جاری ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ اسلامی انقلاب کے داعی کا ذاتی نمونہ بھی اس کے سامنے ہوتا ہے اور اس کی ذاتی نگرانی، نگہداشت، تلقین و تدریس اور فہم و شعور کی بیداری کا کام ہوتا رہتا ہے۔ اس طرح اعلانِ حق کے ساتھ تعلیمِ دین، تربیتِ اعمالِ صالح اور پھر معاشرے کی طرف سے ہمہ نوع

ابتلاء و آزمائش کا طویل دور شروع ہو کر ایک فرد کو اسلامی انقلاب کا پختہ کار، مضبوط، باکردار، پُرعزیمت، مستقل مزاج اور ناقابلِ شکست فرد بنا دیتا ہے جب اس نوعیت کے افراد جمع ہوتے، ملتے اور ایک گروہ کی صورت میں منظم ہوتے چلے جاتے ہیں اور ان میں اسلامی انقلاب کے مطلوبہ اوصاف اجتماعی طور پر بھی پرورش پاتے اور بڑھتے چلے جاتے ہیں تو یہ گروہ باطل کی اندھی نگری میں روشنی کا مینار اور حق کا آہنی قلعہ بن جاتا ہے جس کے ساتھ سر تو پھوڑا جا سکتا ہے لیکن اسے توڑا نہیں جا سکتا۔

Marfat.com

دوسرا بابؐ

تعلیم و تربیت اور تنظیم افراد

ایسے حق پرست افراد جب تیار ہو جائیں تو ان کی اجتماعیت سے ایک مضبوط انقلابی گروہ وجود میں آجاتا ہے۔ یہ گروہ پھر اسلام کو ایک تحریک کی صورت میں لے کر اٹھتا ہے اس تحریک کا انقلابی نعرہ ہوتا ہے:

"آؤ بندگیٔ رب کی طرف"

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔ "اے قوم اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔"

اسلام یا بندگیٔ رب کو غالب و مقتدر کرنے کی یہ تحریک اپنے مزاج کے اعتبار سے ایک تحریکِ تزکیہ ہوتی ہے۔ افراد کا تزکیہ، معاشرے کا تزکیہ، ہیئت حاکمہ کا تزکیہ، یہ تزکیہ ہمہ پہلو ہوتا ہے۔ اس میں خدا کی بندگی اور طہارت و پاکیزگی، ہر فرد اور ادارے میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے جس طرح جسم میں روح ہوتی ہے وہی روحِ تزکیہ و طہارت اس انقلاب کا معیار متعین کرتی ہے۔

اسلامی انقلاب کے متعین مقاصد ہوتے ہیں۔ یہ انقلاب بعض انقلاب پسند افراد کی اغراض کا آلۂ کار اور ان کی ذہنی اپج کا نتیجہ نہیں ہوتا جو خلقِ خدا اور ان کے وسائل کو داؤں پر لگا کر اپنی بڑائی اور کبریائی کا سکہ چلانا چاہتے ہیں بلکہ یہ انقلاب اپنے پیش نظر کچھ مقاصد رکھتا ہے یہ مقاصد ناقابل تغیر ہیں یہ مقاصد بدل جائیں تو ان کی تبدیلی سے انقلاب کا رخ ہی بدل جاتا ہے وہ مقاصد یہ ہیں:

Marfat.com

۱۔ انسانی زندگی کے ہر شعبے اور گوشے میں بندگی رب کا آزادانہ اہتمام اور اللہ کا حق سب پر فائق۔

۲۔ نظامِ حق کا نفاذ۔

۳۔ خدا کے باغیوں کا زور توڑنا۔

۴۔ اخلاقی اور جسمانی پاکیزگی اور طہارتِ نفس کا اہتمام۔

یہ انقلاب بلاشبہ فکر وعمل کا ایک زوردار دھارا ہوتا ہے جس کے اندر طاقتور عوامل کارفرما ہوتے ہیں لیکن اس کا طریقہ تبلیغ و اصلاح، انسانی ضمیر کی آزادی، اور حسنِ خلق پر مبنی ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ
وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ
بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔

اسلامی انقلاب کی تبلیغ کی حقیقی بنیاد قولِ صالح سے زیادہ عملِ صالح پر قائم ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس کا عملی نمونہ اپنے کردار سے پیش کیا اور جب اسلام عرب کی سرزمین سے نکل کر باہر کی دنیا میں پھیلا تو لوگ مسلمانوں کے کردار کا جمال و رعنائی دیکھ کر اسلام کی حقانیت کے معترف ہوتے چلے گئے۔ پہلے وہ مسلمانوں کو دیکھ کر ان کے عمل و اخلاق سے مرعوب ہوتے۔ پھر اسلام سے متاثر ہوتے۔ بالآخر اسلام ہی کو اس اخلاق کا حقیقی سبب سمجھتے اور اسے محبوب و مطلوب جان کر اس کے معتقد ہو جاتے اور اس کی بنیادی تعلیم معلوم کر کے اس کے دائرے میں داخل ہو جاتے۔

کسی نظام کو بدلنے کے لیے اٹھنے والے انقلابی گروہ کا ایک مخصوص مزاج ہوتا ہے جسے ہم اس کا تحریکی مزاج کہہ سکتے ہیں ایسے لوگ حد درجہ پُرعزیمت ہوتے ہیں اور کسی دشواری یا مشکل سے گھبرا کر راستہ بدلنے پر تیار نہیں ہوتے۔ یہ باطل سے شدید متنفر ہوتے ہیں چونکہ اسی کو گرانے کی عملی جدوجہد کر رہے ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ ان کی موت و حیات کی جانگسل کشمکش جاری ہوتی ہے۔ حق کی سربلندی کے لیے ان میں جنون کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ حق کے دامن پر ایک دھبہ دیکھ

بھی انہیں گوارا نہیں ہوتا۔ باہمی وہ سخت پیوست ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے وہ شدید محبت کرتے ہیں۔ قرآن میں ان کے تعلق کی باہمی کیفیت کو رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کا مزاج سخت ذرجہ کا انقلابی ہوتا ہے۔ وہ باطل کے ساتھ کسی درجے میں بھی مصالحت یا موانست یا رعایت کا رویہ اختیار کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ مصلحت کے معاملہ میں بھی وہ زیادہ گنجائش دینے والے نہیں ہوتے۔ ان میں ناقابل تسخیر استقلال کا جوہر موجود ہوتا ہے، عزم و ارادہ کی پختگی انہیں ایک لمحہ کے لیے بھی راہِ حق میں چلتے ہوئے مادی نفع و نقصان کا حساب لگانے کی اجازت نہیں دیتی۔ ان میں حد درجہ شوقِ جہاد ہوتا ہے۔ وہ تبلیغ و تلقین کے تقاضے اتمامِ حجت کی حد تک ادا کرنے کے بعد باطل سے بالفعل ٹکرانے کا ایک زبردست داعیہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ ان کی جانیں ہتھیلیوں پر اور سر گردنوں پر صرف خدا کی امانت ہوتے ہیں۔ ایسی ہی بے تابی مسلمانوں میں موجود تھی جب ہجرت کے بعد مدینہ میں انہیں حکم دیا گیا تھا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ	اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو
يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا	جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو
إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ	کہ اللہ تعالےٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(بقرہ ۱۹۰:۲)

انہیں صفات کا گروہ ہوتا ہے جو نظامِ حق کو برپا کرنے کی جدّوجہد کر سکتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آغازِ دعوت اسلامی کے ساتھ ایسے ہی گروہ کی تیاری مکہ معظمہ میں کر رہے تھے۔

کلمہ طیبہ کے انقلابی اعلان پر مکہ معظمہ میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کردار سے سارا علاقہ متاثر تھا اس لیے اوّل اوّل رعایت اور برداشت کی کیفیت موجود رہی جن لوگوں نے آپؐ کے کردار کی قریب ترین دلربا جھلک دیکھی تھی وہ تو فوراً ہی ایمان لے آئے اور ان کے لیے آپؐ کی نبوّت کا اعتراف گویا ایک حقیقتِ منتظر کا اعتراف تھا۔ انہیں

دعوت قبول کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی چونکہ دلیل خود آپؐ کا کردار تھا۔ جنہوں نے آپؐ کو ذرا دور سے دیکھا تھا وہ بھی ان کی دیانت، امانت، شرافت اور صداقت کے معترف تھے بس ان کے لیے ابوبکر صدیقؓ اور عثمان غنیؓ جیسے معتبر لوگوں کی گواہی کام دے گئی۔

اسلامی تحریک کو قبول کرنے والے افراد بھی مخصوص طبع کے لوگ ہی ہوتے ہیں۔ ہر شخص آسانی سے ایک نئی دعوت کو قبول نہیں کر لیتا عموماً سعید فطرت لوگ آیات الٰہی پر غور و فکر کرنے والے لوگ حالات و حوادث سے عبرت پکڑنے والے لوگ، خدا ترس اور طبعاً نیک لوگ، بہادر شجاع اور جری لوگ ہی ہوتے ہیں جو قبول کرنے کے لیے آگے بڑھتے اور کشمکش اور مزاحمت کی مار کھاتے ہیں ایسے ہی لوگ کسی دعوت کا ابتدائی سرمایہ کہلاتے ہیں۔ آپؐ کو آغازِ کار کے طور پر مکی دور میں بیشتر ایسے ہی مضبوط اور بہادر لوگ میسر آئے۔ ان کے مقابلے میں ایک اسلامی تحریک سے دور رہنے اور اس کی مزاحمت کرنے کا ذوق ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے جو دنیا کی رنگینیوں میں مبتلا، عیش پسند، راحت طلب، عصبیتوں کے مارے ہوئے، اقتدار کے نشے میں مبتلا یا عالم دوبارہ نیستؐ کی بدبختی کا شکار، آخرت کے تصور سے خالی اور اس سے بے خوف ہوتے ہیں۔ آپ کو اپنی اسلامی تحریک کے بالکل آغاز ہی میں جو ساتھی ملے وہ معاشرے کا مکھن تھے۔ وہ سب سعید فطرت لوگ تھے بالکل ابتدا میں انہیں جو مزاحمت پیش آئی وہ بھی معمولی درجے کی مزاحمت تھی اس وقت تک آپؐ کے کردار کا رعب اور اثر کفار کو مزاحمت، مداخلت اور ظلم و ستم سے باز رکھ رہا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ تعرض نہ کرنے سے چند دن میں خود ہی یہ بات دب جائے گی۔

لیکن دعوتِ اسلامی کی انقلابی رو بتدریج آگے بڑھتی رہی اور مختلف لوگ اس دھارے میں شامل ہوتے چلے گئے اس سے کفّار کی تشویش میں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ ان کی جھنجھلاہٹ بڑھنے لگی۔ تحریک کے ساتھ نئے نئے ساتھیوں کے شامل ہونے سے ان میں غم و غصّہ کی لہر اور اپنی سرداری کے خاتمے کا اندیشہ بڑھتا چلا گیا۔ وہ لوگ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے مفہوم سے خوب اچھی طرح آگاہ تھے اور اس کلمے کا وہی مطلب سمجھتے تھے جو کائنات کے مالک نے اس کلمہ میں ڈال کر اسے اتارا

بالآخر مشکلاتِ لاالٰہ کا دور زور پکڑ گیا ؎

چوں می گویم من مسلمانم بہ لرزم
کہ دانم مشکلاتِ لاالٰہ را

اس دعوتِ عام کے نتیجے میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر عظیم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ کفارِ قریش نے دیکھا کہ مکہ کا ایک خاموش طبع تنہائی پسند، غارِ حرا کا عبادت گزار انسان ایک عظیم انقلاب کا لیڈر بن کر سامنے آگیا تھا۔ وہ زندگی کی ہر روش کو غلط قرار دے کر اسے یکسر بدل دینا چاہتا تھا۔ ایک شریف دیانتدار تاجر ایک دعوت کا داعی بن کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا حروف والفاظ کی دنیا سے مکمل ناآشنا انسان علم کے دریا بہانے لگا تھا اور لقمان سے بڑھ کر کلماتِ حکمت بیان کرتا تھا۔ قانون وضابطہ سے ناآشنا بکریوں کا چرواہا انسانی سوسائٹی کے ضابطے اور قاعدے بیان کرنے لگا تھا۔ اعمالِ نیک وبد کا فرق اور آخرت میں اعلیٰ وادنیٰ درجات کا امتیاز بتانے لگا تھا۔ غیر متمدن معاشرے کا ایک نوجوان تہذیب وتمدن کا سبق دینے لگا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ بت پرستوں کے ہجوم میں رہنے والا توحید کا درس دے رہا تھا۔ گمنامی اور خاموشی کا عادی انسان انقلابی ارادوں اور عزائم کا علمبردار بن گیا تھا۔ سادہ دل انسان کلام الٰہی پیش کرنے اور بڑے بڑے خطیبوں اور زبان آوروں کو فصاحت و بلاغت کے زور سے مرعوب کرنے لگا تھا۔ تنہائی پسندی نے اجتماعیت پسندی اور قیادت ورہنمائی کا روپ دھار لیا تھا۔ حد یہ تھی کہ وہ اپنے کاروبار اور تجارت تک کی طرف سے بے نیاز ہوگیا تھا وہ اپنے تعلقات کو اپنی دعوت پر قربان کرنے لگا تھا۔ جو بستیوں میں عزت اور احترام سے دیکھا اور بلایا جاتا تھا۔ وہ انہیں بستیوں میں کلماتِ تحقیر سے مخاطب کیا جانے لگا تھا۔ اس شریف انسان کو اب مذاق واستہزاء کا نشانہ بننا اور ستم وجور سے دوچار ہونا گوارا ہوگیا تھا۔ نہ اسے اس بات کی پرواہ تھی کہ اس نے یہ دعوت پیش کرکے معاشرے میں اپنی بنی بنائی عزت گنوا دی تھی اور نہ اس نے اس بات کا لحاظ کیا تھا کہ یہ کلمہ پیش کرکے

Marfat.com

اس نے عرب و عجم کو اپنا دشمن بنا لیا تھا اور بڑے بڑے سرداروں کو اس نے اپنا مخالف کر لیا تھا۔ وہ ان سب باتوں سے بے نیاز اپنی دعوت کا کلمۂ انقلاب مسلسل اور پیہم لوگوں کے سامنے پیش کرتا رہا۔ یہ حیرت انگیز تبدیلی تھی جو اس کلمۂ حق نے اس کے اندر پیدا کر دی تھی۔)

پھر اس نے خدا کے بارے میں یہ کہہ کر سب کو حیرت میں ڈال دیا کہ خدا ہی ساری صفات سے متصف ہستی ہے اور اس کے سوا دوسرے کسی کو بھی ذرّہ برابر اس کی خدائی میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اور اس کی خدائی اور حاکمیت ہمہ پہلو بھی ہے اور مستقل بھی۔ اس نے یہ کہہ کر بے شمار لوگوں کو مضطرب کر دیا کہ رسالت کا تصوّر لوگوں کے لیے ہادی و رہنما کا تصوّر پیش کرتا تھا۔ اور رسول کی سُنّت اور نقشِ قدم سے ہٹ کر چلنا دنیا و آخرت میں کسی صورت بھی خدا کو قبول نہیں تھا اس نے اپنے حیران کن کلماتِ طیبّہ کو قرآن بنایا اور اسے تمام انسانوں کے لیے ہدایت نامہ اور کتابِ زندگی قرار دیا۔ اس نے بُرے لوگوں کو پیچھے ہٹانے اور نیک لوگوں کو آگے لانے کا تاریخ میں پہلی بار تصوّر پیش کیا۔ یہ ساری تبدیلیاں جو وہ اپنی ذات اور عقائد میں لا رہا تھا یہی تبدیلیاں اس نے اپنے سارے ماننے والوں میں پیدا کر دی تھیں اس نے اپنے ماننے والوں میں یہ تبدیلیاں کسی خانقاہی نصابِ تصوّف کے ذریعے نہیں بلکہ زندگی کے میدان کی عملی جد و جہد کے ذریعے پیدا کیں۔ اس نے زندگی کا سارا زاویہ ہی بدل دیا۔ اشیاء پر توجہ کی بجائے انسان پر توجّہ دینا سکھایا۔ معیارِ زندگی کی بجائے معیارِ اخلاق کو معیارِ انسانیت قرار دیا۔ حکمرانوں اور سربراہوں کے لیے صالحیت کی شرط پیش کی۔ دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح کے قابل قرار دیا۔ مختلف سمتوں میں منتشر اور بکھری ہوئی زندگی کو وحدت کا مقام دیا۔ خدمتِ خلق کو اعلیٰ تر اخلاق بتایا۔ مال و نسب کی بجائے صفت و کردار کو انسان کی قدر و قیمت کا معیار ٹھہرایا۔ غرض انسانی زندگی کا رُخ بدصورتی اور بدگمانی سے موڑ کر حسن و جمال کی طرف، بدکرداری سے خوش اطواری کی طرف، ناپاکی سے پاکیزگی کی طرف اور پرستشِ مخلوق سے پرستشِ خالق کی طرف کر دیا۔ اس طرح اسلامی زندگی توازن و اعتدال کی، عدل و انصاف کی، محبت و

Marfat.com

اخوت کی اور دیانت و امانت و خدا ترسی کی زندگی بن گئی۔ ایسی زندگی یوں تو بڑی خوبصورت اور حسین ہے لیکن باطل کو یہ کبھی پسند نہیں رہی ہے اور وہ اس کے خلاف ہمیشہ جان توڑ جدوجہد کرتا رہا ہے اور باطل کی حق کے خلاف اس جان توڑ جدّ وجہد سے ہی مشکلاتِ لا الٰہ کا آغاز ہوا کرتا ہے۔

اس طرح وہ صالح جماعت منظّم کی گئی جو اسلامی انقلاب کے لیے جدّوجہد کرنے والی جماعت تھی۔ پہلے فرد فرد کو علیحدہ علیحدہ عقیدہ و مسلک کا عشق دے کر حق کا درس دیا گیا۔ پھر اسے آزمائش کی بھٹی میں تپایا گیا۔ پھر فرد فرد کو ایک انقلابی گروہ سے وابستہ کر کے اس کے سامنے ایک عظیم نصب العین رکھا گیا، پھر اس نصب العین کے لیے کشمکش سے دوچار ہونا۔ اس کے لیے جدّوجہد کرنا۔ ایثار و قربانی کرنا اور اپنی اپنی جگہ مسلسل مار کھانا اسے سکھایا گیا۔ اس طرح ایک ہی اخلاق و کردار کے لوگ یکساں حالاتِ آزمائش سے گزرتے ہوئے یکساں نوعیت کی تربیّت پاتے رہے۔ اور اس طرح اپنے اندر وہ یکساں نوعیّت کے اخلاق و کردار کی تعمیر بھی کرتے رہے۔ اس تربیّت و تعلیم سے ان میں صبر و استقامت پیدا ہوئے۔ عزیمت و استقلال نے پرورش پائی۔ حق کے لیے دنیا بھر سے لڑ جانے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ جان ہتھیلی پر رکھ کر صرف رضاءِ الٰہی کے لیے گھر سے نکل کھڑا ہونے کا سبق سیکھا۔ چلتے کاروبار، لہلہاتی کھیتیاں، محبت بھری دوستیاں اور آباد گھروں کو اللہ کے راستے میں خیرباد کہہ کر خالی دامن اُٹھ کھڑے ہونے کا فن سیکھا۔ اصولوں کی خاطر دوستیاں توڑ دینے اور دشمنیاں چھوڑ دینے کا حوصلہ پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے اشارۂ چشم و ابرو پر اپنا سب کچھ لٹا دینے کا ڈھنگ سیکھا۔ ایک ساتھ جینے، ایک ساتھ مرنے اور ساتھ ساتھ زندگی گزارنے کا گر ہاتھ آیا۔ ذاتی اُمنگوں، آرزوؤں اور ترغیبوں کے خوابوں سے دست بردار ہو کر مقصدِ زندگی کے لیے جینے کا سلیقہ سیکھا۔

جب ایسا گروہ تیار ہو گیا تو درحقیقت وہ فوج تیار ہو گئی جو اگر قلیل بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

غیبی امداد سے بڑے بڑے گروہوں پر غالب آجایا کرتی ہے۔ مکہ کے تیرہ سالوں میں یہی گروہ تھا جو تیار ہوتا، مرتب ہوتا، منظم ہوتا اور تربیت پاتا رہا۔ یہاں تک کہ بار بار تپ کر یہ لوہا فولاد بن گیا۔ جسے ہر میدانِ زندگی میں پورے اعتماد کے ساتھ اتارا جا سکتا تھا۔ جب ایسا ایک گروہ آزمائش کی بھٹی اور عقیدے کے سانچے میں ڈھل کر تیار ہو گیا تو پھر انقلاب کے اگلے مراحل کے لیے قدم اٹھا دیا گیا۔

Marfat.com

تیسرا باب ۳

باطل کے خلاف مورچہ بندی

(بذریعہ ہجرت)

مادی ضروریات کی حرص و ہوا سے ماورا اسلام کے انقلابی عقائد کے ذریعے ایک انقلابی فرد کی تیاری اور تعلیم و تربیت کے بعد اس کی تنظیم و جماعت بندی کا مرحلہ بھی جب طے پا گیا اور ایک ایسا صالح گروہ تیار ہو گیا جو ماوراء النفس غیر مادی مقاصد کے لیے جانیں لڑا سکتا تھا تو پھر باطل سے دست بدست کشمکش کا مرحلہ سامنے آ گیا۔ یہ کشمکش اگر کافر و مسلم مخلوط معاشرے میں ہوتی تو اس کی نوعیت خانہ جنگی سے زیادہ قرار نہ پاتی اور اس کے نتائج ایک منظم حکومت اور مہذب معاشرے کی صورت میں نمودار نہ ہوتے ظاہر ہے کہ باہمی خانہ جنگی میں مبتلا کسی معاشرے میں سے کوئی صالح اور پاکیزہ شورائی نظام نمودار نہیں ہو سکتا۔ اوّل تو ایسی کشمکش کی نوعیت مسلم اور غیر مسلم فسادات سے مختلف نہ بنتی اور دونوں گروہوں کے کردار کی امتیازی خصوصیات بھی کھل کر سامنے نہ آ سکتیں دوسرے اس طرح بے پناہ خون خرابہ ہونے کے باوجود کسی منظم حکومت کے برسرِ اقتدار آنے کے امکانات کم سے کم تر ہو جاتے۔ بلکہ ملک کسی غیر ملکی مداخلت اور مہم جو جابر حکمران کی آماجگاہ بننے کے لیے نرم چارہ بن جاتا۔ حضورؐ کی حکمت اس امر کی متقاضی تھی کہ ایک واضح نصب العین کو حاصل کرنے اور ایک بامقصد انقلاب برپا کرنے کے لیے کشمکش کرنے والے مسلم و کافر دونوں گروہوں کی مورچہ بندی باقاعدہ علیحدہ علیحدہ ہو۔ یہ حکمت عقلِ سلیم کو بھی اپیل کرتی ہے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جدّوجہد میں اس کی مثال موجود تھی۔ بنی اسرائیل کی اجتماعیت جب علیحدہ اور یکجا ہو گئی۔ دوست اور دشمن واضح طور پر علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ تب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ انبیاء کا کام اللہ تعالیٰ کا کام ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنے نبیوں کو اسلامی انقلاب کے لیے اٹھاتا ہے تو اس کی حکمت

ہی کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ اس کی مخلوق میں فساد برپا نہ ہو اور جب اصلاح کے واضح امکانات موجود ہوں اسی وقت تبدیلی لانے کی انقلابی جدوجہد کا آغاز کیا جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب دوست اور دشمن آمنے سامنے ہوں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ انقلاب کا تیسرا اصول ہجرت ہے۔ مکہ کے دارِ عدو سے ہجرت کر کے مدینے کے دارِ دوست کی طرف روانگی، وہاں اپنی قوتوں کا اجتماع و تنظیم، اپنے ذرائع اور وسائل کی یکجائی اور فراہمی، اقدام کے لیے اپنے حالات کی مطابقت کا اہتمام، آزاد مشورے اور کھلے معاونین کا انتظام، دشمنانِ حق کے خلاف اقدام کرنے سے پہلے یہ سارے انتظامات ضروری تھے۔ چنانچہ آپ نے اشارۂ ربانی کے تحت اپنے منتشر ساتھیوں کو مدینے کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا اور اسی ہجرت کو اپنے اور پرائے کا معیار قرار دیا جو جاہلی معاشرے سے کٹ کر آگیا وہ اسلامی مورچے کا مجاہد ٹھہرا اور جو اسی معاشرے سے چمٹ کر رہ گیا اسے حالات کے حوالے کر دیا گیا اس لیے کہ وہ اسلامی فوج کا سپاہی نہ بن سکا تھا۔

ہجرت کا یہ حکم ایک انقلابی اقدام تھا۔ مخلص ساتھیوں کے اندر اس کی طلب پہلے سے موجود تھی۔ مار کھاتے کھاتے اب اسلام کے لیے مر مٹنے کا جذبہ، ہر ساتھی میں بے پناہ پیدا ہو گیا تھا۔ اب ان کی طلب صادق اور آرزوئے اقامتِ دین پختہ ہو گئی تھی اس لیے اب انہیں اس مورچے پر پہنچنے کا حکم مل گیا جس مورچے سے انہوں نے باطل کے خلاف مسلح طور پر نبرد آزما ہونا تھا۔

ظاہر ہے کہ ہجرت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے برسوں بیت گئے تھے۔ قریش کی مزاحمت دن بدن بڑھتی ہی چلی گئی تھی۔ اب ان کے درمیان مزید رہنا تضیعِ اوقات تھا۔ اب اللہ کے کلمے کو بلند کرنے دین اسلام کو اپنی زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ ثابت کرنے اور اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے داعیانِ حق کے سامنے ہجرت ایک فیصلہ کن مرحلہ بن کر آگئی تھی۔ ظاہر ہے کہ کفر کے علاقے کو چھوڑ کر اللہ کی خاطر کسی دوسرے علاقے

Marfat.com

کی طرف سفر کر جانے کا نام ہی ہجرت ہے۔ اللہ کے لیے، اس کے دین کے لیے، اور اپنے ایمان کے لیے اپنا گھر بار، عزیز و اقربا، تجارت دکاروبار چھوڑ کر خالی ہاتھ پردیس کی طرف نکل جانے کا نام ہی ہجرت ہے۔ ہجرت کی دینِ اسلام میں بہت بڑی اہمیت ہے۔ غلبۂ اسلام کے لیے فرد کی اصلاح پہلا قدم ہے تو معاشرے کی اصلاح دوسرا قدم ہے اور دیارِ کفر سے دارِ اسلام کی طرف ہجرت کرنا تیسرا قدم ہے ان مراحل سے گزر کر ہی اسلام کا حیات آفرین اور زندگی بخش نظام قائم ہوتا ہے۔

ہجرت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں دعوتِ اسلامی پیش کرتے ہوئے ۱۳ سال بیت گئے تھے تب آپؐ کی عمر ۵۳ سال کی ہو گئی تھی۔ آپؐ طائف کی دعوتی مہم سے زخمی ہو کر واپس تشریف لے آئے تھے۔ آپؐ کے مشفق چچا ابو طالب اور غمگسار اہلیہ خدیجۃ الکبریٰ کا انتقال ہو چکا تھا۔ قریش اب آپؐ کی جان کے درپے تھے۔ ان کی مجالس میں آپؐ کے قتل کے منصوبے زیرِ غور آنے لگے تھے۔ آپؐ کے گرد کفار کا نرغہ شدید سے شدید تر ہو گیا تھا۔ یہی موقعہ تھا جب مدینہ کے چند افراد نے حج کے موقعہ پر اسلام قبول کیا تھا۔

مدینہ والوں پر اللہ کی رحمت ہو جنھوں نے تاریخِ اسلام کے دھارے کا رُخ مکہ سے مدینے کی طرف موڑ کر پوری انسانیت پر احسان کیا۔ دوسرے سال یعنی نبوت کے ۱۲ ویں سال ۷۵ افراد نے آکر اسلام قبول کر لیا اور ساتھ ہی آپؐ کو اپنے ساتھ مدینہ منتقل ہونے کی دعوت بھی پیش کر دی تاکہ وہ آپؐ کی موثر مدد کر سکیں۔ مشاورت کا یہ اجتماع جاری تھا اور حضورؐ بھی ہجرت پر آمادہ سے تھے جب مجلس میں ایک نوجوان اسعد بن زرارہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے دعوت دینے والوں کو مخاطب کر کے کہا:

> "ٹھیرو، اے اہلِ یثرب ہم لوگ جو ان کے پاس آئے ہیں تو یہ سمجھتے ہوئے آئے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ اور آج انہیں یہاں سے نکال کر لے جانا تمام عرب سے دشمنی مول لینا ہے۔ اس کے نتیجے میں تمہارے نونہال قتل ہوں گے اور تلواریں

Marfat.com

تم پر برسیں گی ۔ اگر تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت اپنے اندر پاتے ہو تو ان کا ہاتھ پکڑ لو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو پھر چھوڑ دو اور صاف صاف عذر کر دو کیونکہ اس وقت عذر کر دینا خدا کے نزدیک زیادہ قبول ہو سکتا ہے ۔"

یہی بات ایک اور ذمہ دار رکنِ وفد نے کہی اور جب ساری مجلس نے بہ آوازِ بلند یہ بات کہی کہ :

"ہم اسے لے کر اپنے اموال کو تباہی اور اپنے اشراف کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار ہیں ۔"

تو اس کے بعد وہ مشہور "بیعت عقبہ ثانیہ" ہو گئی ۔ جس کے بعد آپؐ کے مدینہ ہجرت کر جانے کا اجتماعی فیصلہ ہو گیا ۔

اس کے بعد آپؐ کو صرف یہ انتظار تھا کہ اللہ کی طرف سے خود آپ کو کب اِذنِ سفر ملتا ہے اور آپ کے ساتھ رفاقتِ سفر کا کسے شرف حاصل ہوتا ہے ۔

(قریش کو علم ہوا تو انہوں نے آپ کے قتل کے منصوبہ کو آخری صورت دے دی ۔ ہر قبیلے کا ایک ایک نوجوان قاتلوں کے گروہ میں شامل ہو کر حملہ کرنے والا تھا تاکہ بنو ہاشم قصاص کی بجائے دیت لینے پر مجبور ہو جائیں ۔ اس کے لیے ایک خاص رات مقرر کر دی گئی ۔ وہی خاص رات اللہ کی طرف سے حضورؐ کے لیے ہجرت کی رات مقرر کی گئی تھی ۔)

ہجرت کی اس رات آپؐ کے بستر پر حضرت علیؓ سوئے اور ایسی میٹھی اور ٹھنڈی نیند سوئے جیسی گہری نیند ان کے بقول اس سے پہلے وہ کبھی نہ سوئے تھے ۔ اسی رات آپؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مکان پر تشریف لے گئے ۔ گھر میں تخلیہ کرایا اور انہیں ہجرت کا حکم آجانے کی خبر سُنائی ۔

"کیا مجھے بھی آپ کے ساتھ سفر کی اجازت ہے" ؟

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیق نے کانپتی ہوئی آواز میں عرض کیا:

"ہاں تمہیں بھی میرے ساتھ سفر ہجرت کرنا ہوگا"۔ آپؐ نے فرمایا۔

اُم المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"یہ بات سن کر ابا جان زار و قطار رو پڑے۔ تب میں نے پہلی بار جانا کہ انسان غم میں ہی نہیں بلکہ خوشی میں بھی رونا ہے"۔

(یوں ہجرت کا حکم آیا۔ ہجرت ہوئی۔ پہلا پڑاؤ غار ثور میں تھا جہاں تین دن قیام فرمایا گیا اور جب تعاقب کرنے والوں کے پاؤں تک نظر آنے لگے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت گھبرائے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ اگر وہ ذرا جھک کر دیکھ لیں تو ہم پکڑ لیے جائیں گے"۔

آپؐ نے جواب میں فرمایا: "ابوبکر"

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے غم نہ کرو"۔)

اور بلاشبہ ہجرت کرنے والے پاک نبی کے ساتھ اللہ تھا اور جب وہ پاک نبی مدینہ پہنچا تو گویا وہاں کامیابیوں کا چاند طلوع ہوگیا۔ آپ کی اسی ہجرت سے سنِ ہجری کا آغاز ہوگیا۔ اس میں کیا شک ہے کہ ہجرت اسلامی انقلاب کا نقطہ آغاز ہے۔ ہجرت اسلام کی کامیابیوں کی طرف پہلا مضبوط قدم ہے، ہجرت کفر و اسلام کے درمیان سفرِ مفارقت ہے۔ ہجرت مسلمانوں اور کفار کے درمیان مقام جدائی ہے۔ ہجرت اسلام کی فتح کا دروازہ ہے۔ ہجرت مسلمانوں اور کافروں کے درمیان قوت آزمائی کا وسیع میدانِ جنگ ہے۔ ہجرت کے پیچھے کفر کی ناکامیوں کا ہجوم ہے اور ہجرت کے آگے اسلام کی کامیابیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

غرض مسلمانوں کو ہجرت کا عام حکم ہوگیا اس حکم سے مومنین میں مسرت کی لہر دوڑ گئی وہ اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑنے، کاروبار لٹانے اور عزیز و اقرباء کو ترک کرنے کے لیے پہلے سے تیار تھے۔ وہ اپنے مالک کو خوش کرنا چاہتے تھے۔ وہ کفار کی پیدا کردہ ظلم کی فضا اور

Marfat.com

تشدد کی چلتی ہوئی چکی سے نجات پانا چاہتے تھے۔ وہ دشمنانِ حق کو میدانِ مبارزت میں کھلا کھلا للکارنا چاہتے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان میں بعض ایسے بھی تھے جن کو ہجرت کے ساتھ کاروبار کا خاتمہ، پردیس میں بے سہارا ہونے کا اندیشہ، معاشی بے روزگاری سے دوچار ہونے کا خطرہ اور بھوکوں مرنے کا غم اندر ہی اندر کھائے جاتا تھا۔ جن کے ایمان معیاری نہ تھے اور جو ایمان کو عقل سے سمجھتے تھے ان کے دلوں میں ابھی ایمان نے پوری طرح گھر نہ کیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے معاشی اندیشوں کو زائل کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ	اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس
یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَہٗ	کا چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور
اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔	جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے یقیناً
(العنکبوت: ۶۲)	اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

یوں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو تسلی دی جو معاشی پریشانی کے اندیشوں سے پریشان اور اس کے غم میں غلطاں وحیران تھے۔ قرآن نے انہیں بتایا کہ تم جہاں جاؤ گے تمہارا رب تمہارے ساتھ ہوگا اور وہ تمہارے لیے رزق فراہم کرے گا۔ آخر جنگلوں کے جانور بھی ہیں جن کے لیے وہاں کہیں رزق کے خزانے جمع نہیں ہیں۔ ہوا کے کروڑوں پرندے بھی ہیں جن کی خوراک اللہ تعالیٰ انہیں فراہم کرتا ہے۔ سمندروں اور دریاؤں کے جانور بھی ہیں وہ بھی اپنے مالک سے رزق پاتے ہیں۔ آخر وہ مالک اپنے راستے میں گھر بار چھوڑ کر نکلنے والے مخلص بندوں کو کیوں رزق سے محروم کرے گا۔ اپنی مخلوقات کو پالنا تو خود اللہ نے ہی اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ اس کے پالنے سے ہی اربوں اور کھربوں حیوانات اپنی اپنی مطلوبہ غذا کے ساتھ پل رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو جو معاشی تفکرات میں غلطاں رہتے اور اپنے معاشی اندیشوں سے اللہ کے دین کا ساتھ دینے سے ہچکچایا کرتے تھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا: [1]

---

[1] بائبل۔ متی باب ۶

Marfat.com

"دیکھو میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے۔ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں ہے۔ تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم کن چیزوں کے محتاج ہو۔ تم پہلے اس کی بادشاہی اور اس کی راست بازی کی تلاش کرو۔ یہ سب چیزیں بھی تمہیں مل جائیں گی۔"

اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ حق پرستوں کے راستے میں حق کی دعوت دیتے ہوئے ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے جب ایک حق پرست انسان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ مادی اسباب کے سارے سہارے توڑ کر اور انہیں نظر انداز کر کے صرف اور محض اللہ کے بھروسے پر حق کے لیے جان جوکھوں میں ڈال دے اور جان کی بازی لگا دے ظاہر ہے کہ فیصلہ کن مرحلے پر جو لوگ حساب کرنے بیٹھتے ہیں اور گن گن کر مستقبل کے نفع و نقصان کا جائزہ لیتے ہیں اور اپنے سارے مفادات کے پیشگی تحفظات تلاش کرتے ہیں۔ وہ دنیا میں کوئی انقلابی قدم نہیں اٹھا سکتے اور نہ انہوں نے تاریخ میں اب تک کوئی انقلابی کام کیا ہے۔ البتہ جو لوگ فیصلہ کن مرحلے پر جان ہتھیلی پر رکھ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ہر خطرے کو بے دھڑک برداشت کرتے ہیں ان کی قربانیوں سے ہی اللہ تعالےٰ جل شانہٗ کا کلمہ بلند ہوتا اور اسلام کا جھنڈا لہراتا ہے۔

ہجرت ایسے ہی تاریخی مواقع میں سے ایک اہم موقعہ ہوتا ہے جب بندۂ مومن حق کے لیے کیے ہوئے اپنے دعوے کا عملی ثبوت پیش کرتا اور اللہ کے راستے میں سب کچھ لٹا کر نکل کھڑا ہوتا ہے تو یہ مرحلہ بھی طے ہو جاتا ہے اس کے بعد پھر بدر سے لے کر فتح مکہ اور فتح خیبر تک کے سارے مراحل ایک ایک کر کے طے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہجرت بلاشبہ بندۂ مومن کی ایک بھاری آزمائش ہے اور اس میں سے گزر کر ہی وہ اللہ کی رضا حاصل کرتا اور دین کا پرچم لہراتا ہے۔

Marfat.com

غرض ہجرت کا حکم ہوتے ہی مکہ کی طرف سے مسلمان آبادی کا بہاؤ مدینہ کی طرف ہو گیا مکہ کے علاوہ بھی مسلمان جہاں جہاں پر موجود تھے وہ سب اس نئے مرکز کی طرف رجوع کرنے لگے۔ ایک مرکز پر جمع ہو جانے کے حکم نے سارے عرب قبائل میں منتشر مسلمانوں کو مدینے کی طرف ہجرت کرنے اور ایک اسلامی معاشرے میں سمٹ آنے پر آمادہ کر دیا۔

جو لوگ مکہ کے ظالم کفار کے ظلم و ستم سے پریشان ہو کر حبش کی طرف ہجرت کر گئے تھے وہ بھی نئے دار الہجرت کی اطلاع ملتے ہی بتدریج سمٹ سمٹا کر اس مرکز میں جمع ہونے لگے۔ جہاں اللہ اور اس کے رسول اکرمؐ کے احکام پر عمل پیرا ہونا ممکن تھا۔ مدینہ ہجرت کے ذریعے اسلام کا مرکزِ اعصاب بن گیا تھا۔

ہر طرف سے مہاجرین کے بہاؤ نے مدینہ کی چھوٹی سی بستی میں آبادکاری کے مسائل پیدا کر دیے۔ نئے آنے والے اپنے اپنے علاقوں سے کفار کے ظلم و ستم سے پریشان لٹے پٹے ہجرت کرتے چلے آ رہے تھے۔ ان کے پاس کوئی ذرائع و وسائل موجود نہ تھے۔ ذاتی سامان و روزمرّہ کے استعمال کے لیے بھی بستر نہ تھا۔ کوئی روزگار نہ تھا۔ صرف ایک مقصدِ زندگی کا عشق اور دین کی محبت کا سودا ان کے دل و دماغ میں موجود تھا۔ شہر میں آبادی یکایک بڑھ جانے اور آنے والوں کی بدحالی کے نتیجے میں معاشی، معاشرتی، انفرادی اور اجتماعی بے شمار نوعیت کے متفرق مسائل پیدا ہو گئے جن سے مدینے میں نئی وجود میں آنے والی مفلوک الحال ریاست، سب سے پہلی اسلامی ریاست کو سابقہ درپیش تھا۔ اس بے سروسامانی میں اتنی بے گھر اور بے روزگار آبادی کو اس کے پاؤں پر کھڑا کرنا نہایت دشوار کام تھا۔ مدینہ پہنچتے ہی سب سے پہلے حضورؐ کو یہی مسئلہ درپیش تھا۔

حضورؐ نے کمالِ تدبر سے اس پیچیدہ مسئلے کو نہایت آسان اور خوبصورت پیرائے میں حل کر دیا جس سے حکومت پر بھی کوئی زائد بوجھ نہ پڑا۔ مدینہ کی شہری حکومت اس وقت ایک تنکے کا بوجھ بھی سہار نہ سکتی تھی۔ خود سربراہِ ریاست بھی مہاجر تھے۔ آپ نے اس پیچیدہ انسا

Marfat.com

مسئلے کو باہمی اصولِ مواخات کے ذریعے حل کیا اور ساری نئی آبادی کا بوجھ ساری پرانی آبادی کے افراد کے ذمے فرداً فرداً تقسیم کرکے لگا دیا۔ مواخات کے اس نئے رشتے کے حقوق مقرر کر دیے گئے۔ اس نظریاتی برادری کے وجود میں آنے سے معاشرتی، معاشی، اجتماعی، انفرادی اور اخلاقی سارے مسائل بیک وقت حل ہو گئے۔ نئے آنے اور پرانے استقبال کرنے والوں کے لیے اجنبیت کی فضا محبت اور برادری کی فضا میں بدل گئی۔

بھائی بھائی بن جانے سے نئے آنے والوں کا بوجھ پرانی آبادی کے دلوں سے اُتر گیا۔ اجتماعی فنڈ نہ ہونے کے سبب فرد فرد کا معاشی بوجھ فرد فرد پر پڑنے سے تقسیم ہو کر سارا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ جہاں چند افراد کی رہائش کا بندوبست پہلے سے موجود ہو۔ ظاہر ہے کہ وہاں تنگی ترشی سے چند مزید افراد کو بھی سمایا جا سکتا ہے۔ جہاں چند افراد کے کھانے پینے کا انتظام پہلے سے موجود ہو وہاں چند افراد کو اپنے کھانے پینے میں مزید بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس سے عصبیتیں دب گئیں۔ مہمانداری اور میزبانی کی فضا پیدا ہو گئی۔ گھر کے افراد کی طرح دل کھل گئے اور جو نئے معاشرتی اور معاشی مسائل پیدا ہوئے تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حیرت انگیز تدبیر سے سارے سلجھ گئے۔ بھائیوں کی پرانی آبادی نے نئے بھائیوں کی آبادی کو سنبھال لیا اور مہاجرین مدینے میں نہایت آسانی سے یوں سما گئے جس طرح مٹی میں پانی سما جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ مدینہ ہجرتِ رسولؐ کے وقت ایک معمولی بستی تھا۔ اوس و خزرج کے دو قبائل اسی میں آباد تھے جو مدتوں سے باہمی جنگ و جدل کرتے چلے آ رہے تھے۔ ان کے علاوہ مدینے کے مضافات و اطراف میں یہودیوں کی بستیاں تھیں جن میں تین قبائل آباد تھے۔ مشرقی حرّے کی جانب بنو نضیر کی بستیاں اور ان کے باغات تھے۔ جنوب کی طرف بنو قریظہ اور ان کی آبادی تھی۔ اور جنوب مغرب کی طرف بنو قینقاع تھے۔ ان یہودیوں کی مجموعی آبادی بھی اوس و خزرج کی مجموعی آبادی کے لگ بھگ تھی۔ یہ ساری آبادی مل کر ۵، ۶ ہزار سے

Marfat.com

زیادہ نہ تھی۔ مدینہ ایک چھوٹی سی بستی تھی جس کی معیشت کا انحصار زیادہ تر زراعت پر تھا۔ دوسرے درجے پر تجارت تھی جو بیشتر یہودیوں کے ہاتھ میں تھی۔ اوس، خزرج دونوں کاشتکار قبائل تھے اور قریش ان کو جنگجو قبائل میں شمار نہ کرتے تھے۔

مدینہ ایک غیر معروف چھوٹی سی بستی تھی جب ہجرت کا عظیم واقعہ پیش آیا اور مکہ سے حضور اکرمؐ اور مہاجرین آئے تو ساری بستی کا معاشرتی، تجارتی اور اخلاقی نقشہ یکایک بدل گیا۔ بستی آہستہ آہستہ بڑھنے پھیلنے اور ترقی کرنے لگی۔ جو قصبہ کاشتکار، انصار اور مہاجن یہودیوں پر مشتمل تھا اب اس میں قریش کے تجارت پیشہ لوگ بھی آگئے تھے اور ان کے آنے سے بازاروں اور تجارت کے کاموں میں چہل پہل ہوگئی تھی۔ شہر کی قوت کا توازن جو پہلے یہودیوں کے حق میں تھا اس لیے کہ مدینے کے باشندے ان کے اہل کتاب اور مالدار ہونے کے سبب ان سے مرعوب تھے مگر اب نئے مہاجرین اور ایک رسول کی آمد سے بدل کر مسلمانوں کے حق میں چلا گیا جو یہودیوں کو بہت ناگوار تھا نبوت پر ایمان لانے کے نتیجے میں یہودیوں کے اثرات انصار پر سے بھی دن بدن کم ہوتے چلے گئے۔ مدینہ نئی اسلامی ریاست کا دارالسلطنت بن گیا۔ وہاں سے فوجیں منظم ہو ہو کر دشمن کفار کے خلاف جانے لگیں۔ ہر طرف سے قبائل کے وفود آنے لگے، حکومتوں کے سفیر آنے لگے، قیدی آنے لگے۔ ہر طرف سے بے شمار مالِ غنیمت آتے اور مدینے کے باشندوں میں تقسیم ہونے لگا جو لوگ پہلے صرف کاشتکار تھے اب وہ اسلامی افواج کے مجاہد اور کمانڈر بن بن کر جانے لگے جن لوگوں کی معاشی حالت سخت خستہ تھی اب ان کے پاس مالِ غنیمت، لونڈی، غلام، قیدی اور مال و متاع آنے لگے۔ اس طرح دیکھتے دیکھتے کوہ اُحد کے دامن میں آباد ایک چھوٹی سی بستی جدید ترین خطوط پر قائم ایک اسلامی ریاست کا مرکزی مقام ہونے کی حیثیت سے دور دور تک متعارف ہوتی چلی گئی۔

اس شہر کی آبادی کی حیثیت بڑھ گئی۔ اس کے باشندے نئی اسلامی ریاست کے اعوان و انصار بن گئے۔ اس کے نوجوان فوجوں کے مجاہد بن گئے۔ اس کے بزرگ ریاستی وفود

Marfat.com

کے رکن بن بن کر مختلف حکومتوں کی طرف جانے لگے۔ اور ہجرت کے بعد صرف ۸۔۹ سال کی مدت کے اندر اندر کوہِ سلع اور کوہ اُحد کے درمیان آباد ایک چھوٹی سی کاشتکار آبادی اسلامی حکومت کا دارالسلطنت بن کر سارے عالم میں مشہور ہو گئی۔ ہجرت کے واقعہ نے اس شہر کی قسمت آسمان تک پہنچا دی۔ یثرب کی بستی مدینہ منورہ کا شہر بن گئی۔ یہ ہجرت کے ثمرات تھے۔

ہجرت اسلامی انقلاب کی طرف ایک نہایت اہم قدم ہے۔ یہ باطل کے تسلط سے بغاوت کر کے خدا کی بندگی اختیار کرنے کا کھلا کھلا اعلان ہے۔ ہجرت ملک و ملّت، برادری، نسل، قبیلہ، خون کے رشتے، مادرِ وطن اور گروہی عصبیتوں کے خلاف کامیاب اقدام ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہر شخص کے لیے اس کا ملک ایک عزیز خطۂ زمین ہوتا ہے جس سے ایک انسان کو بے حد محبت ہوتی ہے بلاشبہ ہر شخص کے لیے اس کی قوم ایک حد درجہ عزیز گروہ ہے جس کے ساتھ انسان خون کا تعلق رکھنے کے سبب بے حد محبت کرتا اور اس سے جُدا ہونا کبھی گوارا نہیں کرتا ہے) بلاشبہ وطن کی بہتری اور بھلائی کے لیے انسان ہمیشہ بڑی بڑی قربانیاں دیتا ہے بے شک وطن انسان کے لیے ایک محبوب شے کا نام ہے اور اس کا نام آتے ہی ایک مسافر کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مدینہ میں آکر مکہ کے شب و روز کو یاد کیا کرتے تھے۔ ایک مسافر کو اپنے وطن کی چڑیوں، کوّوں اور پرندوں تک سے محبت ہوتی ہے۔ لیکن ہجرت کے ذریعے اسلام اپنے ماننے والوں کو محبت و الفت کا ایک بلند تر معیار اور نصب العین عطا کرتا ہے اور وہ معیار خدا اور رسول کی محبت ہے۔ نظریے اور مقصدِ زندگی کی محبت ہے۔ دوسری چیزوں کی محبت اگر نظریے کی محبت کے ساتھ ساتھ چلے تو اسے زندہ رکھنے، پرورش کرنے اور پروان چڑھنے کا حق ہے لیکن اگر دوسری چیزوں کی محبت اسلام کے نظریے کی محبت سے ٹکرا جائے تو اسلام اپنی محبت کو دوسری ہر محبت سے زیادہ فائق اور لائقِ ترجیح قرار دیتا ہے۔ خدا اور رسول کی محبت کے لیے قوم کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ وطن اور ملک کو

Marfat.com

چھوڑا جا سکتا ہے بلکہ اگر وہ خدا، رسول اور اسلام کی محبت کے راستے میں رکاوٹ ڈالیں تو ان کو چھوڑنا اور اللہ کے راستے میں بے سروسامان نکل کھڑے ہونا فرض قرار دیا گیا ہے یہی ہجرت کی حکمت اور اس کی نشانِ ایمان ہے۔

دنیا میں لوگ ملکوں کے لیے جانیں قربان کرتے ہیں اور ملک و وطن کو خدا کی طرح پوجتے ہیں لوگ قوم اور ملت کی محبت کو نیشنلزم کا نام دے کر اسے ہر چیز سے بالاتر قرار دیتے ہیں اور اس کی محبت میں انسانیت کے خلاف خوفناک لڑائیاں لڑتے ہیں لیکن ایک مسلمان خدا کے سوا کسی اور شے کو نہیں پوجتا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کو اپنا رہنما اور ہادی قرار نہیں دیتا۔ وہ ہمیشہ انہیں کے احکام کی پیروی کرتا ہے۔ ہجرت نے ساری دنیا پر مسلمانوں کے اس مسلک کو پوری طرح واضح کر دیا ہے۔ مسلمان ملک کا وفادار ہے۔ وطن کا دوست ہے، قوم سے محبت کرتا ہے لیکن جب تک یہ چیزیں اس کی بالاتر محبتِ خدا اور رسول میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔ اگر یہ چیزیں خدا کی محبت کے راستے میں رکاوٹ بن جائیں تو ایک مومن ان کو اپنے راستے سے روڑے کی طرح ہٹا دیتا ہے یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اور صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے حکم پر ہجرت کر کے ساری دنیا پر ہمیشہ کے لیے ثابت کر دی۔ چنانچہ ہر ملک و وطن و ملت مسلمان کی حدِ وفاداری سے خوب آگاہ ہے۔ مسلمان کے مذہب میں خدا کے سوا پرستش کسی کی بھی نہیں ہے۔ پرستش صرف خدا کی ہے اور پیروی صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور سیدھا راستہ صرف دین اسلام ہے جس پر چل کر انسان خدا کی رضا کو پا سکتا ہے۔ یہ اٹل حقیقت ہجرت کے اقدام نے ساری دنیا کے سامنے پوری طرح بے نقاب کر دی ہے۔ اب زبان، نسل، علاقہ اور رنگ کے پرستار کسی مسلمان سے اس بت پرستی کی توقع نہیں کر سکتے۔

اس امر سے کون بے خبر ہے کہ ہجرت سے پہلے مسلمان مکہ مکرمہ میں صرف مظلومیت اور بے چارگی کی زندگی گزار رہے تھے۔ یہ ہجرت کا عظیم واقعہ ہی تھا جس نے ساری صورتحال کو یکسر تبدیل کر دیا جو لوگ مظلوم تھے، انہیں مقامِ مظلومیت سے نکل جانے کا موقع مل گیا وہ کافروں

Marfat.com

ی دست برد اور جبر و تشدد سے آزاد ہو گئے۔ ہجرت کی برکت سے انہوں نے ایک آزاد اور اطمینان
ش فضا میں پہنچ کر آزادی کا سانس لیا۔ مدینہ کے نئے مرکز میں پہنچ کر ان کے لیے ممکن ہو گیا کہ
دہ صورت حال میں اپنے طرزِ عمل پر غور کریں اور اب کوئی نیا لائحہ عمل سوچیں۔ اب ظلم و ستم
ہتے اور اس پر خاموشی سے صبر کر لینے کا دور گزر گیا تھا۔ ہجرت کے نتیجے میں اب مسلمان
المون کے خلاف ہاتھ اٹھا سکتے تھے۔ اور حق و صداقت کے باغیوں سے انتقامِ حق
لے سکتے تھے۔ ہجرت کے ذریعے اب انہیں کفر کا مقابلہ قوت کے ساتھ کرنے کی اجازت
ی گئی تھی۔

قریش پہلے کی طرح ہجرت کے بعد بھی مسلمانوں کو شاید نرم چارہ ہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں
ے یکے بعد دیگرے مسلمانوں کو دھمکیاں دینی شروع کیں۔ مدینے کے مضافات میں مسلمانوں کے
ویشیوں پر ڈاکے ڈالے۔ مدینے کے اندر منافقین سے روابط پیدا کر کے انہیں مسلمانوں کے
خلاف بھڑکایا۔ عبداللہ بن اُبی جیسے دشمنِ اسلام کو کہلا بھیجا کہ تم نے ہمارے آدمیوں کو پناہ دی
ہے انہیں نکال باہر کرو ورنہ ہم حملہ کر کے تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنائیں گے۔ اور تمہارے
ردوں کو قتل کریں گے۔ وہ منافق بھی قریش کی شہ پر یونہی سوچنے لگا، لیکن حضورؐ نے موقعہ پر
پہنچ کر دھمکا دیا جس سے وہ دب گیا۔

ہجرت کو ابھی پورا سال بھی نہ گزرا تھا۔ اور مسلمان ابھی پوری طرح مدینہ میں جمنے بھی نہ
پائے تھے کہ قریش نے مسلمانوں کو للکار دیا۔ لیکن مسلمان اب مکہ کے مظلوم لوگ نہیں تھے۔
اب ہجرت کے بعد وہ آزاد فضا میں رہتے تھے اور انہیں انتقامِ حق لینے کی اجازت
مل گئی تھی۔

ہجرت مسلمان کا امتحانِ ایمانی ہے۔ اور جب ہجرت کا حکم ہوتا ہے تو یہ سب کے لیے
ہوتا ہے۔ پھر اس میں کسی کے لیے بھی کوئی استثناء نہیں ہوتا۔

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

چنانچہ یہ اتنا آسان اس وقت بھی نہیں تھا جب مکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت پیش کی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے مکہ کے گلی کوچوں میں قریش کی تلواروں کے درمیان اسلام کو قبول کیا تھا۔ اسلام قبول کر کے قریش کے تشدد سے کوئی شخص بھی محفوظ نہ رہا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ جیسے با اثر اور متمول انسان کو بھی ان کے خاندان والوں نے چٹائی میں لپیٹ کر پیٹا اور چٹائی کو آگ سے سلگا کر انہیں دھوئیں اور آگ سے پریشان کیا تھا۔ وہاں تو عورتوں تک کی جان محفوظ نہ تھی۔ ابوجہل جیسے سنگدل نے تو سُمیّہؓ کو نیزہ مار کر شہید کر ہی دیا تھا۔ مکہ کی گلیاں روزانہ ایسے ہی مناظر پیش کرتی تھیں۔ کہیں عمر بن خطاب اپنی بہن اور بہنوئی کو پیٹتے دکھائی دیتے تھے اور کہیں بلالؓ حبشی تپتی سڑک پر گھسیٹے جاتے تھے۔ کہیں خباب بن ارتؓ کوئلوں پر لٹائے جاتے تھے۔

غرض مکہ کا شاید ہی کوئی مسلمان ہوگا جو ظلم و ستم کے دو پاٹوں کے درمیان گندم کی طرح پیسا نہ گیا ہو۔ ہجرت کرنے والے مسلمان ہجرت سے پہلے اپنے شہر میں برسوں تک اپنے ایمان کا امتحان دے چکے تھے اور اپنا مخلص و خالص ہونا پوری طرح ثابت کر چکے تھے۔

اس جسمانی تشدد کے بعد ان پر دوسرا امتحان آیا اور یہ مال، تجارت، گھر بار، عزیز و اقرباء اور وطن کی محبت قربان کرنے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ کی راہ میں فقیر بن کر نکل جانے کا امتحان تھا۔ جب یہ امتحان سامنے آیا تو مکہ کے مسلمانوں نے یہ امتحان بھی درجہ اوّل میں پاس کیا۔ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر اپنی پیدائشی بستی سے انجان بستی کی طرف نکل گئے۔ حضرت اُم سلمہؓ کا بچہ ظالموں نے چھین لیا کہ ہم اپنے قبیلے کا بچہ ساتھ جانے نہیں دیں گے۔ حضرت سلمانؓ فارسی کے سارے مال و متاع پر قبضہ کر لیا گیا کہ تم یہ سب کچھ ہمارے شہر سے کما کر دوسرے شہر میں لے جانے کا کیا حق رکھتے ہو۔ غرض بیٹا ماں باپ سے ایمان کی خاطر بچھڑ گیا اور شوہر

بیوی سے الگ ہو گیا۔ والدین بچوں سے چھن گئے اور بھائی بھائیوں سے جُدا ہو گئے۔ ہجرت نے گھر گھر میں مفارقت کے غم انگیز مناظر پیدا کر دیے۔ لیکن مسلمان اس امتحان میں پورے اُترے کسی نے بھی گھر بار، والدین، بچے، بھائی بہن، عزیز و اقرباء کو چھوڑتے ہوئے راہ حق میں کمزوری نہ دکھائی۔ ہر مسلمان عزیمت کا پہاڑ ثابت ہوا۔

یہ امتحان ابھی اپنے نتائج سمیٹ نہ چکا تھا کہ معرکۂ بدر کی صورت میں ایک اور امتحان سامنے آ گیا۔ اب وہ جو ماں جائے تھے تلواریں لیے سامنے کھڑے تھے۔ بھائی کے سامنے بھائی، چچا کے سامنے بھتیجا، باپ کے سامنے بیٹا، بھانجے کے سامنے ماموں، یوں ایک ہی تلوار کا وار دو جسموں کا ایک ہی خون بہا دینے کے لیے تیار تھا۔ بدر کے اس میدان میں سارے ہی رشتے نظریۂ حق کی تلوار سے کٹ گئے تھے۔ حق کی تلوار بے لاگ چلتی ہے۔ وہ خون کے رشتوں کو دشمنوں کی صفوں میں کھڑا کر دیتی ہے اور دور کے لوگوں کو ساتھی اور رفیق بنا کر پہلو میں لا کھڑا کرتی ہے۔ اب میدان جنگ میں ایمان باللہ اور اخلاص فی سبیل اللہ کا امتحان تھا اور مہاجرین نے وہ امتحان اپنے پہلے ہی میدان جنگ میں ایک بار پھر پاس کیا۔

جنگ کے بعد جب عبدالرحمٰن ابن ابوبکر صدیقؓ مسلمان ہو گئے۔ تو وہ اپنے والد سے مخاطب ہوئے:

"ابا جان بدر کے میدان میں آپ میری تلوار کی زد میں آ گئے تھے لیکن میں نے والد سمجھ کر چھوڑ دیا۔" بیٹے نے کہا

حضرت ابوبکر صدیقؓ بولے:

"بیٹا تم اپنے کفر میں کچے نکلے، اگر تم میری تلوار کی زد میں آئے ہوتے تو میں تمہیں کبھی نہ چھوڑتا۔" انقلابی باپ نے جواب دیا۔

ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے ہجرت کا امتحان پاس کیا تھا۔ ان کے لیے آگے کے امتحانات اب آسان ہو گئے تھے۔ چنانچہ ہجرت سے حاصل کردہ قوت کے ذریعے اس کے بعد انہوں نے ہر آزمائش

Marfat.com

کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور ہر ابتلاء سے ہنسی خوشی عہدہ برآ ہوئے۔ بلاشبہ ایمان جب انسان کے رگ و ریشے میں اتر جاتا ہے تو مسلمان ایسے معجزے دکھانے پر قادر ہو جاتا ہے۔

ہجرت کا سب سے اہم نتیجہ یہ ہوا کہ مدینے میں ابتدائی طرز کی ایک اسلامی ریاست وجود میں آگئی جس کے ذریعے مسلمانوں کو ایک جائے پناہ فراہم ہو گئی۔ ہجرت کے اس عمل نے تمام مسلمانوں کے لیے جو دور و نزدیک کے علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ مسئلہ پیدا کر دیا کہ اگر وہ ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچ جاتے ہیں تو ان کو اسلامی ریاست کے شہری ہونے کی حیثیت سے اسلامی سوسائٹی کے محترم فرد کا ممتاز مقام حاصل ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ ہجرت کر کے دارالاسلام میں نہیں پہنچتے تو ان کی حیثیت بالکل مختلف ہو جاتی ہے ان کی کوئی ذمہ داری اسلامی ریاست پر قائم نہیں ہوتی۔ ان کا اخلاص اور ایمان بھی مشتبہ ہو جاتا ہے۔

جب ہجرت کا حکم ہوا تو اسلام قبول کرنے والوں میں بعض لوگوں کے لیے اس وقت ہجرت نہ کر سکنے کے متعدد وجوہ ہو سکتے تھے۔ یہ وجوہ بعد میں بھی ہر دور میں ہجرت کرنے والوں کو پیش آسکتے ہیں۔ اگر کسی کے ہجرت نہ کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اس کے لیے حکم رسول اللہ اور ارشادِ خداوندی کے باوجود اپنے گھر بار، کاروبار، عزیز و اقرباء، کھیتی باڑی، مال و اسباب اور شہر چھوڑنا مشکل ہے تو یہ صریحاً نفاق ہے جو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بالکل منافی ہے قرآن ایسے مسلمان کہلانے والوں کو مسلمان تسلیم کرنے پر تیار نہیں بلکہ وہ ان کو منافق قرار دیتا ہے اس لیے کہ وہ کفار کے جبر سے مسلمانوں کے خلاف وہ ساری کاروائیاں کرنے پر مجبور ہو سکتے ہیں جو کفار مسلمانوں کے خلاف کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے علاوہ ہجرت نہ کرنے والوں میں دوسری قسم ایسے لوگوں کی ہو سکتی ہے جو کفار میں گھر گئے ہوں۔ وہ ہجرت کرنا چاہتے ہیں لیکن ہجرت کر نہیں سکتے۔ مجبور ہیں، معذور ہیں، کمزور ہیں۔ دل میں ایمان رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف کفار کی کاروائیوں سے اجتناب کرتے ہیں بلکہ حتی الوسع مسلمانوں کو ان سے آگاہ بھی کرتے

کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کفار میں رہنے پر ہرگز راضی نہیں ہیں لیکن مجبور و معذور ہیں۔ ایسے مسلمانوں کو قرآن "مستضعفین"، یعنی ضعفا اور کمزور مسلمان قرار دیتا ہے اور اسلامی حکومت کے ذمے یہ فریضہ لگاتا ہے کہ وہ ان کی رستگاری کی کوشش کرے، ان کو کفار کے نرغے سے چھڑائے، ان کو پناہ فراہم کرے اور کفار سے مذاکرات یا جہاد کے ذریعے ان مسلمانوں کی امداد کر کے انہیں آزاد اسلامی فضا مہیا کرے۔

درحقیقت ہجرت ایک ایسا عظیم انقلابی اقدام ہے جس کے نتیجے میں بہت سی قانونی اور دستوری صورتیں بدل جاتی ہیں۔ ہجرت کرنے والے اور ہجرت نہ کرنے والے مسلمان میں زبردست قانونی اور دستوری فرق واقع ہو جاتا ہے۔ ہجرت کرنے والا مسلمان ہجرت نہ کرنے والے مسلمان سے مرتبے، حقوق اور حیثیت میں ممتاز اور ممیّز شمار ہوتا ہے۔

ہجرت دعوت اسلامی کے عمومی طریقِ کار میں تغیر کا اعلان اور اس میں واضح تبدیلی کا نشان ہے۔ ہجرت سے پہلے مکہ میں مسلمانوں کا طریقِ کار ایک تھا اور ہجرت کے بعد دعوت اسلامی کا طریقِ کار تبدیل ہو کر دوسرا ہو گیا۔ پہلے طریقِ کار میں حضرت عیسیٰؑ کی دعوت کا انداز پایا جاتا تھا تو دوسرے طریقِ کار میں حضرت موسیٰؑ کا طریقِ دعوت دکھائی دینے لگا۔ ان دونوں نبیوں کی دعوت کے طریقے اسلام کی دعوت کے ان دونوں ادوار (ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد) میں بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ دونوں طریق ہائے کار سے اسلام کو تقویت پہنچی ہے۔ ایک طریقہ ضعف اور کمزوری کے دور کا ہے اور دوسرا قوت و توانائی کے دور کا۔ پہلے طریقِ کار سے کردار سازی اور تزکیہ و تربیت کا اہتمام ہوتا ہے تو دوسرے طریقِ کار سے فتح و کامرانی حاصل ہوتی ہے۔

ہجرت بتاتی ہے کہ نظامِ کفر کے ساتھ مستقل سازگاری مسلمان کی فطرت کے خلاف ہے مسلمان نظامِ کفر کے تحت زندگی بسر کرنا گناہ سمجھتا ہے۔ اس کا اسلامی قانون نظامِ کفر کے تحت معطل ہو جاتا ہے اور اس کی ساری اسلامی زندگی معطل ہو جاتی ہے۔ دلیم منٹگمری نے مہاجرین کی

Marfat.com

تحریک کے اسباب بیان کرتے ہوئے یہی بات کہی تھی کہ: [۱]

"مسلمان اپنے عقیدے کی رو سے کفر کے نظام کے ساتھ مصالحت نہیں کر سکتے۔ اسی لیے اسلامی قوانین کی غیر موجودگی میں وہ جہاد پر مجبور ہوتے ہیں"۔

درحقیقت ایک مسلمان صرف دو ہی نوعیتوں کا تعلق کفر سے رکھ سکتا ہے۔

پہلا یہ کہ وہ دارالکفر میں رہتے ہوئے اسلام کو غالب کرنے اور کفر کو مغلوب کرنے کے لیے جدوجہد کرتا رہے۔ دوسرا یہ کہ جب تک کفر کے نرغے سے نکلنے کی راہ میسر نہ آئے وہ شدید ناگواری کے ساتھ وہاں رہے اور وہاں رہ کر بھی اپنی دعوت کو پیش کرنے کا فریضہ مسلسل ادا کرتا رہے۔

لیکن نظامِ کفر کے تحت برضا و رغبت رہنا، اس کے تحت مناصب اور منافع حاصل کرنا اور کبھی اس کے وجود کی تلخی تک اپنے ضمیر میں محسوس نہ کرنا یہ کیفیت تو ایمان کے سراسر منافی ہے۔ اس لیے کہ جہاں خدا کے احکام کی خلاف ورزی ہو رہی ہو اور مسلمان اس میں خود بھی مبتلا ہو رہا ہو وہاں کسی مسلمان کا رہنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی انسان متعفن گندگی کے گہرے کھڈ میں گرا ہوا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد اب ہجرت نہیں ہے۔ بلاشبہ کفر کا زور ٹوٹ جانے کے بعد جب سارا علاقہ خدا کے قانون کے لیے آزاد ہو جائے تو ہجرت کر کے کہیں جانے کی مسلمان کو کوئی مجبوری باقی نہیں رہ جاتی لیکن یہ حالت ہمیشہ قائم رہنا ضروری نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ ایسی صورت پھر کہیں پیدا ہو جائے کفر کا غلبہ ہو جائے اور خدا کے احکام پر عمل ممکن نہ رہے۔ ایسی صورت میں دعوتِ اسلامی، تنظیم و تربیت، جماعت بندی پھر ہجرت اور جنگ و جہاد کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہجرت کرنے

---

[۱] تحریکِ مجاہدین — ولیم ہنٹر

والوں کو یہ مستقل خوشخبری دی ہے۔

"جو لوگ ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کر گئے۔ ان کو ہم دنیا میں بھی اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ کاش جان لیں وہ مظلوم جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے رب کے بھروسے پر کام کر رہے ہیں کہ ایک اچھا انجام ان کا منتظر ہے"

ظاہر ہے کہ یہ اچھا انجام دنیا میں اسلام کی فتح کی صورت میں حاصل ہونا ہے اور آخرت میں اجرِ عظیم کی صورت میں۔

ہجرت کے اس اقدام کے ذریعے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اسلامی دعوت کی تحریک کو مظلومیت سے اٹھا کر قریش کے مدِ مقابل لا کھڑا کیا۔ ہجرت کے ذریعے مسلمانوں کو موقعہ مل گیا کہ وہ ظلم و ستم سہنے کی کمزوری سے نجات پائیں اور دشمن کا مقابلہ میدان میں کرنے کا مقام حاصل کریں۔ ہجرت کے ذریعے اسلام کی چاروں طرف بکھری ہوئی طاقت سمٹ کر ایک مرکز پر جمع ہو گئی اور اسے ایک قائد کے زیرِ نگرانی اور زیرِ ہدایت کام کرنے کا موقعہ مل گیا۔ ہجرت کے ذریعے مسلمانوں میں کھرے کھوٹے کی تمیز کرنے کا موقعہ بھی میسّر آگیا۔ جو شخص خدا و رسول کے حکم پر دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا وہ اسلام میں صفِ اوّل کا آدمی قرار پایا اور جو زمین و مکاں سے چمٹ کر رہ گیا وہ آخری صف میں چلا گیا۔ اس کے ذریعے مسلمانوں کو اسلام کے راستے میں قربانیاں پیش کرنے کا موقعہ مل گیا۔ ہجرت کے ذریعے کفر کو چیلنج کر کے اسے میدان میں قوت آزمائی کی خاطر اترنے کے لیے للکار دیا گیا اور مدِ مقابل ہونے کی حیثیت سے اسلام کے لیے کفر پر ضرب لگانے کی گنجائش پیدا ہو گئی۔

ہجرت نے تمام قبائلِ عرب کو بھی موقعہ دے دیا کہ وہ چاہیں تو کفار کے حلیف بن جائیں اور چاہیں تو اسلام کے حلیف بن کر سامنے آئیں۔ ہجرت سے باشندگان مدینہ کو بھی قربانیاں دے کر اپنے ایمان کا امتحان دینے کا موقعہ ملا اور نئے آنے والوں کی میزبانی اور

Marfat.com

ان کی آبادکاری میں مدد کے ذریعے اسلام میں مقام انصار حاصل کرنے کا فخر حاصل ہوا۔ ہجرت نے وہ میدانِ مقابلہ قائم کر دیا جس کے بعد اللہ تعالٰی کی مدد اپنے مخلص بندوں کے حق میں اُترا کرتی ہے اور بلاشبہ پھر وہ غیبی مدد اُتری اور کفار کو تباہ کرنے میں مسلمانوں کی دستِ غالب بن گئی۔ ہجرت کا حکم ملنے کے بعد سارے مسلمانوں کو بار بار ہجرت کرنے پر اُبھارا گیا تاکہ وہ سمٹ کر دارالاسلام مدینہ میں جمع ہو جائیں۔ اور کفر کے خلاف معرکہ برپا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں اسی لیے جو مسلمان ہجرت سے پہلوتہی کرتے تھے انہیں ضعیف اور کمزور مسلمان شمار کیا گیا اور جن کا اخلاص بھی ثابت نہ تھا انہیں تو منافق کہا گیا اور ان کے بارے میں حکم ہوا کہ اگر وہ مجبوری سے بھی کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف معرکہ آرائی کریں تو ان کا قتل جائز ہے اور ان کے ساتھ وہی کارروائی کی جائے گی جو دوسرے کفار کے ساتھ ہو گی۔

چنانچہ ہجرت دورنگی کو چھوڑ کر یک رنگ ہونے کا عمل ہے۔ یہ مصلحت پرستی کی بجائے عزیمت کا راستہ ہے۔ یہ دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دینے کا فیصلہ ہے۔ ظاہر ہے کہ بیٹھ رہنے والے اور جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ ہجرت سے جی چرانا بیٹھ رہنا ہے اور ہجرت کرنا میدان جہاد میں اُتر جانے کے مترادف ہے۔ جہاد کا عمل ہجرت سے کچھ بھی دور نہیں ہے۔ ہجرت کے بعد دوسرا اقدام جہاد ہی ہوا کرتا ہے۔ ہجرت سے جی چرانے والوں کے بارے میں ہی قرآن نے بتایا ہے کہ جب ان کی جانیں فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے کہا:

"کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔"

اس لیے کہ حقیقی عمل تو اسلامی نظام حیات ہے اگر کسی جگہ اس پر عمل کرنا ہی ممکن نہ ہو تو پھر اس سرزمین میں بیٹھ رہنے سے بہتر ہے کہ انسان جنگلوں کو آباد کرے۔ صحراؤں میں ڈیرے ڈالے پہاڑوں کی طرف نکل جائے اور خدا کی وسیع زمین میں جہاں کفر سے آزادی ہو وہاں جا کر پڑاؤ ڈال دے۔ ہجرت کا مقصد غلبۂ کفر سے نکل کر اسلامی قوانین پر عمل کے لیے آزادی کا راستہ اختیار کرنا ہے۔

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے اقدام کے ذریعے دعوتِ اسلامی کی تحریک کو پُرامن انقلاب کے راستے سے گزار کر مسلح انقلاب کے مقام پر لا کھڑا کیا اور بالآخر ہجرت کے ذریعے آپ کی پُرامن دعوتی جدوجہد قوت و شوکت کے مسلح مرحلے میں داخل ہو گئی۔ اس طرح آپ نے اپنی انقلابی حکمت کا تیسرا مرحلہ طے کیا جس کے بعد باطل کے سامنے زندگی اور موت کا چیلنج رکھ دیا گیا۔ دعوت اسلامی کی تحریک، جنگ و جہاد کے مرحلے میں داخل ہو گئی۔ وہ جہاد جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

> "میرا جی چاہتا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں لڑوں اور مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر لڑوں اور مارا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں۔ یوں اللہ کے راستے میں زندگی اور موت کا یہ سلسلہ اللہ کی رضا کی خاطر پیہم جاری رہے۔"

زندگی کو موت کے سر پہ ضرب لگانے کے لیے استعمال کرنا ہی دراصل جہادِ اسلامی ہے اور جہاد ہی اسلامی انقلاب کا سب سے قوی اور موثر ہتھیار ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

چوتھا باب

جنگ و جہاد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت انقلاب کا چوتھا اور آخری اقدام جنگ و جہاد ہے اور یہی آخری اور حتمی طور پر اسلامی انقلاب برپا کرنے کا مؤثر ترین حربہ ہے۔

انقلابی افراد کی تیاری، ان کی تنظیم اور تعلیم و تربیت کے دوران بھی باطل کے ساتھ شدید کشمکش جاری ہی رہتی ہے۔ ایسا مطلوبہ گروہ اگر منظم ہو جائے تو پھر آگے بڑھ کر وہ جانگسل کشمکش شروع ہو جاتی ہے جو انقلابی نتائج کی حامل ہوتی ہے لیکن ابتدائی ایام دعوت کے اعترافِ حق، تعلیم و تربیت اعمالِ صالح اور تبلیغ و تلقین کے نتیجے میں مصائب اور ان مصائب پر باہمی صبر کی صورتحال کو قرآن نے بہت خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ	زمانے کی قسم انسان درحقیقت خسارے
خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان
الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ	لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور
وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ	ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور باہمی
(العصر)	صبر کی تلقین کرتے رہے۔

ایمان اور عملِ صالح سے ایک فرد اپنے اندر وہ تبدیلی پیدا کر لیتا ہے جو اسلامی دعوت و انقلاب کے تقاضے اپنی ذات کی حد تک پورے کرنے اور اس کی دعوت دینے کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنے کے لیے ضروری ہے۔ ایمان لے آنے اور اس ایمان کے تقاضے کو عملِ صالح کی صورت میں بدل لینے سے اسلامی انقلاب کی جدوجہد کرنے والا صرف ایک سپاہی تیار ہوتا

Marfat.com

ہے۔ اس کے بعد دین کی دعوت کا مسئلہ ہے، یعنی اسلام محض ایک انفرادی عمل کا نام ہی نہیں ہے بلکہ بندگیِ رب کی یہ ایک اجتماعی دعوت ہے اور اس کے لیے معاشرے میں اجتماعی طور پر لوگوں کو حق کی تلقین کرنا بھی لازم ہے تاکہ معاشرے میں اصلاح کا عمل جاری رہے۔ اگر معاشرے کی اصلاح نہ ہو اور وہ ایک فرد صرف اپنی اصلاح پر ہی اکتفا کر کے بیٹھ رہے تو اس کی یہ اصلاح بھی معاشرے کی بدعملی اور بگاڑ کی نذر ہو جائے گی اور اپنی بدعملیوں کے نتیجے میں معاشرہ جن مصائب سے دوچار ہو گا ان مصائب کا سامنا اس شخص کو بھی کرنا پڑے گا جس نے اپنی تو اصلاح کی لیکن اپنے ماحول کو درست کرنے پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس کے بعد معاشرے کی اصلاح کے لیے تلقینِ حق کا فریضہ ہے جب یہ فریضہ ادا کیا جائے گا تو معاشرے کا ردِعمل لازماً سامنے آئے گا جو تبلیغِ حق کرنے والے کو اپنے شکنجے میں کس کر اسے اپنے پسندیدہ رخ پر جانے دینے اور رکاوٹ نہ ڈالنے پر مجبور کرے گا۔ یہ راہِ حق میں مصائب کا دور ہوتا ہے اور اس پر صبر کی نصیحت کرنے کا حکم ہے۔ یوں ایمان و عملِ صالح سے اسلامی انقلاب کا سپاہی تیار ہوتا ہے۔ تلقینِ حق کے لیے وہ میدانِ کشمکش میں اترتا ہے اور پھر مصائب کا سامنا کرتے ہوئے باہمی صبر کی تلقین کرنا اور رضائے الٰہی پر صابر و شاکر ہونا ہے۔

یہ کشمکش بے بسی اور بے زوری کے عالم میں ہو تو عدم تشدد پر مبنی ہوتی ہے اور قوتِ مدافعت پیدا ہو جائے تو پھر فطری طور پر جوابی مزاحمت پر مبنی ہوتی ہے۔ شروع ہو جانے کے بعد پھر یہ کشمکش لازماً کسی ایک گروہ کے خاتمے پر ہی منتج ہوتی ہے اگر حق کا علمبردار گروہ دینِ حق کو قائم کر دے، باطل پرستوں کا زور توڑ کر دین اللہ کو غالب کر دے۔ قوت کے سرچشمے یعنی ہیئتِ حاکمہ پر قبضہ کرے تو یہ سیدھا سادا غلبۂ حق ہے جس کے بعد پھر انقلابی اصلاحات کا دروازہ کھل جاتا ہے اور پورا معاشرہ دین اللہ کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے لیکن اگر یہ نہ ہو سکے اور حق کا علمبردار گروہ اپنی قلتِ تعداد و وسائل کے سبب قوت کے سرچشمے پر قبضہ نہ کر سکے تو مالک الملک کو یہ بھی پسند نہیں ہے کہ حق کے علمبرداروں کو میدان سے ہٹانے کے بعد باطل

Marfat.com

...رت خوشیاں منایا کریں اور راحت و عافیت کی زندگی بسر کریں پھر حوادث قدرت اسے ...ست و نابود کر دیتے ہیں اور حق و باطل کی کشمکش میں فیصلہ کن تباہی ہمیشہ باطل کے ہی حصے ...یں آتی ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاحِ فرد کا جو معیار و اصول پیش فرمایا تھا اس کے نتیجے میں سینکڑوں افراد ڈھل گئے۔ اور ان کے اجتماع سے ایک عظیم سرفروش جماعت وجود میں آ گئی پھر انہوں نے جو انقلاب عظیم برپا کیا وہ تاریخ کی گود میں بنی نوع انسان کے سب سے زیادہ سنہری دور کی حیثیت سے محفوظ ہے۔ اس میں کوئی ایک پہلو بھی نہیں ہے جو انسانیت کے لیے قابل رشک اور قابلِ فخر نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ پورا ایک نظام بدل ڈالنا کوئی تنہا کرنے کا کام نہیں ہے جیسے عمارت سازی کے لیے افراد کی ایک جماعت کام کرتی ہے تب ایک عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اسی طرح نظامِ باطل کی سنگین عمارت ڈھا کر اس کی جگہ نظامِ حق کی پاکیزہ عمارت تعمیر کرنا بھی ایک اجتماعی کام ہے جس کے لیے انسانوں کے ایک منظم گروہ کی ضرورت ہے۔ جن انبیاءؑ کو اپنے اپنے دورِ تبلیغ میں ایک موثر اور مضبوط جماعت میسر آ گئی وہ انقلاب اور تعمیر نظامِ حق کا کام کر سکے لیکن جن کو مطلوبہ افراد ہی میسر نہ آئے وہ قوموں پر تبلیغِ حق کی حجت تمام کر کے ہی اپنا فریضہ ادا کر گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کشمکش کے دور میں سے بتدریج گزرے۔ پہلے حق بات سن کر مخالفین پی گئے۔ پھر وہ جھنجھلائے۔ پھر طنز و تعریض کے حربے استعمال کیے۔ پھر انہوں نے آپ کے ساتھیوں کو ہراساں کیا اور انہیں روزگار سے محروم کیا۔ پھر ان پر جسمانی تشدد شروع کر دیا جس کی زد میں بے سہارا، بے وسیلہ اور بے قبیلہ لوگ زیادہ آئے۔ بلالؓ تپتے پتھروں پر گھسیٹے گئے اور پتھر کی جلتی سلوں کے نیچے دبائے گئے۔ خبابؓ کو کوئلوں پر لٹا کر چربی نکال ڈالی گئی۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں اوجھڑیاں، کانٹے، پتھر، غلاظتیں اور کوڑا ڈالا گیا۔ بال نوچے اور کپڑے پھاڑے گئے۔ گلے میں کپڑا ڈال کر بل دیے گئے۔ غرض جس نے بھی

Marfat.com

کلمۂ طیبہ زبان سے ادا کیا اس نے گویا کفر کی بھڑوں کے چھتے میں پتھر مار دیا۔ پھر اس پر اتنی مار پڑتی کہ غیر جانبدار لوگ بھی الاماں والحفیظ پکار اُٹھے۔ بنی آدم کی مٹی کو سونا بنانے کا یہی طریقہ تھا۔ سونا بھی جب کان میں سے کھود کر باہر نکالا جاتا ہے تو پتھر کی مانند سخت مٹی اور مختلف ملاوٹوں کا ایک ڈھیر ہی ہوتا ہے لیکن جب اسے بھٹی میں ڈال کر تپایا جاتا ہے تو مٹی الگ ہو جاتی ہے۔ کھوٹ بھی الگ ہو جاتا ہے اور کھرا سونا اپنی خوبصورت صورت میں سامنے آجاتا ہے۔ بس اسی طرح مکہ میں ایک تربیتی بھٹی لگی ہوئی تھی اور اس میں ایک ایک شخص کو جو دعوتِ حق کا سونا ہونے کا مدعی تھا ڈال ڈال کر تپایا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ سونا الگ ہو کر چمکنے لگا اور اس کی چمک تاریخ میں محفوظ ہو گئی۔ جو اس بھٹی میں چمک گیا پھر وہی اسلامی انقلاب کے ہراول دستے کا مجاہد ثابت ہوا اور اسلامی انقلاب کے خدوخال اسی کے ہاتھوں سے استوار ہوئے۔

اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ انسانیت کو بہترین انسانوں کی کھیپ تیار کر کے دی جس کی مثال نہ تاریخ کے پہلے دور میں سامنے آئی اور نہ بعد کے دور میں۔ سرداران قریش کے بھرے مجمع میں جب حق کی پشت پناہی کے لیے پکارا گیا تو ایک لڑکے نے اُٹھ کر لبیک کہی وہ کہنے لگا۔ میں اگرچہ چھوٹا ہوں میری آنکھیں دکھتی ہیں اور میری ٹانگیں پتلی ہیں لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا نجاشی کے مرعوب کُن بھرے دربار میں ایک نوجوان نے عیسائیوں کے عقائد کے بالکل خلاف اُٹھ کر صاف کہہ دیا کہ:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بس خدا کے بندے ہیں۔ ایک رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں!"

اور شاہ نجاشی کو بر سر دربار اعتراف کرنا پڑا کہ وہ اس سے تنکا بھر بھی کم و بیش نہ تھے۔ جس بستر پر سارے قریش کے شمشیر زنوں نے رات حملہ کر کے نبی کو شہید کر دینے کا منصوبہ بنایا تھا اس پر ایک نوجوان بڑی چین کی نیند سو گیا اور اس نے کسی حملہ آور کی تلوار سے ذرا خوف نہ کھایا۔ ایک صاحب (حضرت کعبؓ بن مالک) کی سُستی پر عتاب نازل ہوا تو جھٹ ہمسایہ عیسائی

Marfat.com

ریاست کے بادشاہ کا خط انہیں پہنچ گیا کہ :

"آپ تو بہت مقتدر اور قابلِ قدر انسان ہیں اگر آپ کے صاحب آپ کی قدر شناسی نہیں کرتے تو آپ ہمارے پاس آجائیں "

انہوں نے اس خط کو چولہے میں جھونک دیا اور اس بات پر روئے کہ اب غیروں نے بھی ان کو اتنا گرا پڑا سمجھ لیا تھا کہ ان کی گمراہ لالچی نظریں ان کی طرف اُٹھنے لگی تھیں ۔ ایک صاحب ہمسایہ سلطنت میں سفارت لے کر گئے تو نیزہ ٹیکتے دربارِ شاہی میں سے بادشاہ کے پہلو میں جا بیٹھے اور جب انہیں روکا گیا تو کہنے لگے :

"کیا تم لوگوں نے اپنے آدمیوں کو خدا بنا رکھا ہے "

حق پرستی میں ایسے بے لاگ لوگ بدر کے میدان میں اپنے عزیزوں کے مقابلے میں تلواریں لے کر نکلے اور حق کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے نسل اور خون کے رشتے برسرِ میدان کاٹ دیئے ۔ حق کے لیے مالی قربانی کا مطالبہ ہوا تو لوگ اپنا گھر بار اٹھا لائے ۔ مزدوروں نے مزدوریاں کر کرکے اور پیٹ کاٹ کاٹ کر تحریک کی ضروریات پوری کیں ، احکام آئے تو معاشرے میں کسی کا ذاتی مزاج اور رسم و رواج رکاوٹ نہ بنے اور ان پر فوراً عمل درآمد ہو گیا ۔ پردہ کا حکم آیا تو چند گھنٹے کے اندر اندر ساری بستی کی خواتین باپردہ ہو گئیں ۔ شراب روکی گئی تو اعلان کے ساتھ ہی ساری اسلامی ریاست میں کوئی ایک بھی شرابی نہ رہا اور عربوں کی سب سے زیادہ پسندیدہ چیز سب سے زیادہ ناپاک اور ناپسندیدہ قرار دے کر گلیوں میں گندے پانی کی طرح بہا دی گئی ۔ سونا چاندی رکھنے والوں کے بارے میں وعید اُتری تو لوگ وعید کے خوف سے بے ہوش ہو گئے اور جن کے پاس یہ چیزیں جمع تھیں انہوں نے دن ختم ہونے سے پہلے پہلے ان سے چھٹکارا پا لیا ۔ نبی کی آواز کے مقابلے میں آوازیں پست رکھنے کا حکم آیا تو بلند آواز صحابہ کے چھکے چھوٹ گئے اور اس غم سے کہ کہیں ان کے اعمال غارت نہ ہو گئے ہوں روتے رہے اور گھروں میں بیٹھ گئے جب تک کہ انہیں اطمینان نہ دلایا گیا ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے

Marfat.com

دبنگ حق گو انسان کا یہ خیال ہو گیا کہ نبی کی مجلس میں ان کی آواز سنائی نہ دیتی تھی جیسے سرگوشیاں کر رہے ہوں یتیموں کے مال کی حرمت کا حکم آیا تو لوگوں نے اپنا کھانا پینا ان سے الگ کر لیا کہ مبادا کہیں وہ حرمت کی زد میں نہ آجائیں۔ جنگوں میں بڑے سے بڑا قیمتی مال غنیمت آتا لیکن ایک تاگے اور سوئی کی خیانت کے بغیر پورے کا پورا سامان بیت المال میں لاکر جمع کرا دیا جاتا۔ اگر باہمی کوئی شکر رنجی ہو جاتی تو ایک مسلمان دوسرے سے بڑھ چڑھ کر معافی مانگتا۔ حد یہ ہے کہ خلیفہ منتخب ہونے پر حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے :

"کاش کوئی دوسرا اس بوجھ کو اٹھاتا۔ میرے بھائیو مجھے ٹیڑھا پاؤں نوسیدھا کردو۔"

حضرت عمرؓ کہنے لگے :

"اگر کوئی دوسرا اس بوجھ کو اٹھاتا تو میرے لیے آسان تھا کہ اس بوجھ کے بدلے میں میری گردن اڑا دی جاتی۔"

حضرت ابوبکرؓ کو پانی طلب کرنے پر شہد دیا گیا تو واپس کر دیا اور رو پڑے کہنے لگے :

"میں حضورؐ کے ساتھ تھا تو حضورؐ ہاتھ سے کسی چیز کو پیچھے دھکیل رہے تھے۔ فرمانے لگے دنیا مجسّم ہو کر آئی تھی۔ میں نے پیچھے ہٹا دی تو وہ کہنے لگی آپ بچ گئے تو آپ کے پیچھے والے نہ بچیں گے۔ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں وہ مجھ سے ہی نہ لپٹ جائے۔"

حضرت علیؓ تنہائی میں ڈاڑھی پکڑ کر رویا کرتے تھے اور کہتے تھے :

"اے دنیا مجھے فریفتہ نہ کر۔"

اور جب وہ میدان میں جاتے تو کفار پر قہرِ خداوندی بن کر گرتے۔

غرض اس نوعیت کا انسانی گروہ تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں منظم ہوا تھا جس کے لیے دنیا ایک بے حقیقت شے تھی انہوں نے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھی ہوئی تھیں

Marfat.com

اور انفرادی اور اجتماعی طور پر ایثار و قربانی کی کوئی قسم ایسی نہ تھی جو انہوں نے پیش نہ کر دی ہو۔ ظاہر ہے کہ باطل کے پرستار جو اپنے سارے مفادات کے تحفظات کا اہتمام کرتے ہوئے باطل کا دفاع کرتے ہیں جب ان کا مقابلہ کسی ایسے ایثار پیشہ گروہ سے ہو تو میدان اسی گروہ کے ہاتھ میں رہے گا جو ایثار و قربانی اور خلوص و بے لوثی میں دوسرے سے بڑھا ہوا ہو گا۔ چاہے یہ مقابلہ کسی بھی میدان میں پیش آئے۔ حضورؐ کے تیار کردہ اس گروہ کا مقابلہ کفار سے جب پیش آیا تو آپ کا تیار کردہ انقلابی گروہ ہر لحاظ سے فائق ثابت ہوا ظلم و ستم کے مقابلے میں صبر و استقلال میں وہ آگے تھا۔ لالچ و ترغیب کے مقابلے میں بے نیازی، غنا اور توکل میں وہ فائق تھا نفس کی ترغیبات کے مقابلے میں ضبط نفس میں وہ برتر تھا عصبیتوں اور تعصبات کے مقابلے میں جاہلی عصبیتوں سے بالاتر اور عصبیتِ حق میں وہ سخت تر تھا مقصدِ زندگی کے لیے قربانی دینے کے معاملے میں، ایثار و قربانی میں وہ بہتر تھا راہِ حق میں لٹ جانے، وطن چھوڑ دینے، تعلقات منقطع کر دینے اور اپنے عزیزوں تک سے بچھڑ جانے کے ہر امتحان میں وہ کامیاب و بلند تر تھا۔ اور میدان جنگ میں جان دینے اور شجاعت و بہادری میں اس کا جواب نہ تھا۔ جب انہیں کہا گیا کہ:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ۔ (آل عمران: ۱۴۲)	"کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے جہاد میں جان لڑنے والے اور پامردی دکھانے والے کون ہیں؟"

پھر فرمایا:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ	تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خدا کی راہ میں ان مردوں عورتوں اور بچوں کے لیے

Marfat.com

مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا (النساء-۷۵)

نہیں لڑتے جنہیں کمزور پاکر دبا لیا گیا ہے اور جو دہائیاں مانگتے ہیں کہ خدایا ہمیں اس بستی سے نکال جس کے کارفرما ظالم ہیں۔

اور پھر مزید فرمایا گیا:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ۔ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ۔ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ التوبہ-۴۵

اے نبی خدا تمہیں معاف کرے تم نے ان لوگوں کو جہاد کی شرکت سے علیحدہ رہنے کی اجازت کیوں دے دی۔ تمہیں اجازت نہ دینی چاہیئے تھی تاکہ یہ بات تم پر کھل جاتی کہ اپنے ایمان میں سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔ جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ تو کبھی تم سے یہ درخواست نہیں کر سکتے کہ انہیں اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے سے معذور رکھا جائے۔ ایسی درخواست تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور نہ ہی یوم آخر پر۔

جہاد اسلامی زندگی کا جزو ہے۔ جہاد بالنفس سے لے کر کفار کے خلاف جہاد بالسیف تک۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کفار کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ وہ چیز ہے جس میں شرکت کی سعادت مومن کو کبھی کبھی ہی ملتی ہے۔ اور اسلامی انقلاب برپا کرنے کا یہ ناگزیر فریضہ ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جگہ جگہ جہاد کا حکم دیا ہے تاکہ کفر مغلوب ہو اور اسلام غالب ہو سکے۔

فرمایا گیا:

قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ اللہ کی راہ میں قتال کرو

تُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ وہ (مومن) اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں

جَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ اپنی جانوں اور مالوں سے راہِ خدا میں جہاد کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ:

"میرا جی چاہتا ہے کہ میں اللہ تعالےٰ جل شانہٗ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جہاد کروں اور اللہ تعالےٰ کی راہ میں شہید ہو جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر جہاد کروں۔ پھر شہید ہو جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر جہاد کروں۔ پھر شہید ہو جاؤں۔"

اس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار دہرایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہد فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"میدان جنگ میں دشمن کے مقابلے میں ایک رات جاگ کر پہرہ دینے والے شخص کی اتنی فضیلت ہے کہ زاہد کی ہزار راتوں کی عبادت بھی اجر میں اس سے کم تر ہے۔"

Marfat.com

مزید فرمایا :

"دو آنکھوں پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔ میدانِ جنگ میں مجاہد کو پہرہ دینے والی آنکھ اور اللہ تعالٰی جل شانہٗ کے ڈر سے رونے والی آنکھ۔"

سینکڑوں احادیث اور آیات قرآنی جہاد کی فضیلت اور تاکید بیان کرتی ہیں مسلمانوں کے اندر یہ مسئلہ ہمیشہ سے متفق علیہ ہے کہ جہاد کے موقعہ پر جو شخص جان چراتا ہے اس کا ایمان قابل اعتبار نہیں ہے۔

علماء اسلام نے تو یہ راستے تک دی ہے کہ اگر مسلمانوں کے کسی ملک پر حملہ ہو جائے تو اس ملک کے تمام عاقل بالغ مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ ان کی قوت اگر کفار کے مقابلے میں کم ہو تو اس ملک کے قریب کے تمام مسلمان ملکوں کے باشندوں پر اپنے بھائیوں کی حمایت میں اسی دشمن کے خلاف جہاد فرض ہو جاتا ہے اور اگر قریب کے مسلمان ملک بھی اس دشمن کا مقابلہ نہ کر سکیں تو پھر ساری دنیا کے مسلمانوں پر اس ملک کی حمایت میں دشمن کے خلاف جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

گویا مسلمان ایک جماعت ہیں اور جہاد ایک انقلابی جماعت کا انقلابی اقدام ہے۔ ایک نظریاتی جدوجہد ہے اور اگر پوری اسلامی جماعت کو خطرہ لاحق ہو جائے تو پھر جہاد ایک انٹرنیشنل کاروائی ہے جو انٹرنیشنل اسلامی جماعت کفار کے خلاف بین الاقوامی سطح پر کرتی ہے تاکہ حق کا بول بالا کیا جائے۔

یہ جہاد اللہ تعالٰی کی طرف سے غلبہ اسلام کی خاطر مسلمانوں پر عائد کردہ فرض ہے۔ فرداً فرداً ہر ہر مسلمان اس کا مخاطب ہے۔ اسلامی طرزِ فکر یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی زندگی میں فریضۂ جہاد ادا کرنے کی تمنا اپنے دل میں بیدار رکھے اور اس کے لیے مناسب تیاری بھی کرتا رہے۔ کوئی مسلمان دل جہاد کی تمنا سے خالی نہیں

Marfat.com

ہو سکتا۔

اللہ اور اس کے دین کا کلمہ بلند کرنے کے لیے ایسے ہی جانفروش لوگوں کی ایک جماعت جب جمع ہو گئی تو انہوں نے جانیں لڑا لڑا کر اور اپنے مالک کے سامنے ہدیۂ جان دے کر شہادت پیش کی کہ وہ اپنے قول و اقرار میں سچے اور صادق ہیں اور وہ ہر قسم کی جانی قربانی دشمنوں سے زیادہ بے جگری سے دے سکتے ہیں۔ اسی جذبۂ قربانی کی بنا پر ان کا ایک قلیل گروہ بھی مخالفین کے کثیر گروہ پر غالب رہا۔

گویا جس گروہ نے پہلے صبر و ضبط اور ایثار کا جہادِ بالنفس کیا تھا جب اسے کشمکش و قوت آزمائی کا جہاد کرنا پڑا تو اس میں بھی وہ فائق رہا۔

گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت انقلاب یہ تھی کہ پہلے انہوں نے ایک انقلابی نظریہ فرد فرد کے سینے میں اتارا جس نے انہیں مادی انسانوں سے زیادہ نظریاتی انسان بنا دیا۔ پھر اس نظریہ کی تلوار سے وہ دنیا کی ہر مرغوب شے کو کاٹ پھینکنے پر تیار ہو گئے اور جب یہ مطلوبہ گروہ انقلابی نظام کے رگ و ریشے سے پوری طرح آگاہ ہو گیا اور اس کے لیے مرنے مارنے پر بھی تیار ہو گیا تو پھر موقعہ و محل کے مطابق انہیں باطل سے ٹکرا دیا گیا تاکہ باطل کا باطل ہونا اور حق کا حق ہونا ثابت ہو جائے اور حقیقت یہ ہے کہ دلائل کی دنیا میں چاہے کتنا ہی احقاقِ حق اور ابطال باطل کیا جائے لیکن جب بالفعل معرکۂ حق و باطل برپا ہوتا ہے۔ ہر چہار طرف معرکہ کارزار گرم ہو جاتا ہے۔ انسان کے سامنے ہست و نیست کا سوال باقی رہ جاتا ہے اور زندگی اور موت کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے اس وقت حق کی ضرب سے باطل کا باطل ہونا جس انداز میں ثابت ہوتا ہے وہ ثبوت اتنا واضح، اتنا بے لاگ اور اتنا عام فہم ہوتا ہے کہ پھر اندھوں کو بھی حق دکھائی دیتا، بہروں کو بھی حق سنائی دیتا اور بے سمجھوں کو بھی حق سجھائی دیتا ہے۔ اور حق کے حق ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ وہ زمین پر ثابت ہو، زمانے کی لوح پر

Marfat.com

نقش ہونا اور انکار کرنے والوں کو بھی پہاڑ کی طرح سامنے دکھائی دیتا ہے۔ جب حق اس شان سے دنیا کے سامنے آتا ہے تو پھر ایسے شاندار اور زوردار حق کے حق ہونے سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوتا اور دلوں کے دروازے اور دماغوں کی کھڑکیاں اس کے لیے کھلتی چلی جاتی ہیں۔

Marfat.com

منزل ششم[۶]:

انقلابی اور متوازن

اسلامی معاشرے کی تشکیل

Marfat.com

پہلا باب

اخلاقِ فاضلہ کی پرورش

مثالی اسلامی نظام کی نشو و نما اور حفاظت کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معتدل متوازن اور منصفانہ معاشرہ تشکیل دیا۔ اسلامی نظام جیسے نازک نظریاتی نظام کی تشکیل، تعمیر، ترقی اور بقا کا ضامن خالص اسلامی معاشرہ ہی ہو سکتا ہے اور مثالی اسلامی معاشرہ وہی ہوتا ہے جو اس نظام کو برپا کرتا ہے جب وہ نظام برپا ہو جاتا ہے تو پھر دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم بن جاتے ہیں۔ صالح معاشرہ اسلامی نظام کو برقرار رکھتا ہے اور اسلامی حکومت صالح معاشرہ کو قائم رکھتی اور اس کی حفاظت کرتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا یہ انقلابی کارنامہ سرانجام دیا کہ باطل نظریات و اخلاق کے حامل معاشرے میں سے اپنے انقلابی طریق کار سے لعل و گہر چن چن کر ایک اسلامی معاشرہ تشکیل دیا جو اسلامی نظریات پر مبنی ایک مثالی معاشرہ تھا۔ وہ معروفات کا پابند، منکرات سے مجتنب، اخلاقی قدروں کا حامل اور اخلاقِ فاضلہ پر عامل معاشرہ تھا۔ ایسا مثالی معاشرہ انسانیت نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی حکمتِ تعلیم و تربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ انسانیت کا ایک ایسا نادر اور پاکیزہ نمونہ وجود میں آیا جن اخلاقی صفات و عقائد کا نقشہ قرآن نے پیش کیا تھا۔ انہیں اعمال صالحہ کے سانچے میں ڈھلا ہوا اور اسی نقشے پر تراشا ہوا وہ انسان وجود میں آیا تھا جسے مسلمان کا نیا نام دے کر دنیا میں ایک نئے انسان کی حیثیت سے متعارف کرایا گیا تھا۔ ایسے ہی مثالی انسانوں کی اجتماعیت سے وہ معاشرہ وجود میں آیا تھا جو انسانیت کا جوہر اور مکھن تھے۔ یہ انسان اسلامی انقلاب کا علمبردار تھا اور یہ معاشرہ اس انقلاب کی قدروں کا مخزن تھا۔

Marfat.com

اس مثالی معاشرے میں ان تمام انسانی خوبیوں کا اہتمام اور ان تمام اخلاقِ فاضلہ پر عمل درآمد ہوتا تھا جو اسلام نے سکھائے تھے۔ وہاں تمام برائیوں سے اجتناب اور اخلاقِ رذیلہ سے بچاؤ کا خصوصی اہتمام تھا جن کو اسلام نے ناپسند کیا تھا۔ اس معاشرے میں عبادت میں اعتدال تھا تقسیمِ دولت میں توازن تھا۔ اخلاقی بنیادوں پر انسانی حقوق کی پوری پوری سیاسی اور معاشرتی مساوات تھی اور کوئی فرد مخصوص حقوق یافتہ نہ تھا۔ وہاں کوئی طبقہ خاص مراعات یافتہ نہ تھا۔ بس اصولی طور پر فضیلت کا ایک نظریاتی معیار ضرور موجود تھا لیکن دنیوی انسانی حقوق میں وہ معیار قطعاً حائل یا حارج نہیں ہوتا تھا۔ مجموعی طور پر تقویٰ پرہیزگاری اور خداترسی کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ایسا ایک معاشرہ تیار کرنے کے بعد ہی اس کی یہ صفت بیان کی گئی تھی:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	تم لوگ وہ بہترین گروہ ہو جسے اللہ نے
تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ	دنیا کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کھڑا
عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ	کیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے
(آل عمران: ۱۱۰)	روکتے ہو اور خدا پر ایمان لاتے ہو۔

دنیا کے لوگوں کی رہنمائی اور ان کے سامنے عمدہ نمونۂ اخلاق و کردار پیش کرنے کا احساس ان میں اتنا زبردست تھا کہ ان میں سے فرد فرد اپنے آپ کو اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں اور قواعد و ضوابط میں پوری طرح کس کر رکھتا تھا۔ خود آپؐ کا یہ حال تھا کہ اللہ کی بندگی اور عبادت میں حد درجہ مثالی انہماک تھا۔ راتوں کو عبادت اور دنوں میں اسلامی اور تحریکی امور سرانجام دینے کا اہتمام آپ کی روزمرہ کی مصروفیت تھی۔ دن کی شدید مصروفیات کے باوجود راتوں کی عبادت سے کبھی کبھی پاؤں پر ورم بھی آجاتا تھا۔ صحابہؓ نے آپ کی اس شدید مشقت کو دیکھ کر عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ آپ کے تو اگلے پچھلے سارے گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیے

Marfat.com

ہیں۔ آپ اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟"

تو حضورؐ نے فرمایا:

افلا اکون عبداً کیا میں اپنے خدا کا شکر گزار بندہ
شکوراً۔ نہ بنوں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس معاشرے میں باہمی نیکیوں میں مسابقت اور برائیوں کی روک تھام کا مؤثر اور حساس نظام موجود تھا۔ نیکی کرنے کے لیے ایک فرد کو خود ہی تگ و دو نہ کرنی پڑتی تھی بلکہ معاشرے کی مجموعی رَو اس نیکی کے سرانجام دینے میں فرد کی معاون و مددگار ہوتی تھی اور بدی سے بچنے کے لیے ایک فرد کو خود ہی تنہا ہاتھ پاؤں نہ مارنے پڑتے تھے بلکہ معاشرے کا اجتماعی ضمیر اس بدی کو اپنے اندر پنپنے نہیں دیتا تھا اور بدی کے خطرے میں مبتلا ہر فرد کا ہاتھ تھامتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشکیل کردہ یہ معاشرہ چند اعتقادی اور عملی اصولوں پر قائم ہوا تھا جن کے محکم اور مضبوط ہوئے بغیر کسی نوعیت کے اخلاقِ فاضلہ کے پرورش پانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

پہلا اعتقادی اصول وہ ایمان تھا جو اسلامی معاشرے کا ہر ہر فرد، خدا اور رسول، آخرت حساب کتاب، دوزخ جنت، زندگی بعد موت، حشر و نشر اور یوم قیامت کے بارے میں رکھتا تھا۔ ایمانیات کا یہ تصور انسانی کردار میں وہ بے کا فریم تھا جس پر اعلیٰ اسلامی کردار اور اخلاقِ فاضلہ کی عمارت تعمیر ہوتی تھی۔ خدا، اس کی صفات اور اس کا ہمہ پہلو جامع تصور اور اس پر ایمان، اس کے مالک یوم الدین ہونے، نفع و ضرر کا مالک ہونے، رازق و خالق و رحیم و غفور و محتسب ہونے کے بارے میں ایمان اور یہ ایمان کہ وہ ہمہ مقتدر ہے اس کی اطاعت سے باہر گزارا ہوا ہر لمحہ شرک اور بغاوت کی تعریف میں آتا ہے۔ اس کی اطاعت صرف عبادت ہی نہیں بلکہ اس کے احکام کی پابندی بھی ہے۔ وہی اپنی ذات میں تنہا ساری کائنات کا حاکم و

Marfat.com

مالک و خالق ہے۔ غرض جس درجہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے مختلف گوشے وسیع جامع اور مستحکم ہوں گے اسی درجے میں انسان کا ایمان بھی مستحکم مضبوط اور کامل ہوگا۔ پھر خدا کے بعد رسول کی رسالت پر ایمان سے بھی یہی مراد تھی کہ اس کے نقشِ قدم کی پیروی، اس کی رہنمائی اور اس کی رہبری سے باہر انسان کا ایک قدم اور زندگی کا ایک لمحہ بھی گمراہی اور ضلالت ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں رسول خدا رہنمائی نہ دیتے ہوں اور ان کی کوئی رہنمائی ایسی نہیں ہے جس کے کسی شوشے سے بھی انکار یا اغماض برت کر ہم وفادار مومن اور راہ راست پر قائم رہ سکتے ہوں۔ راہ راست صرف رسول کے بتائے ہوئے راستے کا ہی نام ہے اور اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ بھی صراطِ مستقیم نہیں ہے رسول کی قیادت ہی واحد قیادت ہے اس کی رہنمائی ہی تنہا کامل اور صحیح رہنمائی ہے اور اور اس کی رہنمائی کے بغیر اور اس سے باہر صرف ضلالت ہی ضلالت ہے۔ رسولؐ کی یہ رہنمائی بھی محض نماز، روزے اور حج وزکوٰۃ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ زندگی کے سارے گوشے، معاش اور معاشرت کے سارے پہلو اس کے دائرے میں آجاتے ہیں۔ انسان کی کوئی حرکت بھی رسول سے پوچھے بغیر درست نہیں ہے۔ جہاں مومن نے رسول کی رہنمائی کی طرف سے غفلت برتی اور آنکھیں بند کیں بس وہیں گمراہی اسے گھیر لے گی۔ پھر ایمان کا یہ پہلو بھی بہت وسیع ہے کہ دنیا کی زندگی میں کیا ہوا کوئی ایک عمل بھی ایسا نہیں جو نیکی یا بدی کی تعریف میں نہ آتا ہو اور دنیا کا کوئی عمل ایسا بھی نہیں ہے جس کے بارے میں ایک وقت مقررہ پر حساب کتاب کی آخری عدالتِ عالیہ میں باز پرس نہ ہونی ہو۔ جو کچھ کیا گیا ہے یہ میزانِ عدل میں تُل جائے گا اور نیک و بد، خالص و ناخالص، درست و نادرست، خلوص و ریا سب کچھ نتھر کر سامنے آجائے گا۔ پھر وہاں کسی کو یہ شکایت نہ رہے گی کہ اس کے ساتھ عدل نہیں ہوا۔ ہر شخص وہاں اپنے کیے کا بدلہ بھی پائے گا اور اس بدلے پر اسے دلیل اور شہادت سے مطمئن بھی کیا جائے گا کہ اس کے ساتھ عدل ہی ہوا ہے۔

اسلامی معاشرے کی اخلاقیات کی دوسری بنیاد اسلام یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت

Marfat.com

اور ان کے احکام کی عملی پابندی ہے یعنی اعمالِ صالح کا اہتمام و انصرام عملِ صالح خدا اور رسول کے احکام کی عملی پابندی کا نام ہی ہے۔ ظاہری اعمال ہی انسان کے پوشیدہ ایمان کے حقیقی یا غیر حقیقی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ اعمال ہی بتاتے ہیں کہ ایمان کا زبانی دعویٰ کرنے والے انسان کے ایمان میں کیا کیا اور کہاں کہاں اور کس کس نوعیت کا نقص ہے۔ جس طرح بیج کی خرابی پودے کے ناقص ہونے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اسی طرح ایمان کی خرابی انسان کے عملی مظاہر میں نمودار ہو جاتی ہے۔ اعمال کا پاکیزہ ہونا اور خدا اور رسول کے احکام کے مطابق ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ خدا اور رسول پر ایمان محکم ہے اور ان کی حاکمیت اور قیادت و رہنمائی کے بارے میں ایمان کے اندر کوئی نقص واقع نہیں ہے۔ جس طرح مومن کے ایمان کے تمام ناقص گوشوں کو قرآن و سنت کا علم دور کرتا ہے اسی طرح آدمی کے اسلام کی تمام خرابیوں کو انسان کے اعمالِ صالح درست کرتے ہیں۔ خدا کی عملی اطاعت اور رسولؐ کی عملی پیروی سے ہی انسان کا اسلام مکمل ہوتا اور اعمالِ صالح کا ظہور ہوتا ہے۔ اسلام و اطاعت مومن کے اخلاص اور اس کے ایمان کے مکمل ہونے کی دلیل ہے۔ زندگی کے تمام معاملات میں جب انسان اطاعت صرف خدا کی اختیار کرے اور پیروی صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرے اور بڑے سے بڑے خوف لالچ اور دباؤ کے مقابلے میں بھی اپنے اس مسلک سے سرِ مو پیچھے نہ ہٹے۔ ظلم و ستم کے طوفان سر سے گزر جائیں اور حرص و ہوا کی آندھیاں اور جھکڑ چل جائیں لیکن بندۂ مسلم نہ عملِ صالح میں ڈگمگائے اور نہ عذر و معذرت یا مصلحت و مصالحت کا راستہ اختیار کرے اور اپنی ساری اطاعتیں اور وفاداریاں صرف خدا اور رسول کے لیے وقف کر کے اس پر راضی اور خوش ہو جائے۔ نہ اس پر پچھتائے اور نہ گھبرائے نہ کسی صلے کی توقع رکھے اور نہ کسی سے تحسین چاہے تو پھر اس بندۂ مومن کا ایمان اس کے داخلی وجود میں اور اس کا اسلام اس کے اعضاء و جوارح میں اطمینان بخش ہوتا ہے اور اسے صرف خدا کا بندہ اور صرف رسول کا پیرو ہی کہا جا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ ایک ناقابلِ شکست انسان ہوتا ہے اور عمل و کردار کی بے شمار خوبیاں خود بخود اس کے اندر

Marfat.com

پرورش پانے لگتی ہیں اور جس معاشرے میں وہ ہوتا ہے اس معاشرے کی تقویت کا ذریعہ اور اس ملت کے لیے قوت و توانائی کا باعث ہوتا ہے اس کے کردار میں اخلاقِ فاضلہ کی کثیر مقدار موجود ہوتی ہے۔

اسلامی معاشرے کی تیسری بنیاد یہ ہے کہ جب اس کے افراد میں اس کے بنیادی اعتقادات پر ساری جزئیات کے ساتھ کلی اور حتمی ایمان اور اس کے حکم کے ہر ہر پہلو سے اطاعت و فرمانبرداری کا ظہور ہو تو بات یہیں پر ختم نہ ہو جائے بلکہ اس معاشرے کی اکثریت اس بات کا اہتمام کرے اور اس کے لیے بےچین اور مضطرب ہو کہ اسلام صرف چند پاکیزہ اعتقادات اور صالح اعمال کا ہی نام نہیں ہے بلکہ وہ خدا کی طرف سے ایک مکمل نظامِ زندگی ہے اور اسے مومن کے حوالے اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ اس کی سربلندی کے لیے اپنی جان کھپائے۔ اس کے غلبے کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں صرف کرے اور جب تک اس کے معاشرے، اس کے ملک، اس کے پڑوس اور بالآخر ساری دنیا پر خدا کے احکام نافذ نہ ہوں خدا کی فوج حزب اللہ کے سپاہی کو چین اور سکون نہ آئے وہ ہمہ پہلو اور ہمہ وقت مضطرب رہے۔ نہ اچھا کھانا پینا اسے بھائے اور نہ عمدہ پہننا اور سہولت سے رہنا اسے پسند آئے۔ وہ محسوس کرے کہ جس کی حاکمیتِ اعلیٰ پر وہ ایمان لایا ہے اس کا حکم عالمِ انسانی میں روزمرہ کے معاملات میں کس کس پر اور کہاں کہاں عملاً جاری نہیں ہے۔ پھر جس جس کو بے علمی، جہالت یا سرکشی سے وہ اپنے مالک سے باغی دیکھے اس کو خدا کے سامنے جھکائے اور انسان کی خلافتِ ارضی میں سے خدا سے بغاوت کا مکمل استیصال کرے جب تک اس کے اس کام کی تکمیل نہ ہو۔ اسے نہ پہننے میں لطف آئے اور نہ اور کسی تقریبِ مسرت میں اسے کوئی کیف محسوس ہو۔ اس جذبے کے بغیر نہ مومن کا کردار اخلاقِ فاضلہ سے مزین ہوتا ہے اور نہ اسلام اپنے تمام فضائل و برکات کے ساتھ دنیا والوں کے سامنے منکشف ہوتا ہے۔ بلکہ اسلام کا ایک بڑا حصہ ہمیشہ مفلوج ہی رہتا ہے جب تک اسے زمین کے کسی خطے پر نافذ کر کے دنیا کو نہ دکھا دیا جائے کہ اس نظامِ حیات کے عملی مظاہر کیا ہیں اور ان عملی مظاہر کے حسنات و برکات کیا ہیں۔

یہ اسلامی معاشرے کی تشکیل کی وہ اخلاقی بنیادیں ہیں جن کے بغیر کوئی اسلامی معاشرہ بھی تشکیل نہیں پاتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مسلسل عمل سے جو معاشرہ تشکیل دیا تھا وہ پورے طور پر اخلاقِ فاضلہ کا حامل معاشرہ تھا۔ وہ معاشرہ دنیا کے سارے معاشروں میں منفرد اور ممتاز تھا۔ اخلاقِ فاضلہ کے بہت سے گوشے تو نفاذِ اسلام کے بغیر مکمل ہی نہیں ہو سکتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئیس سال کی قلیل مدّت میں اسلام کو نافذ کر کے مومنین کے لیے یہ پوری طرح ممکن بنا دیا کہ وہ اپنے اخلاقِ فاضلہ کے تمام گوشوں کو مکمّل اور مؤثر کر لیں۔

انسانیت کے لیے اسلام کے عطا کردہ یہ اخلاقِ فاضلہ اس لیے عملی دنیا میں ظاہر ہو سکے کہ اسلام کا غالب نظام ان کی پرورش و حفاظت کے لیے موجود تھا۔ اگر وہ موجود نہ ہوتا تو یہ قطعًا ممکن نہ ہوتا کہ یہ فضائلِ اخلاق آج کہیں موجود بھی ہوتے یا ان کا ہزارواں حصہ بھی انسانی تاریخ کے ریکارڈ پر کہیں درج ہوتا اس لیے کہ ریکارڈ صرف ایک غالب نظامِ زندگی کا ہی باقی رہتا ہے جسے کوئی مسخ نہیں کر سکتا۔ مغلوبوں کو تاریخ بھلا دیتی اور مٹا دیتی ہے۔

اسلام کا نظام غالب نفس کو خود غرض نفسانیت، ظلم، بے حیائی اور سرکشی سے پاک کر کے اس میں خدا ترسی، تقویٰ، پرہیزگاری، حق پرستی، اخلاقی ذمہ داری اور ضبطِ نفس پیدا کرتا ہے اسے خلقِ خدا کے لیے شریف النفس، مہربان، فیاض، رحیم و کریم و ہمدرد، امین، خیر خواہ، بے غرض، بے لوث اور صادق و راست باز بنا دیتا ہے۔ اس میں ایسی بلند سیرت پیدا کرتا ہے کہ جس سے ہمیشہ خلقِ خدا کی بھلائی کی توقع ہوتی ہے اور اس کی طرف سے کسی برائی کا اندیشہ ختم ہو جاتا ہے۔ اسلام انسان کو بھلائی کرنے والا ہی نہیں بلکہ بھلائیوں کے لیے فضا ہموار کرنے والا، بھلائیوں کا داعی اور بدیوں کے خلاف چوکنا اور مستعد چوکیدار بنا دیتا ہے۔ اسی کی اس خوبی سے اس کے کردار میں حُسن و رعنائی، امن و سلامتی کشش و جاذبیت اور زبردست قوّتِ تسخیر پیدا ہو جاتی ہے اور جب پورا معاشرہ ایک منظم جماعت بن کر ان صفات کا حامل بن جائے تو اس کی قوّتِ تسخیر ناقابلِ شکست ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

انہیں فضائل اخلاق کی قوت کے زور سے اسلام کو عالمگیر انسانیت کا دین بنایا گیا ہے اور اس عالمگیر مقصد کے لیے مسلمان کو اخلاقِ فاضلہ کا حامل کردار دے کر عالمِ انسانیت کے رہنما کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ مسلمان کا مثالی کردار ہی دراصل اس مثالی رہنما کا کردار ہے جس نے ساری دنیا کی رہنمائی کرنی ہے۔ وہ دلوں کو مسخر کرنے والا اور سب کی بھلائی چاہنے والا، ظالموں کا ہاتھ پکڑنے والا، مظلوموں کی دادرسی کرنے والا، انسانیت کا حقیقی خیر خواہ، نیک بخت، راست باز، بے غرض، نیک طینت، فیاض، ہمدرد، شرافت و عدالت کا پتلا۔ صلح و جنگ، دوستی و دشمنی کی ہر آزمائش میں کھرا اور بے لوث بنایا گیا ہے۔ وہ دشمنی میں بھی اپنے اصولوں کی پیروی کرتا ہے وہ شدید جنگ کے دوران بھی تمیزِ انسانیت قائم رکھتا ہے۔ وہ شدید غصہ اور جوشِ انتقام میں بھی ظلم و زیادتی نہیں کرتا۔ وہ سچائی، وفائے عہد، حسنِ معاملت، بے لاگ انصاف، امانت و دیانت کے ہر معیار پر پورا اترتا ہے۔ وہ ہمیشہ برائی میں خدا ترس، پاکباز، عبادت گزار، نیک دل، رحیم و کریم ثابت ہوتا ہے۔ وہ گالی کے بدلے دعائے خیر، ظلم کے مقابلے میں انصاف، سنگدلی کے مقابلے میں رحم دل، تکبّر کے مقابلے میں حلم و تواضع کا مظاہرہ کرتا ہے اس کے یہ اخلاق دنیا کو متاثر کرنے، گرویدہ بنانے اور اپنی بھلائی کی خاطر تعصب اور ہٹ دھرمی چھوڑنے پر آمادہ کر لیتے ہیں اور اس طرح اس کا اعلیٰ اخلاق جہاں کشا اور جہاں گیر کردار ثابت ہوتا ہے دنیا اس کی معمولی مادی قوت کے ساتھ اس کے عظیم فاتح اخلاق و کردار کے سامنے جھکتی چلی جاتی ہے۔

اخلاقِ فاضلہ کی ان تمام خوبیوں میں جو انفرادی اور اجتماعی سطح پر زبردست قوت کا ذریعہ ہوتی ہیں، اس کی ایک زبردست خوبی جو اسلامی معاشرے کے لیے استحکام و تنظیم و توانائی کا عظیم ذخیرہ ثابت ہوتی ہے۔ وہ اجتماعی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کا مؤثر جذبہ ہے جس کے ذریعے اخلاقِ فاضلہ سے پیدا شدہ قوت اجتماعی طور پر لاکھوں گنا بڑھ جاتی ہے۔ تب پورا معاشرہ باہمی خیر خواہی کے گہرے جذبے سے سرشار ہو کر بنیانِ مرصوص

بن جاتا ہے۔ قرآن نے ایسے ہی معاشرے کے مومنین کی یہ صفت بیان کی ہے۔

اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان،

اسلامی معاشرے میں ایک ایک فرد کی باہمی ایک دوسرے سے محبت، شفقت، اخوت، خیر خواہی، گرویدگی اور پیوستگی اس درجہ ہوتی ہے جیسے کسی عمارت کی اینٹیں باہمی پیوست ہوتی ہیں جو ایک دوسرے کے سہارے کا باعث بھی بنتی ہیں اور ایک دوسرے کا بوجھ بھی سہارتی ہیں۔ اگر کسی عمارت کی اینٹوں میں یہ کیفیت نہ ہو کہ وہ باہمی ایک دوسرے کو سہارا دیں اور ایک دوسرے کا بوجھ سہاریں تو پھر ایسی عمارت شکست و ریخت کے عمل سے نہیں بچ سکتی۔

اسی لیے اسلام نے اجتماعی اور انفرادی زندگی میں مسلمانوں کو آپس میں خیر خواہی کا سبق دیا ہے۔ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر اتنے حقوق رکھے گئے ہیں کہ جن کی ادائیگی کے معمولی اہتمام سے بھی تعلقات کی خوشگواری اور شیرینی بے پایاں ہو جاتی ہے ان میں باہمی اختلاف و افتراق کا سوال ختم ہو جاتا ہے اور ان کی آپس میں محبت و شفقت کمال درجے پہ ہونے کے باعث پورا معاشرہ محبت و الفت کا خزانہ اور قوت و توانائی کا ذخیرہ بن جاتا ہے مسلمانوں کو باہر سے شکست دینے کی جرأت آج تک کسی کو نہیں ہوئی البتہ ان کے اندر اختلاف و افتراق ہو تو وہ دشمنوں کے لیے نرم چارہ بن جاتے ہیں۔ اسی لیے سارا زور معاشرے کے داخلی استحکام پر لگایا گیا ہے اور داخلی استحکام باہمی خیر خواہی کے جذبے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کے بے شمار حقوق دوسرے مسلمان پر عائد کیے ہیں انہیں حقوق کی ادائیگی کے سبب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تیار کردہ معاشرہ ایک عظیم انقلابی قوت کا ذخیرہ بن گیا تھا۔ حقوق کا یہ سلسلہ ایک ایسا پھیلا ہوا وسیع و عریض جال ہے جس میں معاشرے کا فرد فرد ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہے اور پورا معاشرہ فرد فرد کے ساتھ پیوست ہے۔ اسلامی معاشرہ کوئی بکھرے ہوئے کنکروں کا ڈھیر نہیں ہے بلکہ پیوستہ ہوئے

Marfat.com

مؤذنوں کی ایک ایسی تسبیح ہے جس پر اللہ کا نام سب سے بلند آواز میں پڑھا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الروم: ۳۸)

پس اے مومن۔ رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین و مسافر کو اس کا حق۔ یہ بہتر طریقہ ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

اسلامی معاشرے میں رشتہ دار، مسکین اور مسافر کی امداد و معاونت کو خیرات سے آگے بڑھ کر ان کا حق قرار دیا گیا ہے گویا جن کے پاس دینے کے لیے زائد مال موجود ہے وہ انہیں بے زر لوگوں کا حق ہے جو زائد مال والوں کو یہ زائد مال دے کر آزمایا گیا ہے کہ وہ ان حق داروں کا حق انہیں پہنچاتے ہیں یا ان کا حق بھی خود ہی ہضم کر جاتے ہیں۔ پھر دینے والے پر کبر و غرور اور فخر و مباہات کا راستہ بھی بند کر دیا گیا ہے اور لینے والے کو مسکنت، خست، ذلتِ نفس اور شکستِ خودی سے بچایا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (النحل: ۹۰)

اللہ (تمہیں) عدل و احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی سے بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو۔

معاشرے میں توازن و تناسب قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کو بھی تناسب و توازن کے ساتھ قائم کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ معاشرے کے ہر فرد کے حقوق و چاہے معاشرتی ہوں یا سیاسی۔ اخلاقی ہوں یا معاشی ہر لحاظ سے اس کی ضرورت، حیثیت

اور صلاحیت کے مطابق ادا کیے جائیں۔ پھر باہمی احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ احسان یہ ہے کہ افراد باہمی فیاضی، فراخدلی، کشادہ دلی، ہمدردی، رواداری، خوش خلقی، نیکی اور مروت کا رویہ اختیار کریں۔ اپنے حق کو مؤخر کر کے بھی دوسرے کا حق پہلے دیں۔ اپنا حق چھوڑ کر بھی دوسرے کا حق ادا کریں۔ خود تکلیف اٹھا کر بھی دوسروں کو راحت پہنچائیں۔ یہ طرزِ عمل معاشرے میں خوشگواری، شیرینی، محبت و الفت پیدا کرے گا۔ اس سے شکر گزاری، عالی ظرفی، اور ایثار و قربانی جیسی صفاتِ عالیہ پیدا ہوں گی۔ اس سے اخلاص و تحمل اور بردباری و ہمہ پہلو خیر خواہی کی اعلیٰ قدریں معاشرے میں پرورش پائیں گی اور پورا معاشرہ محبت و الفت کی داخلی شیرینی میں گندھ کر یکجان و ہمہ تن عملِ خیر بن جائے گا۔ پھر یہ حکم دیا گیا کہ عزیز و اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی کا رویہ اختیار کرو۔ صلہ رحمی سے مراد محض اچھا برتاؤ ہی نہیں بلکہ اپنے خاندان کے تمام حاجتمند افراد کی رشتہ و تعلق کی قربت کے لحاظ سے پوری طرح مدد کی جائے اور خاندان کے خوشحال افراد اپنی برادری کے مفلوک الحال بھائیوں کی ان کے حق کی بنا پر مدد کریں۔ اپنے اموال کو اپنے عیش و آرام پر ہی نہیں بلکہ اپنے عزیز و اقرباء کی حاجات و ضروریات اور پریشانیاں دور کرنے پر بھی خرچ کریں۔ اسی کے پیشِ نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آدمی کے اوّلین حقدار اس کے والدین، اس کے بیوی بچے اور اس کے بہن بھائی ہیں اور پھر جو ان سے قریب ہوں اور اس بنا پر خلافتِ راشدہ میں بعض یتیم بچوں کی پرورش کے لیے ان کے خوشحال رشتہ داروں کو مجبور کیا گیا تاکہ اسلامی معاشرہ ایک ایسا پرسکون و خوشگوار ادارہ بن جائے جس میں گرنے والوں کی چلنے والے دست گیری کریں اور کوئی فرد بھی اپنے دوسرے بھائیوں کی حالت سے بے خبر بے نیاز اور اپنی ذات کے آرام و راحت میں مگن نہ رہے۔ ایسی صورت میں اس معاشرے کے اندر یقیناً اخلاقی بلندی اور پاکیزگی و خوشحالی اور خوشگواری پیدا ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرے میں سے بدی، بے حیائی اور ظلم و زیادتی کو دور کرنے کا حکم معاشرے کے ہر ہر فرد کو علیحدہ علیحدہ اور بہ حیثیت مجموعی پورے معاشرے اور اس کی

Marfat.com

ہیئت حاکمہ کو دیا ہے۔ جس معاشرے میں بدیوں، بدکاریوں، فحاشیوں، عیاشیوں اور نمائش حُسن و جمال کے مختلف مظاہر کو روکنے پر افرادِ معاشرہ، پورا معاشرہ اور ان کی حکومت لگی ہوئی ہو وہ معاشرہ کیسا پاکیزہ اور خوشگوار بن جائے گا۔ اس کے ساتھ جہاں فحش کاری، منکرات اور خدا اور رسول سے بغاوت، حدود سے تجاوز، دوسروں کے حقوق پر دست درازی اور زیادتی کی ہر نوعیت کا قلع قمع کیا جا رہا ہو اس معاشرے کی خوبی و خوشنمائی میں کیا کمی رہ جائے گی۔ ایسے ہی اسلامی معاشرے کی خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (البلد: ۱۷)

"وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور خلق خدا پر رحم کی تلقین کی۔"

مسلم معاشرے میں شامل ہونے والوں کے اخلاق و کردار میں وہ اعلیٰ کیفیات پیدا ہوتی ہیں جو اللہ کو مطلوب اور محبوب ہیں یہی خوبیاں دنیا میں اسلام کی سربلندی اور انقلابی نتائج کے لیے ضروری ہیں۔ اسلامی معاشرہ اجتماعی طور پر ہی برائیوں کو مٹانے اور بھلائیوں کو فروغ دینے کا کام زیادہ موثر طریقے سے کر سکتا ہے۔

صبر و تحمل انسان میں انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے ایک عظیم صفت ہے جو ہمہ پہلو اثرات کے لحاظ سے صرف اسلام ہی پیدا کرتا ہے اور مسلمان معاشرے میں ہی یہ صفت پرورش پا سکتی ہے۔ صبر مسلمانوں کی اخلاقی قوتوں میں سے ایک زبردست اخلاقی قوت ہے۔ اس کے ذریعے مسلمان بے شمار اخلاقی برائیوں سے بچتا ہے۔ ترغیبات کے سامنے صبر کا بند باندھ کر وہ اپنی حفاظت کرتا ہے اس کی مدد سے وہ خدا اور رسول کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے۔ جس طرح تنہا روزہ رکھنا مشکل اور سارے معاشرے کے ساتھ مل کر رکھنا آسان ہوتا ہے اسی طرح صبر بھی تنہا کرنے کے مقابلے میں جب پورا معاشرہ اس کا اہتمام کرتا ہے تو مومن کے لیے اس کی مشق اور اہتمام زیادہ آسان ہو جاتا ہے یہی معاملہ رحم کا

جو باہمی خیر خواہی کی ایک نہایت اعلیٰ وارفع قسم ہے۔ رحم صفتِ خداوندی ہے۔ جو مدد، پرورش دست گیری اور خیر خواہی کا کام کرتی ہے۔ اور جس فرد اور معاشرے میں یہ صفت نمودار ہو جائے وہاں باہمی تعاون، غریبوں کی پرورش، مسکینوں کی دست گیری اور ہمہ پہلو افرادِ معاشرہ کی خیر خواہی کی کیفیت نمودار ہو جاتی ہے۔ قرآن نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفت خاص طور پر بیان کی ہے وہ یہی ہے کہ آپ رحمۃٌ للعالمین ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء: ۱۰۷)

اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو، مگر رحمت جہانوں کے لیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں میں جس صفت کو سب سے بڑھ کر فروغ دینے کی کوشش کی وہ رحم کی صفت ہی ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس۔ (بخاری)

اللہ اس شخص پر رحم نہیں کھاتا جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا۔

آپؐ نے مزید فرمایا جسے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے روایت کیا کہ:

"رحم کرنے والوں پر رحمان رحم فرماتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔" (ترمذی)

حضرت ابن عباس نے آپؐ کا ارشاد نقل فرمایا:

"وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کھائے اور ہمارے بڑے کی توقیر نہ کرے۔" (ترمذی)

آپؐ نے فرمایا:

"وہ تین آدمی جو جنتی ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جو ہر رشتہ دار اور ہر مسلمان کے لیے رحیم اور رقیق القلب ہے۔"

Marfat.com

آپؐ نے فرمایا جسے حضرت عثمانؓ بن بشیر نے روایت کیا :

"تم مومنوں کو آپس کے رحم اور محبت اور ہمدردی کے معاملے میں ایک جسم کی طرح پاؤ گے کہ اگر ایک عضو میں کوئی تکلیف ہو تو سارا جسم اس کی خاطر بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے" (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آپؐ کا یہ ارشاد روایت کیا :

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس کی مدد سے باز رہتا ہے جو شخص اپنے بھائی کی کسی حاجت کو پورا کرنے میں لگا ہو گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں لگ جائے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو کسی مصیبت سے نکالے گا اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت سے نکال دے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی عیب پوشی کرے گا"

چنانچہ معاشرے کے اندر اس کیفیت رحم و محبت و یکجہتی و خیر خواہی کو بڑھانے کے لیے اسلام نے کثرت سے احکام دیے ہیں اور معاشرے کے افراد کو نفسیاتی، اخلاقی، معاشرتی اور عملی لحاظ سے باہمی ایک دوسرے کا ہمدرد اور بہی خواہ بنانے کا زبردست اہتمام کیا ہے جس کا عشر عشیر بھی دنیا کے کسی دوسرے معاشرے میں احکام کی صورت میں نظر نہیں آتا۔ اسی طرح والدین کے حقوق بھی متعین کیے گئے ہیں تاکہ خوشگوار تعلقات پر مبنی خاندان وجود میں آئیں۔ اور معاشرہ خوشگوار تعلقات کا مخزن بن جائے۔

ایک شخص نے پوچھا :

یا رسول اللہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے۔ حضورؐ نے فرمایا :

تیری ماں" (ابوہریرہ۔ بخاری مسلم)

آپؐ نے فرمایا :

Marfat.com

"اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو (یعنی وہ ذلیل و رسوا ہو) جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہوا۔"

(ابوہریرہ مسلم)

آپؐ نے فرمایا:

"وہ شخص جو بدلے میں رشتہ داروں کا لحاظ کرتا ہے وہ مکمل درجے کی صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے۔ کمال درجے کی صلہ رحمی یہ ہے کہ جب دوسرے رشتہ دار اس سے بے تعلقی کریں تو یہ ان کے ساتھ اپنا تعلق جوڑے اور ان کا حق دے۔"

(مسلم ابوہریرہ)

ایک خاندان میں خوشگوار فضا کے لیے میاں بیوی کا باہمی ایک دوسرے کے حقوق انصاف و عدل سے ادا کرنا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ حکیم ابن معاویہؓ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد معاویہ نے آپؐ سے بیوی کے حقوق کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

"اس کا حق یہ ہے کہ جب تو کمائے تو اُسے کھلائے اور جب تو پہنے تو اسے پہنائے"

مزید فرمایا:

"عورت پر سب سے بڑا حق اس کے شوہر کا ہے اور مرد پر سب سے بڑا حق اس کی ماں کا ہے۔"

(حضرت عائشہ)

اولاد کے حقوق کے تذکرے میں آپؐ نے فرمایا:

"باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سے سب سے بہتر عطیہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت ہے۔"

لڑکیوں کے بارے میں آپؐ نے فرمایا:

"جس شخص کو ان بچیوں کے ذریعے آزمائش میں ڈالا گیا۔ پھر اس نے ان بچیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بچیاں اس کے لیے جہنم سے پردہ بن جائیں گی۔"

معاشرے میں یتیم کی سرپرستی کے بارے میں ہمت افزائی کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

"میں اور یتیم کا سرپرست نیز دوسرے محتاجوں کا سرپرست۔ ہم دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے۔"

یہ کہہ کر آپؐ نے اپنی بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔

مہمان کے حقوق کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

"جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں انہیں چاہیئے کہ اپنے مہمانوں کی خاطر داری کریں۔" (ابوہریرہ۔ بخاری)

پڑوسیوں کے حقوق کی اہمیت بتاتے ہوئے فرمایا:

"وہ شخص ایمان نہیں رکھتا جس کا پڑوسی اس کی تکلیف سے محفوظ نہ رہے۔"

مزید فرمایا:

"وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی جو اس کے پہلو میں ہے بھوکا رہے۔"

پھر فرمایا:

"اے ابوذرؓ، جب تو شوربہ پکائے تو کچھ پانی زیادہ کر دے اور اپنے پڑوسیوں کی خبر گیری کر۔"

مساکین کے حقوق کی تائید کرتے ہوئے فرمایا:

"بہتر صدقہ یہ ہے کہ تو کسی بھوکے کو پیٹ بھر کر کھلائے۔"

بیوہ اور مسکین کی مدد پر متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

"بیواؤں اور مساکین کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو خدا کی راہ میں جنگ کرتا ہے اور اس شخص کی طرح ہے جو رات بھر خدا کے حضور کھڑا ہوتا ہے۔ تھکتا نہیں اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو دن کو کھاتا نہیں برابر

Marfat.com

روزے رکھتا ہے۔"

خادموں کے حقوق کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

"غلام (خادم) کا حق یہ ہے کہ اسے کھانا اور کپڑا دیا جائے۔ اور اس پر کام کا صرف اتنا ہی بوجھ ڈالا جائے جس کو وہ سہار سکتا ہے۔" (مسلم ابوہریرہ)

سفر میں ایک دوسرے کی خدمت کے بارے میں فرمایا:

"جو شخص لوگوں کی خدمت کرنے میں سبقت لے جائے تو لوگ اس سے کسی عمل کی بدولت نہیں بڑھ سکتے بجز شہادت کے۔" (مشکوٰۃ سہل بن سعد)

مریض کی عیادت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"بیمار کی عیادت کرو، بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور قیدی کی رہائی کا انتظام کرو۔"

(بخاری ابوموسیٰ)

آخری حج کا خطبہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"سنو اللہ نے تمہارا خون اور مال اور آبرو محترم قرار دے دیا ہے۔ جس طرح تمہارا یہ دن مہینہ اور شہر محترم ہے۔"

حضرت جریرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے کی۔"

حضرت ابوموسیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

"مسلمان مسلمان کے لیے عمارت کی طرح ہے۔ جس کا ایک حصّہ دوسرے حصّے کو قوت پہنچاتا ہے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کر کے سمجھایا۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مسلمان مسلمان کا آئینہ ہے اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس کو بربادی سے بچاتا ہے اور پیچھے سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔" (مشکوٰۃ)

آپؐ نے فرمایا:

"وہ شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جو اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"

اجتماعی زندگی میں مسلمان کے مسلمان پر حقوق بیان کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں، پوچھا گیا وہ کیا ہیں، آپؐ نے فرمایا:

۱۔ جب تو مسلمان بھائی سے ملے تو اسے سلام کر۔

۲۔ جب وہ تجھے دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کر۔

۳۔ جب وہ تجھ سے خیر خواہی چاہے تو اس سے خیر خواہی کر۔

۴۔ جب اسے چھینک آئے اور وہ الحمد اللہ کہے تو تو اس کا جواب دے (یرحمک اللہ)

۵۔ جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کر۔

۶۔ اور جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔

موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے بتایا کہ حضورؐ نے انہیں یمن روانہ کرتے وقت پا بر رکاب حالت میں جو وصیت فرمائی وہ یہ تھی کہ:

"اے معاذؓ لوگوں کے ساتھ بہتر اخلاق سے پیش آنا۔"

اسی طرح مسلمانوں میں کثرت سے سلام پھیلانے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

"تم لوگ جنت میں نہیں جا سکتے جب تک مومن نہیں بنتے اور تم مومن نہیں بن سکتے جب تک باہم محبت نہ کرو۔ اور کیا میں تمہیں وہ تدبیر نہ بتاؤں جس کو اگر تم کرو تو آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔"

آپؐ نے نیکی کا معیار بتاتے ہوئے فرمایا:

"تو اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملے یہ بھی نیکی ہے اور اپنے ڈول کا پانی اپنے بھائی کے برتن میں ڈال دے یہ بھی نیکی ہے۔" (ترمذی)

انتہا یہ ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے سودے پر سودا کرنے سے اور منگنی پر منگنی تک کرنے سے منع کیا گیا تاکہ معاشرے میں معمولی درجے کی جذباتی کشمکش بھی پیدا نہ ہو۔

غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاشرہ تشکیل دیا اس کی بنیادی خوبی یہ تھی کہ اس میں نیکی ہی پنپ سکتی تھی اور بدی کے پنپنے کے لیے کوئی گنجائش موجود نہ تھی۔ نیکی کا فروغ اس معاشرے کی انقلابی سیرت کا نشان تھا۔ اس کی تعمیر و تخلیق و تشکیل کے دوران مختلف عملی ہدایات کے ذریعے یہ بات اس کی فطرت میں ڈال دی گئی تھی کہ وہ کوئی بے خبر بے حس اور غیر جانبدار معاشرہ نہ تھا بلکہ خدا اور رسول کی تعلیمات کے بارے میں جن کا دوسرا نام معروفات ہے وہ پوری طرح حساس اور جانبدار ہی نہیں بلکہ ان کا علمبردار معاشرہ تھا۔ وہاں باطل سر نہ اٹھا سکتا تھا اور اگر سر اٹھائے تو لوگ اتنے بے حس اور بے جان نہ تھے کہ بیٹھے خاموشی سے تماشہ دیکھتے رہیں۔ اس معاشرے میں یہ روح جاری و ساری تھی کہ معاشرے کا ہر فرد کلمۂ حق بلند کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ اور تیار رہے اور جہاں کہیں باطل سر اٹھائے اسے کچلنے کے لیے لوگ اُٹھ کھڑے ہوں۔ ہر ہر فرد راستی اور حق شناسی پر قائم رہنے اور دوسروں کو قائم رہنے کی نصیحت کرتا رہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقِ فاضلہ کی اس ارفع بنیاد پر ایک معاشرے کی بنیاد رکھ دی اور اس کام میں ہر قسم کی کھکھیڑ برداشت کر لی تو پھر اس معاشرے کا ایک ایک فرد انسانیت کے لیے پارس بن گیا کہ جس سے چھو گیا اسے سونا بنا گیا ان افراد پر مشتمل معاشرہ دلنشین انسانی اخلاق و کردار کا ایک مرقع بن گیا کہ جو اس میں آیا وہ اسے چھوڑ کر جانے کے لیے آمادہ نہ ہو سکا اور جس نے اس کی ایک بار جھلک دیکھ لی بس وہ اس کا شیدا ہی ہو گیا اور اس نے اپنی انسانیت کی حفاظت اس معاشرے کی رفاقت ہی میں محسوس کی۔

پھر اس معاشرے کے انقلابی اثرات دور دور تک پہنچے۔ تاریخ میں پہلی بار انسانیت کے دامن میں جواہرات سے زیادہ قیمتی کردار و اخلاق کا حامل ایک معاشرہ وجود میں آیا تھا چنانچہ جس دعوت کا حامل یہ معاشرہ تھا وہ دعوت نہایت تیزی سے آس پاس کے ممالک اور علاقوں میں پھیل گئی اور انسانوں کے دل و دماغ پر چھا گئی۔ کئی علاقے تو اس سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ آج کوئی نہیں جانتا کہ اسلام لانے سے پہلے ان کی زبان اور تہذیب کیا تھی ان کا کلچر کیا تھا۔ یہ نظریہ ایک عظیم الشان فکری اخلاقی اور سیاسی انقلاب لے کر ہر طرف پھیل گیا۔ ارد گرد کی مزاحمتیں اس ہوشربا انقلابی نظریے اور اس کے علمبرداروں کی یلغار سے ریت کی دیواروں کی طرح بیٹھتی چلی گئیں۔ وہ جدھر جدھر گئے بدیاں مٹتی گئیں اور انسانیت کے بہترین جوہر ابھرتے چلے گئے۔ دنیا جو خوبیاں صرف تارک الدنیا لوگوں میں سمجھتی تھی وہ اسے ان میں بھی نظر آئیں جس سے سیاست کے طریقے، حکمرانوں کے اخلاق، عدالتوں کے اصولِ انصاف، جنگوں کے قواعد اور ناجروں کے طریقے بھی کچھ اس خدا پرستانہ اخلاق سے مفتوح اور متاثر ہوئے۔ اس معاشرے کے معمولی افراد اپنے اخلاق و کردار کے اعتبار سے دوسرے معاشروں کے منتخب روزگار افراد سے بھی اونچے نظر آئے۔ اور دنیا نے اپنوں کے خلاف انصاف، دشمنوں کے ساتھ عدل، فتح میں شفقت، جنگ میں وفائے عہد، بادشاہت میں فقر، ہزیمت میں شجاعت، اور غنیمت میں دیانت کا سبق ان سے سیکھا۔ دنیا خود اپنی دشمن نہ تھی کہ یہ کچھ دیکھنے، پرکھنے اور جانچنے کے بعد بھی اپنے لیے تاریکی گمراہی اور گم کردہ راہی کو ہی پسند کرتی۔ اس نے سُرعت سے آگے بڑھ کر ان لوگوں کا استقبال کیا۔ آج دنیا میں جس جس جگہ تہذیب و شرافت اور انسانیت کی باقیات الصالحات موجود ہیں اس میں اسلام اور ان انقلابی مسلمانوں کا وافر حصہ موجود ہے۔ اخلاق و کردار وہ تیز ترین اور جدید ترین ہتھیار ہیں جن کے لیے ہر میدان میں فتح ہی فتح ہے۔ اخلاق کے ہتھیار کی تقدیر میں شکست نہیں ہے۔

Marfat.com

دوسرا باب ۲

اخلاقِ رذیلہ کی روک تھام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال حکمت و تدبر سے اپنے زیرِ تشکیل معاشرے میں اخلاقِ فاضلہ کی پرورش کا انتظام ہی نہیں کیا بلکہ اخلاقِ رذیلہ کی روک تھام کا بھی پورا پورا بندوبست کیا۔ آپؐ نے معاشرے کے اندر فرد فرد کے ضمیر میں وہ دیدبان نصب کیے جو سر اٹھاتی ہوئی برائی کی بروقت گرفت کرتے اور اسے رفع کرتے تھے۔

جس طرح اخلاقِ فاضلہ کی پرورش و اہتمام اسلامی انقلاب کا وہ مؤثر ترین ہتھیار ہے جس کی کاٹ کا کوئی جواب نہیں ہے اور جس کی پرورش کا واحد ذریعہ خدا پرستی اور آخرت کی جوابدہی کا شعوری احساس ہے اسی طرح اسلامی معاشرے اور انقلاب کو تباہ کر دینے والی چیز بھی اخلاقِ رذیلہ کی روز افزوں افزائش ہے۔ جس کی اگر کثرت ہو جائے تو ایک انقلابی معاشرہ رجعت پسند، بدکردار، غیر انقلابی، تعیش پسند اور بالآخر اپنے آزادِ نظامِ حیات سے محروم ہو کر غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جاتا ہے۔ ایسے عناصر کی روک تھام اور تدارک کے لیے اسلام اپنے زیرِ نگین معاشرے میں زبردست حفاظتی اقدامات کرتا ہے۔

اخلاقِ رذیلہ انسانی کردار کے وہ حیوانی مظاہر ہیں جن کا اس کی پاکیزہ روح، علم صحیح اور اعلیٰ انسانی تصور و اقدار کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ ایسے خصائل انسان کو پستی اور مفاد پرستی کی سطح پر لے جاتے ہیں اور اس کی روحانیت اور انسانیت دونوں کو کچل کر اس راستے پر ڈال دیتے ہیں جو انسان کے لیے سراسر حیوانیت، باطل اور شیطان کا مجوزہ راستہ ہے۔

Marfat.com

انسان کے لیے یہ سخت مہلک راستہ ہے اسی لیے اسلام نے ان رذائلِ اخلاق میں سے ایک ایک کو علیحدہ علیحدہ گنایا ہے۔ انہیں گناہوں اور برائیوں کی فہرست میں شامل کیا ہے اور ان کی روک تھام کے لیے اسلامی حکومت، اسلامی معاشرے اور ہر ہر مسلمان کی فرداً فرداً ڈیوٹی لگائی ہے تاکہ ان کی کثرت کہیں اسلامی انقلاب کو تہہ و بالا نہ کر دے اور اسلامی معاشرہ رجعت قہقری کا شکار نہ ہو جائے۔

اخلاق رذیلہ دراصل بگاڑ کی اس تحریک سے پیدا ہوتے ہیں جو چار بنیادوں پر وجود میں آتی ہے:

- ★ اس کی پہلی بنیاد کسی فرد یا معاشرے میں خدا سے بے خوفی ہے اس بے خوفی میں سے بے انصافی، بے رحمی، خیانت، بدکرداری، ظلم و ستم، حق ماری، باطل پرستی اور ایسی ہی صدہا اخلاقی بیماریاں جنم لیتی چلی جاتی ہیں۔
- ★ اس کی دوسری بنیاد خدائی ہدایات سے بے نیازی ہے جس کے نتیجے میں انسان زندگی میں کسی بھی اصول کا پابند نہیں رہ جاتا۔ وہ مفاد پرستی، لالچ، حرص و طمع، لذت پرستی، خواہشات کی غلامی، رسم و رواج، خوشامد، تعلّی اور گھٹیا ذہنی اور طبعی تقاضوں کا شکار ہو جاتا ہے۔
- ★ اس کی تیسری بنیاد انسان کی جبلی اور طبعی خود غرضی ہے جب یہ خود غرضی اس پر قابو یافتہ ہو جاتی ہے تو وہ دوسروں کی کھلی کھلی حق تلفی کرنے سے بھی باز نہیں رہ سکتا۔ نسل پرستی قوم پرستی، طبقاتی امتیازات، علاقائیت، برادری و قبیلہ کی جاہلی عصبیت یہ سب اسی بیماری کے شاخسانے ہیں۔
- ★ اس کا چوتھا سبب آخرت سے بے خوفی کے سبب زندگی کی بے راہ روی ہے جس میں مبتلا ہو کر انسان تعمیر سے زیادہ تخریب کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کی ذات سے فساد اور بگاڑ کے سوا اور کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی۔

Marfat.com

ظاہر ہے کہ اخلاقِ رذیلہ جو شیطان اور اس کی ذریات کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہوتے ہیں اسلام کی ہر خوبی کی نفی پر قائم ہیں اور کسی ایک خوبی کو گرانے کے بعد ہی وہاں اخلاقِ رذیلہ کی کسی برائی کی پرورش کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔ طہارتِ نفس کے مقابلے میں کثافتِ نفس، نیّتِ خیر کے مقابلے میں نیت بد اور عملِ صالح کے مقابلے میں عملِ بد اسی وقت جگہ پاتا ہے جب خدا خوفی اور آخرت کی جوابدہی کا احساس بے عملی یا بے حسی کا شکار ہو جاتا ہے یا خود غرضی اور مفاد پرستی کی زد میں آ جاتا ہے۔ پاک زندگی کی بجائے ناپاک زندگی، اچھائی کی بجائے برائی، ایمان کی بجائے کافرانہ رجحانات، نیکی کی بجائے بدی، اصلاح کی بجائے فساد، خدا پرستی سے محرومی کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ غرض کسی اسلامی معاشرے میں اخلاقِ رذیلہ کی افزائش وہ خوفناک صورتحال ہے جس کے بعد کسی اسلامی انقلاب کے برپا ہونے کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں معروفات کی ترغیب و افزائش کے لیے معاشرے کی پوری پوری تربیت کی، وہاں منکرات مشتبہات سے بچنے اور ان کی روک تھام کرنے کا بھی پورا پورا اہتمام فرمایا۔ انسانی زندگی کے جسم میں برائی کا جو جو کانٹا چبھ سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک کی نشاندہی کی اور اسے اکھاڑ پھینکنے پر پوری اُمت کو مامور فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برائیوں کی بیخ کنی پر خصوصاً بہت زور دیا جو معاشرے کو پھاڑنے، افراد کو باہم ٹکرانے، افتراق و تشتت پیدا کرنے اور بغض، کینہ، عناد، دشمنی اور معاشرے میں شدید تفرقہ پیدا کرنے کا باعث ہو سکتے ہیں۔

کبر کائنات کی اوّلین بیماری ہے جس کا آغاز ابلیس سے ہوا اور جو انسان کا ازلی دشمن ہے اسی بیماری کے سبب اسے جنت سے نکال پھینکا گیا تھا۔

حضورؐ نے فرمایا :

"متکبر آدمی جنت میں داخل نہ ہو گا اور نہ وہ جو جھوٹی شیخی بگھارتا ہے۔"

(ابو داؤد)

Marfat.com

مزید فرمایا :

"خود پرستی ایسی بُری بلا ہے کہ اس سے ستر برس کے بہترین عمل برباد ہو جاتے ہیں"

یہ تو اللہ کے نبی کی اپنے اُمتیوں کے لیے رعایت ہے ورنہ خود پرستی اور کبر سے شیطان لاکھوں برس کی عبادت ضائع کر چکا ہے۔

ظلم وستم سے معاشرے میں شدید کشمکش برپا ہو جاتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"ظلم قیامت کے دن ظالم کے لیے سخت اندھیرا بنے گا"

(بخاری ، مسلم روایت ابن عمر)

معاشرے میں چھوٹی چھوٹی برائیاں اور حق تلفیاں کرنے کو انسان معمولی سمجھتا ہے حالانکہ یہی معاشرے میں کشمکشیں پیدا کرتیں اور تلخیوں کی بنیاد بن جاتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"کیا تم جانتے ہو کہ دیوالیہ اور مفلس کون ہے۔ لوگوں نے کہا کہ مفلس تو ہمارے ہاں وہ شخص کہلاتا ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کوئی دوسرا سامان۔ آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کا مفلس اور دیوالیہ وہ ہے جو قیامت کے دن اپنی نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ اللہ کے پاس حاضر ہو گا اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہو گی اور کسی پر تہمت لگائی ہو گی۔ کسی کا مال مار کر کھایا ہو گا کسی کا خون بہایا ہو گا کسی کو ناحق مارا ہو گا۔ تو ان تمام مظلوموں میں اس کی نیکیاں بانٹ دی جائیں گی۔ پھر اگر اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں۔ اور مظلوموں کے حقوق ابھی باقی رہے تو ان کی برائیاں اس کے حساب میں ڈال دی جائیں گی اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا"

(ابو ہریرہ مسلم)

Marfat.com

معاشرے میں خوشی اور غم دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں لیکن جب کسی دکھ مصیبت پر کسی شخص کو رنج کی بجائے خوشی ہو تو سمجھ لیجئے کہ وہاں کوئی بیماری موجود ہے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیماری کی نشاندہی کر کے اس پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

"تو اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کر ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا اور تجھے مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔"

جھوٹ اور نفاق معاشرے میں زہر کے بیج بو دیتے ہیں اور خلوص و ایثار کو ختم کر دیتے ہیں ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

"چار خصلتیں ہیں جس شخص میں ہوں وہ پکا منافق ہے اور جس شخص کے اندر ان میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی تو اس کے اندر وہ نفاق کی خصلت ہوگی۔ یہاں تک کہ اس کو وہ ترک کر دے۔ وہ چار خصلتیں یہ ہیں۔

۱۔ جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ خیانت کرے۔

۲۔ گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔

۳۔ وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔

۴۔ کسی سے جھگڑے تو گالی پر اُتر آئے۔

معاشرے میں فحش کا پھیل جانا گویا تباہ کن متعدی اخلاقی مرض کا پھیل جانا ہے چنانچہ حضرت علیؓ جو اس معاشرے کے انقلابی رہنما ہیں، فرماتے ہیں:

"فحش بات کہنے والا اور فحش بات کی اشاعت کرنے والا دونوں گناہ میں برابر ہیں۔"

مزید فرمایا:

"خدا کی نظر میں بدترین آدمی قیامت کے دن وہ ہوگا جس کی بدزبانی اور فحش کلامی

Marfat.com

کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔ (بخاری، مسلم)

عصبیت جاہلیہ جس سے لوگ باہمی ٹوٹ جاتے اور اصولوں کو چھوڑ کر جہالت کے پیچھے لگ جاتے ہیں ان کی مذمت کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی انقلابی معاشرے کو بچانے کے لیے فرمایا:

"وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی دعوت دے اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی بنیاد پر جنگ کرے اور ہم میں سے وہ بھی نہیں ہے جو عصبیت کی حالت میں مرے۔" (ابوداؤد)

اسلامی معاشرے میں فاسق وہ ہوتا ہے جو اسلامی اصولوں کی پابندی سے ہچکچاتا اور گریز کرتا ہے اور اسلامی انقلاب کے تقاضوں کو پورا کرنے سے کوتاہی کرتا ہے ایسے شخص کے لیے اسلامی انقلابی معاشرے میں عزت کا مقام نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر اس کے مال و دولت یا خاندان و برادری کی بنا پر اس کی عزت شروع ہو جائے تو پھر پورے معاشرے کے اصولوں کو انہدام سے کوئی قوت نہیں بچا سکتی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش بندی کے طور پر فرمایا:

"جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوتا ہے اور اس کے غضب سے اس کا عرش ہلنے لگتا ہے۔"

(مشکوٰۃ حضرت انس)

حسد سے بھی باہمی کشمکشیں پیدا ہوتی ہیں اور معاشرے کا حسنِ سلوک تباہ ہو جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تدارک کے لیے فرمایا:

"اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اسی طرح بھسم کرتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو بھسم کر دیتی ہے۔" (ابوداؤد)

معاشرے میں بدنگاہی اور اخلاقی بے ضابطگی پھیل جانے سے بھی شدید فسادات

بحرانات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی پہلے ہی قدم پر پیش بندی فرمائی آپؐ نے فرمایا:

"اے علی، کسی اجنبی عورت پر نظر اچانک پڑ جائے تو نظر پھیر لو دوسری نگاہ اس پر نہ ڈالو، پہلی نگاہ تو تمہاری ہے اور دوسری نگاہ تمہاری نظر نہیں ہے (بلکہ وہ شیطان کی ہے)۔"

کبھی کبھی ایک آدمی کی موجودگی میں دو آدمیوں کی علیحدہ سرگوشی بھی تیسرے شخص کا دل وسوسوں سے بھر دیتی ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی تدارک کرتے ہوئے فرمایا:

"جب تین آدمی ہوں تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں کانا پھوسی نہ کریں۔"

(ادب المفرد۔ حضرت عبداللہ)

معاشرے میں سوال کی کثرت، محتاجوں کی زیادتی اور گداگری کی بہتات بھی معاشرے کی خودی کو تباہ کر دیتی اور اس کی اخلاقی قدروں کو پامال کر دیتی ہے۔ آپؐ نے اس کی روک تھام کرتے ہوئے فرمایا:

"جو آدمی بلا ضرورت سوال کرتا ہے وہ گویا آگ کی چنگاریوں میں ہاتھ ڈالتا ہے۔"

(بیہقی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کا مقام خودی یہ تجویز فرمایا کہ:

"لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو اور اگر تمہارا کوڑا بھی ہاتھ سے گر پڑے تو اس کو بھی خود گھوڑے سے اتر کر اٹھاؤ۔" (مسند احمد)

معاشرے میں سخت کلامی اور غصہ بھی دلوں کو پھاڑ دیتا اور اتحاد و اتفاق کو تباہ کر دیتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک فطری امر ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تدارک کے لیے بھی ارشاد فرمایا:

Marfat.com

"وہ آدمی طاقت ور نہیں ہے جو لوگوں کو دباتا اور مغلوب کرتا ہو بلکہ وہ آدمی طاقت ور ہے جو اپنے نفس کو دبا سکتا اور مغلوب کر سکتا ہو۔"

پھر مزید فرمایا:

"رضائے الٰہی کے لیے غصّہ کے گھونٹ کو پی جانے سے بڑھ کر کوئی دوسرا گھونٹ نہیں ہے۔"
(ابو ہریرہؓ)

افواہ اور بے احتیاطی کی گفتگو کے بارے میں آپؐ نے فرمایا:

"آدمی کے لیے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ جو کچھ سُنے اسے (بلا تحقیق) بیان کرتا پھرے۔"
(صحیح مسلم)

کنجوسی اور بخل جو دلوں کا قفل، تلخی اور یبوست کا نشانِ اوّل ہے۔ آپؐ نے ایسے شخص کو سخت وعید سنائی۔

"دھوکہ باز، بخیل اور احسان جتانے والا آدمی جنت میں نہ جا سکے گا۔"

(ترمذی)

بُغض اور کینہ جو معاشرے کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر کے کمزور کر دیتا ہے اور دشمنیوں کا بیج بن کر اپنی جڑیں معاشرے میں پھیلاتا چلا جاتا ہے۔ اس قلبی بیماری میں مبتلا لوگوں کو سخت متنبہ کرتے ہوئے ان کی معافی کے بارے میں توقف فرمایا:

"ہر ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو ہر بندۂ مومن کی معافی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ سوائے ان دو آدمیوں کے جو ایک دوسرے سے کینہ رکھتے ہوں پس ان کے بارے میں حکم دے دیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑے رہو (یعنی ان کی معافی نہ لکھو) جب تک یہ آپس کے اس کینہ اور باہمی دشمنی سے باز نہ آئیں اور دلوں کو صاف نہ کر لیں۔"

(بخاری و مسلم)

Marfat.com

اسلامی معاشرے کو تباہ کرنے اور اس کی بنیادیں ہلا دینے میں یہ ساری ہی اخلاقی بیماریاں اپنا اپنا حصہ ادا کرتی ہیں اور اسے ایک انقلابی بنیاد سے اکھاڑ کر مفسدات و مکروہات کا اکھاڑا بنانے میں بہت مدد دیتی ہیں لیکن ایک اجتماعی بیماری جس کا نام غیبت، سوءِ ظن اور بدگمانی ہے وہ اگر اپنا کام کر جائے تو وہ پورے معاشرے کو شیطان کی چراگاہ بلکہ شکارگاہ بنا دیتی ہے۔ یہ اسلامی معاشرے کا انقلابی مزاج بدل کر اسے تباہی و بربادی اور غلامی و پستی کے لیے تیار کر دیتی ہے۔ یہ بیماری اگر پھیل جائے تو اسلامی انقلاب اوّل تو کہیں قدم ہی نہیں جما سکتا اور اگر کہیں قدم جما چکا ہو تو اس بیماری کے نتیجے میں اسے رخصت ہونے میں زیادہ عرصہ نہیں لگتا۔ ایسا معاشرہ محبت کرنے والے بھائیوں کا مشترکہ خاندان بننے کی بجائے متحارب گروہوں کی ایک ایسی رزمگاہ بن جاتا ہے جس میں لڑائی بھڑائی، غصہ، ناراضگی، کشمکش، کینہ، بغض و حسد اور ایک دوسرے کی کاٹ کے سوا دوسری کوئی صفت باقی نہیں رہ جاتی۔

قرآن نے اس حرکت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا ہے۔

اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ	بھلا تم میں سے کوئی اس بات کو
لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ	پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ	کا گوشت کھائے، اللہ سے ڈرو وہ
رَّحِيْمٌ۔ (القرآن)	رجوع فرمانے والا اور رحیم ہے“

ظاہر ہے کہ یہ بیماری بنائے اتحاد کو جو یقیناً الفت و محبت و اعتماد ہی ہے اسے تباہ و برباد کر کے مکمل ختم کر دینے والی ہے اس کے بعد پھر معاشرے میں بس انتشار ہی انتشار باقی رہ جاتا ہے۔

دنیا کی دیگر قوموں کے لیے تو اجتماعیت قائم کرنے کے لیے بہت سی بنیادیں موجود ہیں کہیں ان کی قومیت کی بنیاد نسل ہے، کہیں وطن ہے، کہیں زبان اور رنگ ہے۔ غرض کئی قسم کے محسوس اور مادی اشتراک سے قومیں وجود میں آجاتی ہیں۔ لیکن مسلم قوم جو معاشرہ

وجود میں لاتی ہے اس کے پاس ان میں سے کوئی ایک وجہ بھی قومیت کی بنیاد نہیں ہو سکتی۔ مسلم ملت کے بنیادی عوامل تو توحید و رسالت کا اقرار اور اسلام کے معروفات اور منکرات کا اہتمام ہی ہے انہیں عوامل سے ایک مخصوص تہذیب ایک مخصوص سانچہ اور ایک مخصوص طرز کا انسان وجود میں آتا ہے جس سے ایک مخصوص معاشرہ بنتا ہے۔

یہ معاشرہ اپنے مزاج کے لحاظ سے خالص نظریاتی بنیادوں پر کھڑا ہوتا ہے۔ نظریات کا تعلق ہمیشہ انسان کے تصورات اور کردار سے ہوتا ہے۔ جغرافیائی، لسانی یا نسلی عوامل سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اس لیے ایک مسلم معاشرے کی اجتماعیت جو نظریات اور جذبات پر قائم ہوتی ہے جہاں ایک طرف انتہائی مضبوط ہے کہ زمان و مکان کی حد بندیاں اس کے لیے روک نہیں بن سکتیں وہاں انتہائی نازک بھی ہے کہ ظاہری محسوس عصبیتوں میں سے کوئی عصبیت بھی اس کا سہارا نہیں بن سکتی۔ جہاں خدا و رسولؐ سے گہری محبت اور کائنات سے متعلق ایک خاص نظریہ، مختلف نسل اور رنگ اور ملک کے دو انسانوں کو باہمی گہری محبت میں جوڑ دیتا ہے وہیں ان امور کا اختلاف ان دونوں کو باہمی ایسا کاٹ بھی سکتا ہے کہ پھر ان کی شناسائی بھی محل نظر ہو جائے۔ اشتراکِ نظریات و جذبات سے یہ معاشرہ وجود میں آتا ہے اور اختلاف نظریات و جذبات سے اس کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ معاشرے کی اجتماعی ہیئت کو منتشر اور مجروح کرنے والی تمام چیزوں کی اسلام نے شدید مذمت کی ہے۔ جھوٹ بُرا ہے کہ وہ اجتماعی ہیئت کے اندر بے اعتمادی کے جراثیم پرورش کرتا ہے۔ وعدہ خلافی، اجتماعی زندگی کا اعتبار کھو دیتی ہے۔ خیانت اور بددیانتی، اجتماعی جھگڑے فساد پیدا کرتے ہیں۔ غداری اور دغابازی سے معاشرے پر سخت ابتلاء وارد ہو سکتی ہے۔ بہتان سے دل پھٹ جاتے اور افراد ایک دوسرے سے کٹ جاتے ہیں۔ چغلخوری سے سینوں میں کدورتیں بھر جاتی ہیں جن کو رفع کرنا مشکل ہو جاتا ہے غیبت اور بدگوئی سے نفرت کا زہر فرد فرد میں سرایت کر جاتا ہے۔ دوسروں کی باتوں کو غلط

Marfat.com

معنی پہنا پہنا کر معاشرے میں پھیلانے سے تعلقات بگڑ جاتے ہیں اور بری باتیں پھیلانے والا شخص وہ بھنگی کی طرح انسانوں کے درمیان غلاظتیں بکھیرتا پھرتا ہے۔ دو رخے پن سے مسلمان کا مسلمان پر سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ بدگمانی سے دلوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ خوشامد سے انسان ذلیل و پست ہو جاتا ہے۔ بخل سے طبیعت میں کمینہ پن آجاتا ہے۔ فخر و غرور سے انسان دوسروں کی ہمدردیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ غرض وہ سب باتیں جو انسانی نفسیات کو پراگندہ کر کے اجتماعیت کو بگاڑنے والی ہیں ان سب پر اسلام نے اخلاق رذیلہ اور "منکرات" کا لیبل لگا کر انہیں اسلامی معاشرے میں پرورش پانے سے روک دیا ہے اور جو کوئی ان میں سے کسی بھی اجتماعیت کش بیماری کو پرورش کرتا ہوا نظر آئے اس پر سختی سے نگاہ رکھنے اور باز پرس کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ پھر معاشرے کا اجتماعی مزاج بھی اس سانچے میں ڈھال دیا گیا ہے کہ ایسے مکروہات کی مزاحمت کرے اور جو کوئی اس آفت میں مبتلا ہو جائے اس کی ہمت شکنی بھی کرے اور اسے سیدھا کرنے کی کوشش بھی کرے۔

اخلاق کی ان بھیانک بیماریوں میں جن میں سے ہر ایک اجتماعیت پر سخت وار کرنے والی اور مسلمان کو مسلمان سے توڑنے والی ہے بدترین بیماری غیبت، نجویٰ اور بدگوئی ہے یعنی کسی کو اس کی پیٹھ پیچھے بُرا کہنا یا اس کی کسی بات کو بُرے معنی پہنا کر اس کے بارے میں لوگوں میں غلط فہمیاں پھیلانا۔ اسی مکروہ عادت کو قرآن نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کسی اجتماعیت کو جس قدر نقصان اس سے پہنچتا ہے اتنا نقصان کالا ناگ بھی اپنے شکار کو نہیں پہنچا سکتا۔

غیبت کی بیماری کا سب سے پہلا تاثر یہ ہوتا ہے کہ یہ معاشرے میں متعدی ہو جاتی ہے۔ ایک سے دوسرے کو اور دوسرے سے تیسرے کو لگتی ہے۔ ہر ایک، کبھی ہمدردی، کبھی افسوس، کبھی تاسف اور کبھی اصلاح کی نیتِ خیر سے گندگی کی اس پوٹ کو چپکے چپکے معاشرے کے مختلف افراد کے درمیان لڑھکاتا چلا جاتا ہے۔ شخصِ متعلقہ جو زیر بحث ہوتا ہے ممکن ہے کہ اس آفت

Marfat.com

سے کافی عرصے تک واقف نہ ہو کہ اس کے گوشت کو یار لوگ مزے لے لے کر چٹکے پھٹکے تناول فرما رہے ہیں۔ بالعموم وہ آخری ہوتا ہے جسے اطلاع ملتی ہے کہ اس میں فلاں خرابی ہے جو مجالس میں زیر بحث ہے لیکن وہ خود اس کی طرف سے بے خبر ہوتا ہے جب اسے خبر ہوتی ہے تو جس ذات شریف نے اس کے بارے میں گندگی کی یہ پوٹ لڑھکائی تھی وہ کتنوں کے ہی دامنوں کو آلودہ اور دلوں کو کبیدہ کر چکی ہوتی ہے اور اس کے بس سے یہ بالکل ہی باہر ہوتا ہے کہ وہ نامعلوم افراد کے دلوں کے نامعلوم کانٹے چنتا پھرے اور اگر چنے تو اس کی اس کوشش کو مخلصانہ سمجھا جائے گا یا مشتبہ۔ یہ خود اس پر بھی واضح نہیں ہوتا جو اس کا نشانہ بنتا ہے چنانچہ معاشرے میں کانٹے بکھرتے رہتے ہیں اور دلوں میں چبھتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ معاشرے کے اندر اس شخص کا حلقۂ تعارف اس کے لیے بھڑوں کا چھتہ بن جاتا ہے۔ اس کا ہر راستہ کانٹوں پر سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس کی مدد کرے تو کون کرے۔ اگر شبہات کا شیطان مددگار پر بھی حملہ کر دے تو پھر کیا ہو گا۔ یہ خدشات قائم رہتے ہیں اور شخص متعلقہ شک و شبہ کے پتھروں سے سنگسار ہوتا رہتا ہے۔ اس اجتماعی نفسیاتی بیماری کا علاج کسی کے بس میں نہیں ہوتا اور جس ظالم نے اپنے بھائی کا گوشت معاشرے میں یوں تقسیم کیا ہوتا ہے۔ اگر اس کا چہرہ تانبے کے ناخنوں سے بھی نوچا جائے اور اس کی انتڑیاں تانبے کی سلاخوں سے بھی نکال نکال کر پھینک دی جائیں اور یہ عمل برسوں تک جاری رہے تو بھی یہ انفرادی سزا اس اجتماعی کوفت اور تکلیف کا مداوا نہیں بن سکتی جو مجرم کی زبان کے چند غیر محتاط اور زہریلے الفاظ نے کسی کو پہنچائی ہے یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے اس قبیح حرکت کو زنا سے بدتر قرار دیا ہے۔

حضرت ابی بن سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

"غیبت زنا سے بدتر ہے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ زنا سے زیادہ بری کیونکر ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا آدمی زنا کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے اور خداوند تعالےٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ پھر زانی توبہ

کرتا ہے اور اللہ اس کو بخش دیتا ہے لیکن غیبت کرنے والے کو خدا نہیں بخشتا۔ جب تک کہ وہ شخص اس کو معاف نہ کر دے جس کی اس نے غیبت کی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ زانی توبہ کرتا ہے لیکن غیبت کرنے والے کے لیے توبہ نہیں ہے۔" (بیہقی)

جو شخص کسی کی غیبت کرتا ہے حقیقت میں وہ اس کی عزت و آبرو کو اس کی غیر موجودگی میں معاشرے میں جگہ جگہ نوچتا پھرتا ہے جب کہ وہ غریب ایک مردے کی سی بے بسی سے اپنی مدافعت بھی نہیں کر سکتا۔ یہی اس کی عزت و آبرو کو جگہ جگہ نوچنے کا فعل ہے۔ جس کی سزا کو تمثیلاً حضورؐ نے معراج کے موقعہ پر دیکھا۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

"جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایسی قوم کے پاس سے گزرا جس کے تانبے کے ناخن تھے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے کہا جبرائیل یہ کون لوگ ہیں انہوں نے جواب دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے اور ان کی آبرو ریزی کرتے ہیں۔" (ابو داؤد)

غیبت جس کی بھی کی جاتی ہے اس کی بے خبری اور غائبانے میں ہی کی جاتی ہے اس لیے اس شخص کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنے خلاف کی جانے والی بات کی تردید کر سکے یا اس کی صحیح نوعیت بیان کر سکے اس لیے جو بھی اس کے بارے میں کوئی بات سنتا ہے اگر ناپختہ مزاج ہوتا ہے تو اس کے دل میں بھی کچھ نہ کچھ کدورت اور غبار اس کی طرف سے پیدا ہو جاتا ہے ایسے بہت کم بلکہ شاذونادر لوگ پائے جاتے ہیں جو مخاطب کی بات سن کر اس پر گرفت کریں اس سے ثبوت طلب کریں یا اسے پکڑ کر اس کے پاس رُو در رُو لے جائیں۔ جس کی غیبت کی جا رہی ہوتی ہے۔ حالانکہ معاشرہ کے افراد میں یہی شے مطلوب ہے، جو معاشرے کو غیبت کی زہریلی بیماری سے بچا سکتی ہے۔ چنانچہ یہ کدورت آگے چل کر غیر محسوس طور پر انقباض

Marfat.com

کراہت اور بالآخر نفرت کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور نفرت کرنے والے نے جو شبہے کا بیج بویا تھا وہ نفرت کا درخت بن کر اگتا اور تعلقات کی سختی پیدا کر کے برگ و بار لاتا ہے سینے کدورتوں سے بھر جاتے ہیں اور دل خلوص و محبت سے خالی اور مہر و وفا سے تہی ہو کر بجھ جاتے ہیں اور کوئی بڑے سے بڑا انسان بھی عالم الغیب نہیں ہوتا۔ کہ معاملے کی صحیح صورت کو جان سکے اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"میرے اصحاب میں سے کوئی کسی کے بارے میں مجھے کوئی بات نہ پہنچائے اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ میری ملاقات تم لوگوں سے اس حال میں ہو کہ میرا سینہ ہر ایک سے صاف ہو۔" (ترمذی)

زبان کی حفاظت ایک بڑا مشکل امر ہے اور انسان جب کسی سے کسی بنا پر کبیدہ خاطر ہوتا ہے۔ تو اس کے بارے میں اس کی زبان کا محفوظ رہنا بڑا مشکل کام ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضرت سہیل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ہے :

"جو شخص مجھ سے اس کا عہد کرے کہ وہ اپنے دونوں کلوں کے درمیان کی چیز زبان اور اپنے دونوں پاؤں کے درمیان کی چیز شرمگاہ کی حفاظت کرے گا اور لوگوں کو برا نہ کہے گا نہ کسی کی برائی اور غیبت کرے گا۔ اور بدکاری اور زنا سے بچے گا تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت کر لوں گا۔" (بخاری)

چنانچہ اس کی حفاظت کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نفسیاتی تدبیر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو بتائی۔ جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا :

"جب کسی کی عیب گیری کا خیال تیرے دل میں پیدا ہو تو اس کے اظہار سے تجھ کو تیرا یہ خیال روک دے کہ مجھ میں بھی کچھ عیب ہیں۔" (بیہقی)

Marfat.com

ایک دوسرے موقعہ پر جیسی بات سُنی ویسی ہی آگے چلا دینے کی عادت کو روکنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ جو کچھ سُنے اسے بلا تحقیق آگے بیان کر دے" (مشکوٰۃ)

اور ایک اور جگہ فرمایا :

"قیامت کے دن اللہ تعالےٰ کے نزدیک بہت بُرے لوگوں میں تم ان کو پاؤ گے جو دو رُخے ہوں یہاں اس کی بات کر دی اور وہاں اس کی بات کر دی" (نسائی)

آپؐ نے مزید فرمایا :

"میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بُرے لوگ کون ہیں۔ پھر فرمایا جو چغلیاں کھاتے پھرتے اور دوستوں کے آپس کے تعلقات خراب کرتے ہیں"

(مسند احمد)

یہ متعدی مرض جو چھوت کی طرح ایک سے دوسرے کو لگتا ہے اور حُسنِ ظن کی فضا میں بعض اوقات اس لیے زیادہ پروان چڑھ جاتا ہے کہ کہنے والا درست ہی کہہ رہا ہوگا۔ اس کی تحقیق کی ضرورت کیا ہے، اپنے اندر بہت سے نفسیاتی اثرات رکھتا ہے۔

اس کا ایک نفسیاتی اثر یہ ہوتا ہے کہ نجویٰ اور غیبت کرنے والا شخص اگر سات پردوں کے اندر بھی بیٹھ کر کسی کی غیبت کرتا ہے تو کوئی غیر محسوس انسانی جذبہ دوسرے کے دل میں بھی اس شخص کی طرف سے ایک غبار پیدا کر دیتا ہے اور وہ سونگھ لیتا ہے کہ اس کے بارے میں فلاں کے دل میں ضرور ہی کچھ نہ کچھ زہر پیدا ہو گیا ہے یہ چیز ایسی غیر محسوس ہے کہ اس کا تجزیہ یا تاویل کرنا بہت مشکل ہے لیکن ہوتا یوں ہی ہے کوئی نفسیاتی اور روحانی عوامل کام کر جاتے ہیں۔ جن کے سبب دونوں کے درمیان کدورت کی دیوار حائل ہو جاتی ہے۔

یہ دیوار پھر بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ جب تک کہ دو طرفہ صفائی کا کوئی ٹھوس انتظام نہیں ہو جاتا۔

اس کا دوسرا نفسیاتی اثر عیب چینی اور خردہ گیری کے مرض کا اُبھر آنا ہے۔ جو شخص بھی کسی کے خلاف یہ ظالمانہ زہر آلود کارروائی کر گزرتا ہے پھر اس کی طبیعت ثانیہ سی بن جاتی ہے کہ وہ، جس کا ایک بار گوشت کھایا ہے تو اس سے اپنے کام و دہن کو بار بار آلودہ کرتا ہی رہے۔ پہلے اگر اس نے یہ کام کسی ہنگامی جذبے کے تحت کیا ہوتا ہے تو پھر وہ اسے اپنا فرض، حق اور قلبی ضرورت سمجھ کر کرتا چلا جاتا ہے اور اس کے لیے وہ دوسرے کے کردار پر اپنی طرف سے قلبی آنکھیں بند کر کے خوردبین لگا دیتا ہے اور اس کی ایک ایک کوتاہی موہوم یا معلوم کو تلاش کر کے اس کو بڑا بناتا اور تشہیر کرتا ہے۔ پھر وہ بے دلیل دوسرے کی تذلیل اور آبروریزی کو اپنا فطری حق سمجھنے لگتا ہے۔

اس کا ایک اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ بدگوئی اور غیبت کرنے والا سخت قسم کی اخلاقی بزدلی میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ اس کی بجائے کہ بات کو کھل کر صاف صاف اس کے سامنے کہے اِدھر اُدھر کہتا ہے اور اس کی بجائے کہ فریقِ معاملہ کو دلائل سے اپنے موقف پر مطمئن کرے وہ معاشرے کے دوسرے افراد کو جو غیر متعلق ہوتے ہیں اپنے موقف پر مطمئن کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اس حرکت سے بعض کے درمیان وہ خود بے وزن ہو جاتا ہے اور بعض کو وقتی طور پر اپنا موافق بنا لیتا ہے۔ لیکن اسے ہمیشہ یہ خدشہ لاحق رہتا ہے کہ فریقِ معاملہ کہیں اس سے مل کر اپنی پوزیشن صاف نہ کر دے یعنی اب اسے معاملے کی صفائی مطلوب نہیں ہوتی بلکہ کسی کی آبروریزی اور معاملے کی گندگی اور تعلقات کی پراگندگی ہی مطلوب ہوتی ہے۔

اس بری عادت سے لوگوں میں پست حوصلگی و نائث اور بازاری پن پیدا ہو جاتا ہے واقعۂ افک میں اسی عادت نے مسلمان معاشرے کو دھلا کر متزلزل کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہایت شدید وعید آئی کہ ان کے درمیان نبی نہ ہوتے تو ایسی بات پہ عذاب نازل ہو گیا ہوتا۔

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ نجویٰ اور غیبت سے زیادہ اجتماعیت کو تباہ و برباد کرنے والی اور کوئی چیز نہیں ہے اس سے دوست دوستوں سے اور رفیق رفیقوں سے کٹ جاتے ہیں اس سے برسوں تک یکجا بھائیوں کی طرح مل کر کام کرنے والے ایک دوسرے کی ہر خوبی کی طرف سے آنکھ بند کر کے باہمی مطعون کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ عادت آدمی کے دین و ایمان، اخلاق و خدا ترسی اور باہمی محبت و الفت کو اس طرح تراش دیتی ہے جیسے سخت پتھر کی مٹی بارش کے بعد ڈھل جاتی ہے۔ اس سے ہم سفروں کی تیرتی کشتیاں ڈوب جاتی ہیں اور احباب کی پُر رونق محفلیں اجڑ جاتی ہیں۔ غیبت ایک ایسی ظالم شے ہے جو الفت و محبت کو نفرت سے، میل ملاقات کو جدائی سے، حُسنِ ظن کو سوءِ ظن سے، رفاقت کو عداوت سے اور کامیابی کو ناکامی سے بدل دیتی ہے۔ جو معاشرہ اپنی اجتماعیت کو برقرار رکھنا چاہتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اس زہریلی اجتماعی بیماری اور اخلاقِ رذیلہ میں سے بدترین وصفِ انسانی سے اس طرح چوکنا رہے جیسے چوکیدار چور سے اور سانپ لاٹھی سے چوکنا رہتا ہے۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر اس بیماری کی طرف اشارہ کیا اور نہایت وضاحت سے بلا تشبیہ تمثیل سے فرمایا:

"اے وہ لوگو جو زبان سے تو ایمان لائے ہو لیکن ایمان تمہارے دلوں کے اندر جاگزیں نہیں ہوا ہے۔ نہ مسلمانوں کی غیبت کرو اور نہ ان کے عیوب کی تلاش میں رہو۔ کیونکہ جو شخص ان کے عیوب کی تلاش میں رہے گا خداوند تعالیٰ بھی اس کے عیب کی تلاش کرے گا۔ اور خدا جس کے عیب کی تلاش کرے گا خود اس کے گھر ہی کے اندر اس کو رسوا کر دے گا۔"

(روایت ابوذر غفاری)

غرض اخلاقِ رذیلہ کی روک تھام کا اہتمام اسلام نے موثر طور پر کیا ہے اور جس جس گوشے سے کوئی برائی اُبھر کر معاشرے کو گندہ کر سکتی ہے اس اس گوشے کے رخنے بند

Marfat.com

کرنے کا اسلام نے انتظام کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلاب کی یہی خوبی ہے کہ انہوں نے عدل و احسان اور توازن و اعتدال پر مبنی ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس میں جہاں اخلاقِ فاضلہ کی افزائش کا خود بخود اہتمام موجود تھا وہاں اخلاقِ رذیلہ کی بیخکنی کا بھی مؤثر انتظام موجود تھا۔ معروف منکر پر غالب تھا۔ نیکی بدی پر حاوی تھی۔ خیر شر کے مقابلے میں کثیر تھا اور ان صفات کی بنا پر وہ معاشرہ اسلامی انقلاب کا بہترین امین تھا۔

تیسرا باب ۳

معاشی توازن کا اہتمام

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انقلاب برپا فرمایا اسے جہاں اخلاقی قدروں کے فروغ سے تقویت پہنچائی اور اخلاقِ رذیلہ کے استیصال سے اسے پاک و مطہر کیا وہاں اس میں معاشی توازن بھی قائم کرکے انسان کی بنیادی ضروریات کا پورا پورا اہتمام کردیا۔

اس میں کسے شبہ ہوسکتا ہے کہ اسلامی انقلاب اس دعوے کے ساتھ برپا کیا گیا تھا کہ وہ انسان کی دنیوی زندگی کے سارے مسائل کا واحد اور جامع حل ہے۔ اسے قبول کرلینے کے بعد انسان کو رہنمائی وہدایت کے لیے پھر کسی دوسری طرف دیکھنے کی حاجت نہیں ہے۔ وہ زندگی کے سارے مسائل کے بارے میں، جن میں معاد کے ساتھ ساتھ معاش بھی اسی قدر اہم ہے، جامع حل پیش کرتا ہے۔ وہ انسان کی مادی ضروریات سے چشم پوشی نہیں کرتا۔ اور نہ ہی وہ انسانوں کو کوئی فرشتوں کا گروہ سمجھتا ہے جو معاشی ضروریات سے بَری اور مادی حاجات سے پاک ہوں۔ وہ انسانوں کو انسان سمجھتے ہوئے ان کی تمام مادی اور جسمانی ضروریات کا بہترین اور پاکیزہ ترین اہتمام کرتا ہے اسلام دنیا کا واحد اور منفرد دین ہے جس نے اپنے بنیادی اعتقادات اور ارکان دین میں معاش کو باقاعدہ ایک مقام دیا ہے اسلام لوگوں کی حاجات کو رفع کرنے کے کام کو دین کا جزو قرار دیتا ہے۔ زکوٰۃ جو "زرِ حاجات" ہے اسلام کا رکن دین ہے اور یہ امراء کو زر کے خرابیوں سے پاک کرتا اور غرباء کو ان کی ضروریات فراہم کرتا ہے۔ اسلام وہ منفرد اصولِ زندگی اور نظامِ حیات ہے جس کے اولین سربراہ نے اپنے آپ کو معاشی لحاظ سے رضاکارانہ طور پر اس مقامِ فقر پر رکھا جس پر پورے اسلامی معاشرے کا شاید کوئی ایک فرد بھی کھڑا ہونے کی ہمت نہ رکھتا

تھا تاکہ امراء عزت کا حقیقی مقام پہچانیں اور غرباء بے حوصلہ نہ ہوں۔ جس نظام کے دوسرے سربراہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دور میں اگر کوئی جنگ سب سے پہلے لڑی تو ان لوگوں کے خلاف جنہوں نے دین کے ایک اہم ستون زکوٰۃ کو گرانے کا اعلان کر دیا تھا جو تمام تر معاشرے کے اہلِ حاجت ضرورت مند اور مساکین کا ہی حصہ ہے جو کوئی سرکاری ٹیکس نہیں ہے بلکہ اسلامی انقلاب کے نظام میں حاجت مند لوگوں کا خدا کی طرف سے مقرر کردہ وہ حصہ ہے جسے کوئی شخص قیامت تک کے لیے تبدیل نہیں کر سکتا اور جس حصے کی وصولی اور اسلامی اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم و تربیت سے صرف چند سالوں میں ہی تاریخ میں پہلی بار پورے اسلامی معاشرے میں کوئی حاجت مند باقی نہ رہ گیا تھا اور اس حصے کی وصولی کے بعد اس کے مقررہ مصرف کا باقاعدہ اہتمام ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ زکوٰۃ کی نظامِ دین میں حکمت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ یہ معاشی توازن پیدا کرتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالٰے نے لوگوں پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مال داروں سے لیا جائے گا اور ان کے ضرورت مندوں کو لوٹایا جائے گا۔ لوٹایا جانے میں یہ مفہوم پوشیدہ ہے کہ یہ خیرات نہیں بلکہ ان کا ہی مال ہے جو مال داروں کے پاس چلا گیا تھا اور جسے وصول کر کے واپس ضرورت مندوں کو لوٹایا جا رہا ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"جس مال میں سے زکوٰۃ نہ نکالی جائے اور اس میں ملی جلی رہے وہ اس مال کو تباہ کر کے چھوڑتی ہے۔"

اس طرح اسلامی معاشرہ وہ منفرد معاشرہ ہے جس نے معاش کو اپنے مذہبی اور اخلا

Marfat.com

حصے میں جگہ دی ہے جس نے غریبوں، مسکینوں، بیواؤں، بیماروں، قیدیوں، بے سہارا محتاجوں اور بوڑھوں، مسافروں، لاوارثوں اور گرے پڑے بے دست وپا لوگوں کے لیے باقاعدہ دینی اصولوں کے تحت انتظام فرمایا ہے۔ یہ کفالتِ عامہ کا اہتمام بھی اس طرح کیا گیا ہے کہ نہ معاشرے کو حکومت کے عقوبت خانوں کی صورت میں بدلنا پڑتا ہے اور نہ بوڑھوں کے لیے بڑھاپے کے پناہ گھر تعمیر کرنے پڑتے ہیں بلکہ سارا معاشرہ اپنے اندر سے افلاس دست گیری اور بھوک کو مٹانے میں کلیۃً کامیاب رہتا ہے۔

اسلامی انقلاب برپا کر کے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی میں اشیاء واقدار کی ترکیب وترتیب اسلامی اور اخلاقی اصولوں کے مطابق درست کر دی ہے۔ لوگوں کے سیاسی، معاشی، سماجی، معاشرتی، انفرادی اور اجتماعی بے شمار مسائل موجود تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے انسان کی ہدایت کا مسئلہ حل کیا۔ اس کے سفر زندگی کے لیے صراطِ مستقیم مہیا کیا۔ اور جب یہ مسئلہ حل ہو گیا تو انسانی زندگی میں ہر شے کا اصلی مقام اسے مل گیا۔ ہر مسئلے کی حقیقی اہمیت متعین ہو گئی اور اسلام کے تصوّرِ زندگی نے غیر طبعی اور غیر حقیقی مسائل کے ابھار کو صحت مندی کے ساتھ اعتدال کے مقام پر لا کھڑا کیا چنانچہ انسانی زندگی میں مسئلہ معاش کی اہمیت بھی اسی قدر رہی جس قدر اس مسئلہ کی انسانی مقصدِ زندگی کے اندر عقیدۂ ربوبیتِ الٰہی کے ساتھ طبعی طور پر اہمیت مقرر اور متعین ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلامی نصب العین رکھنے والی بامقصد زندگی میں مسئلہ معاش کی وہ ہمہ ہمی ممکن نہ تھی جو شور و غوغا بے مقصد حیوانی زندگی میں یہ مسئلہ پیدا کر دیتا ہے۔

اسلامی انقلاب کا بلند نصب العین اپنے پیروؤں سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کی دوسری تمام دلچسپیوں اور چھوٹے چھوٹے مقاصد پر اسے کلّی اختیار دے دے تاکہ اس کے پیرو کی کوئی دوسری دلچسپی اور اس کا کوئی دوسرا مقصد کسی وقت اس کے مقابلے میں نہ آ کھڑا ہو۔ ظاہر ہے کہ ہر نصب العین کا یہ پہلا تقاضا ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے چاہنے والے کو بلائے تو آنے

والا اپنی ساری متاعِ حیات کے ساتھ آئے اور اپنی ساری دیگر مصروفیات پر نصب العین کی مصروفیت کو غالب کر دے۔ جائداد مال و دولت دوستانہ تعلقات رشتے ناطے اور مفادات سب کچھ اپنے نصب العین کی راہ میں جھونک دے۔ موقعہ آئے تو اپنے بیٹے پر بھی تلوار کھینچ لے۔ اپنے گمراہ ماموں کو بھی راہِ حق میں حائل دیکھے تو تلوار سے اسے علیحدہ کر دے۔ اپنے سرگرداں باپ کے نیچے سے بھی فرش کھینچ لے۔ اپنے منحرف بیٹے کو بھی تڑپتے دل کے ساتھ طوفانِ آب میں ڈوب جانے دے۔ اپنی سرکش بیوی کو بھی پتھراؤ کا شکار ہو جانے دے اور اگر ضرورت پیش آئے تو خود بھی نارِ نمرود میں کود جائے۔ ایسے بلند نصب العین والے پُرعزیمت انسان محض حیوانی ضروریات کے چکر میں اپنی متاعِ ایمان کا سودا کبھی نہیں کر سکتے، اپنی اخلاقی اقدار کے بدلے میں اپنی مادی ضروریات کا سودا کر لینا یہ تو عام شریف انسان کے مقام سے بھی فروتر مقام ہے۔

اسلامی نصب العین اپنے پیروؤں سے مال کی قربانیاں بھی طلب کرتا ہے۔ مال بلاشبہ ایک قابلِ قدر شے ہے کہ اس کو انسان کی مادی ضروریات پوری کرنے کا ذریعہ بنایا گیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ پھیلتی ہوئی انسانی ضروریات کی کوئی حد نہیں ہے۔ انسانی زندگی کو برقرار رکھنے کیلئے جسمانی تقاضے بلاشبہ بہت اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن ان کی بھی اتنی اقسام ہیں جو حد وحساب سے بالاتر ہیں جو شخص صرف ان تقاضوں کو ہی پورا کرنے پر لگ جاتا ہے اور اپنی ذات کو ہی مرکز بنا لیتا ہے وہ زندگی کے اعلیٰ تر نصب العین سے دور جا پڑتا ہے پھر اس کی ساری عمر اپنی ذات کی طرف سفر کرتے میں ہی گزر جاتی ہے۔

اسلام اپنی اخلاقی تعلیمات میں مسئلہ معاش کو مادی فلسفوں کے مقابلے میں حقیقی مقام دیتا ہے اور انسانی زندگی میں اس کی حیثیت اور اہمیت کے مطابق رکھ کر اس کے بارے میں اپنی پالیسی وضع کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ صرف اپنی ذات کے لیے ہی دولت کمانا اور اسے صرف اپنی ہی ذات پر صرف کرنے کا عمل انسان میں شدید قسم کی انفرادیت اور خود غرضی پیدا کر دیتا ہے

Marfat.com

ایک خوفناک خود غرضی اور ایک مکروہ سنگدل حیوانیت اس میں پرورش پانے لگتی ہے اور وہ صرف کی تمام مدات سے صرفِ نظر کر کے صرف آمد کی ہر مد سے ہی الفت رکھتا ہے جس کے نتیجے میں کتنے ہی حقوق پامال ہوتے اور کتنے ہی نازک رشتے ٹوٹتے ہیں۔ ایسے انسان کا اجتماعی رخیر کے اداروں سے ہاتھ رُک جاتا ہے اور بالآخر وہ سارے حقوق غصب کر کے صرف مال ہی جمع کرتا ہے۔

اسلام میں خدا کی پرستش کے سوا کسی شے کی پرستش نہیں ہے اور زر پرستی کا شائبہ بھی جس فرد میں پایا جائے اس کا مقام سارے معاشرے میں پست ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ زر پرستوں نے کبھی کسی تحریک کا ساتھ نہیں دیا اور نہ ہی ان کے کردار میں کبھی اتنی مضبوطی پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ کسی بلند نصب العین کے لیے حوادث اور آزمائشوں کی کھکھیڑ برداشت کریں۔ ویسے بھی اہلِ زر بالعموم موجود الوقت نظام کے حامی اور مؤید ہی ہوتے ہیں اور جو نظام ان کو جائز و ناجائز ذرائع سے مال جمع کرنے کا موقعہ فراہم کرتا ہے وہ اسی کا دفاع کرتے اور اسی کی وفاداری کا دم بھرتے ہیں۔ اس لیے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی تحریک کا آغاز کیا تو آپ کا ساتھ دینے والوں میں بیشتر مساکین غلام اور مالی لحاظ سے پس ماندہ لوگ ہی تھے۔

خود اسلامی تحریک بھی اپنے دائرے میں ایسے ہی لوگوں کو لینا پسند کرتی ہے جو اسلامی دعوت کے عمومی تقاضوں کو پورا کرنے کی اہلیت رکھنے کے ساتھ ساتھ دین کے خصوصی اور اخلاقی تقاضوں کو بھی سمجھتے اور ان پر عمل کرنے کی ہمت و صلاحیت رکھتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ کسی انقلابی تحریک کا ساتھ دینا تھڑدلوں اور غیر مستقل مزاج افراد کا کام نہیں ہوتا اور نہ ان لوگوں کا کام ہوتا ہے جنھوں نے اپنے ذاتی مخصوص اور محفوظ مفاد کے بت اپنے دل کی سب سے اونچی جگہ پر بٹھا رکھے ہوں۔ جو لوگ قربانی اور جان سپاری کی صفت سے عاری ہوں وہ کسی اسلامی تحریک میں کیسے کھپ سکتے ہیں۔ فاطرِ کائنات انسانی فطرتوں کا خالق خوب جانتا ہے کہ کون سی چیز ہے جو انسان کے قدموں کو بوجھل، اس کے ارادوں کو متزلزل، اس کے حوصلوں کو بے وقار اور اس کی

Marfat.com

پرواز کو کوتاہ کر دیتی ہے۔ چنانچہ قرآن نے وہ زہر کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں جو کسی اسلامی تحریک کے افرادِ کو بے جان و بے کار کر دینے والے ہوتے ہیں اور صاف بتا دیا ہے کہ حُبِ زر اور حُبِ اللہ میں کوئی قدرِ مشترک تلاش نہیں کی جا سکتی۔

چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی تحریک میں بھی ہمیں اہلِ زر افراد خال خال ہی نظر آتے ہیں اور جو دکھائی بھی دیتے ہیں ان کے نزدیک روپیہ کوئی قابلِ عزت چیز نہیں تھی۔ بلکہ وہ اسے یوں لٹاتے تھے جیسے صحن سے مٹی کے ڈھیر اٹھوا دیے جاتے ہیں۔ آپؐ کی اس تحریکِ اسلامی کے داعیوں میں سے کسی کے دل میں بھی زر کی اہمیت پرِ کاہ کے برابر نظر نہیں آتی وہاں جو کچھ قیمتی ہے وہ صرف خدا خوفی اور خشیتِ الٰہی ہے۔ دیانت، تقویٰ اور پرہیزگاری ہے حُبِ اللہ اور اطاعتِ رسولؐ ہے۔ اس سے بڑی قیمتی چیز اس انقلابی سوسائٹی میں اور کوئی نہیں ہے۔ وہ روپے کے عوض انسانی ضمیر اخلاق اور تقویٰ بیچتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ وہاں روپے کی قیمت دین و ایمان نہیں ہے بلکہ وہ مادی استعمال کی چیزوں میں سے ایک چیز ہے اور وہ کچھ ایسی اہم بھی نہیں ہے کہ وہ جدھر ہو اسی کا وزن ہو جائے۔ اس تحریک کے داعی حاکمیتِ الٰہی کے اعلان کے مقابلے میں بڑی سے بڑی پیش کش کو ٹھکرا دیتے ہیں اور دولت کے انباروں اور بادشاہت کے لالچ کے مقابلے میں صاف صاف اعلان کر دیتے ہیں کہ:

"خدا کی قسم اگر تم میرے ایک ہاتھ میں سورج اور ایک ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دو تو میں اس دعوت سے باز نہ آؤں گا"

چنانچہ ایسے گروہ کی فراہمی کے لیے جو بنیادی ہدایات دی جا رہی ہیں وہ صاف صاف بتلاتی ہیں کہ زر کو زندگی کا مقصود بنانے والوں کے لیے اس تحریک میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ بار بار اسی رگ پر ضرب لگائی گئی ہے جو انسان کو نفسیاتی خواہشات کی تسکین کے لیے ہر بلند مقصد سے پہلو تہی کرنے پر مجبور کرتی رہتی ہے۔

فرمایا گیا:

Marfat.com

"تم نیکی کے مقام کو نہیں پا سکتے جب تک کہ وہ چیزیں خدا کی راہ میں قربان نہ کرو جن سے تم کو محبت ہے" (قرآن)

"جو لوگ دل کی تنگی سے بچ گئے وہی فلاح پانے والے ہیں" (قرآن)

"اے ایمان والو! مال اور اولاد کی محبت تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کر دے جو ایسا کرے گا وہ خود خسارے میں رہنے والا ہے" (قرآن)

ایک طرف آپؐ اسلامی تحریک کی رہنمائی فرما رہے تھے اور دوسری طرف چن چن کر ان جراثیم کی نشاندہی بھی کی جا رہی تھی جو کردار کو کھوکھلا، تحریک کو کمزور اور اس کی منزل کو دھندلکوں میں محو کر دینے والے تھے۔

"شیطان تم کو ڈراتا ہے کہ تم خرچ کرو گے تو فقیر ہو جاؤ گے وہ تمہیں شرمناک چیز یعنی بخیلی کی تعلیم دیتا ہے" (قرآن)

"اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو کہ راہِ خدا میں خرچ نہ کرنے کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں" (قرآن)

یہاں اس سرمایہ دارانہ ذہنیت کی پوری پوری نشاندہی کر دی گئی ہے جو اسلامی تحریک کے لیے زہر قاتل ہے۔

"اور جو لوگ سونے چاندی کے خزانے جمع کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں صرف نہیں کرتے، ان کو عذاب الیم کی خوشخبری سنا دیجئے" (قرآن)

اور وہ خوشخبری یہ ہے:

"سونے چاندی کی ٹکیوں کو تپا تپا کر ان سے ان کی پیشانیوں کو داغا جائے گا" (قرآن)

اسلامی تحریک کی ضرورتوں کو جانتے ہوئے بھی بخل کرنے والوں کے متعلق فرمایا گیا:

"کنجوس کے متعلق یہ نہ سمجھو کہ اللہ نے ان کو جو مال دے رکھا ہے وہ ان کے لیے مفید ہے، نہیں، وہ ان کے لیے مضر ہے قیامت کے دن ان کی کنجوسی کا سارا حاصل طوق بنا کر ان کی گردنوں میں لٹکایا جائے گا۔" (قرآن)

جو لوگ زر کو اسلامی تحریک کے مقاصد سے عزیز تر رکھتے تھے ان سے کہا گیا:

"سن رکھو تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو تم میں سے بہت سے لوگ بخل کرتے ہیں اور جو کوئی اس کام سے بخل کرتا ہے وہ خود اپنے ہی لیے بخل کرتا ہے اللہ تو غنی ہے تم ہی اس کے محتاج ہو۔ اگر تم نے خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے منہ موڑا تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے۔" (قرآن)

قرآن کی تصریحات کے ساتھ تحریک کے داعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صاف صاف صراحت فرما دی:

"وہ لوگ خسارے میں ہیں، خدا کی قسم وہ لوگ خسارے میں ہیں جو یوں اور یوں (دائیں بائیں) خرچ نہیں کرتے۔" (حدیث)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ زر کی سی قباحتیں پیدا ہونے سے اسلامی معاشرے کو بچانے کی پوری کوشش کی۔ قانونِ وراثت سے دولت کے دائمی سمٹاؤ کو شدت سے روکا گیا زکوٰۃ، صدقات، خیرات، حقوقِ اقربا اور حقوقِ والدین ہمسائے، اہلِ محلہ اور پوری سوسائٹی کے حقوق مقرر کر کے دولت والوں کے خزانوں کی بے شمار نالیاں نکال دی گئیں۔ اور ساتھ ہی دولت جمع ہونے کے سب ناجائز راستے بھی بند کر دیے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ محنت کے حقوق متعین کر کے اس سرمایہ دارانہ ذہنیت کا بھی قلع قمع کر دیا جو مزدور کی ساری طاقت چوس کر بھی اسے باعزت روٹی دینے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ اس طرح آپ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم نے اسلامی تحریک کو اہلِ زر کی سی خصوصیات کے مفاسد سے پوری قوت سے بچانے کا خاطر خواہ اہتمام فرمایا۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اگر اس تحریک میں خال خال کوئی مال دار کہلا بھی سکتا ہے تو وہ زر پرستی کی خصوصیاتِ بد سے پوری طرح پاک ہے۔ وہ موقع پیش آتا ہے تو پوری پوری فوج کے لیے اونٹ گھوڑے اور سامانِ رسد فراہم کر دیتا ہے۔ حد یہ ہے کہ وہ اسلام کے لیے اپنا سارا اثاثہ لا کر راہِ حق میں ڈال دیتا ہے۔ موقع آتا ہے تو گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرتا ہے۔ ضرورت پیش آتی ہے تو وہ سب کچھ لٹا کر مطمئن ہوتا ہے کہ اس نے سب کچھ پا لیا ہے۔ وہ دولت کا پجاری نہیں بلکہ صرف اللہ کا بندہ دکھائی دیتا ہے۔

اسلامی تحریک بنیادی طور پر زر کو کوئی اہمیت نہیں دیتی۔ وہ صرف جذبے اخلاص اور عمل کو اہمیت دیتی ہے جس وقت غزوۂ تبوک میں تحریک اسلامی کے کارکن خدا کی راہ میں اپنے مال و زر لا کر ڈھیر کر رہے تھے تو آپؐ نے ایک غریب مخلص ساتھی کے دو سیر چھوہارے لے کر اس سارے انبارِ اسباب پر یہ کہتے ہوئے چھڑک دیے تھے کہ:

"یہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے ان سب پر بھاری ہیں۔"

ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰے مقدار کو نہیں جذبے کو دیکھتا ہے جس کی نظر انسان کے دل پر ہے۔

جب اسلام اپنے پیروؤں میں زر سے بے نیازی کے بارے میں یہ جذبہ پیدا کرنا چاہتا ہے تو پھر ایک مومن کو جس نے خدا اور رسولؐ کی اطاعت کو ہر اطاعت پر غالب کرنے کا عہد کر رکھا ہو۔ یہ بات ہرگز زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے مقصدِ زندگی پر اپنے روزمرہ کے دوسرے معاشی کاروبار کو ترجیح دے۔ اس لیے کہ اس نے اپنا نام نہ کسی ملک کی نسبت سے رکھوایا ہے، نہ نسل کی نسبت سے اور نہ پیشے کی نسبت سے، بلکہ صرف اور محض مقصدِ زندگی کی نسبت سے ہی اس نے اپنا خاص نام مسلمان رکھوایا ہے اور وہ نسبتِ عجیب حاصل کی ہے۔ جہاں یہ کہا جاتا ہے کہ تمہارا اعزاز و اکرام خدا کے نزدیک صرف تقویٰ اور دینداری کی نسبت سے ہے۔ کسی کار کوٹھی اور دنیوی

Marfat.com

جاہ و جلال کی نسبت خدا کے ہاں نہ صرف یہ کہ پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ حساب و کتاب کی میزان میں ایک بھاری بوجھ کا اضافہ کر کے حیثیتِ بندگی کو اور زیادہ مشکوک کر دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں میں یہی جذبہ پیدا کیا تھا اور ان کی ایسی ہی تربیت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ بھی مومنین کی اسی نہج پر تربیت کرنا چاہتا ہے۔

فرمایا گیا:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَّ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى	اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ دنیا کا سرمایہ تو بہت ہی قلیل ہے اور پرہیزگاروں کے لیے آخرت ہی بہتر ہے۔
(النساء)	
اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ۔	یہ دنیوی زندگی (اور اس کا ساز و سامان تو) بس چند دنوں کے استعمال کے لیے ہے اور آخرت ہی رہنے کی اصل جگہ ہے۔"
(المومن)	

یہ دنیا اور اس کی مال و متاع جس کے لیے انسان شب و روز اتنا مصروف رہتا ہے کہ خدا اور رسولؐ اور اپنے مقصدِ حیات تک کو بھلا دیتا ہے۔ اس کی بے حقیقتی کا آپؐ نے ایک نہایت نفسیاتی طریق پر اظہار فرمایا ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر بکری کے کان کٹے بچے پر ہوا جو راستے میں مردہ پڑا تھا۔ آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"تم میں سے کوئی اس مردہ بچے کو صرف ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا۔ عرض کیا گیا ہم تو اسے کسی قیمت پر بھی لینا پسند نہیں کرتے۔ حضورؐ نے فرمایا بخدا دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہے جتنا تمہارے نزدیک یہ مردہ بچہ ہے۔" (صحیح مسلم)

Marfat.com

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بھی ایک روایت میں یہی بات بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص دنیا کو محبوب و مطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا۔ پس عقل و دانش یہی ہے کہ فانی کے مقابلے میں باقی کو اختیار کیا جائے۔"

(بیہقی)

اسی چیز کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ حضورؐ نے میرے دونوں مونڈھے پکڑ کر ارشاد فرمایا:

"دنیا میں ایسے رہ کہ جیسے تو پردیسی ہے یا رستہ چلتا مسافر۔" (بخاری)

ایک دوسرے موقع پر آپؐ نے اپنی امت کے بارے میں فقر و فاقہ سے نہیں بلکہ وسعتِ دنیا کے سبب اندیشہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں تم پر فقر و فاقہ آنے سے نہیں ڈرتا لیکن مجھے تمہارے بارے میں یہ ڈر ہے کہ دنیا تم پر وسیع کر دی جائے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر کی گئی تھی۔ پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو جیسے کہ انہوں نے اس کو بہت زیادہ چاہا تھا اور پھر وہ تم کو برباد کر دے جیسے کہ اس نے ان اگلوں کو برباد کیا تھا۔"

(صحیح بخاری، مسلم)

پھر یہ بھی فرمایا کہ:

"ہر اُمت کے لیے کوئی خاص آزمائش ہوئی ہے اور میری امت کی خاص آزمائش مال ہے۔"

(ترمذی)

پھر فرمایا کہ:

"دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے گئے ہوں ان

بکریوں کو اس سے زیادہ تباہ نہیں کر سکتے جتنا تباہ آدمی کے دین کو مال اور عزت و جاہ کی حرص کرتی ہے۔" (ترمذی)

ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص معاش کے راستے پر ہی اپنے سارے اوقات لگانا شروع کر دے تو وہ ضرور ہی ایک دن ان دونوں بھیڑیوں سے دوچار ہو جائے گا جو اس راستے سے اکثر آتے اور لوگوں کے ایمان و اخلاص فی الدین کی بکریوں کو پھاڑ جاتے ہیں۔

ویسے بھی انسان کے حصے میں جس قدر مال آتا ہے اس کی ذات کے لیے اس میں صرف تین ہی مدات ہیں جن کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا:

"بندہ کہتا ہے: میرا مال، میرا مال حالانکہ اس کے مال میں سے جو واقعی اس کا ہے وہ تو بس تین ہی مدات ہیں۔ جو اس نے کھا کر ختم کر دیا، جو پہن کر پرانا کر دیا اور جو راہِ خدا میں دے کر آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا۔ باقی جو کچھ ہے وہ دوسروں کے لیے چھوڑ جانے والا ہے۔" (مسلم)

اسی لیے آپؐ نے فرمایا:

"بندۂ دینار خدا کی رحمت سے محروم ہوا اور بندۂ درہم خدا کی رحمت سے دور ہوا۔" (ترمذی)

چنانچہ نبی کریمؐ کا ارشاد حضرت ابوامامہؓ نے یوں روایت کیا:

"اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ میرے لیے وہ مکہ کی وادی کو سونے سے بھر دے۔ میں نے عرض کیا میرے پروردگار میں اپنے لیے یہ نہیں مانگتا بلکہ میں تو یہ پسند کرتا ہوں کہ جب بھوک لگے تو آپ کو یاد کروں اور آپ کے سامنے گریہ وزاری کروں اور جب آپ کی طرف سے ملے اور پیٹ بھرے تو آپ کی حمد اور شکر کروں۔" (ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے یہی وہ اثرات تھے جنہوں نے صحابہ کرامؓ کی ایک

Marfat.com

ایسی انقلابی جماعت بنائی جس کی بڑی تعداد کو دنیوی جاہ و حشم سے بے نیاز کر کے ان کے مقصد نے انہیں صرف غلبۂ اسلام پر نظریں جا دینا سکھا دیا تھا۔ حضرت ابوالدرداؓ کی بیوی روایت کرتی ہیں کہ میں نے حضرت ابوالدرداؓ سے پوچھا کہ آپ بھی مال اور منصب و عہدہ دوسروں کی طرح کیوں طلب نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا میں نے اپنے آقا سے سنا ہے کہ:

"تمہارے سامنے ایک بڑی دشوار گزار گھاٹی ہے اس کو گرانبار اور زیادہ بوجھ والے آسانی سے پار نہ کر سکیں گے۔ اس لیے میں پسند کرتا ہوں کہ اس گھاٹی کو عبور کرنے کے لیے ہلکا پھلکا رہوں۔" (بیہقی)

چنانچہ ایک کامیاب بندۂ خدا کی نشاندہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں کی۔ جسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کیا:

"کامیاب اور بامراد ہوا وہ بندہ جس کو حقیقتِ اسلام نصیب ہوئی اور اس کو روزی بھی بقدرِ کفاف ملی اور اللہ تعالےٰ نے اس کو اس قدر قلیل روزی پر قانع بھی بنا دیا۔" (صحیح مسلم)

اللہ تعالےٰ نے خود بھی ایسے کاروبار سے منع فرمایا ہے جس میں انسان خدا کو ہی بھول جائے۔

لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ خبردار ایسی تجارت نہ کرو، کہ خدا کو بھول جاؤ۔

چنانچہ صحابہ کبارؓ میں سے ایک نہایت اعلیٰ منصب کے صحابی کے بارے میں جو بہت بڑے تاجر بھی تھے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرے سامنے جنت پیش کی گئی تو سب صحابہ بہ آسانی جنت میں داخل ہو گئے لیکن عبدالرحمٰن بن عوف گرتا پڑتا چلا تو مشکل جنت کے دروازے تک پہنچا۔"

یہ بات سن کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تمام اونٹ اور غلام خدا کی راہ میں دے

Marfat.com

دیے اور عرض کیا کہ اب شاید میں دوسرے صحابہ کے ساتھ آسانی سے جنت میں داخل ہو سکوں۔

دنیوی مال و دولت کے بارے میں اسلام انسان کا ایک مخصوص ذہن بناتا ہے اس میں اللہ کی ربوبیت اور رزاقیت کا حقیقی ایمان پیدا کرتا ہے۔ اس میں مال و دولت کی کثرت کے مفاسد کا شعور بیدار کرتا ہے۔ اس میں حقوق کی ادائیگی کا احساس پیدا کرتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ اس کی کمائی میں اور بھی بہت سے افراد کا حق شامل ہے اس طرح اسلام انسان کے ذہن میں معاش کے بارے میں ایک نفسیاتی توازن اور استغنا پیدا کرتا ہے اور جب یہ توازن پیدا ہو جاتا ہے تو پھر اسے اپنے متوازن اور معتدل معاشی نظام میں شامل کر لیتا ہے جس میں ہر انسان دوسرے کا ہمدرد دست گیر اور ممد و معاون ہوتا ہے جس میں تنازع للبقا (STRUGGLE FOR EXISTANCE) نہیں بلکہ توافق للبقا (CO-OPERATION FOR EXISTANCE) کا ماحول موجود ہوتا ہے جس میں ہمسائے کا بھوکا رہنا بھی دوسرے ہمسائے کے لیے گناہِ عظیم ہے جس میں محلے میں بھوکا سونے والے کا وبال سارے محلے پر پڑتا ہے۔ جس میں ہر حاجت مند کا ہاتھ اسلامی بیت المال سے اپنے حق کو وصول کر سکتا ہے۔ جس نظام کے پیش کرنے والے نبی نے فرمایا تھا کہ جو مقروض مر جائے اس کا قرض ہمارے ذمے ہے اور جو وراثت چھوڑ جائے وہ وراثت اس کے وارثوں کی ہے جس میں کسی مقتدر سے مقتدر ہستی کے بارے میں معمولی چادر بھی زائد لینے کا شبہ پڑ جائے تو اسے برسرِ منبر ٹوک کر اس سے حساب لیا جا سکتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاشی نظام دیا وہ اپنے توازن، اعتدال اور اپنے ہمہ پہلو کفالتی مزاج کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ اس کے ذریعے اس کے ماتحت رہنے والے سارے باشندوں بلکہ تمام جانداروں کی بنیادی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور وہ نظام اس کا ذمہ لیتا ہے۔

انسان کے لیے دنیا میں جتنے بھی اس کے ایجاد کردہ نظام ہیں ان سب میں توازن مفقود ہے۔ کسی میں سیاسی تسلط پر زور دیا گیا ہے۔ کسی میں اقتصادیات کی اہمیت زیادہ ہے۔ کوئی

Marfat.com

سارا زور عبادات پر صرف کرتا ہے۔ کوئی نفس کشی اور رہبانیت کو اپنا محور و مرکزِ توجہ بناتا ہے۔ یہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ اسلامی تصورِ حیات ہی ہے جو متوازن معتدل اور مکمل ہے انسان کو پیدائش سے قبر تک اور قبر سے آخرت کے حساب کتاب اور جزا و سزا تک یہ پوری رہنمائی دیتا ہے۔

انسانی زندگی چونکہ ایک وحدت ہے اس لیے اس کی ضروریات کے سارے شعبے چاہے وہ سیاست کا ہو یا معیشت کا، عبادت کا ہو یا اخلاق کا، سب آپس میں باہمی مربوط ہیں اور سب ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں۔ ایک شعبہ مفلوج کر دیا جائے تو دوسرے پر زد پڑتی ہے۔ اس لیے اسلامی انقلاب اپنی برکات دکھانے کے لیے نفاذ میں اپنی کاملیت کا مطالبہ کرتا ہے۔ اسلام کا نظامِ عبادات اگر کائنات کے متعلق بنیادی تصور دے کر انسان کے لیے یکسوئی فراہم کرتا اور دل و دماغ کو پاکیزگی مہیا کرتا ہے تو سیاسی نظام معاشرے کی اس پاکیزہ فضا کو قائم رکھتا اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ داخلی طور پر پیدا ہونے والی خرابیوں اور خارجی اثرات کا پوری قوت سے قلع قمع کرتا ہے اور بدی کو مٹانے اور نیکی کو پروان چڑھانے کے لیے قانون اور سیاسی قوت کو استعمال کرتا ہے۔ اس کا معاشرتی نظام خاندان کو معاشرے کی اکائی تصور کر کے خاندان کی فلاح و بہبود اور باہمی خوشگوار تعلقات کو قائم کرتا ہے۔ اقتصادی نظام معاشرے کے ہر فرد اور خاندان کو رزقِ حلال حاصل کرنے کے مساوی مواقع فراہم کرتا ہے اور وسائل رزق پر کسی فرد خاندان گروہ یا ریاست کو قابض ہونے اور عام لوگوں کو مجبور ہو کر پیٹ بھرنے کے لیے غلامی کرنے سے نجات دلاتا ہے۔

آپؐ نے اسلامی معاشرے میں ایسا ہی ایک متوازی معتدل منصفانہ اور ہر قسم کے استحصال سے پاک صاف و عادلانہ معاشی نظام قائم کیا تھا جس کے نتیجے میں طبقاتی کشمکش، معاشی استحصال، معاشی طبقہ بندی اور گروہ بندی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ ہر شخص کا یہ بنیادی حق تھا کہ وہ معاش حاصل کرے اور روٹی کپڑے مکان جیسی بنیادی ضروریات کے لیے نہ ضمیر فروشی کرے اور نہ

Marfat.com

ذلیل و رسوا ہو۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے بعض بنیادی اصول طے کر دیے گئے تھے۔

۱۔ فرد کی آزادی

اسلامی معاشرے میں بنیادی اصول کے طور پر سب سے پہلے فرد کی آزادی کے حق کو تسلیم کیا گیا۔ یہ حق صرف تسلیم ہی نہیں کیا گیا بلکہ پورے اسلامی نظام کی قوت اس حق کی پشت پر لا کر کھڑی کر دی گئی تاکہ افراد کو ہر شعبۂ زندگی میں شرافت اور پاکیزگی کے حدود میں رہتے ہوئے سیاسی اور اقتصادی میدانوں میں پوری پوری آزادی حاصل رہے۔ یہ اصول اس لیے ناقابلِ فراموش ہے کہ ہر انسان کو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونا اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اس لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ اسے وہ آزادی حاصل ہو جس سے وہ اپنی صلاحیتوں، فطری قوتوں اور فہم و فراست کا کھل کر مظاہرہ کر سکے اور نیکی اور بدی کے دونوں پلڑوں میں جو کچھ جمع کرنا چاہتا ہے خود اپنی مرضی سے جمع کر سکے۔ اگر اس کی آزادی کو زنجیروں میں جکڑ دیا جائے اور زبردستی اس سے ایک ہی طرح کے کام کرائے جائیں تو آخرت میں جواب دہی کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ البتہ اسلامی قانون صرف اس جگہ آکر فرد کا راستہ روکتا ہے جہاں دوسرے افراد کو ضرر پہنچنے کا خطرہ پیدا ہو اور معاشرے کی پاکیزگی اور دوسروں کے حقوق اس اصول کے تحت متاثر ہوتے ہوں۔

۲۔ استحصال سے آزاد معاشی جدّوجہد

دنیا میں جتنے اقتصادی نظام بھی رائج رہے ہیں اور جتنے انسانی گروہ بھی پائے جاتے ہیں سب نے معاشی استحصال کی سخت مخالفت کی اور اسے ختم کرنے کا دعویٰ کیا ہے لیکن ہر نظام اور اس کے ماننے والے گروہ کے نزدیک معاشی استحصال صرف وہی ہے جو اس کے تصوّرِ استحصال سے مطابقت رکھتا ہو۔ اشتراکیت ذاتی ملکیت کو استحصال سمجھتی ہے لیکن اگر تمام وسائلِ رزق پر ریاست قابض ہو کر لوگوں کا استحصال کرے تو اس کے نزدیک یہ استحصال نہیں ہے۔ اس کے برعکس سرمایہ داری نظام کو شخصی ملکیت اور لامحدود ملکیت میں استحصال نظر نہیں آتا۔ اس کے نزدیک استحصال ذرائع و وسائل پر ریاست کا قابض ہو جانا ہے حالانکہ انسان اس حقیقت سے ہمیشہ واقف رہا

Marfat.com

ہے کہ استحصال دونوں صورتوں میں ہوتا ہے، ریاست بھی اس کا ارتکاب کرتی ہے اور فرد بھی۔ دونوں کا طرزِ عمل انسانی فطرت سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتا۔

اسلام ان دونوں انتہاؤں سے ہٹ کر اعتدال کی ایک ایسی راہ تجویز کرتا ہے جس میں فرد اور معاشرے دونوں کے مصالح کی پوری رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ فرد اور معاشرے میں حقوق و فرائض متعین کر دیے جاتے ہیں۔ دولت کے حصول اور مصارف کو اللہ تعالیٰ کے قانون کے ماتحت کر دیا جاتا ہے جس میں نہ تو فرد کی حق تلفی ہوتی ہے اور نہ معاشرے کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہے البتہ دونوں کے درمیان توازن و تعاون کی اسپرٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ استحصال کا تصور ہی بالکل غائب ہو جاتا ہے، دونوں ایک دوسرے کے خیر خواہ اور تعمیر و ترقی میں ایک دوسرے کے مددگار بن جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ زندگی کے اعلیٰ مقاصد حاصل کرنے میں مشترکہ کردار ادا کرتے ہیں۔

۳۔ با اصول معاشی جدّوجہد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشی توازن پیدا کرنے کے لیے بنیادی طور پر دو کام سرانجام دیے۔ سب سے پہلے تو آپ نے لوگوں کے دلوں سے دولت کی ہوس کو نکالا۔ پھر اس کے بعد دولت کے کمانے اور خرچ کرنے، دونوں امور پر حلال و حرام کی قیود لگا دیں۔ اس لیے کہ ان دونوں کاموں کی گمراہیاں اور بے راہ رویاں ہی معاشی میدان میں تمام برائیوں، استحصال اور ظلم کو جنم دیتی ہیں۔ ان دونوں تدابیر سے اسلامی معاشرے میں معاشی جدّوجہد ایک با اصول اور پابند اخلاق جدّوجہد بن گئی اور بے تحاشا لوٹ اور بے تحاشا مصارف کا بازار سرد پڑ گیا جس سے معاشی زندگی میں اعتدال اور توازن آ گیا۔

۴۔ ہوسِ زر کا استیصال

اسلام نے ہوسِ زر کی شدّت سے مذمت کی۔

قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

Marfat.com

"جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دو۔" (التوبہ)

مزید فرمایا:

"تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کی فکر نے مستغرق کر رکھا ہے۔ قبر میں جانے تک تم اسی فکر میں منہمک رہتے ہو، یہ ہرگز تمہارے لیے نافع نہیں ہے جلدی ہی تم کو اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔" (التکاثر)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُحد پہاڑ کی طرف تشریف لے چلے۔ میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ آپؐ نے فرمایا ابوذرؓ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ لبیک۔ آپ نے فرمایا، آج جو لوگ زیادہ رکھتے ہیں کل قیامت کے دن وہی مفلس ہوں گے۔ بجز ان کے جو ایسا کریں۔ آپ نے اپنے ہاتھ دائیں بائیں سامنے اور پیچھے پھیلاتے ہوئے کہا اور ایسے لوگ کم ہی ہوں گے۔ پھر آپؐ نے فرمایا ابوذر، میں نے عرض کیا ارشاد، اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ میرے پاس "اُحد" جتنی دولت ہو اور میں اسے راہ خدا میں خرچ بھی کرتا رہوں لیکن مروں تو اس میں سے دو قیراط بھی چھوڑ جاؤں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی مراد کیا دو قنطار سے ہے، آپ نے فرمایا، نہیں نہیں دو قیراط پھر آپ بولے، ابوذر تم زیادہ کی طرف جاتے ہو اور میں کم کی طرف۔"

اس طرح آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو تربیت دی اور ان کو بتایا کہ اہلِ ایمان کے دولت، سونا چاندی جمع کرنا یا اس کی ہوس میں مبتلا ہونا نا ہی ہے اور یہ کہ اسلامی معاشرہ دولت کو گردش میں رکھنے کا روادار ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں اور کوئی شخص بھی دولت پر سانپ بن کر نہ بیٹھ جائے۔

Marfat.com

اسی لیے ہر شخص سے آخرت میں جو پانچ سوال ہونے والے ہیں ان میں یہ سوال نہایت اہم ہے کہ دولت کس ذریعے سے کمائی اور کن کاموں پر خرچ کی۔ ان سوالات کا جواب دیے بغیر انسان کے قدم عرصۂ محشر سے ہٹ نہ سکیں گے۔

۵۔ پابندِ حدود معاشی جدّوجہد

اسلام نے اپنے نظامِ معیشت میں بے جا خرچ پر پابندی عائد کی ہے۔ یہ کام دوسرے نظام نہیں کرتے۔ کسی نظام کا صرف یہ مطالبہ ہے کہ جو کچھ کماؤ جیسے بھی کماؤ اور جس طرح بھی کماؤ بس اس میں سے ریاست کا حصّہ ضرور ادا کرو و نیز یہ کہ زیادہ سے زیادہ کماؤ تاکہ ریاست کو بھی زیادہ حصہ مل سکے۔ اور کوئی نظام تو فرد کو ریاست کا محتاج ہی کر دیتا ہے لیکن اسلام ناجائز اخراجات پر پابندی لگا کر استحصال کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ ارشاد ہوا۔

" اے لوگو، جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری آپس کی رضامندی سے۔" (النساء ۲۹)

حضرت عبداللہؓ بن مسعود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

" ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص حرام مال کمائے اور اس میں سے صدقہ خیرات کرے تو وہ (عنداللہ) قبول کر لیا جائے یا وہ اس میں سے خرچ کرے تو اس میں برکت ہو سکے۔ وہ ایسے مال کو اگر اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے تو یہ اس کے لیے راہِ جہنم کا توشہ ثابت ہوتا ہے اور اللہ برائی کی تلافی برائی سے نہیں کرتا بلکہ برائی کو اچھائی ہی کے ذریعے مٹایا جا سکتا ہے۔ ناپاک چیز ناپاک چیز کا دفیعہ نہیں کر سکتی۔"

(مصابح السنہ فی الصحاح)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

" مال حرام پر پلا ہوا گوشت پروان نہیں چڑھتا بلکہ اس کا اصل ٹھکانہ جہنّم کی آگ ہے۔" (ترمذی، نسائی)

Marfat.com

۶۔ ذخیرہ اندوزی کی ممانعت

تجارت میں بھی اندھا دھند دولت کمانے کو اسلام ناپسند کرتا ہے اسے لوگوں کی باہمی ضروریات پوری کرنے کا ذریعہ ہونا چاہیے چنانچہ اشیاء ضرورت کی ذخیرہ اندوزی اور عام لوگوں کی بے بسی سے فائدہ اُٹھانے کو سوسائٹی کے خلاف ناقابلِ معافی جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس سے اجارہ داری کی مختلف شکلیں بھی مردود قرار پاتی ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"جس نے چالیس دن تک سامانِ غذا کو ذخیرہ کیے رکھا، اس کو اللہ تعالٰے سے کوئی واسطہ نہیں نہ اللہ تعالٰے کو اس کی کوئی پرواہ ہے۔"

غرض جو شخص اپنی ذاتی منفعت کے لیے اجتماعی مفاد کو دانستہ مجروح کرتا ہے اور معاشرے میں مصنوعی طور پر احتیاج اور بھوک کا خوف پیدا کرتا ہے اسے اسلامی معاشرہ اپنا حصہ سمجھنے کیلئے قطعاً تیار نہیں ہے۔

قرآن نے اس بات کی بھی شدید مذمت کی ہے کہ انسان جائز طریقے سے حاصل شدہ دولت کو ناجائز کاموں میں صرف کرے یا اپنے ہی معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے سوا دولت کا کوئی اور مصرف اس کی نگاہ میں نہ ہو۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

"فضول خرچی نہ کرو فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔"

(بنی اسرائیل ۲۶ : ۲۷)

کھاؤ پیو مگر حد سے نہ گزرو، اللہ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

(الاعراف : ۳۱)

"اور ہم نے کتنی ہی ایسی بستیاں غارت کردیں جو اپنی معاشی حالت پر اترانے لگی تھیں تو یہ ہیں ان کے گھر بار جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد ہو سکے۔"

(القصص : ۵۸)

Marfat.com

اسلامی نظامِ حیات اپنے پیروؤں کا یہ امتیازی نشان قرار دیتا ہے کہ وہ مادی سازوسامان استعمال تو کرتے ہیں لیکن ان کے حریص اور غلام نہیں بنتے آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"درہم کا پرستار ہلاک ہو، دینار کا بندہ ہلاک ہو، مخملی شال کا غلام ہلاک ہو، ہلاک ہو اور منہ کے بل گرے۔ پھر جب اسے کانٹا چبھے تو وہ بھی نہ نکالا جائے۔"

(بخاری)

ان اصولی باتوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اسلام کا مزاج نہ اندھا دھند دولت کمانے اور جمع کرنے کو گوارا کرتا ہے اور نہ ہی اسراف کو، بلکہ میانہ روی کو پسند کرتا ہے۔ اور قلبِ مسلم کے اندر ایسا ذوق و احساس پیدا کر دیتا ہے کہ وہ راہِ اعتدال کو اختیار کرے۔

انہیں اصولوں کی روشنی میں اسلام نے اپنی اقتصادی پالیسی نہایت درجہ معتدل، متوازن اور عادلانہ ترتیب دی ہے۔

۷۔ حاجت مندوں کا حصول، زکوٰۃ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقی، معاشی اور سیاسی اقتدار کو عبادات سے الگ نہیں کیا بلکہ ان سب کو باہمی پیوستہ کر کے زندگی کو ایک واحدہ قرار دیا ہے اس کی سب سے درخشاں مثال زکوٰۃ کا نظام ہے۔ زکوٰۃ ارکان اسلام میں شامل ہے۔ جس طرح عبادات میں نماز فرض اور اسلامی مملکت کا ایک قانونی ضابطہ ہے جس کا احترام سیاسی قوت سے کرانا ضروری ہے بالکل اسی طرح زکوٰۃ بھی فرض ہے جو کم نصیب اور معذور و مجبور لوگوں کا حق ہے جسے ادا کرنا لازم ہے۔ اسلام نے غریب لوگوں کو دولت مندوں کی خیرات اور ان کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ حصولِ رزق کو ان کا حق قرار دیا ہے جسے قانون کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا اور اس میں کسی احسان و امتنان کا دخل نہیں ہے۔ چنانچہ اس کی شرح بھی متعین کر دی گئی ہے اور اس کے حقداروں کو بھی قرآن نے نام بنام گنوا دیا ہے۔ اس طرح اسلام کے نظام میں گویا یہ غریب ہیں جو امراء پر زکوٰۃ کے ذریعے ٹیکس عائد کرتے ہیں۔

۸۔ انسان سرمائے سے برتر

اسلام میں سود کو قطعی حرام قرار دے کر سرمائے کو بلا محنت خود بخود بڑھتے چلے جاتے اور محنت سے بے نیاز ہو جانے کے تصور کو بالکل ختم کر دیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات آپ سے آپ ثابت ہو گئی ہے کہ اصل قدر و قیمت کے مستحق انسان اور انسانی محنت ہیں۔ سرمایہ نہیں ہے۔ سرمایہ انسان کے لیے ہے انسان سرمایہ کے لیے نہیں ہے۔ اس لیے انسانوں کو سرمائے کے لیے قربان نہیں کیا جا سکتا البتہ حسبِ ضرورت سرمایہ انسانوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

۹۔ زمین خدا کی ہے پھر جو اسے آباد کرلے

اسلام کی نظر میں اللہ تعالےٰ نے اس زمین کو تمام انسانوں کے لیے مستقر بنایا ہے اور ان کے لیے متاعِ حیات اسی میں رکھ دی گئی ہے۔ اس لیے اس زمین سے انتفاع کا حق تمام انسانوں کو ہے چاہے وہ کاشت کریں، فیکٹریاں بنائیں، معدنیات حاصل کریں یا اس پر گاڑیاں چلائیں۔ ہر شخص کو اپنے لیے مکان بنانے اور ایسا کاروبار کرنے کا حق ہے جو وہ متعینہ حدود کے اندر کرنا چاہے۔ اسلام کا معاشی نظام جو متوازن اور معتدل ہے ہر فرد کی جائز پشت پناہی کرتا ہے۔ بنیادی ضروریات کے کے بارے میں اسلام کا سارا زور فرد کی پشت پر ہے سرمائے اور انتظامیہ کی پشت پر نہیں ہے دنیا اور اس کا یہ سارا سر و سامان فرد کے لیے ہے۔ ادارے اور ریاستیں فرد نے اپنی سہولت کے لیے بنائے ہیں نہ کہ ان کی غلامی کرنے کے لیے۔

۱۰۔ ملکیّت کا حق

اسلام میں انفرادی ملکیّت کے حق کو پورے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ بشرطیکہ وہ جائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہو اور عامۃ المسلمین کے مفاد کو متاثر نہ کرے اور فساد کا ذریعہ نہ بن جائے۔ اسی طرح حق وراثت کو بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ گویا فرد کی وہ آزادی ہے جو اسے کمانے کے لیے صلاحیّت اور جذبہ و جوش فراہم کرتی ہے۔ اس کے بغیر فرد میں کام کا جذبہ پیدا کرنا خلافِ فطرت ہے۔

۱۱۔ ملّت کے برتر مفاد کا اہتمام

اسلام کے معاشی نظام میں ریاست کو افتادہ زمینوں کو قابل کاشت یا قابل استعمال بنانے کا پابند کیا گیا ہے تاکہ فرد اقتصادی ترقی کے لیے پوری جدّوجہد کر سکے۔ وسائل رزق میں سے کچھ چیزیں ریاست اپنی تحویل میں عارضی یا مستقل طور پر لے سکتی ہے بشرطیکہ یہ عامۃ المسلمین کے مفاد میں ہو۔ عامۃ المسلمین کا مفاد وہ مفاد ہے جسے عام لوگ واقعی مفاد عامہ کے مطابق سمجھیں۔ صرف حکمرانوں کا سمجھنا کافی نہیں ہے۔ اور حکمرانوں کی مرضی، جو خدا اور رسول کی مرضی سے مطابقت نہ رکھتی ہو ہر شہری اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکتا ہے۔

۱۲۔ دولت پر سب کا حق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلامی انقلاب اس بات کو برداشت نہیں کرتا کہ ایک طرف تو دولت کی بے انتہا فراوانی ہو اور دوسری طرف یکسر محرومی پائی جائے۔ ایسے حالات اگر پیدا ہو جائیں تو صاحبِ امر کو مشاورت سے مناسب اقدامات کرنے ہوں گے۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بنی نضیر کی اراضی کو تمام تر صرف غریب مہاجرین میں ہی تقسیم کر دیا تھا تاکہ اسلامی معاشرہ میں توازن پیدا ہو سکے اور دولت صرف امراء ہی میں نہ گردش کرتی رہے۔

۱۳۔ معاوضے، صلاحیت اور ضرورت کے مطابق

ریاست کے ملازمین کی تنخواہوں کو مقرر کرتے وقت بھی ہر شخص کی صلاحیتِ کار اور فنی مہارت کے ساتھ ساتھ "ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق" کے اصول کو بھی پیش نظر رکھنا لازم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت کو تقسیم کرتے وقت غیر شادی شدہ کو ایک حصہ اور شادی شدہ مجاہدین کے لیے دو حصّے مقرر فرمائے تھے۔ پرائیویٹ ملازمت میں بھی "کسی فرد کا گزارا" ملازمت کی بنیادی شرط ہوتا ہے۔ اسلام انسان کی کفالت کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ جو معاوضہ فرد کی کفالت نہ کرے وہ غیر منصفانہ ہے اور اسے کفالتی معاوضہ ہونا چاہیئے۔

Marfat.com

۱۴۔ محصول، بقدرِ استطاعت

ٹیکسوں کی وصولی کے متعلق جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پالیسی بنائی تھی اسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس طرح نافذ کیا کہ محصلین کو ہدایت کی کہ جب تم لوگوں کے پاس جاؤ تو ان کے گرمی یا جاڑے کے کپڑے یا کھانے کی چیزیں یا سواری کا جانور ہرگز فروخت نہ کرنا۔ وصولی کی خاطر کسی کو ایک کوڑا بھی نہ مارنا، نہ کسی کو ایک پاؤں پر کھڑا کرنا چاہے کتنا ہی خراج کیوں نہ باقی ہو کیونکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی ضروریات سے فاضل ہی مال وصول کریں۔ اس سے ٹیکسوں کے عائد کرنے اور وصولی کے لیے اسلامی ریاست کی محصول کی پالیسی بالکل واضح ہو جاتی ہے، جو استطاعت اور عدم استطاعت کی مناسبت کے اصول پر مبنی ہے۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ جو رحمت اللعالمین تھے وہ لوگوں کے لیے رحمت کا پیغام ہی لائے تھے اس لیے اسلامی ریاست لوگوں کی بنیادی ضروریات کو نظر انداز کر کے کوئی ٹیکس وصول نہیں کر سکتی۔

۱۵۔ حرام سب کے لیے حرام

جن چیزوں کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے مثلاً سود، جُوا، سٹہ، شراب اور دوسری منشیات وہ ریاست کے لیے بھی اسی طرح حرام ہیں جس طرح افراد کے لیے حرام ہیں۔ ان کی پیدائش تجارت، ٹھیکے وغیرہ سب ناجائز اور حرام ہیں اور اسلامی ریاست کو انہیں آمدنی کا ذریعہ بنانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کسبِ معاش میں اسلام انسانی محنت کو قابلِ قدر سمجھتا ہے اور اس کو کسی حالت میں بھی ضائع نہیں ہونے دینا چاہتا وہ چاہتا ہے کہ انسان آخر دم تک اپنا بھرپور کردار ادا کرتا رہے اور اس کی قوتِ کار اور جذبۂ کار ضائع نہ ہونے پائے اور وہ اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرہ دونوں کے لیے آخری دم تک مفید اور کارآمد رہے۔

ان چند اشارات کے ذریعے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برپا کردہ اسلامی انقلاب کے متوازن، منصفانہ اور معتدل معاشی نظام کی ایک جھلک ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ درحقیقت سارا معاشی نظام فرد کی امداد و کفالت کے اصول پر ہی قائم کیا گیا ہے یہی

سبب ہے کہ اس نظام معاش کو چلتے ہوئے ابھی چند سال بھی نہ گزرے تھے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے حاجتمندوں کی دستیابی دشوار ہو گئی تھی اور معاشرے میں کہیں کوئی حاجت مند دکھائی نہ دیتا تھا۔

اسلام کا معاشی نظام، انصاف و توازن، معاشرتی مساوات اور غریب کی دستگیری کے لیے منفرد معاشی نظام ہے۔ دکھ درد کی ماری ہوئی انسانیت کی فلاح ہر دور میں اسلام کے معاشی نظام میں ہی مضمر رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نوعیت کا معاشی نظام اسلامی معاشرے میں رائج کیا تھا اس میں ہر شخص کی ضروریات کی کفالت کا اہتمام تھا۔ آج بھی انسان کو ایسے ہی معاشی نظام کی ضرورت ہے جس کا نمونہ آپؐ نے اپنی سوسائٹی میں پیش کر کے دکھادیا تھا۔

چوتھا باب

معاشرتی اور انسانی مساوات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برپا کردہ اسلامی انقلاب نے تمام انسانوں کو ایک سطح پر لا کر کھڑا کر دیا اور وہ سطح تھی انسانیت کی مساوی سطح، ابن آدم ہونے کی حیثیت سے آدمی کی سطح اور خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت سے بندگی کی سطح۔ یہ وہ مساوی اور برابر کی سطح تھی جس پر اس سے پہلے سارے انسانوں کو کبھی کھڑا نہیں کیا گیا تھا۔ حضورؐ کے انقلاب کا یہ حیرت انگیز معاشرتی اور انسانی پہلو تھا۔ پہلی بار آدم کے بیٹوں کو مساوی انسانی حقوق ملے تھے۔

جب سے انسان زمین پر آباد تھا۔ اس نے اپنی امتیازی شان بنانے کے لیے بیسیوں وجوہِ امتیاز پیدا کر لیے تھے۔ سارے انسانوں کے پاس یکساں اعضاءِ انسانی تھے۔ ان کی عمومی قوتیں اور صلاحیتیں بھی برابر سی تھیں۔ عام حالات میں جس طرح کسی بکری کو دوسری بکریوں پر اور کسی شیر کو دوسرے شیروں پر فضیلت دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی اسی طرح انسانوں میں بھی ایک انسان کو دوسرے انسان پر ترجیح و فضیلت کی بظاہر کوئی وجہ نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن اشرف المخلوقات انسان نے جہاں اور بہت سی پستیاں اپنے اندر قبول کیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ وہ بتدریج ایک دوسرے کے مقابلے میں بلندی و پستی، فضیلت و عدم فضیلت اور امتیازات اعلیٰ و ادنیٰ کا شکار ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ بعض انسان دوسرے انسانوں کے مقابلے میں اپنی خدائی کے دعوے کرنے لگے۔ ذرا سی اجتماعی قوت و اختیار نصیب ہوا اور ذرا سا حکم چلنے کا امکان پیدا ہوا تو انسان اپنے بارے میں اس غلط فہمی میں پڑ گیا کہ وہ عام انسانوں سے فائق تر کوئی بہت بڑی شئے تھا۔ وہ محسوس کرنے لگا کہ دوسرے انسان اس کے مقابلے میں بہت پستی اور ذلت کے مقام پر

کھڑے تھے۔ پھر دوسرے انسانوں نے بھی اسے یہی یقین دلایا کہ واقعی اس میں ایسی خوبیاں موجود نہیں کہ دوسروں کے مقابلے میں اسے اشرف و اعلیٰ وارفع قرار دیا جائے۔

بتدریج اس شرف و رفعت کے لیے کئی پیمانے وضع ہوتے چلے گئے۔ خاندانی نسب کا شرف، نسل و خون کی رفعت، رنگ کی خوبی، قبیلہ کی بلندی، عہدہ و منصب کا امتیاز اور ان امتیازات کے زینے لگا لگا کر انسان نے بناوٹی طور پر اپنے آپ کو دوسروں سے بلند ثابت کرنے کی ہمیشہ کوشش کی۔ یہ شیطانی جاہلی جذبہ اس قدر قوی نکلا کہ انسان میں اوّل روز سے اس کے ساتھ ساتھ چلا آتا ہے اور جو بات ابلیسِ لعین آدم کے مقابلے میں کہہ کر مستقل طور پر راندا گیا تھا وہی بات انسان اپنے ہی بھائی بندوں کے مقابلے میں مختلف بہانوں سے مسلسل کہتا رہتا ہے اور ساتھ ہی یہ توقع بھی رکھتا ہے کہ اس کی فضیلت کو تسلیم کیا جائے حالانکہ اپنی فضیلت کا ایسا ہی جھگڑا ابلیس نے بھی آدم کے بارے میں اپنے رب کے سامنے کیا تھا اور اس کی ابدی سزا بھگتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو فرشتوں سے کہا کہ اس نئی مخلوق کو جو مٹی سے بنائی گئی تھی سجدہ کرو۔ اس حکم پر سارے ہی فرشتے سجدہ ریز ہو گئے۔ مگر اپنی بڑائی اور فضیلت کے گھمنڈ میں مبتلا ابلیس سجدے سے باز رہا اور انکار کر بیٹھا۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

قَالَ یٰٓاِبۡلِیۡسُ مَا مَنَعَکَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسۡتَکۡبَرۡتَ اَمۡ کُنۡتَ مِنَ الۡعَالِیۡنَ ۔ (ص ۷۵)	اے ابلیس تجھے کیا چیز اس کو سجدہ کرنے سے مانع ہوئی جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے کیا تو بڑا بن رہا ہے یا تو ہی کچھ اونچے درجے کی ہستیوں میں سے ہے؟

اللہ تعالےٰ کے اس سوال کے جواب میں جو بات ابلیس نے کہی وہی اس کائنات کی سب سے پہلی اور مہلک بیماری قرار پائی یعنی کبر و غرور۔

قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ ؕ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ ۔	اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس

Marfat.com

کو مٹی سے۔ (ص ۷۶)

اس نسلی اظہارِ فضیلت کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اسی وقت جو فیصلہ فرمایا وہ یہ تھا:

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ۔ (ص ۷۷، ۷۸)

اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا "اچھا تو یہاں سے نکل جا، تو مردود ہے اور تیرے اوپر یوم الجزا تک میری لعنت ہے۔

یہ ہے نسلی، خلقی اور ہر قومیت کے دعویٰ امتیاز و فضیلت کا مقام جو کائنات کے حاکم اعلیٰ نے انسانوں کے درمیان باہمی دعویٰ فضیلت کا قرار دیا ہے۔ اسلامی معاشرے میں سب انسان معاشرتی اور انسانی سطح پر برابر ہوتے ہیں اور کسی کو کسی دوسرے پر کوئی وجہ امتیاز و فضیلت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ وہ الٰہی تعلیمات پر مبنی معاشرہ ہے یہ وہ انقلابی تصورِ مساوات ہے جو حقیقی انسانی مساوات پر مبنی ہے۔ قرآن کی آمد سے پہلے کسی دیگر معاشرے کو مساواتِ انسانی کا یہ انقلابی تصور نصیب نہیں ہوا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی انقلاب کے ذریعے جو معاشرہ برپا کیا اس میں بنیادی حقوق کے اعتبار سے بھی تمام باشندوں میں مساوات تھی۔ نسل، رنگ، خون، زبان، خاندان یا ذات برادری کی بنا پر کوئی برتر یا کمتر نہ تھا۔ سب کے سب افراد مساوی حقوقِ انسانی سے بہرہ ور تھے۔ حقِ نصیحت سب کو حاصل تھا۔ تحریر، تقریر، اجتماع، ملکیت، کسب، تجارت، آبادکاری، سفر، عزت و آبرو، خلوت، غرض وہ تمام انسانی حقوق جو انسان کو انسان ہونے کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برپا کردہ اسلامی معاشرے میں سارے باشندوں کو مساوی طور پر حاصل تھے۔

دوسروں کے مقابلے میں کسی کے بھی مفادات مخصوص اور محفوظ نہ تھے۔ سب افراد ریاست کے نزدیک برابر اور محترم تھے۔ سب کی ذمہ داریاں صلاحیت اور اہلیت کے تناسب سے مساوی تھیں۔ بنیادی ضروریات کے لیے روزگار کے بنیادی حقوق بھی سب کو میسر تھے۔ اور

سب کو ان حقوق کی ضمانت بھی حاصل تھی۔ کوئی شخص بھی کسی دوسرے شخص سے دین و اخلاق کی فضیلت کے سوا کسی دوسری فضیلت کے سبب برتر و محترم نہ تھا۔ سوائے اس معیارِ فضیلت کے جو اسلام نے اپنے معاشرے میں خود مقرر فرما دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ہر اجتماعیت میں فرد کے لیے کوئی ایک معیارِ فضیلت تو ضرور ہوتا ہے جس کو اختیار کر کے کوئی فرد شرف حاصل کرتا اور اسے ترک کر کے ذلت سے دوچار ہوتا ہے۔ عالمگیر سچائیاں بلاشبہ سب کے لیے اعزاز کا مشترک سرمایہ ہوتی ہیں لیکن اس معاملہ میں بھی اسلام اور کفر کے تصوراتِ شرف و اعزاز اور معیاراتِ فضیلت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور یہ فرق الٰہی ہدایات سے فیض یاب ہونے یا ان ہدایات سے محروم ہونے کا فرق ہے۔ کفر اور جاہلیت نے فضیلت کے بے شمار معیار مختلف ادوار اور مختلف معاشروں میں قائم کیے لیکن اسلام فضیلت کے ان لاتعداد معیاروں کے ڈھیر پر بیک قلم خطِ تنسیخ کھینچ دیتا ہے اور وہ اپنا ایک نرالا ہی فلسفۂ فضیلت اور معیارِ بزرگی قائم کرتا ہے۔ وہ جاہلیت کے تمام پیچ در پیچ بودے پیمانوں کو توڑ کر اپنا الگ ایک پیمانۂ خوب و زشت پیش کرتا ہے۔ وہ اس عالمِ وجود میں حیاتِ انسانی کے سینے پر اپنا میزانِ فضیلت ان الفاظ میں نصب کرتا ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ تم میں سب سے معزز وہی ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا ہے۔

یہ بالکل ایک نیا اور انقلابی تصورِ فضیلت ہے جو اسلام نے پیش فرمایا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"پرہیزگاری کے سوا اور کسی چیز کی بنا پر ایک شخص کو دوسرے شخص پر فضیلت نہیں ہے، سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

مزید فرمایا:

"نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے اور نہ عجمی کو عربی پر۔ تم سب آدم کی اولاد ہو۔"

Marfat.com

نیز فتح مکہ کے موقع پر فرمایا:

"سن رکھو کہ فخر و ناز کا ہر سرمایہ، خون اور مال کا ہر دعوٰے آج میرے ان قدموں کے نیچے ہے۔"

پھر فرمایا:

"اے لوگو تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے، نسب کے لیے کوئی فخر نہیں ہے، عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر کوئی فخر نہیں ہے۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ اس معیارِ فضیلت نے تمام غیر الٰہی نظریات کے معیارات کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ نسل کے بت پر اسلام نے یہ کہہ کر ضرب لگائی۔

خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً۔ (النساء ۱:)

"خدا نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا۔"

مزید ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ اور قبائل بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت تم میں سب سے معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔" (سورہ الحجرات)

حضورؐ نے فرمایا:

"جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں، جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں، جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں۔"

نیز فرمایا:

"وہ شخص ہم میں سے نہیں جو لوگوں کو عصبیّت کی طرف بلاتا ہے۔"

غرض اولادِ آدم کی حیثیت سے اسلام میں کسی شخص کو کسی دوسرے شخص پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اسلامی معاشرے پر انسان کے بنیادی حقوق سب کے لیے مساوی اور برابر ہیں۔ اسلامی نظام میں کسی کے بچوں کو اس لیے بہترین تعلیمی اور رہائشی سہولتیں میسّر نہیں آ سکتیں کہ وہ بچے امیرالمومنین کے بچے ہیں اور کسی کے بچے صرف اس لیے گلیوں میں خاک چھانتے نہیں پھر سکتے کہ وہ کسی غریب کی اولاد ہیں۔ اسلام میں ہر فرد کو پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ تمام امتیازات سے قطع نظر اپنا انسانی حصہ وصول کرے اور اپنے طبعی جسم کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی ضروریات کو حاصل کرے۔ ریاست کے قانون میں دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔

خاندانی اور نسلی افتخار کے غباروں میں سے بھی اسلام نے ہوا نکال دی۔

آپؐ نے فرمایا:

"اے عبدالمطلب کی اولاد اپنے نفسوں کو آگ سے چھڑاؤ کیونکہ میرا رشتہ تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔"

پھر فرمایا:

"اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہ دوزخ سے چھٹکارا پانے کی کوشش کر، کیونکہ میرا رشتہ تجھ کو خدا کے ہاں مفید نہیں ہو سکتا۔"

لیکن اگر کوئی چیز کسی کے لیے وجہِ فضیلت بن سکتی ہے تو وہ "تقویٰ" ہے چنانچہ اسلام کے تمام داعیوں نے اپنے اپنے دور میں اپنی اپنی قوم کو اللہ کی عبادت اور اس کے تقویٰ کی طرف ہی بلایا۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔	"اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارے لیے اور کوئی معبود نہیں۔"

Marfat.com

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی حکم ہوا:

"اے چادر لپیٹنے والے کھڑا ہو اور لوگوں کو ڈرا"

غرض اللہ کی عبادت اور بندگی ہی وہ ایک معیار ہے جو انسان اور انسان میں فرق پیدا کرتی ہے۔ بحیثیت انسان کے ایک کافر بھی اور ایک مومن بھی، ایک سرکش بھی اور ایک اطاعت گزار بھی دونوں خدا کے بندے ہیں۔ لیکن بحیثیت بندگی کے ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ عبادت کا مطالبہ صرف رکوع و سجود اور تسبیح و تہلیل تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اللہ کا مطالبہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ بھی خدا کی اطاعت اور بندگی سے باہر نہ ہو اور وہ خدا کی عین مرضی کے مطابق کام کرے، انفرادیت اور شخصیت ہی نہیں بلکہ اجتماعیت میں بھی انسان کی سیاست اور معاشرت کی گاڑی اسی کی اطاعت کی پٹری پر چلے۔

اس انفرادی اور اجتماعی عبادت کو بجالانے کے سلسلے میں جس سعی و جہد جس ذوق و شوق، جس عشق و محبت، جس وارفتگی اور جانثاری کا اظہار کسی شخص سے ہوگا اسی قدر فضیلت کے ترازو میں اس کا وزن زیادہ نکلے گا۔

لیکن عبادت کو خالص اور زندگی کے ہر پہلو پر صبر و ثبات سے حاوی کرنے کے لیے جس چیز کی حقیقی ضرورت ہے وہ ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات پر پورا ہونا اس کی رزاقی پر مکمل بھروسہ، اس کے عالم الغیب ہونے پر کامل یقین، اس کے رحیم و کریم ہونے پر اعلیٰ درجے کا توکل، اس کے مالکِ یوم الدین ہونے پر سچے دل سے پختہ یقین، اس کے احکام پر عمل کرنے کا انتہائی ذوق و شوق اور ان سے انحراف کرنے سے شدید خوف و ہراس، اس کی حرام کردہ چیزوں سے کلی اجتناب اور اس کے اوامر پر عمل کرنے کی بے انتہا سعی، اس کی پسند کو دل سے اپنی پسند سمجھنا اور اس کی ناپسند کو اپنی روح کی گہرائیوں سے ناپسند کرنا، اس کی وفاداری کے مقابلے میں دوسری تمام وفاداریوں کو ہیچ سمجھنا اور اس کی اطاعت کو تمام اطاعتوں پر حاوی کردینا۔ غرض ایمان کی ان ٹھوس بنیادوں پر عمل کو استوار کرنا ہی حقیقی مسلم ہونا ہے۔ اللہ کے

Marfat.com

حکم کے تحت ہی کسی سے جڑ جانا اور اسی کے حکم کے تحت کسی سے کٹ جانا اور انسانی عمل کے ہر گوشے سے اس بات کا اظہار ہونا کہ اس کے دل و دماغ کے کسی کونے میں بھی غیر الٰہی محبت و اطاعت کا کوئی بت باقی نہیں رہا ہے۔ مسلم ہونے کی ان ضروری شرائط کے ساتھ جب اللہ کے ڈر اور خوف کا اضافہ ہو جائے کہ انسان ہر دم اس کے احکام پر عمل کرنے کے لیے کمربستہ رہے اس کے ہر فعل سے مکمل اطاعتِ خداوندی کا اظہار ہو، اس میں خدا کے ہاں جواب دہی کا احساس ایک جیتا جاگتا جذبہ اور منہ بولتی حقیقت بن جائے۔ اس کی حس اتنی تیز ہو کہ وہ خدا کے حکم سے خفیف سے خفیف غیر شعوری انحراف کو بھی اپنے نفس کی تہہ میں جانچ لے اور اسے وہیں ختم کر دینے پر آمادہ رہے۔ وہ پوری ذمہ داری سے اپنی زندگی کا بار بار جائزہ لے اور ہر گھڑی محاسبہ کرے کہ اس کی کوئی حرکت منشائے الٰہی کے خلاف نہ ہو تو اسی کیفیت کا نام تقویٰ ہے اور اسی کیفیت میں اضافے کے لیے فرمایا گیا ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ اسی تقویٰ کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے معیارِ فضیلت قرار دیا ہے اور اسی کیفیت کو سند بزرگی عطا کی گئی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ کی ناراضگی سے بچو، جو خدا کے غضب سے ڈرتا ہے وہ پورا پورا کامیاب ہوا۔ پرہیزگاری مراتب کو بلند کرتی ہے۔"

پھر فرمایا:

"مبارک ہے وہ شخص جس کے اخلاق اچھے ہوں، دل پاکیزہ ہو اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔"

ایک جگہ آپ نے منصف، سخی اور نیک حاکم کو جنتی قرار دیا۔ رشتہ داروں اور مسلمانوں کے ساتھ مہربانی کرنے والے نرم دل آدمی، عیال دار، باعفت اور سوال سے بچنے والے کو بھی جنت کی خوشخبری دی۔ اس لیے کہ یہ صفات تقویٰ کی ضروری شرائط ہیں۔ کمزور، بے شعور آوارہ گرد خیانت کرنے والے اور دھوکہ دینے والے کو دوزخ کی وعید سنائی گئی۔ اس لیے

یہ صفات تقویٰ کی عین ضد ہیں۔

آپؐ نے فرمایا:

"جس کو آخرت کا خیال ہو اللہ تعالےٰ اس کے سارے کام درست کر دے گا۔ اور جو دنیا کے غم میں پریشان ہو اللہ اس کے سارے کام پراگندہ کرے گا"

فرمایا:

"معاہدوں کو پورا کرو، خدا پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے"

فرمایا:

"جاہلیت کے تمام مفاخر بند کیے جاتے ہیں"

ایک موقعہ پر فرمایا:

"خدا کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برپا کردہ اسلامی انقلاب کے پیشِ نظر صالح افراد کو چن چن کر اوپر لانا ضروری تھا تاکہ وہ دنیا میں اصلاح کریں۔ امن قائم کریں اور انسانوں کو انسانیت کا سبق دیں۔ تقویٰ کے اس معیار پر اگر ایک حبشی بھی پورا اترتا تھا تو وہی اوپر آنے کا حقدار قرار پاتا تھا۔

آپؐ نے فرمایا:

"سنو! اگر تم پر نکٹا حبشی بھی امیر بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے مطابق تمہیں چلائے تو اس کی بات ماننا اور اطاعت کرنا"

اسی معیار کے پیشِ نظر آپؐ نے کسی فاجر کی قیادت قبول کرنے سے منع فرما دیا:

"کوئی اُجڈ گنوار کسی مہاجر کا امام نہ بنے اور نہ کوئی فاجر شخص کسی پارسا مومن کا"

Marfat.com

قرآن میں فرمایا گیا:

لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (القرآن)

اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی دوست اور محبوب نہ رکھو۔ اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو محبوب رکھیں اور تم میں سے جو کوئی ان کو محبوب رکھے گا۔ وہ ظالموں میں شمار ہو گا۔"

مزید فرمایا گیا:

"جو اپنے عہد کو پورا کریں اور اللہ تعالےٰ سے ڈریں تو اللہ تعالےٰ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

مزید فرمایا گیا:

"اے محمد کہو۔ میری نماز اور میرے تمام مراسمِ عبودیت، میرا مرنا، میرا جینا سب کچھ اللہ کے لیے ہے۔ اور سب سے پہلے میں اس کی اطاعت میں سرِ تسلیم خم کرتا ہوں۔"

مالک نے مزید حکم دیا:

"اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور یاد رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے۔" (سورہ بقرہ)

"اللہ تعالےٰ سے ڈرو وہ جلد حساب چکانے والا ہے۔" (سورہ مائدہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ملنے والے یہ احکام انسان کو اس کے حقیقی معیارِ فضیلت سے آگاہ کرتے ہیں چنانچہ اس معیار سے ہٹ کر اگر کوئی شخص یہ سمجھے بیٹھا تھا کہ وہ فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اسے جہنم کی آگ نہ چھوئے گی یا فلاں بزرگ سے اس کا رشتہ ہے اس لیے وہ اسے چھڑا لیں گے تو اس قسم کا فالج زدہ تقویٰ شاید ہی خدا کی میزانِ عدل میں کوئی وزن پا سکے۔ اصل تقویٰ تو وہی ہے کہ انسان کی زندگی کا اندر اور باہر ان حدود کے اندر رہے

جو خدا اور اس کے رسول نے مقرر فرما دی ہیں۔ اور ایسا ہی تقویٰ آپؐ نے اپنے صحابہ کو سکھایا تھا۔

چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابیؓ بن کعب سے تقویٰ کا مفہوم پوچھا، انہوں نے فرمایا:

"امیر المومنین آپ کسی ایسے راستے سے گزرے ہیں جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"ہاں"

حضرت ابیؓ نے پوچھا:

"آپ وہاں سے کیسے گزرتے ہیں؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"دامن کو سمیٹ کر اور بچا کر گزر جاتا ہوں"

حضرت ابیؓ نے فرمایا:

"بس یہی تقویٰ ہے"

گویا تقویٰ یہ ہے کہ انسان خدا کے احکام کی خلاف ورزی سے بچ بچ کر حدودِ شریعت کے اندر رہتا ہوا زندگی گزارے اس طرح اسلام نے اپنے نئے معیار فضیلت پر جو سوسائٹی تعمیر کی، اس میں ایران کے سلمان بھی تھے جو اپنے آپ کو ابن اسلام کہتے تھے اور جن کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ سلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں۔ ان میں باذان بھی تھے جن کا نسب شاہان ایران سے جا ملتا تھا۔ ان میں حبشہ کے بلال بھی تھے جن کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"بلالؓ ہمارے آقا کے غلام اور ہمارے آقا ہیں"

ان میں روم کے صہیبؓ بھی تھے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ امامت کے لیے کھڑا کیا تھا۔ ان میں حضرت ابو حذیفہؓ کے غلام حضرت سالمؓ بھی تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ:

"آج وہ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلافت کے لیے نامزد کرتا"

ان میں زیدؓ بن حارثہ ایک غلام بھی تھے جن سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی کی لڑکی کو بیاہ دیا تھا۔ ان میں حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ بھی موجود تھے جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لشکر کا سردار بنایا تھا جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ کبار موجود تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا کہ:

"اسامہ تجھ سے اور اس کا باپ تیرے باپ سے افضل ہے"

ایک غزوہ میں عبداللہ بن ابی مشہور منافق نے کہا:

"بخدا مدینہ پہنچ کر جو ہم میں عزت والا ہوگا وہ ذلت والے کو نکال باہر کرے گا"

اور جب اس بات کی خبر اس کے لڑکے حضرت عبداللہؓ کو ہوئی تو انہوں نے مدینہ پہنچ کر باپ کا راستہ روک لیا اور تلوار سونت کر کہا:

"تو مدینہ میں نہیں گھس سکتا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیں تو کہتا ہے کہ جو عزت والا ہے وہ ذلت والے کو نکال باہر کرے گا تو تجھے معلوم ہو کہ عزت صرف اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کے لیے ہے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ہی انہوں نے اپنے باپ کو شہر میں داخل

ہونے دیا تھا اس لیے کہ حقیقی عزت خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہی ہے۔

ایک موقع پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے کچھ سرداروں کو دعوتِ اسلام دے رہے تھے اور اس مجلس میں ابوجہل، عتبہ اور شیبہ جیسے اکابر قریش بھی موجود تھے تو حضرت ابنِ مکتومؓ نابینا صحابی تشریف لے آئے اور حاضرین کو نہ دیکھ سکنے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سردارانِ قریش کو دعوتِ اسلام دینے کے خیال سے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس پر تادیبی آیات نازل ہوئیں۔

یہ تھا وہ معاشرہ جو اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کے اصول پر تعمیر ہوا تھا۔ اسی اصول پر جب ایک اسٹیٹ وجود میں آئی تھی تو اس کے کارکن اس کے جج اس کے حاکم اور اس کے چپڑاسی تک بالکل مختلف نوعیت کے تھے۔ آج کا ایک جج بھی اپنے موجودہ اخلاق کے ساتھ اس اسلامی عدالت کا کلرک اور چپڑاسی بننے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اسلام جانی بوجھی اچھائیوں اور نیکیوں کو معروف کا نام دے کر ان پر انسان کو اکساتا ہے اور جو لوگ اس مقصد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں انہیں بھلے آدمی اور متقی قرار دیتا ہے اور اسی طرح وہ جانی بوجھی برائیوں کو منکر کا نام دے کر انسانوں کو ان سے روکتا ہے اور ان کا ارتکاب کرنے والوں کو برے لوگ اور فاسق و فاجر قرار دیتا ہے یہی وہ میزانِ فضیلت ہے جو اسلام نے زمانے کے سامنے پیش کی تاکہ بنی نوع انسان اس میں اپنے آپ کو تول سکیں۔ اسی میں تول کر وہ اپنے حاکموں اور نمائندوں کو مقرر کریں اور اسی میں تول کر وہ کسی کو معزز قرار دیں اور کسی کو گرا ہوا سمجھیں۔ یہ میزان ہی مساواتِ انسانی کی بہترین ضمانت ہے۔

اسلام نے یہ اصول ہمیشہ کے لیے مقرر کر دیا کہ دنیا کے امن اور فلاحِ انسانیت کے لیے

Marfat.com

اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ خدا سے ڈرنے والے اور آخرت میں جوابدہی کا پورا پورا احساس رکھنے والے لوگ سامنے آئیں۔ اور وہ لوگ پیچھے ہٹ کر رہیں جن کی ہوس کے سامنے فتنوں کے سارے دروازے کھلے اور جن کے دماغ شیطان کا گھونسلا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو تباہی سے بچانے کی یہی عملی تدبیر پیش فرمائی اور اس پر عمل کر کے دکھایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے قائم کردہ معاشرے میں عزت و ذلت اور فضیلت و مسکنت کے یہی پیمانے مقرر تھے اسی بدلے ہوئے معیار نے انسانیت کا معیار بدل ڈالا تھا اور لوگ معیارِ زندگی کی بجائے معیارِ اخلاق اور معیارِ انسانیت تلاش کرنے لگے تھے۔

Marfat.com

پانچواں باب

حق گوئی ـــــ جہادِ اکبر

اسلامی معاشرے میں اجتماعی زندگی کو پاک وصاف رکھنے، اس کی اخلاقی صحت کو بحال رکھنے اور اس کی اسلامی تربیت کے لیے تنقید واحتساب کا اہتمام نہایت ضروری ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قائم کردہ اسلامی معاشرے میں اس کا خصوصی اہتمام فرمایا تھا اور احتساب کی قوت کو ہمدردی کے جذبے کے ساتھ منسلک کر کے اسے ایک مثبت اور تعمیری کام بنا دیا تھا۔ آپؐ نے جو اسلامی معاشرہ قائم فرمایا اس کی خصوصیات میں حق گوئی کو بنیادی خصوصیت قرار دیا جا سکتا ہے۔ آپؐ نے معاشرے میں مداہنت کو ایک گھٹیا صفت قرار دیا حق گوئی کو جہادِ اکبر فرمایا۔ صداقت کو چھپانا شیطان کا فعل قرار پایا۔ خرابی اور بدی کا تدارک ہر فرد کا انفرادی فریضہ ٹھہرا اور ظلم وعدوان کے خلاف آواز بلند کرنا، حق پسندی کو فرد کی طبیعت کا جزو بنانا، حق گوئی کو مسلکِ عام اور جزوِ ایمان سمجھنا، ان امور کو معاشرے کی اجتماعی تربیت کا حصہ قرار دیا گیا۔ حق کو چھپانا اور منکر پر خاموش رہنا، گونگے شیطان کا فعل کہا گیا اور ایسے شخص کو قیامت کے دن آگ کی لگام لگانے کی دھمکی دی گئی جو اس کا مرتکب ہو۔ غرض اسلامی معاشرے کا ضمیر اس امر پر استوار کیا گیا کہ حق کی حمایت کی جائے چاہے وہ دشمن کی طرف سے ہی ظاہر کیوں نہ ہو اور ناحق کی مخالفت کی جائے چاہے وہ اپنے اندر ہی کیوں نہ پایا جاتا ہے۔

انسان کے اندر ضمیر معروف کے احکام کا پابند ایک نفسیاتی مقام ہے چنانچہ ضمیر کی آواز کے مطابق عمل کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ ضمیر کو دبانا اور اس کے خلاف کام کرنا سخت درجے کی کم ظرفی اور فطرتِ انسانی کا گھٹیا مظہر تصوّر کیا گیا۔ انسان کا ضمیر نیکی کی داخلی آواز ہے۔ غریب اور

مظلوم شخص کو دیکھ کر مدد اور رحم کا جو جذبہ انسان کے اندر اُبھرتا ہے اور اس کی دست گیری کے لیے انسان کے دل میں جو تڑپ پیدا ہوتی ہے وہ ضمیر کی پکار ہی ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص ضمیر کی آواز کو بار بار دباتا ہے تو دراصل وہ معروف اور نیکی کی آواز کو دبا کر اسے بے زبان کرتا ہے جس کے نتیجے میں انسان کے اندر نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کا احساس ہی مردہ ہوتا چلا جاتا ہے اس لیے اسلام ضمیر کو دبانا نہیں بلکہ ابھارنا چاہتا ہے تاکہ نیکی کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی رہے جو بدیوں کے خلاف انسان کی داخلی مزاحمت کی بہترین قوّت ہے۔

قرآن نے کہا:

وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ — اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو انسان کو اس کی برائیوں پر ملامت کرتا ہے۔"

(سورۃ قیامتہ: ۲)

مزید بتایا گیا کہ انسان کے اندر نیکی اور بدی کا پیمانہ باقاعدہ انسانی ضمیر کی صورت میں نصب کیا گیا ہے۔

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا۔ — ہر نفس میں اس کی بدی اور نیکی کو الہام کر دیا گیا ہے۔

(الشمس)

حضورؐ نے نیکی اور بدی کی تشریح کرتے ہوئے بھی فرمایا تھا:

"نیکی حُسنِ اخلاق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹک پیدا کرے اور تجھ کو پسند نہ ہو کہ تیرے اس کام کو لوگ جانیں۔"

اسی طرح ایک صحابی حضرت وابصہؓ سے نیکی اور بدی کی وضاحت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے وابصہؓ اپنے دل سے پوچھا کر، اپنے نفس سے فتویٰ لیا کر، نیکی وہ ہے جس سے دل اور نفس میں طمانیت پیدا ہو اور گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور نفس کو اُدھیڑ بن میں ڈالے۔ اگرچہ لوگ تجھے اس کا کرنا جائز ہی کیوں

نہ بنائیں۔“

انسان کی یہ داخلی کیفیات اس کے ضمیر سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔ یہی وہ خدا کا واعظ ہے جو انسان کے اندر پہرہ دینے کے لیے بٹھایا گیا ہے تاکہ اسے سیدھے راستے پر قائم رکھے اور دائیں بائیں بھٹکنے والے راستوں پر مڑ جانے سے روکے۔ اسی کی نشاندہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر فرمائی تھی۔

”جب تمہاری نیکی تم کو خوشی بخشے اور تمہاری بدی تم کو غمگین کردے تو تم مومن ہو۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کو داخلی طور پر اس طرز کی تعلیم دے کر اسے حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت کے لیے تیار کیا اور اسے ایک خاص سانچے میں ڈھالا جو باطل کے نقشے میں کبھی موزوں نہیں ہو سکتا۔ خالص مومن ہمیشہ اپنی فطرت کے زور سے ہی باطل کے خلاف کشمکش کرتا رہتا ہے۔ غرض جب ان تعلیمات کے ذریعے مومن کا مزاج حق پسندی، حق طلبی اور حق پناہی کے سانچے میں ڈھل گیا تو پھر اسے حق گوئی کا حکم دیا گیا۔ انفرادی حیثیت سے بھی اور اجتماعی حیثیت سے بھی۔ حضرت لقمان کی زبان سے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ۔ (لقمان ۱۷)	اچھی بات کا حکم دو اور بدی سے روک دو۔

مومنین کی معاشرے کے اندر یہ صفت بیان کی گئی:

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ (العصر)	وہ آپس میں حق کی نصیحت اور ثابت قدمی کی تلقین کرتے ہیں۔

مزید فرمایا:

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا	وہ آپس میں ثابت قدمی اور مہربانی کی

Marfat.com

بِالْمَرْحَمَةِ (بلد-۱) تلقین کرتے ہیں۔"

بہ حیثیت جماعت ان کا یہ فریضہ قرار دیا گیا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (آل عمران ۱۲)

"تم سب سے بہتر امت ہو جو لوگوں کو اچھی بات کا حکم دیتے ہو اور بُری بات سے روکتے ہو۔"

اسی لیے حضورؐ نے ہر ایک کو راعی (ذمہ دار) قرار دیا۔

كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته۔

تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی ذمہ داری کی نسبت باز پرس ہوگی۔

اس طرح حق گوئی کو انفرادی سے لے کر اجتماعی زندگی تک معاشرے میں ایک رواں دواں حقیقت ثابتہ اور افرادِ معاشرہ کی طبیعت ثانیہ کے طور پر جاری کر دیا گیا تاکہ اس کی مدد سے معاشرہ اپنے نظریاتی اور اسلامی موقف سے سرِ مُو ہٹ نہ سکے۔ ہر انحراف کو ٹوکنے والی اور ہر تجاوز و ترمیم کو رد کرنے والی زبان موجود ہو جو زندگی کا بڑے سے بڑا خطرہ مول لے کر بھی اس ترمیم و تجاوز و تحریف کی نشاندہی کرے۔ اسی لیے سلطانِ جابر کے سامنے کلمۂ حق کہنے کو جہادِ اکبر قرار دیا گیا اس لیے کہ سلطانِ جابر حق کے مقابلے میں ناحق کا پشتیبان بن جاتا ہے۔ اور اس کے سامنے کلمۂ حق ادا کرنے سے پورے معاشرے کے فرد فرد کے ضمیر میں قوتِ زندگی نمودار ہوتی ہے جو معروف کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انحطاط ایک معمولی سی کوتاہی کا مسلسل پرورش پاتے رہنا ہے اور پھر اس کی ممد و معاون کوتاہیوں اور خامیوں کا اس کے ساتھ اُبھرتے چلے جانا ہے اگر معاشرے میں یہ اہتمام ہو کہ ہر کوتاہی چاہے وہ کسی بھی مقام پر اُبھرے اسے روکا اور ٹوکا جائے تو جس

طرح باغ کی نلائی ہوتے رہنے سے وہ باغ آباد رہتا ہے۔ لیکن اگر کسی باغ کی دیکھ بھال نہ ہو رہی ہو اور اس میں ہر جنگلی گھاس پودے اور جھاڑی کے اُگنے پھیلنے پھولنے اور بڑھنے کی فضا سازگار موجود ہو تو وہ باغ ایک روز جنگل بن کر رہتا ہے۔ یہی حال معاشرے کی اجتماعی زندگی میں برائیوں کا ہوتا ہے۔ اگر تنقید و احتساب کا عمل جاری رہے تو معاشرہ اپنی اصل اور حقیقی نظریاتی بنیادوں پر معیار کے مطابق قائم رہتا ہے اور اگر یہ عمل رُک جائے تو بگاڑ مختلف صورتوں میں نمودار ہونے لگتا ہے۔ اسی لیے حق گوئی کو دنیا کے ہر معاشرے میں عموماً اور اسلامی معاشرے میں خصوصاً انتہائی قدر و منزلت کا بلند مقام دیا گیا ہے اور جو لوگ حق گوئی کے نتیجے میں مصائب سے دوچار ہوتے رہے ہیں تاریخ انسانی نے انہیں اعلیٰ انسانی اور اخلاقی مراتب پر فائز کیا ہے۔

بنی اسرائیل کے انحطاط اور اخلاقی تنزل کا ذکر فرماتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی مجلس میں فرمایا:

"بنی اسرائیل میں اخلاقی تنزل اسی طرح شروع ہوا کہ جب ان میں برائی پھیلنے لگی تو پہلے تو ان کے علماء نے انہیں منع کیا لیکن جب وہ باز نہ آئے تو وہ ان کے ساتھ بیٹھنے اُٹھنے اور کھانے پینے لگے۔ پھر صحبت کے اثر سے وہ بھی ویسے ہی ہو گئے۔ اور اللہ تعالےٰ نے داؤدؑ اور عیسیٰؑ کی معرفت ان پر لعنت کی۔"

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنبھل کر بیٹھ گئے اور فرمایا:

"ہرگز نہیں جب تک تم بھی ظالم کا ہاتھ نہ پکڑو اور اس کو حق پر جھکا نہ دو۔"

لیکن یہ کام حکمت و خوبی سے کرنے کا ہے۔

وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ۔ (النساء-۹)

اور تو ان کو نصیحت کر اور ان سے کہہ دلنشین بات۔

طاقتور کے لیے تو حق گوئی اس کے حکم کی حیثیت رکھتی ہے جس سے کسی کو بھی تاب

انکار نہیں ہوتی۔ درحقیقت حق گوئی کا حقیقی جوہر اس وقت کھلتا ہے جب وہ فرد کی طرف سے جماعت کے مقابلے میں، شہری کی طرف سے ریاست کے مقابلے میں، مظلوم کی طرف سے ظالم کے مقابلے میں اور کمزور کی طرف سے طاقتور کے مقابلے میں کی جاتی ہے۔ اسی وقت وہ ایک قابلِ تعریف اور قابلِ داد صفت بن کر نمودار ہوتی ہے۔ حق گوئی کی مزاحم قوت خوف ہے اور خوف کی موجودگی اور اس کے علی الرغم سچی بات کہہ دینے کا نام ہی حقیقی حق گوئی ہے۔

وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔ اور یہ لوگ (اہلِ ایمان) کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ (مائدہ ۸)

اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا:

"جب کسی کو کوئی حق بات معلوم ہو تو چاہیئے کہ اس کے کہنے سے انسانوں کا خوف مانع نہ ہو۔"

ایک اور موقعہ پر آپؐ نے فرمایا:

"کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو کیونکر حقیر سمجھ سکتا ہے فرمایا اس طرح کہ اس کو خدا کے بارے میں ایک بات کہنے کی ضرورت ہو اور وہ نہ کہے، ایسے شخص سے خدا قیامت کے دن کہے گا کہ تم کو میرے متعلق فلاں فلاں حق بات کے کہنے سے کس چیز نے روکا۔ وہ کہے گا کہ انسانوں کے خوف نے۔ ارشاد ہوگا کہ تم کو سب سے زیادہ میرا خوف کرنا چاہیئے تھا۔"

صحابہ کرامؓ بڑے بڑے ہیبت ناک اور ظالم بادشاہوں کے درباروں میں بھی جاتے تھے تو ان درباروں اور ان کے کرداروں کو وہ گڈے گڑیا کے کھیل سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ اسلامی ریاست کے سفیر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ایران کے دربار میں گئے تو بھرے دربار میں سے گزرتے ہوئے سیدھے بادشاہ کے تخت پر جا چڑھے اور اس کے کندھے

ساتھ کندھا ملا کر بیٹھ گئے۔ درباریوں نے یہ صورتحال دیکھ کر انہیں تخت سے نیچے اتار دیا تو کہنے لگے:

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم لوگوں نے اپنے بادشاہوں کو خدا بنا رکھا ہے ہمارا خلیفہ تو ہمارے درمیان ہمارے برابر بیٹھتا ہے۔"

حق گوئی کی اسی تربیت کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے اور اس کو ہاتھ سے مٹا دینے کی طاقت رکھتا ہو تو اسے ہاتھ سے مٹا دے۔ ورنہ زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے۔ لیکن یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"

آپؐ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ میں یوں تو ایک ایک فرد عزیمت اور حق گوئی کا ہمالیہ تھا لیکن حضرت ابوذرؓ غفاری کا مرتبہ بطور خاص نہایت بلند تھا۔ انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو اسے پوشیدہ رکھنا پسند نہ کیا۔ تنِ تنہا جا کر حرمِ کعبہ میں توحید کا نعرہ بلند کر دیا اور اس وقت تک خاموش نہ ہوئے جب تک مار کھاتے کھاتے بے دم نہ ہو گئے۔ اسی لیے ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابوذر سے زیادہ حق گو اور کوئی نہیں ہے۔"

حضرت ابوسعیدؓ خدری بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل خطبے میں فرمایا:

"ہوشیار رہنا۔ کہ کسی کی ہیبت تم کو اس حق بات کے کہنے سے باز نہ رکھے جو تم کو معلوم ہے۔"

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضرور کرتے رہو گے ورنہ یہ بعید نہیں کہ اللہ تعالےٰ

Marfat.com

تم سب پر اپنا عذاب نازل فرمائے تم اسے پکارتے رہو اور تمہیں جواب نہ ملے "

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا جسے حضرت عرس ؓ بن عمیرہ نے روایت کیا :

"جس کی موجودگی میں برائی عمل میں لائی جائے اور وہ اسے روکے تو اس کی موجودگی بھی غیر موجودگی کے برابر ہے اور جو اس برائی سے راضی رہا اور نہ ٹوکا تو اس کی غیر موجودگی بھی موجودگی کے برابر شمار ہوگی "

اعانت حق کا حکم دیتے ہوئے آپ نے فرمایا :

" جس کسی کے سامنے اس کے بھائی مومن کی تذلیل ہو رہی ہو اور وہ امداد کی قدرت رکھتا ہوا بھی اس کی مدد نہ کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے اسے رسوا کرے گا "

نیکی کا حکم دینے اور برائی کے تدارک کی کوشش کرنے کو اتنی اہمیت دی گئی کہ حضورؐ نے یہ رعایت فرمائی کہ اگرچہ کہنے والے کا نیکی پر عمل اور برائی سے اجتناب کامل نہ ہو تو بھی اُسے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا چاہیئے۔ حد یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک گروہ کا وجود ضروری قرار دیا گیا جو مستقل طور پر امت میں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے بچنے کی پیہم تلقین کرتا رہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى	تم میں سے ایک جماعت ضرور ایسی ہونی
الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ	چاہیئے جو خیر کی طرف بلائے معروف کا حکم
يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ	دے اور منکر سے روکے۔ ایسے ہی لوگ
الْمُفْلِحُوْنَ۔ (آل عمران ۱۰۴)	کامیاب ہونے والے ہیں۔

اور اگر پوری اُمت میں کوئی بھی حق گوئی کا یہ فریضہ سرانجام نہ دے رہا ہو تو پوری اُمت گنہگار قرار پاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ،

"نیکی کا حکم دیا کرو، ورنہ تم سے بدتر مخلوق تم پر حاکم بنا دی جائے گی اور پھر

Marfat.com

تم میں سے بہتر اشخاص کی دعائیں بھی قبول نہ ہوں گی۔"

حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"تمام شہیدوں میں سے افضل شہید وہ ہے جو ظالم بادشاہ سے احتساب کرے اور پھر اس میں مارا جائے۔"

چنانچہ قرآن نے حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت کا ذکر کرتے ہوئے تلقین حق کے کام کو عزم الامور میں سے قرار دیا ہے۔ یعنی کٹھن اور نہایت درجہ عزیمت کا کام۔ جس کے راستے میں تکلیف پہنچتی ہے اور جو راستہ صبر سے ہی طے ہو سکتا ہے اس لیے کہ دراصل یہ انبیاء کا راستہ ہے جس پر باہمت صالحین ہی چل سکتے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں:

"میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چند امور خیر کی وصیت کی۔ مجھے نصیحت کی کہ خدا کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں، اور مجھے نصیحت کی کہ حق بات کہوں خواہ وہ کڑوی ہی کیوں نہ لگے۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا:

"یقیناً آخر زمانہ میں میری امت کو ان کے بادشاہوں کی جانب سے سختیاں لاحق ہوں گی اس سے وہی شخص نجات پائے گا جس نے خدا کے دین کو پہچانا اور اس کے لیے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے جہاد کیا۔ بس یہی شخص ہے جس کے لیے خدا کی اطاعت اور دنیا و آخرت کی سعادت آگے بڑھے گی۔"

حق گوئی پر ابھارتے ہوئے آپؐ نے مزید فرمایا:

"جب تم دیکھو کہ میری امت ظالم کو ظالم کہنے سے ڈر رہی ہے تو سمجھ لو کہ

Marfat.com

کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی حفاظت اس پر سے اٹھا لی گئی ہے) ؂

اس طرح آپؐ نے اپنے قائم کردہ اسلامی معاشرے میں نیکی کو پروان چڑھانے، برائی کا قلع قمع کرنے اور تبلیغ (دین) حق کا سلسلہ جاری رکھنے کا ایک مستقل انتظام فرما دیا۔ آپ نے حق کی حمایت اور باطل کی مزاحمت کو اس امت کے فرد فرد کے مزاج میں راسخ کر دیا اور اس کے ذمے یہ فریضہ عائد کر دیا۔ اس کے نتیجے میں مسلم معاشرے کے اندر نیکیوں کے لیے فضا زیادہ سازگار ہو گئی اور برائیوں کے لیے ماحول زیادہ تنگ ہو گیا۔ اس کے ذریعے معاشرے کی مستقل قدریں وجود میں آئیں اور محفوظ ہو گئیں۔ حق گوئی کا مسلک اختیار کرنا معاشرے کے فرد فرد کا فریضہ ٹھہرا جس کے نتیجے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کردہ اسلامی معاشرہ ان پائیدار اخلاقی قدروں پر قائم بھی ہو گیا جو تا قیامت ناقابل تغیر ہیں اور ان قدروں کی حفاظت کا مستقل انتظام بھی کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرے کی حق گوئی اور حق پرستی کا ریکارڈ انسانی تاریخ میں اتنا درخشاں ہے کہ جس کی مثال دنیا کی کسی دوسری سوسائٹی کے پاس موجود نہیں ہے۔

Marfat.com

چھٹا بابؑ

استحصال سے پاک معاشرہ

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاشرہ قائم فرمایا اس کی بنیادیں عدل و احسان پر قائم تھیں۔ اس میں ظلم و عدوان اور استحصال و زیادتی کی مکمل بیخکنی کر دی گئی تھی۔ آج جاہلی سرمایہ داری اور اشتمالی جاہلیت کے زیرِ اثر انسانی معاشروں میں باہمی ظلم و زیادتی کی جتنی صورتیں موجود ہیں ان سب کا چن چن کر اوّل قدم پر تدارک کر دیا گیا تھا۔ غرض ہر قسم کے استحصال سے معاشرہ کو پاک کر دیا گیا تھا چاہے وہ انسان کے بنیادی شہری حقوق کا استحصال ہو یا معاشی وسائل کا ہو۔ معاشرتی درجہ بندی کا ہو یا سیاسی اختیار و اقتدار کا ہو۔ اسلام نے انسان پر سے انسان کی ہر نوعیّت کی خدائی کا خاتمہ کر کے اسے خالص اللہ کا بندہ بنا دیا اور ظلم و زیادتی کے عادی دوسرے انسانوں نے اپنے مختلف اثرات سے جتنے پھندوں میں مظلوم انسانوں کو جکڑ رکھا تھا ان میں سے ایک ایک پھندے کو توڑ کر اسلام نے انہیں آزاد کر دیا۔

عدل و انصاف کی روش پورے معاشرے میں فرد فرد کی مثالی روش قرار دی گئی۔ آپؐ نے معاشرے کے اندر اخلاقی ضوابط اور قانونی اصلاحات کے ذریعے عدل و انصاف کا حصول ہر شہری کے لیے نہ صرف ممکن بلکہ یقینی بنا دیا۔ قرآن نے دنیا کو بتایا کہ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو باہمی عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ (نحل: ۱۳۰)

گویا انفرادی رویے کے ساتھ پورے معاشرے کا رویہ بھی عدل و احسان پر مبنی قائم کیا گیا۔

اسلامی حکومت اس کی ذمہ دار ٹھرائی گئی کہ اسلامی معاشرے میں عدل واحسان کا دور دورہ قائم رکھے۔ عدل کو جاری اور احسان کو ہر فرد کا طرزِ عمل بنانے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے قانونی اصلاحات اور اخلاقی تعلیمات۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پہلوؤں سے اسلامی معاشرے میں عدل واحسان کا اہتمام کیا۔ جرائم کی سزا، اخلاقِ رذیلہ پر گرفت۔ اخلاق فاضلہ کی حوصلہ افزائی اور اخلاقی تعلیمات کا ہر سطح پر اہتمام کیا گیا۔ ساتھ ہی افراد کو باہمی ایک دوسرے کو معاف کرنے، عفو ودرگزر کرنے اور برداشت اور صبر کرنے کی بھی تلقین کی گئی۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔

اور البتہ جس نے صبر سے برداشت کیا اور معاف کیا تو وہ بے شک ہمت کے کام ہیں۔

(شوریٰ: ۴۳)

سورہ مائدہ میں مسلمانوں کو یہ اخلاقی تعلیم دی گئی۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کرے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو۔ یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔"

(مائدہ۔ ۸)

مسلمانوں کو ہر بات میں عدل وانصاف سے سچی گواہی دینے کا حکم دیا گیا۔

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ۔

اور جب گواہی دو تو انصاف کی بات کہو چاہے وہ قرابت مند ہی کیوں نہ ہو۔

(انعام: ۱۵۲)

سورہ النساء میں مسلمانوں کو اجتماعی زندگی میں عدل وانصاف اور حق گوئی وراستی کا یہ سبق سکھایا گیا:

Marfat.com

"اے ایمان والو، انصاف کی حمایت میں کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ کے لیے گواہ بنو اگرچہ تمہارا یا تمہارے والدین کا یا رشتہ داروں کا اس میں نقصان ہی ہو۔ وہ دولتمند ہو یا محتاج۔ اللہ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ بس تم انصاف کی بات کہنے میں اپنے نفس کی پیروی نہ کرو۔ اگر تم پہلو تہی کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔"

گویا معاملات یعنی دین، کاروبار، امورِ مملکت، انفرادی اور اجتماعی زندگی، ہر ہر مقام اور ہر ہر موقعہ پر عدل و انصاف اور راست گوئی اور راست روی کا رویہ اختیار کرنا مومن پر لازم کیا گیا ہے اور سچا مومن صرف اسی کو بتایا گیا جو عدل و انصاف کا یہ رویہ اپنوں اور بیگانوں کے درمیان ہمیشہ قائم رکھتا ہے۔ چاہے اس کی حق گوئی اور انصاف پسندی کی زد اس کے اپنے دوست احباب، عزیز و اقرباء، والدین اور خود اس کی اپنی ذات کے خلاف ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ کسی حالت میں بھی ایک مومن عدل کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ نہ وہ دولت کے رعب سے دولت مندوں کی طرفداری کرتا ہے اور نہ غریبوں کو حقیر جان کر دیدہ دلیری سے ان کی حق ماری کرتا اور ان کے خلاف ظلم و زیادتی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تیار کردہ انسان جو مومن ہے وہ کسی قسم کی بے انصافی اور استحصالی طرزِ عمل کو بھی پسند نہیں کرتا۔ اس کا رویہ مومنانہ شرافت اور دیانتدارانہ انصاف پسندی کا ہوتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے دو لڑنے والے فریقوں میں باہمی صلح کرا دینے کا حکم دیا ہے اور اگر ان دونوں میں سے ایک فریق زیادتی کر رہا ہو تو پھر اسلام نے کمزور اور مظلوم کی حمایت کا حکم دیا ہے یہاں تک کہ زیادتی کرنے والا فریق برابری کے ساتھ منصفانہ صلح پسندی کا رویہ اختیار کرے۔

قرآن میں حکم دیا گیا:

"اور اگر فیصلہ کرو تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا، کیونکہ اللہ انصاف

Marfat.com

کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" (المائدہ:۷)

عدل و انصاف سے بھی بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کے رویے کو معاشرے میں مثالی رویہ قرار دیا۔ وہ مومن جو محسن ہے وہ اللہ تعالٰی کا بہت زیادہ قرب رکھتا ہے۔ احسان کا طرزِ عمل دشمنوں کو بھی دوست بنا لینے والا ہوتا ہے۔ خود اللہ تعالٰی کا اپنے بندوں کے ساتھ احسان کا ہی طرزِ عمل ہے اور وہ اپنے بندوں میں احسان کرنے والوں کو زیادہ پسند کرتا ہے۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(آل عمران:۱۴)

اور ترغیب دی گئی کہ:

وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ۔ اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی دوسروں کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کر۔

(قصص:۸)

بھلائی کرنے اور معاشرے میں نیکی کو پھیلانے کا حکم دیا گیا:

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ۔ نیکی کا حکم دیجئے۔

(الاعراف:۲۴)

اور حضورؐ کا ارشاد ہے:

كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ۔ ہر نیکی صدقہ ہے۔

اور یہ صدقہ ہر مسلمان پر لازم کیا گیا ہے اس میں امیر و غریب کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" ہر مسلمان پر صدقہ فرض ہے "

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ اگر کسی کے پاس مال نہ ہو تو وہ کیا کرے"

حضورؐ نے فرمایا:

"وہ کمائے، خود فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی دے"

صحابہؓ نے عرض کیا:

"اگر اس میں کمانے کی قدرت نہ ہو یا وہ نہ کمائے"

آپؐ نے فرمایا:

"غریب حاجت مند کی اعانت کرے"

صحابہؓ نے کہا:

"اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو"

آپؐ نے فرمایا:

"تو پھر نیکی کے کرنے کا حکم دے"

صحابہؓ نے عرض کیا:

"اگر وہ ایسا بھی نہ کر سکے"

تو ارشاد ہوا کہ:

"پھر برائی سے باز رہے کیونکہ یہی اس کے لیے صدقہ ہے"

اس رویے کو باہمی اس درجہ عام کیا گیا کہ اسے اصول بنا کر جاری کر دیا گیا۔

هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ (الرحمٰن: ۶۰) بھلائی کا بدلہ کیا ہے مگر یہ کہ بھلائی کی جائے۔

یہ اصول پوری انسانیت پر محیط ہے اس میں مسلم و غیر مسلم اور اپنے بیگانے کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض داروں کا قرض معاف کر دینے کی ترغیب

Marfat.com

دی۔ قیدیوں کو چھڑانے اور ناداروں کی دست گیری کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ خدا قیامت کی تکلیف سے اس کو نجات دے وہ تنگدست کو مہلت دے یا اسے معاف کر دے۔ غرض اسلامی معاشرے میں دوسروں کے ساتھ بھلائی اور احسان کا رویہ اختیار کرنے کی ترغیب زندگی کے ہر شعبے اور ہر پہلو میں دی گئی ہے۔ پھر احسان کا یہ معاملہ بدلے کی نوعیت کا نہیں ہے بلکہ یہ فرد کے انفرادی اخلاق کا جزو ہے جو کسی دوسرے کے منفی طرزِ عمل سے ساقط یا مؤخر نہیں کیا جا سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے احسان کے حکم کی وضاحت کے لیے سوال کیا:

"یا رسول اللہ میں کسی شخص کے گھر کے پاس سے گزرتا ہوں تو وہ میری مہمانداری نہیں کرتا تو کیا اس کا گزر جب میری طرف سے ہو تو میں بھی وہی کج خلقی کروں"

آپؐ نے فرمایا:

"نہیں۔ تم اس کی مہمانداری کرو"

دوسرے موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"ایسے نہ بنو کہ خود تمہاری اپنی کوئی عقل ہی نہ ہو اور تم صرف دوسروں کی دیکھا دیکھی میں کام کرو۔ لوگ احسان کریں تو تم بھی احسان کرو اور لوگ ظلم کریں تو تم بھی بدلے میں ظلم کرو۔ نہیں تم اپنے آپ کو اس بات پر مطمئن کر لو کہ اگر دوسرے احسان کریں تو تم بھی احسان کرو لیکن اگر دوسرے برائی کریں تو تم بدلے میں ہرگز برائی اور ظلم نہ کرو" [1]

حقیقت یہ ہے کہ احسان اور نیکی کرنے کے لیے دولت کی نہیں دل کی ضرورت ہوتی ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لباس اور تمہارے

---

[1] جامع ترمذی شریف۔

Marfat.com

چہرے نہیں دیکھتا وہ تمہارے دل دیکھتا ہے۔ آپ نے تو ظالم رشتہ دار کے ساتھ بھی نیکی کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے آپؐ سے پوچھا:

"یا رسول اللہ مجھے ایمان کے ساتھ کوئی عمل بھی بتائیے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"جو روزی خدا نے تمہیں دی ہے اس میں سے دوسروں کو بھی دو۔"

اللہ تعالیٰ نے اسلامی طرزِ عمل میں مسلمانوں کی یہ رہنمائی فرمائی:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ۔ (مومنون: ۹۶) — اگر کوئی تمہارے ساتھ بدی کرے تو بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو جو بہت ہی اچھا ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو غیظ و غضب اور عیش کی حالت میں صبر کا اور نادانوں اور جاہلوں کی بدتمیزی کے مقابلے میں حلم و بردباری کا اور برائی کے مقابلے میں عفو و درگزر کا حکم دیا ہے بلکہ عفو و درگزر سے بھی آگے بڑھ کر برائی کا بدلہ نیکی کے ذریعے دے کر دشمن کے نفس کی اصلاح کا طریقہ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص باہمی عفو و درگزر کا رویہ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی عزت افزائی فرماتا ہے۔

چنانچہ سورہ النحل میں مسلمانوں کے متوازن اور پاکیزہ معاشرے کی اخلاقی بنیادوں کو اللہ تعالیٰ اس طرح استوار فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۔

اللہ تمہیں عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی اور بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم

Marfat.com

بنی لو۔" (النحل ۹۰)

اس آیت کے ذریعے اسلامی معاشرے کی چند خصوصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس میں عدل و احسان اور باہمی صلہ رحمی کو اوّلیت کا مقام دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تین چیزوں کے اہتمام سے پورے انسانی معاشرے میں خوشگوار ترین فضا پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر عدل کا جذبہ ہر شخص کے حقوق ادا کرنے کا اہتمام کرے۔ احسان کی روش ہر دل میں خوشگواری اور ہر حاجتمند کی دست گیری کرے اور باہمی صلہ رحمی کا طرزِ عمل محبت و الفت کے چشمے جاری کر دے تو اس معاشرے میں نیکیوں کے پھیلنے اور برائیوں کے دب جانے سے ایسی نیکی اور بھلائی کی فصل تیار ہوتی ہے کہ وہ معاشرہ زمین پر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ دورِ حاضر کے ایک مشہور اسلامی مفکر نے عدل کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"پہلی چیز عدل ہے جس کا تصوّر دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ سے دیا جائے۔ ہمارے ہاں عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لیے گئے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک افرادِ معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے۔ مثلاً حقوقِ شہریت میں۔ مگر بعض حیثیتوں سے مساوات بالکل خلافِ عدل ہے مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی اور اخلاقی مساوات۔ اور اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمت ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن و تناسب ہے اور اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی معاشرتی، معاشی، قانونی، سیاسی اور تمدنی حقوق پوری

ایمانداری کے ساتھ ادا کیے جائیں [1]

اس کے بعد انہوں نے احسان کی تشریح کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"دوسری چیز احسان ہے جس سے مراد ہے نیک برتاؤ۔ فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویّہ، رواداری، خوش خلقی، درگزر باہمی مراعات، ایک دوسرے کا پاس و لحاظ، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا۔ یہ انصاف سے زائد ایک چیز ہے جس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے۔ عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور اس کا کمال ہے۔ عدل اگر معاشرے کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوش گواریاں اور شیرینیاں پیدا کرتا ہے۔ کوئی معاشرہ صرف اس بنیاد پر کھڑا نہیں رہ سکتا کہ اس کا ہر فرد ہر وقت ناپ تول کر کے دیکھتا رہے کہ اس کا کیا حق ہے اور اسے وصول کر کے چھوڑے اور دوسرے کا کیا حق ہے اور اسے بس اتنا ہی دے دے۔ ایسے ایک ٹھنڈے اور کھرّے معاشرے میں کشمکش تو نہ ہو گی مگر محبت اور شکر گزاری اور عالی ظرفی اور ایثار و اخلاص و خیر خواہی کی قدروں سے وہ محروم ہی رہے گا جو دراصل زندگی میں لطف و حلاوت پیدا کرنے والی اور اجتماعی محاسن کو نشوونما دینے والی قدریں ہیں۔" [2]

پھر اس آیت میں دیے گئے تیسرے حکم صلہ رحمی پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا ہے:

---

[1] تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۵۶۵ - ۵۶۶ از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔

[2] تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۵۶۵ - ۵۶۶ از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔

Marfat.com

تیسری[1] چیز جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے وہ صلہ رحمی ہے۔ جو رشتہ داروں کے معاملے میں احسان کی ایک خاص صورت متعیّن کرتی ہے۔ اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ برتاؤ کرے اور خوشی و غمی میں ان کا شریک حال ہو اور جائز حدود کے اندر ان کا حامی اور مددگار بنے بلکہ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ ہر صاحبِ استطاعت شخص اپنے مال پر صرف اپنی ذات اور اپنے بال بچوں ہی کے حقوق نہ سمجھے بلکہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی تسلیم کرے۔ شریعتِ الٰہی ہر خاندان کے خوشحال افراد کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیتی ہے۔ کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑیں۔ اس کی نگاہ میں ایک معاشرے کی اس سے بدتر کوئی حالت نہیں ہے کہ اس کے اندر ایک شخص عیش کر رہا ہو اور اسی کے خاندان میں اس کے اپنے بھائی بند روٹی کپڑے تک کو محتاج ہوں۔ وہ خاندان کو معاشرے کا ایک اہم عنصرِ ترکیبی قرار دیتی ہے اور یہ اصول پیش کرتی ہے کہ ہر خاندان کے غریب افراد کا پہلا حق اپنے خاندان کے خوشحال افراد پر ہے۔ پھر دوسروں پر ان کے حقوق عائد ہوتے ہیں اور ہر خاندان کے خوشحال افراد پر پہلا حق ان کے غریب رشتہ داروں کا ہے پھر دوسروں کے حقوق ان پر عائد ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے اوّلین حقدار اس کے والدین اس کے بیوی بچے اور اس کے بھائی بہن ہیں۔ پھر وہ جو ان کے بعد قریب تر ہوں اور پھر وہ جو ان کے بعد قریب تر ہوں۔ اسی اصول کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک یتیم بچے کے چچا زاد بھائیوں کو مجبور کیا کہ وہ اس کی پرورش کے ذمہ دار

---

[1] تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۵۶۵ - ۵۶۶ از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

Marfat.com

ہوں اور ایک دوسرے یتیم کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر اس کا بعید ترین رشتہ دار بھی موجود ہوتا تو میں اس پر اس کی پرورش لازم کر دیتا ظاہر ہے کہ جس معاشرے کا ہر واحدہ (UNIT) اس طرح اپنے اپنے افراد کو سنبھال لے اس میں معاشی حیثیت سے کتنی خوشحالی، معاشرتی حیثیت سے کتنی حلاوت، اور اخلاقی حیثیت سے کتنی پاکیزگی و بلندی پیدا ہو جائے گی۔"

اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی زبان سے کہلوایا ہے:

وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔ (الشوریٰ: ۱۵)

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے یہ حکم تمام مومنین کو بھی دیا ہے گویا حضورؐ اور آپ کے واسطے سے تمام مسلمان اس امر پر مامور ہیں کہ وہ تمام قسم کی گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر بے لاگ انصاف پسندی کا رویہ اختیار کریں۔ کسی کے خلاف قطعاً کوئی تعصب نہ برتیں۔ سب انسانوں سے برادرانہ تعلق رکھیں جو سراسر عدل وانصاف پر مبنی تعلق ہو۔ حق بات کی حمایت کریں۔ چاہے وہ مخالفین کی طرف سے ہو اور خلافِ حق بات کی مخالفت کریں خواہ وہ اپنے قریبی احباب کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔ حق گوئی اور انصاف پسندی میں کوئی امتیاز نہ ہو۔ سب کے ساتھ یکساں سلوک ہو۔ اپنے اور غیر، چھوٹے اور بڑے، قریب اور دور، غریب اور امیر کسی کے ساتھ بھی امتیازی سلوک نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جو گناہ ہے وہ سب کے لیے گناہ ہے اور جو حرام ہے وہ سب کے لیے حرام ہے۔ اور بے اعتدالی اور بے انصافی کی روش سے مکمل اجتناب کیا جائے یہی عدل وانصاف کا رویّہ ہے اور یہی انسانی اور معاشرتی مساوات کا طرزِ عمل ہے۔

انسانی معاشرے میں عدلِ اجتماعی کا بہترین ذریعہ اسلام کی تعلیمات کا نفاذ ہے چنانچہ

Marfat.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی تعلیمات کے نفاذ کے ذریعے ہی ایسا عدلِ اجتماعی قائم فرمایا جس کی مثال دنیا کی کسی دوسری اجتماعیت میں زمان و مکان کے فرق کے باوجود آج تک کہیں نظر نہیں آئی۔ کہیں سرمایہ دارانہ طرزِ زندگی نے عدلِ اجتماعی کا ڈھونگ رچایا۔ اور فرد کو بے انتہا آزادی حریتِ فکر اور لبرل ازم وغیرہ کے نام سے دی گئی لیکن جب وہ اپنے نفس کے زور سے حدود و قیود کو پھاند کر معاشرے کے کمزور افراد کے لیے درندہ بن گیا تو اس درندے کے بنائے ہوئے شیطانی نظام نے زمین کو ظلم و ستم سے بھر دیا۔ سیاہ غلاموں کی آبادیاں اور علاقے آباد کیے گئے تاکہ وہ سفید آقاؤں کی خدمت سرانجام دیں۔ افریقہ میں بنی آدم کا لاکھوں کی تعداد میں اس طرح شکار کیا گیا جس طرح درندے ہرنوں اور خرگوشوں کا شکار کرتے ہیں۔ تہذیبِ جدید کے دعویداروں نے قومیت کی جنگیں، رنگ و نسل کے امتیاز اور زبان کے فسادات سے دنیا کو پہلی بار آشنا کیا اور جھونپڑیوں کو گرا کر اپنے محلات تعمیر کرنے اور انسانوں کو بھوکا مار کر اپنے کتوں کو مرغن غذائیں کھلانے کی تہذیب پرورش پا گئی۔ مجرموں کے سامنے انسانی معاشرے بے بس ہو گئے اور ان کی منہ زور بے لگام نئی نسلوں کے سامنے اس تہذیب و تمدن کے بوڑھے معمار جن کے دم قدم سے اس تہذیب نے عالمگیر ترقی کی تھی خود انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے اور سرمایہ دارانہ تہذیب بے کاری و عریانی، فحاشی و ظلم و جور، تباہ کن جنگیں اور اخلاقی تباہی کے سوا انسانیت کے سرمائے میں اور کوئی قابلِ ذکر اضافہ نہ کر سکی۔

اسی طرح اشتراکیت مساواتِ انسانی کا نعرہ لے کر انسانیت کے روگ مٹانے کے لیے اٹھی لیکن فرد کی بے بسی، معاشرے کی قید و بند، انسانی بنیادی حقوق کے اتلاف، چند افراد کی ملوکیت و جبریت، افسر شاہی، بے گار کیمپوں اور جاسوسوں کی فوجوں کو تیار کر کے انسانیت کو زندہ دفن کر گئی۔ ابنِ آدم اس کی تباہ کاریوں اور سنگدلیوں سے لاچار اور بے حد پریشان ہے اور اب اسے سر چھپانے کی جگہ اور ٹھنڈا سایہ کہیں میسر نہیں

آرہا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو بتایا کہ اس کے لیے عدل وانصاف صرف اسلام کی پیروی اور اپنے حقیقی مالک کی اطاعت میں ہے۔ اسلام نے ہی بتایا کہ عدل کیا چیز ہے اور اسے کس طرح قائم کیا جاسکتا ہے۔ انسانوں کا خالق ہی ان کے لیے عدل کا معیار مقرر کرسکتا ہے ورنہ انسان اپنی پیدائش کے ماحول میں اس طرح جکڑا ہوا ہوتا ہے کہ اس کا معیار عدل ضرور ہی کسی نہ کسی طرف جھکاؤ رکھتا ہے صرف تمام انسانوں کا مالک جو سب کے لیے مساوی ربوبیت اور خالقیت کا مظہر ہے۔ وہی عدل وانصاف پر مبنی نظام دے سکتا ہے اور اس کا دیا ہوا نظام وہی ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری وساری اور قائم کیا تھا۔ یہ پوری حقیقت نہیں ہے کہ اسلام میں عدل وانصاف ہے بلکہ پوری حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی عدلِ اجتماعی کا بہترین معیار قائم کرتا ہے۔ عدل اللہ اور اس کے رسولؐ کے سوا اور کہیں سے میسر نہیں آسکتا۔ اس لیے کہ تمام انسانوں کے درمیان عدل کا مقام صرف ان کے واحد مالک کو ہی حاصل ہے۔ عدل قائم کرنے کے لیے اسلام کا قیام ضروری ہے اور حضورؐ نے اسلام کو قائم کرکے حقیقتاً عدل کو ہی قائم کردیا تھا اس لیے کہ اسلام ہی نظامِ عدل ہے۔

اسلام فرد کی شخصیت کی نشوونما کرتا ہے۔ اسے توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد دے کر بے لاگ موحد اطاعت گزار بناتا ہے۔ اسے آخرت کا عقیدہ دے کر مسئولیت کا زبردست احساس اس میں پیدا کرتا ہے۔ اسے حقوق وفرائض کی ایک طویل فہرست دے کر اس کے ضمیر میں میزانِ عدل نصب کرتا ہے اور اسے معروف ومنکر کا شعور دے کر اسے بتاتا ہے کہ جو ایک شخص کے فرائض ہیں وہی دوسرے کے حقوق ہیں اور جو دوسرے کے حقوق ہیں وہی پہلے کے فرائض ہیں۔ اس طرح حقوق وفرائض کا سلسلہ باہمی تسبیح کے دانوں کی طرح پرویا ہوا ہے اور اگر ہر شخص اپنے اپنے فرائض ادا کرتا رہے تو معاشرے میں ہر ایک

کے حقوق ادا ہوتے رہتے ہیں اور فرض ادا کرنے کا حق بھی پورا پورا ادا ہو جاتا ہے۔ یہی عدلِ اجتماعی کا ایک درخشاں پہلو ہے۔ اس کے لیے ہر فرد کو متوازن اور معتدل آزادی اور حریت فکر و عمل درکار ہے تاکہ ہر فرد اپنی نیکی اور اپنی برائی کا خود ذمہ دار ہو۔ لیکن نہ اتنا بے لگام کہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح فرد بے لگام اور شہ زور گھوڑے کی مانند ہو کہ جس کو چاہے روند دے اور جس کھیت میں چاہے منہ مارے۔ اسے عدلِ اجتماعی نہیں اجتماعی بے لگامی و بے مہاری کہا جائے گا اور نہ اشتمالی نظام کی طرح ایسی جبریت ہو کہ انسان پنجرے میں بند پنچھی کی مانند بن کر رہ جائے جیسے صیاد کی طرف سے تڑپنے اور پھڑکنے کی بھی اجازت نہ ہو چاہے پنجرے میں دانہ دنکا ہی ڈالا جا رہا ہو۔ اسے عدلِ اجتماعی نہیں بلکہ ظلمِ اجتماعی بلکہ جبرِ اجتماعی کہا جائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی تعلیمات کے نفاذ سے ظلم و عدوان اور استحصال کی تمام صورتوں کا اسلامی معاشرے میں سے استیصال کر دیا تھا۔ جن بنیادوں پر آپ نے معاشرے کو قائم کیا اور چلایا اس میں کسی فرد کے لیے کسی دوسرے فرد کا یا کسی اجتماعی ادارے کو کسی فرد کا استحصال کرنے کی کوئی گنجائش نہ رہنے دی گئی تھی۔ آپ نے ظلم و استحصال کی جڑیں اکھیڑ دیں اور افراد کی اخلاقی تربیت اور عملی احکام کے ذریعے انہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی تھا اس کا استحصال کرنا اور اس کی حق تلفی کرنا دوسرے کے تصوّر میں بھی نہ آسکتا تھا۔ آپ نے خدا کی زمین پر ظلم و جور کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔ معاشرے میں عدل کی روایات قائم رکھنے کے لیے آپ نے خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے والوں کو ظالم قرار دیا۔ فواحش کا ارتکاب کرنے والے ظالم بتائے گئے۔ راہزنی کرنے والے، باہمی آپس میں اور اللہ تعالےٰ پر افترا کرنے والے بھی ظالم قرار پائے۔ اللہ کے نبیوں کو جھٹلانا ظلم شمار ہوا۔ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنا ظلم ٹھہرا۔ اللہ کی نعمتوں سے انکار ظلم ہوا۔ حقائقِ کائنات کے خلاف عقیدہ رکھنے والے، منافقین اور اللہ کے بندوں پر ظلم کرنے والے، سب ظالم قرار دیے گئے

Marfat.com

ندا کے قوانینِ عدل سے انحراف سراسر ظلم بتایا گیا۔ تعصب، ضد، ہٹ دھرمی اور عصبیت میں مبتلا لوگوں کو ظالم کہا گیا۔ خلافِ حق طرزِ عمل اختیار کرنا ظلم ٹھہرا۔ خدا کی دی ہوئی قوتوں کو غلط استعمال کرنے اور ان سے صحیح کام نہ لینے والوں کو ظالم بتایا گیا۔ عیش پرست، آرام طلب اور نیکی بدی کو بھول جانے والے لوگ ظالم قرار پائے۔ اللہ کے طریقِ عدل سے انحراف کرنے والے، اس کے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے، اللہ کے نظام سے انکار کرنے والوں سے محبت رکھنے والے، قرآن کی دعوتِ عدل سے منہ موڑنے والے اور اللہ و رسولؐ کی پیروی کو چھوڑ کر دوسروں کی پیروی کرنے والے سب ظالم قرار دیے گئے اور ظالموں کے لیے دنیا و آخرت میں خسران ہی خسران ہے۔ ان کے لیے فلاح نہیں ہے۔

ظلم عدل و انصاف کی مخالف صفت ہے اور اللہ تعالےٰ نے جو عادل و منصف ہے اس نے ظلم کو حرام قرار دیا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم کا ہاتھ پکڑ لینے کا حکم دیا ہے چاہے وہ اپنا بھائی بھی کیوں نہ ہو۔ ظالم کو ظلم سے روکنا مومن کے فرائض میں شامل ہے اور اس کے خلاف آواز بلند کرنا بہت بڑا جہاد ہے اس لیے کہ ظلم عدلِ اجتماعی میں رخنہ اندازی کرتا اور اس کی روح کے منافی فضا بناتا ہے۔

اس لیے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔ (شوریٰ:۴۰) بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

مظلوم کو حق دیا گیا ہے کہ وہ ظالم کی کارروائیوں کو کھل کر بیان کرے اور اس کے خلاف آواز بلند کرے۔ مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ ہے کہ وہ مل کر اس ظالم کو ظلم سے روکیں۔ اور اسے خدا کے قانون کے سامنے سرنگوں کریں۔ ظلم و عدوان کے کاموں میں عدم تعاون کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ان کی روک تھام کرنا بھی مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔

حضورؐ نے فرمایا:

"تم اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم"

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کی جا سکتی ہے لیکن ظالم کی مدد کیونکر کی جائے"

آپؐ نے فرمایا:

"اس کی مدد یہ ہے کہ تم اس کو ظلم سے روک دو"

دوسری جگہ حضورؐ نے فرمایا:

"اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ اے میرے بندو میں نے اپنے لیے اور تمہارے لیے آپس میں ظلم کو حرام کیا ہے تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو"

مزید فرمایا:

"ظلم سے بچو، ظلم قیامت کے دن ظلمات بن جائے گا"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے چاہیئے کہ وہ اس پر ظلم نہ کرے اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دے"

حضورؐ نے سات باتوں کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"مظلوم کی مدد کی جائے"

جب آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا امیر بنا کر بھیجا تو نصیحت کی:

"دیکھو مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں"

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا:

"جس نے اپنے بھائی کی آبرو یا کسی چیز پر ظلم کیا ہو تو اسے چاہیئے کہ آج ہی اس سے پاک ہو لے اس دن سے پہلے کہ اس کے پاس دینے کو نہ دینار ہوگا اور نہ درہم۔ ظلم کا بدلہ ظلم کے برابر دینا ہوگا۔ مظلوم کو نیکیاں دلوائی جائیں گی اور نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی بدیاں ظالم پہ لاد دی جائیں گی۔"

پھر فرمایا:

"ظالم کو خدا مہلت دیتا ہے اور پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔"

پھر فرمایا:

"اہلِ ایمان دوزخ سے پاک ہو چکیں گے تو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پُل کے پاس روکے جائیں گے۔ وہاں وہ دنیا میں ایک دوسرے پر کیے ہوئے ظلم کا بدلہ چکائیں گے۔ جب اس سے بھی پاک ہوں گے تب ان کو بہشت میں جانے کی اجازت ملے گی۔" [1]

غرض ظلم و زیادتی کے لیے اسلامی معاشرے میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور کوئی فرد ظلم کا رویہ اختیار کر کے معاشرے اور حکومت کے احتساب اور گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ اسی طرح استحصال بھی ظلم کی ہی ایک صورت ہے۔ جب ایک شخص اپنے عہدے، منصب، مالی پوزیشن، قوت و اختیار اور معاشرے میں مقام سے فائدہ اٹھا کر اپنے سے کم تر یا کمزور تر فرد کا استحصال کرتا ہے تو ایسے فرد کو اسلامی معاشرہ رنگے ہاتھوں پکڑ کر احتساب عامہ یا حکومت کے حوالے کر دیتا ہے۔ اگر ایک خلیفہ کے کندھے پر بھی ایک کی بجائے دو چادر کا لباس نظر آجائے تو معاشرے کا غریب ترین فرد اٹھ کر اس پر گرفت کر سکتا

---

[1] سیرت النبی جلد ششم ص ۳۴۲ - ۳۴۳ از سید سلیمان ندوی۔

Marfat.com

ہے اور خلیفہ جوابدہی کے ذریعے معاشرے اور افراد کو مطمئن کیے بغیر اپنا قدم آگے نہیں اٹھا سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے میں فرد فرد کے حقوق مقرر فرما دیے ہیں۔ تاکہ کسی کا حق بھی بے جواز نہ رہے۔ ہر حق کے پیچھے قانون کی ریاستی یا معاشرے کی اخلاقی قوت کو کھڑا کر دیا گیا ہے تاکہ وہ حق پوری دیانتداری اور شرافت سے ادا کیا جائے اور کسی کو بھی دوسرے کے حقوق کو غصب کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ غریب کا امیر پر حق، محروم کا مالدار پر حق، سائل کا صاحبِ استطاعت پر حق، والدین کا اولاد پر حق، قرابت داروں کا قرابتداروں پر حق، پیداوار کا کاٹنے والوں پر حق، مسکین، مسافر، قیدی، محتاج، یتیم، فقیر بے نوا، اہلِ حاجت اور بے استطاعت کا پورے معاشرے اور حکومت پر حق۔ پھر ہمسائے کا ہمسائے پر، بیوی کا شوہر پر، مسافر کا دوسرے مسافر پر، ملاقاتی کا ملاقاتی پر، اور پالتو جانوروں کا پالنے والوں پر، حد یہ ہے کہ انسان کی جان کا، اس کے بدن کا اس کے اعضاء کا اس پر حق یوں حقوق کا دائرہ پھیلتا چلا گیا ہے اور جو شخص جس مقام پر بھی ان حقوق کو تلف کرنے کی سعی کرتا ہے وہاں وہ ظلم کا ارتکاب کرتا ہے اور جہاں ایک ظلم ہوتا ہے وہاں بیسیوں ہاتھ آگے بڑھ کر ظالم کا ہاتھ پکڑتے ، اسے ظلم سے باز رکھتے اور اسے حقدار کو اس کا حق پہنچانے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس طرح اسلامی معاشرے میں ظلم و عدوان اور زیادتی و استحصال کا کلیتہً خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی اسلام نے مختلف تدابیر سے ظلم و عدوان اور استحصال کا تدارک کیا ہے چونکہ استحصال کا زیادہ تر تعلق معاشی دائرے سے ہے اور مالی قوت کے زور سے لوگ دوسروں کے حقوق غصب کرنے کا کام زیادہ آسانی سے کر سکتے ہیں اور دوسرے جاہلی معاشروں میں کرتے بھی رہتے ہیں۔ اس لیے اسلام نے معاشی دائرے میں بھی استحصال کا پوری طرح استیصال کیا ہے۔ اس سلسلے میں مختلف تدابیر سے ظلم و زیادتی اور

بے جا عدم تفاوت کا علاج کیا گیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا طریقہ یہ رکھا کہ ہر حاجت مند کو بھرپور دیا۔ لوگ آتے اور لاد لاد کر لے جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت المال میں کوئی شے بھی لوگوں سے بچا کر رکھنا پسند نہ فرماتے تھے جب تک سب کچھ تقسیم نہ کر دیتے اس وقت تک آرام نہ فرماتے۔

حضرت ابوبکرؓ کی رائے یہ تھی کہ:

"ہم لوگ اللہ کے لیے اسلام لائے ہیں اور ان کے اجر بھی اس کے ذمے ہیں وہ قیامت کے دن انہیں پورا پورا اجر عطا کرے گا۔ دنیا قدر و کفایت سے زیادہ نہیں۔"

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ بالعموم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہی ہر کسی کو ضرورت بھر دیتے اور کسی میں کوئی امتیاز نہ کرتے۔ اس طرزِ عمل کے لیے ان کی ذاتی رائے بہت بڑی سند تھی۔

حضرت عمر فاروقؓ کی رائے یہ تھی کہ:

"جن لوگوں نے رسول اللہ کے خلاف جنگ کی ہے ان کو میں ان لوگوں کے مثل قرار نہیں دوں گا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر جنگ کی ہے۔"

حضرت عمرؓ کی یہ رائے بھی وزنی تھی چنانچہ وظائف مقرر کرنے میں حضرت عمرؓ بدری اور غیر بدری صحابی کا امتیاز کرتے تھے۔ لیکن آخری عمر میں حضرت عمرؓ نے اپنی اس رائے سے رجوع کر کے مساوی وظائف بلا امتیاز دینے کا طرزِ عمل قبول کر لیا تھا۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا کہ وظائف بلا امتیاز بقدر ضرورت دیئے جائیں چنانچہ حضرت علیؓ نے اپنے وظائف مقرر کرنے کا اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا:

Marfat.com

"سنو، رسول اللہ کے صحابیوں میں سے مہاجر یا انصاری، جو شخص بھی یہ رائے رکھتا ہو کہ صحبت کی بنا پر انہیں دوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل ہے تو اسے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ فضیلت کل کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کام آئے گی اور اس کا اجر و ثواب بھی وہی دے گا۔ خوب سمجھ لو کہ جس شخص نے بھی اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہی، ہماری ملت کی تصدیق کی۔ ہمارے دین میں داخل ہوا اور ہمارے قبیلے کی طرف رُخ کیا اس نے اپنے اوپر اسلام کے حقوق و فرائض عائد کر لیے۔ دراصل تم سب اللہ کے بندے ہو اور یہ مال اللہ کا مال ہے جو تمہارے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا جائے گا اس کے معاملے میں کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے البتہ متقی لوگوں کے لیے اللہ کے پاس بہترین جزا موجود ہے۔"

جہاں تک عملی معاشیات کا تعلق ہے، تجربات نے جو بات اسلامی معاشرے کے مختلف تجرباتی ادوار میں لاکر سامنے رکھی وہ یہ ہے کہ:

★ غریب لوگ اسلام میں پیش قدمی کرنے والوں کے مقابلے میں مالِ عام کے زیادہ حقدار ہیں اس لیے کہ ضرورت ہی حق کو پیدا کرتی ہے۔

★ اسلامی معاشرے میں یہ امر کسی درجے میں پسندیدہ نہیں ہے کہ ایک طرف دولت جمع ہو رہی ہو اور دوسری طرف یکسر محرومی ہو۔ صاحب امر کو ایسی کسی صورتِ حال کو درست کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر کی فے کو تمام تر فقراء اور مہاجرین میں ہی تقسیم کر دیا تھا تاکہ معاشی توازن معاشرے میں درست ہو جائے۔ قرآن نے بھی یہی حکم دیا ہے کہ:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ تاکہ مال و دولت صرف تمہارے مالداروں

اَلْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ۔ کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے۔

* اسلامی معاشرے میں محصول بھی لوگوں کے مالی حالات کے تناسب سے ہی لگایا جاتا ہے تاکہ کوئی شخص بھی بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہ جائے۔

* ہر شخص کو اس کے کام اور صلاحیت کے مطابق معاوضہ دینے کا اصول طے کیا گیا لیکن اسی کے پہلو بہ پہلو یہ اصول بھی قائم کیا گیا کہ ہر شخص کو اس کی ضروریات کے مطابق دیا جائے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ فے میں سے مجرد کے لیے ایک اور شادی شدہ شخص کے لیے دو حصّے مقرر فرمائے۔ گویا محنت کے ساتھ حاجت کا اصولِ کفالت بھی معاوضوں کے تعیّن اور وظائف کے تقرر میں ملحوظ رکھا جاتا تھا یہی وہ عدلِ اجتماعی ہے جس کی دنیا کی کسی سوسائٹی میں بھی نظیر موجود نہیں ہے۔

* اسلامی معاشرے میں یہ اصول ہمیشہ کے لیے مقرر کر دیا گیا کہ مال کہاں سے حاصل ہوا اور کن مصارف میں خرچ کیا گیا۔ تاکہ حرام مال آنے اور حرام راستے پر جانے کے تمام راستے مسدود کر دیے جائیں۔

* اصولِ زکوٰۃ کا نفاذ کیا گیا جس کے ذریعے معاشرے کے تمام حاجت مندوں کو سنبھالنے کا مؤثر انتظام کر دیا گیا اور معاشرے کا کوئی فرد بھی جو اجتماعی دست گیری کا مستحق ہو اسے تھامنے کا مؤثر اہتمام کیا گیا۔ زکوٰۃ کو جزوِ دین بنایا گیا۔

* اجتماعی کفالت کا اصول اتنا مؤثر انداز میں نافذ کیا گیا کہ جس بستی میں کوئی شخص بھوک کی وجہ سے موت کا شکار ہو جائے اس بستی پر اس شخص کی اجتماعی دیت عائد کی گئی یہ فوجداری قانون انسانیت کا احساس زندہ رکھنے کے لیے مقرر کیا گیا وہ لوگ قابلِ سزا شمار کیے گئے جن کی موجودگی میں ایک انسان کی جان تلف ہو

Marfat.com

گئی تھی۔

اسلامی معاشرے میں معاشی توازن اور مالی اعتدال برقرار رکھنے کے ان مثبت اقدامات کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کو افراط و تفریط سے بچانے اور اس کے اندر پاکیزہ ماحول قائم رکھنے کے لیے ایسے اقدامات بھی کیے جن کی حیثیت حفظِ ماتقدم اور امتناعی تدابیر کی تھی تاکہ معاشرے میں معیارِ زندگی کی مسابقت، دلوں کی جلن، رشک و حسد کے جذبات کی پرورش اور اوپر کی طرف دیکھنے اور ترسنے کی کیفیت نہ پیدا ہونے پائے۔

آپ نے زمین میں سے پیدائشِ رزق کا حق سب کے لیے پیدائشی حق قرار دیا۔ اس حق سے کسی کو بھی محروم نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ کسی کو دوسرے پر ترجیح حاصل تھی۔ کسی انسان کو بھی از روئے قانون اس امر کا پابند نہ کیا گیا کہ وہ جائز وسائلِ رزق میں سے بعض کو استعمال کرنے کا حقدار ہی نہ ہو یا بعض پیشوں کا دروازہ اس کے لیے بند کر دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پیشے یا ذریعہ معاش پر کسی کی اجارہ داری قائم نہ رہنے دی۔ اجارہ داری کو ممنوع قرار دے دیا گیا اور تمام چیزوں اور تمام پیشوں پر تمام انسانوں کا یکساں حق تسلیم کیا گیا۔ ہر جائز معاشی کام کے دروازے ہر شخص پر کھول دیے گئے۔

اسی طرح فطری ذرائع رزق بھی سب کے لیے یکساں طور پر کھلے قرار دیے گئے۔ فطری ذرائع پر نہ کسی کی اجارہ داری قائم ہو سکتی تھی اور نہ ان پر ایسی پابندیاں لگ سکتی تھیں کہ اللہ کے بندے ان سے مستفید نہ ہو سکیں۔ وسائلِ رزق سے استفادہ اور مواقعِ حصولِ رزق کی مساوات ہر شخص کے لیے قابلِ حصول رکھی گئی۔ معاشی جدوجہد میں بے رحم مسابقت کی بجائے ہمدردانہ معاونت و موافقت و رفاقت کی فضا قائم کی گئی۔ اجتماعی ظلم و زیادتی کا سدِّباب کیا گیا۔ تعیشات اور نفس پرستانہ اور خود غرضانہ عیش پسندی کو رد کا گیا۔ سرمایے کی حیثیت قاضی حاجات اور پرستش سے گرا کر انسانی ضروریات میں

ایک ضرورت کی سطح پر لائی گئی۔ انسان کی قدر و قیمت کو سرمائے سے بڑھایا گیا۔ طبقاتی معاشرہ پیدا ہونے کا سدّباب کیا گیا۔ انسانوں کی درجہ بندی مال و دولت کی بجائے نیکی اور بدی کی بنا پر قائم کی گئی تاکہ معاشرے میں نیکی قابلِ رشک اور بدی لائقِ نفرت فعل قرار پائے جس سے معاشرے کا اخلاقی درجہ روز بروز ترقی کرتا چلا جائے۔ معاشی نظام اور سیاسی اختیارات پر چند افراد کی اجارہ داری کلیتہً ختم کر کے آزاد مسابقت کی کھلی معیشت اور سیاست میں مشاورتی ڈھانچہ قائم کیا گیا۔ کسی نوعیت کے طبقاتی سماج پیدا ہونے کا کلّی تدارک کر دیا گیا۔ وہ سارے عوامل جو انسان اور انسان میں فرق کرنے اور انہیں طبقات میں تقسیم کرتے ہیں ان کا استیصال کیا گیا۔ انسانی شخصیت کے نشوونما کا پورا اہتمام کیا گیا اور اس کی شخصیت کے نشوونما میں جبریت کے دباؤ کا کلّی خاتمہ کر دیا گیا۔ مالیاتی جدّوجہد میں جائز و ناجائز کی حدود متعین کر کے معاشرے کی اخلاقی قیمت پر بے لگام اور اندھا دھند سرمایہ کمانے کا رجحان ختم کر دیا گیا۔ بخل اور ذخیرہ اندوزی کی شدید مذمت کی گئی اور دولت کو گردش میں رکھنے کا اصول رائج کیا گیا۔ مالی کفاروں کے ذریعے بھی مساکین اور حاجتمندوں تک مال پہنچانے کا انتظام کیا گیا۔ تقسیمِ وراثت کے ذریعے دولت کے سمٹاؤ کو وقفے وقفے کے بعد منتشر کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے میں ایسی معاشی اسکیم جاری کی جس میں ایک طرف معاشی انصاف کا اہتمام اور معاشی ظلم و زیادتی اور بے جا استحصال کا سدّباب کیا گیا تو دوسری طرف اخلاقی فضائل کے نشوونما پانے کی فضا پیدا کی گئی۔ اخلاقی اور معاشی اقدار کو باہمی اس طرح ایک دوسرے سے ہم آہنگ کیا گیا کہ معاشی بے انصافی اخلاقی دیوالیے پن کی علامت اور معاشی استحصال اخلاقی گمراہی کا سبب قرار دیا گیا۔ فرد کے حقِ ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے معاشرے کے مفاد کی خاطر اس پر موزوں حدود و پابندیاں بھی لگائی گئیں اور اس پر بے شمار نوعیت کے حقوق و فرائض بھی قائم کر دیے گئے۔

Marfat.com

دولت کے بہاؤ کو غلط سمتوں سے ہٹا کر جائز اخراجات اور صحت مند گردش کی طرف موڑ دیا گیا۔ مال کو جمع کر کر کے رکھنے کی ممانعت اور خرچ کرنے کا حکم دیا گیا۔ فردکی معاشی جدوجہد کو جو حدودِ حلال کے اندر ہو، آزادی کی ضمانت دی گئی۔ اخلاقی اور مادی ترقی کو ہم آہنگ کیا گیا۔ محنت، سرمایہ اور تنظیم کو وسائل رزق میں برابر کی اہمیت دی گئی اور تینوں عوامل کو پیدائشِ دولت میں مساویانہ حیثیت کا حامل قرار دے کر ان میں باہمی حصہ داری کو انصاف کے اصولوں پر قائم کیا گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قائم کردہ اسلامی معاشرے کو ظلم و عدوان اور معاشی استحصال کی تمام ممکن صورتوں سے بھی محفوظ کرنے کا انتظام فرمایا۔ آپ نے سرمائے کے ارتکاز کو روکنے اور اسے ہمیشہ از ہمیشہ گردش میں رکھنے کی تدابیر اختیار فرمائیں۔ نجی ملکیت کو بے لگام چھوڑنے کی بجائے اسے مصالح ملی کو فروغ دینے کا ذریعہ بنایا۔ ہر نوعیت کے استبداد کو روکا۔ سود جو استحصالِ زر کی بدترین صورت ہے اسے کلیتہً حرام قرار دے کر اس کے وجود کو خدا اور رسول کے خلاف جنگ کے مترادف قرار دیا۔ کسبِ معاش کے حدود متعین کیے، سارے ناجائز اور ظلم کے ذرائع آمدنی کو حرام قرار دیا۔ مصارف میں اعتدال کا راستہ متعین فرمایا۔ اخلاقی ضوابط سے معاشی زندگی کو ہم آہنگ کر کے اسے صحیح رُخ پر ڈال دیا۔ حلال و حرام کی حدود مقرر کر کے بہت سے غیر صحت مند کاروبار بند کر دیے گئے جو صرف لوگوں کے بگاڑ کے سبب نفع کمانے کا ذریعہ بنتے تھے۔ صرفِ مال پر پابندیاں لگائی گئیں اور ان کی حدود متعین کی گئیں۔ خدا کی راہ میں انفاق پر زیادہ سے زیادہ زور دیا گیا اور ہر اس خرچ کو خدا کی راہ کا خرچ قرار دیا گیا جو دوسروں کی فلاح و بہبود کے لیے کیا گیا ہو۔ لین دین میں خوش معاملگی کو رواج دیا گیا اور قرض حسنہ کی ترویج کی گئی۔ قرضوں کو ادا کرنے کی تاکید کے ساتھ ساتھ قرضوں کو معاف کر دینے کی طرف بھی لوگوں کا رخ موڑا گیا۔ مال کو بے جا ضائع کرنے کی ممانعت کی گئی۔ غیر شرعی مصارف پر

مال صرف کرنے کو بھی روکا گیا۔ کسی ملکیت کے مضرت رساں استعمال پر پابندی عائد کی گئی۔ اموال پر دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام وانتظام کیا گیا۔ بلند وبالا عمارتیں تعمیر کرنے کی ہمت شکنی کی گئی۔ مال ضائع کرتے اور دوسروں سے کثرت سے سوال کرنے کو بھی منع کیا گیا۔ فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا۔ بہت گھٹیا لباس جو بخل کی علامت ہے اور بہت بڑھیا قیمتی لباس جو عیش پسندی اور تکبر کی علامت ہے دونوں کے استعمال سے منع کیا گیا۔

حضورؐ نے فرمایا:

"خبردار، عیش کوشی سے اجتناب کرنا کیوں کہ اللہ کے اچھے بندے عیش کوش نہیں ہوتے۔"

خلیفہ راشد حضرت عمرؓ نے اپنے ایک عامل کو لکھا:

"خبردار، عیش کوشی سے اجتناب کرنا اور اہلِ شرک کی پوشاک سے اور ریشم کا لباس پہننے سے۔"

دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں پتھر اور مٹی کو کپڑے پہنانے کا حکم نہیں دیا ہے۔"

قرآن مجید نے کہا:

"آگاہ رہو کہ دنیا پرستی کی زندگی لہو ولعب، بے جا زینت و آرائش، باہمی منافرت اور مال و اولاد کے اعتبار سے ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کا نام ہے۔" (الحدید: ۲۰)

چنانچہ مردوں پر سونا اور ریشم حرام قرار دیا گیا۔ حضورؐ نے فرمایا:

"ریشم اور دیباج کے کپڑے نہ پہنو، سونے اور چاندی کے برتنوں میں پانی نہ پیو، نہ ان سے بنے ہوئے بڑے بڑے پیالوں میں کھانا کھاؤ۔"

Marfat.com

ایک بار حضرت عمرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک نہایت اعلیٰ درجے کا ریشمی جبّہ لائے تاکہ آپ اسے خرید لیں اور وفود کی آمد اور اہم مواقع پر پہنا کریں تو آپؐ نے وہ جُبّہ لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا یہ ان لوگوں کا لباس ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

اس طرح معاشرے میں اعتدال و توازن برقرار رکھنے کے لیے حضورؐ نے بہت سی معاشرتی ہدایات دیں۔

فرمایا:

"اسلام میں مضرت رسانی جائز نہیں ہے[۱]"

فرمایا:

جو کسی دوسرے کو نقصان پہنچائے گا اس کو اللہ نقصان پہنچائے گا اور جو کسی دوسرے کو تکلیف دے گا اس کو اللہ تعالےٰ تکلیف دے گا"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے روایت کیا کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا:

"جو کسی مومن کو نقصان پہنچائے یا اس کو فریب دے اس پر لعنت ہے"

مزید فرمایا:

"وہ شخص جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جس کے پڑوسی اس کی زیادتیوں سے محفوظ نہ ہوں"

صحابہ کرامؓ نے پوچھا:

"یارسول اللہ پڑوسی کا کیا حق ہے"

آپؐ نے فرمایا:

"اگر وہ تم سے قرض مانگے تو اسے قرض دو۔ تم سے مدد چاہے تو اس کی مدد کرو۔

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۸۔

ضرورت مند ہو تو اسے کچھ دو۔ بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کرو۔ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔ اسے کوئی فائدہ ہو تو تمہیں بھی خوشی ہو اور تم اسے مبارکباد دو۔ اس پر کوئی مصیبت آپڑے تو تمہیں بھی دکھ ہو اور تم اس کی تعزیت کرو۔ اسے اپنی ہانڈی کی خوشبو سے پریشان نہ کرو الّایہ کہ اس پکوان میں سے اس کے لیے بھی حصہ نکالو۔ اپنی عمارات اس کے مقابلے میں اتنی اونچی نہ اٹھاؤ کہ اس کے گھر میں جھانک سکو۔ نہ اپنی عمارت سے اس کے گھر کی ہوا روکو۔ الّایہ کہ تم نے اس کی اجازت حاصل کر لی ہو۔ اگر تم نے پھل خریدا ہو تو اس میں سے اس کو بھی تحفہ بھیجو ورنہ چھپا کر لاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ اس میں سے تمہارے بچے کچھ لے کر باہر نکلیں اور اس کے بچوں کو احساسِ محرومی کی وجہ سے غم و غصہ میں مبتلا کریں۔ میں جو بات کہہ رہا ہوں کیا تم اسے پوری طرح سمجھ رہے ہو؟ پڑوسی کا حق بس تھوڑے سے ہی لوگ ادا کر سکیں گے جن پر اللہ نے رحم فرمایا ہو۔" [1]

اسلامی معاشرے میں انسانوں کے ساتھ ظلم و زیادتی اور ان کی محنت و صلاحیت کے استحصال کی بات تو دور کی بات ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو جانوروں تک کے حقوق کو متعین اور مقرر فرمایا اور ان کی حق تلفی کو بھی معصیت قرار دیا ہے۔

حضرت سہیلؓ بن حنظلہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسے اونٹ کے پاس سے ہوا جس کی پیٹھ اس کے پیٹ کے ساتھ لگ گئی تھی۔ آپؐ نے دیکھ کر فرمایا:

"ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ جب تک یہ سواری کے قابل ہوں۔ ان پر سواری کرو اور ان کو اچھی حالت میں ہی اپنی خوراک بنالو۔" (ابو داؤد)

---

[1] اسلام کا نظریہ ملکیت حصہ اول صفحہ ۲۳۲-۲۳۳ از ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی۔

Marfat.com

بعض لوگ جانوروں کو چاند ماری یا تیر اندازی کی مشق کے لیے نشانہ بناتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سختی سے منع فرمایا۔ امام بخاری کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت بھیجی ہے جو کسی ذی روح چیز کو (مشق کی خاطر) اپنا ہدف بنائے۔

حضورؐ نے معاشرے کو بحران سے دوچار کرنے کی ہر صورت کا تدارک کیا۔

حضورؐ نے فرمایا:

"جو شخص مسلمانوں کے لیے اشیاء کے نرخ گراں کرنے کی غرض سے ذخیرہ اندوزی کرے وہ غلط کار ہے اور اللہ تعالٰے جل شانہٗ اس سے بری الذمہ ہے"

معقل بن یسار نے روایت کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص مسلمانوں کے بازار کے نرخ میں اس لیے دخل دے کہ اسے گراں کر دے تو اللہ تبارک تعالٰی کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن اسے زبردست آگ میں جھونک دے"

اسی طرح معاشی سرگرمیوں میں ہر نوعیت کی خیانت کو ممنوع قرار دیا گیا۔ دھوکا فریب، غلط بیانی، غلط اور مبالغہ آمیز اشتہار بازی، عیب والے مال کو چھپا کر اور اچھا بنا کر پیش کرنا۔ گھٹیا مال کو بظاہر بلند معیار بنا کر دکھانا۔ ناپ تول میں خیانت اور جعل سازی اشیاء خوردنی میں ملاوٹ اور خریداروں کو دھوکا دینے کی کوشش۔ مال کو مہنگا کر کے فروخت کرنا وغیرہ حضورؐ نے مال کو گردش میں رکھنے اور مستحق افرادِ معاشرہ سے تعاون اور ان کی مدد کرنے کے بارے میں فرمایا:

"اے آدم کے بیٹے تیرے لیے فاضل مال کا خدا کی راہ میں خرچ کر دینا بہتر ہے اور اسے روک لینا برا ہے۔ اپنی ضرورت کی تکمیل کرنے کی حد تک

تجھ پر کوئی ملامت نہیں اور خرچ کرتے ہیں ابتداء ان لوگوں پر خرچ کرلے سے کرو جن کی پرورش تمہارے ذمّے ہو اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔"

(مسلم)

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو بھی ہمراہ لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں کو بھی لے جائے۔"

زمین سے استفادے کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا:

"اپنی زمین اپنے بھائی کو کرائے کے بغیر دے دینا اس سے بہتر ہے کہ اس سے زمین پر ایک مقررہ لگان وصول کیا جائے۔"

(مسند امام احمد)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"اللہ تعالےٰ نے مالدار مسلمانوں پر ان کے مال میں اس قدر فرض کیا ہے جس سے ان کے اہلِ حاجت کی کفالت ہو جائے۔ فقراء اگر بھوکے اور ننگے رہنے کی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ تو اپنے معاشرے کے مالداروں ہی کے کرتوت کے نتیجے ہیں۔ آگاہ رہو اللہ تعالےٰ عزّ و جلّ یقیناً ان لوگوں سے سخت محاسبہ کرے گا اور انہیں دردناک عذاب دے گا۔"

آپؐ نے فرمایا:

"بندہ جب تک اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں لگا رہتا ہے۔"

مزید فرمایا:

Marfat.com

"جو تم سے اللہ کا واسطہ دے کر پناہ چاہے اسے پناہ دو اور جو تم سے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرے اسے دو۔"

اپنے بھائیوں کی مدد کرنے کی تاکید کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی سختی روا رکھی کہ آپؐ نے فرمایا:

"کوئی آدمی اپنے دوست کے پاس آئے اور اس سے اس کے فاضل مال میں سے کچھ مانگے اور وہ اسے دینے سے انکار کر دے تو قیامت کے دن اس کے لیے ایک بڑا سانپ بلایا جائے گا جو اپنے پھن نکال کر اس فاضل چیز کے پیچھے دوڑے گا جسے دینے سے انکار کیا تھا۔"

چنانچہ قرآن نے بھی ضرورت مند کے اس حق کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَفِیْٓ اَمْوَالِہِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (ذاریات: ۲۴) "اور ان کے اموال میں سائل اور محتاج کا ایک حق ہے۔"

اسلام میں معیاری طرزِ عمل یہ قرار دیا گیا ہے کہ انسان اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد اپنا باقی مال اہلِ حاجت کی حاجت روائی کے لیے وقف کر دے۔

وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔ (البقرہ ۲۱۹) اور یہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ راہِ خدا میں کتنا انفاق کریں ان سے کہئے کہ جو کچھ تمہاری اپنی ضروریات سے فاضل ہو۔

یہ تو افرادِ معاشرہ کے بارے میں احکام ہیں لیکن حکومت جو کسی معاشرے کا سب سے بڑا منظم ادارہ ہے اور اپنے باشندوں کی بھلائی اور برائی کے بارے میں دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ جواب دہ ہے اس کی ذمہ داری کفالت عامہ کے بارے میں سب سے بڑھ کر ہے چنانچہ حکومت کو باشندوں کی ضروریات کی کفالت کا پورا

طرح ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔

حضورؐ نے فرمایا:

"جسے اللہ عزّ وجلّ نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھ رہا اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔" (ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے اور رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل وعیال پر کرتا ہے۔"

حکمرانوں کی ذمہ داری بتاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس بندے کو خدا نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی وہ جنت کی خوشبو نہ پا سکے گا۔"

پھر فرمایا:

"جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست اللہ اور اس کا رسول ہے[1]"

اور "جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کی سرپرست حکومت ہے۔"

آپؐ نے عام اعلان فرمایا کہ:

"مجھے مسلمانوں کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ لگاؤ ہے۔ لہٰذا جو مسلمان قرض چھوڑ کر وفات پائے اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمے ہوگی اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کے لیے ہوگا۔"

---

[1] ترمذی ابواب الفرائض۔

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فتح قادسیہ پر عوام کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"مجھے اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی کسی کی کوئی ضرورت دیکھوں اسے پورا کر دوں جب تک کہ ہم سب مل کر اسے پورا کرنے کی گنجائش رکھتے ہوں لیکن جب ہمارے اندر اتنی گنجائش باقی نہ رہ جائے تو ہم امداد باہمی کے ذریعے گزر اوقات کریں گے یہاں تک کہ سب کا معیارِ زندگی ایک سا ہو جائے۔ کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا کتنا خیال ہے۔ لیکن میں یہ بات تمہیں عمل کے ذریعے ہی سمجھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنا کر رکھوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں۔ حکومت کی یہ امانت میرے سپرد کی گئی ہے اب اگر میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھوں بلکہ تمہاری چیز سمجھ کر تمہاری طرف واپس کر دوں اور تمہاری خدمت کے لیے تمہارے پیچھے پیچھے چلوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں میں سیر ہو کر کھا پی سکو تو میں تمہارے ذریعے فلاح پاؤں گا۔ اور اگر میں اسے اپنا بنا لوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور اپنے حقوق کے مطالبے کے لیے اپنے گھر آنے پر مجبور کر دوں تو تمہارے ذریعہ میرا انجام خراب ہو گا۔ دنیا میں کچھ عرصہ میں خوشی منا لوں گا مگر آخرت میں عرصۂ دراز تک غمگین رہوں گا۔ میرا حال یہ ہو گا کہ نہ کوئی مجھ سے کچھ کہنے والا ہو گا اور نہ کوئی میری بات کا جواب دے گا کہ میں اپنا عذر بیان کر کے معافی حاصل کر سکوں۔"[1]

---

[1] سیرت عمر بن خطاب ابن جوزی صفحہ ۳۔

Marfat.com

یہی احساس ذمہ داری تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معاشرے کے افراد میں پیدا کیا تھا جس کے نتیجے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں کہا کرتے تھے:

"اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بے سہارا ہونے کی وجہ سے مر جائے تو میرا خیال ہے کہ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلب کرے گا۔"

اسی عوامی بہبود، کفالتِ عامہ اور عدلِ اجتماعی کا احساس تھا جس کی شدت کے تحت حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا:

"اگر میں زندہ رہا تو ایک سال تک اپنی رعایا کے درمیان دورہ کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ عوام کی بعض ضروریات ایسی ہیں جن کی خبر مجھ تک نہیں پہنچ پاتی۔ ان کے مقامی حاکم ان کی ضروریات سے مجھے باخبر نہیں رکھتے۔ اور خود وہ لوگ مجھ تک نہیں پہنچ پاتے۔"

غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کردہ اسلامی معاشرہ توازن، اعتدال اور عدل و احسان کی انہیں اقدار کا حامل تھا۔ اس میں ظلم و عدوان اور کسی نوعیت کے استحصال کے لیے کوئی گنجائش موجود نہ تھی۔ وہاں عادلانہ تقسیم دولت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ دولت کو چند ہاتھوں میں مرکوز ہونے سے روکا گیا اور اسے گردش میں رکھنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وہاں مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کا پورا پورا حق ادا کرنے کا بندوبست موجود تھا۔ ظلم و استحصال کی تمام ممکنہ صورتوں کا استیصال کر دیا گیا تھا۔ تمام لوگوں کے لیے یکساں مواقع فراہم کیے گئے تھے اور انسانوں کے درمیان ہر نوعیت کی درجہ بندی اور رکاوٹیں ختم کر کے انہیں ابنِ آدم کی حیثیت سے مساوی

Marfat.com

سطح پر لا کر کھڑا کر دیا گیا تھا۔

یہ وہ انقلابی اور اسلامی معاشرہ تھا جس کے قائم ہونے پر دنیا نے محسوس کیا تھا کہ جس خدا کی بادشاہت آسمان پر قائم تھی اسی خداوندِ رحیم و کریم کی بادشاہت زمین پر بھی قائم تھی اور اس مالک کا قائم کردہ معاشرہ اور جاری کردہ نظام انسانیت کے لیے رحمت و ربوبیت کا بہترین مرقع تھا۔

Marfat.com

ساتواں باب

رسولِ اکرمؐ کا معیارِ زندگی

اسلامی انقلاب کے کامیاب ترین داعی اور دنیا کا سب سے عظیم جامع اور پُرامن انقلاب برپا کرنے والے، دنیا کو اخلاقِ فاضلہ سے متعارف و مزین کرنے والے، انسانیت کو اخلاقِ رذیلہ کی بیماریوں کے کوڑھ سے شفا عطا فرمانے والے، دنیا کو معاشی توازن کا اوّلین جامع اور مکمل تصوّر دینے والے، انسانوں کے درمیان معاشرتی اور انسانی سطح پر کامل مساوات قائم کر دینے والے، اللہ تعالےٰ کے عظیم ترین بندے اور انسانیت کے عظیم ترین رہنما و قائد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دینے کے بعد کہ ان سے بڑا کارنامہ دنیا میں اور کوئی انسان سرانجام نہ دے سکا۔ قیصر وکسریٰ کے دور میں رہتے ہوئے خود اپنے لیے کیا پسند فرمایا، اس پر ایک نظر ڈالیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رہائشی کمرے میں تشریف لے گئے تو انہوں نے وہاں دیکھا کہ:

"ایک طرف کھجور کی چٹائی پڑی تھی، ایک کونے میں تھوڑے سے جَو پڑے تھے۔ دیوار پر ایک بکری کی کھال لٹک رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر کھجور کی چٹائی کے نشان تھے اور جسم مبارک پر تہبند اور چادر تھی۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک رخ بیان فرماتی ہیں:

"میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فاقہ کی حالت دیکھ کر رو پڑا کرتی اور اضطراب

Marfat.com

سے آپؐ کے پیٹ پر ہاتھ پھیرتی جو فاقہ سے ایسا دب گیا تھا اور عرض کیا کرتی میری جان آپ پر قربان، خدا کے لیے دنیا میں سے اتنا تو قبول فرما لیجئے جو جسمانی قوت کو قائم رکھنے کے لیے کافی ہو، تو آپؐ فرماتے۔ عائشہؓ مجھے دنیا سے کیا کام، میرے بھائی اولوالعزم رسول تو اس سے بھی زیادہ حالت پر صبر کیا کرتے تھے۔ اور وہ اسی چال پر چلے اور خدا کے سامنے گئے اور خدا نے ان کو نوازا اور پورا بدلہ دیا۔ اب اگر میں آسودگی کی زندگی بسر کرتا ہوں تو مجھے شرم آتی ہے کہ کل میں ان سے کم رہ جاؤں۔ دیکھو جو چیز مجھے سب سے زیادہ پیاری ہے وہ یہی ہے کہ میں اپنے بھائیوں (سابق انبیا اکرام) سے جا ملوں۔" [۱]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عسرت بھری زندگی ایک اختیاری اور ارادی زندگی تھی اس میں معاشی حالت کی خرابی، مالی مشکلات کی دشواری، افلاس کی زیادتی اور روپے پیسے کی کمی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کا نقشہ تھا جبکہ آپؐ کی توجیں دنیا کو فتح کرنے کے لیے ہر چہار طرف آگے بڑھ رہی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر شاہانِ عالم کے درباروں میں رعب و دبدبے کے ساتھ اسلام قبول کرنے، اطاعت قبول کر کے خراجِ اطاعت یعنی جزیہ دینے یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جانے کے الٹی میٹم دے رہے تھے اسلامی تحریک عرب کی سرحدات کو عبور کر کے روم و فارس کی سرحدات کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یہ اس دور کی سب سے بڑی عظیم الشان سلطنتیں تھیں۔ خراج اور مالِ غنیمت مختلف فتوحات کے نتیجے میں مدینہ کے دارالخلافت کی طرف دریا کے دھارے کی طرح بہہ رہا تھا اور عسر کا دور ختم ہو کر یسر کا دور شروع ہو چکا تھا۔

---

[۱] رحمۃ اللعالمین جلد دوم صفحہ ۷۵

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک خوشحال گھرانے کے فرد تھے۔ بلا شبہ بچپن کے کچھ ایام انہوں نے والدین کی وفات کے سبب کچھ کچھ عسرت میں گزارے تھے لیکن ان کے دادا عبدالمطلب کو ان سے بے پناہ محبت تھی۔ لاڈ پیار میں وہ کسی ماں باپ والے بچے سے کم نہ تھے۔ جو ننھا بچہ بے تکلف دادا کی گدی پر چڑھ کر بیٹھ سکتا ہو، جب کہ اس وقت سردارِ قوم عبدالمطلب کی گدی پر چڑھ کر بیٹھنے کی کسی کو بھی جرأت نہ ہوتی ہو۔ اس سے دادا کی بے پناہ محبت کا کیا ٹھکانہ ہو سکتا ہے۔ کچھ دن آپ نے بکریاں بھی چرائیں جو نذرت کی طرف سے سنتِ انبیا ہے۔ جس سے انسان کی طبیعت صبر و تحمل، محنت و مشقت اور خاموشی و سکوت میں غور و فکر کی عادی ہو جاتی ہے۔ جب تک انسان آثارِ کائنات پر غور نہ کرے اور اس کی تخلیق کے بارے میں سوچ بچار نہ کرے وہ ان حقائق تک نہیں پہنچ سکتا جن حقائق پر اس کائنات کی سرشت رکھی گئی ہے۔ غور و فکر کے بغیر انسان مالکِ کائنات تک نہیں پہنچ سکتا۔ آیاتِ الٰہی قدم قدم پر اپنے خالق کی طرف خاموش اشارے کرتی ہیں لیکن ان اشاروں کو سمجھنے کے لیے یکسو دل اور پرسکون دماغ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ چیز فطرت کی کھلی گود میں بکریوں کے ریوڑ کے پیچھے یا درختوں اور پہاڑوں کے دامن میں انسان کو خوب حاصل ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس سوچ و بچار کے نتیجے میں پہلے خود توحید کا راز پایا تھا اور پھر اللہ کی طرف سے ہدایت کا علم حاصل کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک خوشحال اور کھاتے پیتے گھرانے کے فرد ہونے کے باوجود ان حالات سے دوچار ہوئے جن سے دوچار ہوئے بغیر آپ وہ ابتدائی اور فطری پیغمبرانہ تعلیم و تربیت حاصل نہ کر سکتے تھے جو مطلوب تھی۔ اس لیے آپ کو دادا کے انتقال کے بعد ایک ایسے چچا کی سرپرستی حاصل ہوئی جو دیگر چچاؤں کے مقابلے میں مالی لحاظ سے کمزور تھا لیکن جن کا دل رحم و محبت کا سرچشمہ اور جو اپنے پیارے یتیم بھتیجے کے لیے ہمہ پہلو شفقت و مرحمت کا مجسمہ تھا ان ایام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم چند سال بکریاں

Marfat.com

چرا کر ایک طرف اپنے محترم چچا کی آمدنی میں اضافہ کا باعث ہوئے اور دوسری طرف آپ کو شہر کی متمدن سوسائٹی سے جو کفر و شرک میں ملوث اور اخلاقی قدروں سے محرومی کے سبب بناؤ سے زیادہ بگاڑ کا باعث بنی ہوئی تھی، بچ کر فطرت کی گود میں رہنے کا موقعہ میسر آگیا آپ دن بھر بکریاں چراتے، شہر سے باہر پہاڑیوں میں گھومتے اور رات کو ریوڑ لے کر واپس آتے تو تھک کر آرام فرماتے۔ اس طرح اس سنتِ پیغمبرانہ نے آپ کو مکہ کی مشرکانہ اور کافرانہ سوسائٹی کے مسموم ماحول سے بچا کر پوری طرح فطرتِ ابراہیمی کے مطابق پالا۔ جب آپ ذرا بڑے ہوئے تو تجارت میں دلچسپی لینے لگے اور اپنے چچا کے ساتھ شام کی طرف تجارتی سفر میں بھی گئے۔ اس تجارتی تجربے اور شعور سے متاثر ہو کر مکہ کی نہایت مالدار اور صاحبِ ثروت خاتون خدیجہ الکبریٰ نے جو اپنے پاکیزہ کردار کے سبب طاہرہ کے نام سے موسوم تھی آپ سے اپنے کاروبار کی کارِ مختاری اور نفع میں شراکت کرنے کی درخواست کی جسے آپ نے اپنے چچا سے مشورے کے بعد قبول کر لیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم شعور کی اوّلین عمر سے کمار ہے تھے۔ محنت دیانت، شرافت مشفقت ذہانت اور اچھی شہرت جیسی صفات آپ کے پاس وافر تھیں۔ ان انسانی خصوصیات کے ساتھ انسان جس کاروبار میں جائے اس میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے لڑکپن سے نکل کر نوجوانی کی بالکل ابتدائی عمر میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے ساتھ کاروبار میں دلچسپی لینے اور ان کا ہاتھ بٹانے چلے آئے تھے۔ اس کے بعد چچا کے مشورے سے ہی حضرت خدیجہ طاہرہ کے کاروبار میں نگرانِ اعلیٰ اور شریک کار کی حیثیت سے شامل ہو گئے۔

اس کاروبار میں آپ کی دیانت اور امانت کا سکہ ایسا رواں ہوا کہ لوگوں کے درمیان آپ صادق اور امین کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ صادق اور امین کے خطاب جو آپ کو قوم نے دیے تھے یہ کسی گمنامی میں تو نہیں دیے گئے تھے بار بار کے معاملات

Marfat.com

دیکھ کر، ہرت کران کی ساکھ اور دیانت کا بار بار تجربہ کر کے ہی دیے گئے ہوں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضورؐ کے مالی حالات مکہ میں بھی بے حد کشادہ تھے اور جب آپ کی شادی مکہ کی عظیم تاجرہ خاتون طاہرہ سے ہو گئی پھر تو آپ دولت کی ریل پیل کے درمیان جا کھڑے ہوئے تھے غرض مکہ کی دولت کا تجارتی دھارا آپ کے قدموں میں سے گزرتا تھا۔ جب آپ نے مکہ سے ہجرت کی اب بھی آپ کے پاس مکہ کے مالدار افراد کی اتنی امانتیں پڑی ہوئی تھیں کہ انہیں لوٹانے اور تقسیم کرنے کے لیے باقاعدہ حضرت علیؓ کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی جو انہوں نے حسن و خوبی سے ادا کی، پھر جس جس شخص کی امانت اسے اس حالت میں صحیح سالم ملی ہو گی کہ مکے سے جانے والا جو شخص اپنی قوم کے تشدّد اور ظلم کی وجہ سے شہر چھوڑ کر چلا گیا ہے اس نے یہ امانت واپس کی ہے تو ان کے دل اندر سے کتنے متاثر مرعوب اور مفتوح ہوئے ہوں گے۔

غرض یہ بات یقینی ہے کہ حضورؐ ایک خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے بعثت اور اعلانِ نبوت تک مکہ میں ایک خوشحال زندگی گزاری تھی۔ آپ کے جگری دوست حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے لوگ بھی مکہ کے خوشحال لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ مکہ سے مدینہ آنے کے بعد بلاشبہ کچھ ابتدائی ایام سختی اور تنگ دستی کے گزرے تھے جو ہجرت کا یقینی نتیجہ ہوتے ہیں۔ لیکن حضورؐ نے جو عظیم الشان نظام اخوت قائم کیا تھا اس نے تباہ حال مہاجرین کا مسئلہ ابتداء میں ہی فوری طور پر حل کر دیا تھا چنانچہ مکہ کے تاجر پیشہ مہاجر لوگوں نے جلد ہی مدینہ کے کاشتکاروں کی تجارتی منڈی میں اپنے پاؤں جما لیے۔ پھر ہجرت کے دوسرے سال کے نویں مہینے رمضان المبارک کی ۱۷ تاریخ کو وہ معرکہ بدر پیش آیا جس نے ایک طرف اسلام کو قریش کی مدِّمقابل قوّت ثابت کر دیا تو دوسری طرف اسلام کو ایک ریاست اور مملکت کی حیثیت بھی دے دی۔ اب حضورؐ مدینہ کی جدید اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت رکھتے تھے اور آپ کی اس نبوی حیثیت میں ریاست کے تمام مناصب کے

Marfat.com

اختیارات بھی جمع تھے۔ آپ بیک وقت اس جدید ریاست کے سربراہ، قانون ساز، شارح، منصف اعلیٰ، فوجوں کے قائد اور عام مسلمانوں کے محبوب رہنما اور ہادی تھے۔ آپ نے مدینہ میں آنے کے بعد بہت سے سیاسی، تمدنی، معاشرتی اور اجتماعی اسباب کی بنا پر چند اور شادیاں بھی کیں اور سب ازواج کے لیے علیحدہ علیحدہ رہائش کا انتظام فرمایا۔ جنگوں میں مالِ غنیمت کو خدا اور اس کے رسول کا مال قرار دے کر اسے ریاستی ملکیت قرار دیا جا چکا تھا۔ لیکن یہ مال حضورؐ کی صوابدید اور اجازت کے مطابق تمام کا تمام مجاہدین میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ خود حضورؐ کے اہلِ بیت کا حصہ بھی اللہ تعالیٰ نے ان اموال میں ہی مقرر کر دیا تھا۔ اللہ کے نبی کی مقدس حیثیت میں آپ کے ساتھ گہری محبت رکھنے والے اہل ایمان تحف ذاتی ہدیے بھی اپنے دل کی گہرائیوں سے اظہار محبت و عقیدت کے طور پر کثرت سے بھیجتے رہتے تھے۔ جن کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اتنے ہدیے بھیجتے تھے کہ بعض اوقات ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارسال کردہ ہدیے ہی اپنی طرف سے ہدیے کے طور پر آپ کی خدمت میں ارسال کر دیتے تھے۔

مالی اور معاشی لحاظ سے یہ نقشہ کسی مجبورِ فقر انسان کا نہیں ہے جو بھوک کی کثرت لباس کی بوسیدگی، سامان کی کمی، سر و سامان زندگی کی قلت پر اس لیے مجبور ہو گیا ہو کہ قلتِ معاش کے سبب اس کو ان پریشانیوں کو رفع کرنے اور اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کا سامان میسر نہیں ہوتا اور وہ سامانِ زندگی کے لحاظ سے مسکین اور مال کی کمی کے سبب سے محتاج ہو۔ حضورؐ کی زندگی کا معاشی نکتہ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو جو تصویر حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے کمرے میں دیکھی اور جس کا تذکرہ حضرت عائشہ صدیقہ نے بیان فرمایا وہ قلتِ مال کا نتیجہ نہیں تھا اس کے پیچھے دنیا سے استغنا، اس کی آسائشوں سے ارادی اجتناب، سر و سامانِ زندگی سے بامقصد گریز اور مال دنیا سے بے اعتنائی نظر آتی ہے حضرت

عائشہ صدیقہؓ کے یہ الفاظ بہت غور طلب ہیں کہ:

"میری جان آپ پر قربان، خدا کے لیے دنیا میں سے اتنا تو قبول فرما لیجئے جو جسمانی قوت کو قائم رکھنے کے لیے کافی ہو۔"

اور جواب میں آپ کا یہ ارشاد کہ:

"عائشہ، مجھے دنیا سے کیا کام، میرے بھائی اولعزم رسول تو اس سے بھی زیادہ حالت پر صبر کیا کرتے تھے اور وہ اسی چال پر چلے اور خدا کے سامنے گئے اور خدا نے ان کو نوازا، اب اگر میں آسودگی کی زندگی بسر کروں تو مجھے یہ بھی شرم آتی ہے کہ کل میں ان سے کم رہ جاؤں۔ دیکھو جو چیز سب مجھے سب سے پیاری ہے وہ یہی ہے کہ میں اپنے بھائیوں سے جا ملوں۔"

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مکالمہ صاف بتاتا ہے کہ اس حالت میں قلتِ معاش کا کوئی دخل نہ تھا اور اس کا لفظ لفظ بتاتا ہے کہ آپ دنیا کے سروسامان سے مکمل طور پر بے نیاز تھے۔ آپ کثرتِ سامان کو دنیا میں ملوث ہونا شمار کرتے تھے۔ جو آپ کے منصب سے فروتر مقام تھا۔ اشیاءِ دنیا سے آپ مستغنی تھے۔ حضورؐ سے پہلے انبیاء کو بھی اللہ تعالیٰ نے جب کارِ نبوت پر فائز کیا تو انہوں نے دنیا میں ملوث ہونے سے اجتناب کیا وہ عمر بھر دنیا سے اجتناب کی روش پر قائم رہے حضورؐ آسودگی کی زندگی بالارادہ بسر نہ کرتے تھے۔ اس لیے کہ آپ کو اپنے بھائی انبیاء کے طریقے سے مختلف طریقہ اختیار کرنا پسند نہ تھا۔ آپ کو اللہ کی راہ میں ایثارِ نفس کے معاملے میں اپنے سابقہ بھائی رسولوں سے کم رہنا مطلوب نہ تھا جو چیز آپ کو سب سے زیادہ پیاری تھی وہ دنیا نہیں بلکہ اپنے بھائی سابق انبیاء کی روش اور ان سے ملاقات تھی۔ حضورؐ کو دنیا میں تادیر رہنے اور اس کے سروسامان سے استفادہ کرنے کی بجائے اپنے بھائی انبیاءِ کرام سے جا ملنا ہر شے سے زیادہ عزیز اور پیارا تھا۔

Marfat.com

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد سے بات بہت صاف ہو جاتی ہے۔

"میری جان آپ پر قربان، خدا کے لیے دنیا میں سے اتنا تو قبول فرما لیجئے جو جسمانی قوت کو قائم رکھنے کے لیے کافی ہو۔"

گویا حضورؐ نے دنیا اور اس کے سرو سامان کو خود دھتکار رکھا تھا اور مسئلہ حاصل نہ ہونے، میسر نہ آنے اور تنگدستی سے فاقہ مستی تک نوبت پہنچ جانے اور مالی تنگی کا نہیں تھا بلکہ مسئلہ یہ تھا کہ یہ آفتِ جان دنیا حضورؐ کو کسی درجے میں بھی قبول نہ تھی۔ اس بات کی مزید وضاحت کے لیے وہ حدیث کافی ہے جس میں نماز کے دوران حضورؐ نے کسی شئے کو اس طرح پیچھے دھکیلا تھا جیسے کسی سے بچنے کے لیے اسے دھکیلا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے نماز کے بعد حضورؐ سے پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا کہ دنیا مجسم ہو کر میری طرف آئی تھی اور میں نے اسے دھتکار دیا ہے۔

یہ جو چولہے میں مہینوں آگ نہ جلنے اور صرف کھجور اور پانی پر ہفتوں گزر بسر کرنے کا تذکرہ آتا ہے، یہ غربت مسکنت مالی مجبوری اور معاشی بدحالی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ ترکِ سامانِ دنیا اور اجتنابِ راحتِ دنیا کا مسئلہ تھا چنانچہ خود اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی یہی روش اختیار کر لی تھی۔ حضرت ابن زبیرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک لاکھ اشرفیاں بھجوائیں تو ایک نماز سے دوسری نماز کے آنے تک ام المومنینؓ نے ساری اشرفیاں فی سبیل اللہ مساکین میں تقسیم کر دیں جبکہ خود روزے سے تھیں۔ جب ملازمہ نے کہا کہ شام کو پکانے کے لیے بھی کوئی شئے گھر میں موجود نہیں ہے تو صرف اتنا فرمایا کہ پہلے بتا دیا ہوتا۔ حضورؐ کی تربیت ہی یہ تھی کہ حُبِ دنیا پیدا نہ ہو، مومن کے لیے حُب ایک ہی کافی ہے اور وہ اللہ اور رسول کے سوا کسی دوسری شئے کی جائز اور درست نہیں ہے۔ غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روش تمام تر اجتنابِ دنیا پر مبنی تھی۔ اس لیے کہ جو شخص دنیا کے پیچھے دوڑتا ہے دنیا

اس کے آگے دوڑتی ہے اور جو شخص دنیا کے آگے دوڑتا ہے دنیا اس کے پیچھے دوڑتی ہے اور مومن جسے اس دنیا کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے سامنے مغلوب کرنا ہے اگر وہ خود دنیا سے مغلوب ہو جائے تو پھر غلبۂ دین کہاں اور کیسے ہو گا۔

چنانچہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے حضورؐ کے کمرے کا مختصر سا سر و سامان دیکھ کر حسرت سے کہا تھا:

"یا رسول اللہ قیصر و کسریٰ تو دنیا کا عیش کریں اور آپ کی قیام گاہ پر معمولی کھجور کی یہ چٹائی ہے جس سے بدنِ مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں۔"

تو حضورؐ نے اس بات کے جواب میں یہی فرمایا تھا کہ مجھے دنیا سے کیا سرو کار۔ حالانکہ حضرت عمر فاروقؓ حضورؐ کے سامنے دنیا کی دیگر سلطنتوں کے سربراہوں کا اس منصب کی بنا پر تذکرہ کر رہے تھے جو حضورؐ کو بھی حاصل تھا اور آپ سے صرف یہ عرض کر رہے تھے کہ ایسی صورت میں نہ سہی ویسا آرام و راحت کا سامان لیکن سربراہِ مملکت کی حیثیت سے آخر کچھ تو ہونا چاہیئے لیکن حضورؐ نے ان کی گزارش کا صاف نفی میں جواب دے کر ایسی کسی بات کا امکان ہی ختم فرما دیا۔

حضورؐ کا یہی وہ نمونہ تھا جس نے اسلامی انقلاب کے بعد اسلامی مملکت کے سربراہوں کے سامنے اسلامی ریاست کے سربراہ کا معیارِ زندگی متعین کر دیا جس کے نتیجے میں یہ منصب اس معیار کے ساتھ قائم ہوا کہ اگر کسی سربراہِ مملکت نے اپنے قلیل ترین معاوضے میں سے بھی محسوس کیا کہ کچھ بچایا جا سکتا ہے تو اسی قدر اپنے معاوضے میں کمی کر دی اور موقعہ ملا تو بیت المال سے لیا ہوا سارا معاوضہ بھی اپنی جائداد فروخت کر کے واپس کر دیا۔ یہی وہ نمونہ تھا جس کے مطابق حضرت عمر فاروقؓ جیسا متقی انسان تیار ہوا تھا جس نے ایک طرف قیصر و کسریٰ کو ہلا کر رکھ دیا اور دوسری طرف اجتناب دنیا پر بھی عامل رہے جو بیت المال کے اونٹوں کو خود مالش کرتے تھے اور بیت المقدس کی فتح کی چابیاں لینے

Marfat.com

کے لیے جب پیوند لگے کپڑوں کے ساتھ گئے تو سفر میں غلام سے سواری کی باری مقرر کر لی تاکہ انسانی مساوات قائم رہے۔ یہی وہ نمونہ تھا جس نے حضرت عثمانؓ کو اُمتِ مسلمہ کیلئے اپنی ساری جائداد لٹا دینے پر آمادہ کر دیا تھا۔ یہی وہ نمونہ تھا جس نے حضرت علیؓ کو جَو کی روٹی کھانے، پھٹے پیوند لگے کپڑے پہننے اور رات رات بھر جاگ کر اللہ کی عبادت کرنے کی تعلیم دی تھی۔

غرض حضورؐ کے دفتر میں حکمتوں کے خزانے پوشیدہ ہیں۔ انسان سازی، تعمیر کردار، اسوہ حسنہ اور ایک نئی اصولی، نظریاتی اور انقلابی ریاست کو پوری مخالف دنیا کے سامنے حسنِ کردار سے مزین کر کے پیش کر دینا معمولی معجزہ نہیں ہے۔ خوشحالی ہمیشہ انسانی قوٰی کے زوال و انحطاط کا موجب بنتی ہے اور عُسرت و تنگدستی قوٰی کی مضبوطی ہمت و تسہیلت، محنت و مشقت اور انقلاب کی کھکھیڑ سہنے کے لیے تیار کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ دنیا میں انقلابی تبدیلیاں خوشحال لوگوں کے ذریعے کبھی نہیں آئیں۔ سلطنتوں کے بانی جفاکش محنت پیشہ، عسرت پسند اور تنگدست لوگ ہی ہوتے رہے ہیں۔ اور سلطنتوں کو ڈبونے والے ہمیشہ عیش و عشرت کے دلدادہ، آرام طلب، عیش کوش اور سہولت پسند لوگ ہوتے رہے ہیں۔ یہ وہ اصول ہے جو اس دنیا کے مادی اسباب میں فطری طور پر ہمیشہ سے جاری و ساری ہے۔

اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسلامی انقلاب کا مزاج سادہ بے نیاز متوکل، صابر، خدا ترس اور جفاکش بنایا۔ اس نظام کو ایک طرف دین و ایمان کی حسن و خوبی سے سجایا گیا اور دوسری طرف آپ نے خود اپنا نمونۂ فقر بھی پیش کیا تاکہ اسلامی انقلاب ان بنیادوں پر استوار ہو جو پائیدار ہیں اور یہ بنیادیں اسے زوال و انحطاط سے بچا سکیں۔ آپ جانتے تھے کہ اگر مسلمان دنیا میں ضرورت سے زیادہ ملوث ہوئے تو عیش و عشرت اور دنیا طلبی کے باعث تباہ و برباد ہو جائیں گے اس لیے حضورؐ نے

Marfat.com

مسلمانوں کے زوال کا باعث دو چیزوں کو پیشگی طور پر ہی قرار دے دیا تھا۔

"میری امت پر وہ وقت آنے والا ہے جب دوسری امتیں اس پر ٹوٹ پڑیں گی کہ جس طرح کھانے والے لوگ دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں تو کسی د کہنے والے نے کہا کہ جس زمانے کا آپ حال بیان فرما رہے ہیں۔ اس زمانہ میں کیا ہم مسلمان اتنی کم تعداد میں ہوں گے کہ ہم کو نگل لینے کے لیے قومیں متحد ہو کر ٹوٹ پڑیں گی۔ آپ نے فرمایا نہیں اس زمانہ میں تمہاری تعداد کم نہ ہو گی بلکہ تم بہت بڑی تعداد میں ہو گے لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی طرح ہو جاؤ گے اور تمہارے دشمنوں کے سینے سے تمہاری ہیبت نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں پست ہمتی گھر کر لے گی۔ اس پر ایک آدمی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول یہ پست ہمتی کس وجہ سے آئے گی۔ آپؐ نے فرمایا یہ اس وجہ سے ہو گی کہ تم آخرت سے محبت کرنے کی بجائے دنیا سے محبت کرنے لگو گے اور خدا کی راہ میں جان دینے کی آرزو کی بجائے موت سے بھاگنے اور نفرت کرنے لگو گے۔"

(راہ عمل)

اس بات کو حضورؐ نے دوسری جگہ اس طرح فرمایا:

"جو شخص دنیا سے محبت کرے گا وہ اپنی آخرت کو ضرور تباہ کرے گا اور جس شخص کو اپنی آخرت محبوب ہو گی تو وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچائے گا، اے لوگو، تم باقی رہنے والی زندگی کو فنا ہو جانے والی زندگی پر ترجیح دو۔"

چنانچہ حضورؐ کے فقر کا راز یہی تھا کہ آپ نے باقی رہنے والی زندگی کو اپنی فنا ہونے والی زندگی پر مثالی طور پر ترجیح دے رکھی تھی۔ اور یہی ترجیحِ آخرت آپ ہر مسلمان سے بھی پسند فرماتے تھے اس لیے جہاں حضورؐ نے عبادات کے ذریعے اسوۂ حسنہ

Marfat.com

پیش فرمایا وہاں معاملات کے ذریعے بھی اپنا اسوۂ حسنہ پیش فرمایا۔ آپؐ نے اسلامی انقلاب برپا کر کے اور اس کے مختلف مراحل سے گزر کر بھی اپنا اسوۂ حسنہ پیش فرمایا اور ایک دنیوی زندگی گزار کر بھی اپنا اسوۂ حسنہ پیش فرمایا اس طرح وہ انقلاب پائیدار ہو گیا جو حضورؐ نے اللہ کی تائید کے ساتھ ساتھ اپنی حکمتِ دین، تدبیر سیاسی، جنگی حکمت عملی اور خدا ترسانہ پُر مشقت زندگی کا سرمایہ لگا کر برپا فرمایا تھا۔

غرض یہ بات اپنی جگہ پر مسلّم ہے کہ حضورؐ کا فقر قلتِ مال و دولت اور عسرتِ سر و سامان کا نتیجہ نہیں تھا حضورؐ تو ہزاروں اور لاکھوں لوگوں کو مالِ غنیمت فراخدلی کے ساتھ تقسیم فرماتے تھے۔ ایک ایک شخص کو اپنی عنایات سے لاد دیتے تھے۔ سیروں سونا اور منوں چاندی ایک نماز سے دوسری نماز کے درمیان لوگوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ آپؐ کیلیے روپے پیسے کی قلت کا کوئی مسئلہ نہ تھا بلکہ آپ نے اپنے اسلامی انقلاب کا مزاج ہی یہ طے کیا تھا کہ وہ دنیا کے کنارے کھڑے ہو کر خود پیاسے رہتے ہوئے ساری دنیا کو سیراب کرتا ہے۔

اسلامی انقلاب کا یہی وہ مزاج ہے جو اگر قائم ہو تو وہ حقیقی اسلامی انقلاب ہے ورنہ بادشاہتیں تو روز بدلتی رہتی ہیں ایک بادشاہ کے ہٹنے اور دوسرے بادشاہ کے آنے سے دنیا کے احوال میں نہ فرق آتا ہے اور نہ کوئی اس سے انقلاب برپا ہوتا ہے۔

حضورؐ نے وافر سر و سامان اور کثرتِ مال و اسباب کے درمیان تعلیم امت اور تزکیہ افراد کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی روشنی میں ایک رضاکارانہ فقر کا نقشہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یہ نقشہ ضبطِ نفس کی حیرت انگیز تصویر پیش کرتا ہے۔ حضورؐ نے اپنا یہ انقلابی معاشی نقشہ اپنے آپ پر ہی نہیں بلکہ اپنے اہلِ بیت پر بھی نافذ کیا اس لیے کہ آپ کے اہلِ بیت رہتی دنیا تک ساری امت کے لیے نمونہ اور معلم و داعی کی حیثیت

رکھتے ہیں۔ اس لیے جہاں ان کو حضورؐ کے اہلِ بیت ہونے کا شرف حاصل ہوا وہاں اس شرف کے ساتھ انہیں اجتنابِ دنیا کا سبق بھی امت اور دنیا والوں کے سامنے پیش کرنا ہے تاکہ اسلامی انقلاب کی حقیقی روح قائم رہے۔ بعد میں بعض اور لوگوں نے بھی اس اسلامی انقلاب کے نقشہ کے مطابق کارِ دنیا کو چلانے کی کوشش کی ہے انہیں بہر صورت حضورؐ کے اس طریقِ فقر کی پیروی کرنی پڑی اور جو کوئی اس کی پیروی میں جس درجہ آگے جا سکا اسی قدر وہ اس انقلاب کی روح کے قریب تر دنیا کو نظر آیا۔ اسی چیز سے متاثر ہو کر اقبال نے اپنے بیٹے سے کہا تھا ؎

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ فقیری میں نام پیدا کر

اب ہم اس تعلیمِ فقر کی طرف آتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو دی ہے۔

"ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں" آپؐ نے فرمایا جو تم کہتے ہو اس پر غور کر لو۔ اس نے تین بار کہا کہ بخدا میں آپ سے محبت کرتا ہوں، آپؐ نے فرمایا "اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو فقر و فاقہ کا مقابلہ کرنے کے لیے ہتھیار فراہم کر لو جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں ان کی طرف فقر و فاقہ سیلاب سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتا ہے۔" [۱]

اور فقر کی بنیادی شرط سادہ زندگی گزارنا ہے جس میں کوئی تکلف و اہتمام نہ ہو بس صاف ستھری اور سادہ زندگی ہو۔

---

[۱] ترمذی۔ راوی عبداللہ بن مغفل ۴۱۴

Marfat.com

چنانچہ حضورؐ نے فرمایا :

" سادہ زندگی گزارنا ایمان سے ہے "

لیکن ایمان کھرا نہیں ہوتا اگر اسے تپا کر نکھارا نہ جائے۔ کلمہ پڑھ لینا آسان ہے لیکن مشکلات لا الہ سے گزرنا ایک مشکل کام ہے۔ حضورؐ نے فرمایا :

" آزمائش جتنی ہی سخت ہو گی اتنا ہی بڑا انعام ملے گا (بشرطیکہ آدمی مصیبت سے گھبرا کر بھاگ نہ کھڑا ہو) اور اللہ تعالےٰ جب کسی گروہ سے محبت کرتا ہے تو اس کو مزید نکھارنے اور صاف کرنے کے لیے آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔ پس جو لوگ خدا کے فیصلے پر راضی رہیں اور صبر کریں تو اللہ ان سے خوش ہوتا ہے اور جو لوگ آزمائش میں اللہ سے ناراض ہوں تو اللہ بھی ان سے ناراض ہو جاتا ہے "[1]

اب ذرا حضورؐ کی وہ دعا سنیئے جو آپ اکثر اپنی معیشت کے بارے میں اپنے رب سے مانگا کرتے تھے جسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کیا ہے :

یارب اجوع یوما واسبع یوما	یا الٰہی میں ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن
فاما الیوم الذی اجوع فیہ	مجھے کھانے کو ملے۔ بھوک میں تیرے سامنے
فانتضرع الیك وادعوك واما	گڑگڑایا کروں اور تجھ سے مانگا کروں
الیوم الذی اشبع فیہ فاحمدك	اور کھا کر تیری حمد و ثنا بیان کیا کروں "
واثنی علیك۔	

چنانچہ اس دعا کا جو نقشہ حضورؐ کے گھر میں تھا اس کا تذکرہ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ نے ان الفاظ میں کیا ہے :

" ایک ایک مہینہ تک ہمارے چولہے میں آگ روشن نہ ہوتی تھی۔ حضرتؐ کا

---

[1] رحمۃ العالمین جلد اوّل صفحہ ۱۳ ام از شفا صفحہ ۱۲

کنبہ کھجور اور پانی پر گزارا کرتا تھا۔ حضورؐ نے مدینہ میں آ کر تین دن تک متواتر گیہوں کی روٹی کبھی نہ کھائی جب حضورؐ نے انتقال فرمایا تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس بعوض غلہ جَو رہن تھی اور آخری شب پڑوسن کے گھر سے چراغ کے لیے تیل منگایا گیا۔ آپ دعا فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی آلِ محمد کو بس اتنا دے جتنا وہ پیٹ میں ڈال لیں۔

دولت مندی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نظریہ ہی مختلف تھا۔ آپ نے فرمایا:

"دولت مندی زر و مال کی کثرت سے حاصل نہیں ہوتی، غنی وہ ہے جس کا دل غنی ہے۔" (بخاری، راوی: ابوہریرہ)

خود اللہ تعالیٰ نے بھی صبر اور پرہیزگاری کو عزم و ہمت کا نشان قرار دیا ہے:

وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۔ "اگر تم صبر اور پرہیزگاری اختیار کرو تو یہ ایک عالی ہمتی کا کام ہے۔" (آلِ عمران)

اور ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت قرآن کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔

قیصر و کسریٰ کے نام فرمان بھیجنے والا اسلامی مملکت کا سربراہ اپنے گھر میں کئی کئی روز فاقے کرتا تھا اپنے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھو لیتا، سی لیتا اور اپنے جوتے اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتا تھا۔ لاکھوں روپے عام مسلمانوں میں تقسیم کرنے والے کی اپنی بیٹی فاطمہؓ کے سر پر ثابت چادر تک موجود نہ تھی۔ دوسروں میں لونڈی غلام بانٹنے والے کی لڑکی اپنے ہاتھ سے چکی پیستی، پانی بھرتی اور مشقت کرتی تھی۔ سائل آیا تو گھر میں پڑی ہوئی آٹے کی ٹوکری اٹھا کر پوری کی پوری دے دی جبکہ اس کے سوا گھر میں اور آٹا موجود نہ تھا۔

لہ رحمۃ للعالمین جلد اول صفحہ ۱۳۰، ۱۳۱ از شفا صفحہ ۶۲ ۔

Marfat.com

گھر میں پڑا ہوا سارا دودھ مہمان کو پلا دیا جب کہ گھر والوں کے لیے ایک قطرہ دودھ بھی باقی نہ رہا تھا۔ خراج کا کثیر مال آیا تو سارا ایک وقت حاجت مندوں میں بانٹ دیا اور دامن جھاڑ کر کھڑے ہو گئے۔ کسی سائل نے آپ کی زبان سے "نہیں" کا لفظ کبھی نہیں سنا۔ ایک بار تو مانگنے والے سے یہ تک کہہ دیا کہ گھر میں کچھ نہیں ہے تم میرے نام پر قرض لے لو میں چکا دوں گا۔ یہ کھلا اعلان موجود تھا کہ جو مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے اس کا قرض میں ادا کروں گا اور اس کا ترکہ اس کے وارثوں کا ہو گا۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ نے گھر کی زیبائش کے لیے پردہ لٹکایا جس میں تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں آپ کی نظر پڑی تو فرمایا:

"عائشہؓ میرے سامنے سے اپنا یہ پردہ ہٹا لو کیونکہ اس کی تصاویر میری نماز میں سامنے آتی رہتی ہیں"

ایک صحابی نے آپ کو ایک ریشمی جُبّہ ہدیۃً دیا۔ آپؐ نے اسے پہن کر نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی نہایت ناگواری سے اسے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا:

"یہ پرہیزگاری کے قابل نہیں ہے"

ایک مرتبہ آپؐ کے راستے سے گزرے تو ایک بلند عمارت نظر آئی۔ آپؐ نے فرمایا یہ کس کا مکان ہے۔ لوگوں نے ایک انصاری کا نام لیا۔ آپؐ خاموش ہو گئے اور جب وہ انصاری آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپؐ نے منہ پھیر لیا۔ انہوں نے دوستوں سے حضورؐ کی ناراضگی کا سبب پوچھا تو لوگوں نے بتایا۔ وہ فوراً گئے اور اس مکان کو منہدم کر دیا۔ آپؐ دوبارہ ادھر سے گزرے تو فرمایا:

"وہ عمارت کیا ہوئی"

لوگوں نے سارا واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا:

"ہر وہ مکان جو ضرورت سے زائد ہو صاحب خانہ پر وبال ہے" (ابوداؤد)

Marfat.com

ایک بار آپ کسی لڑائی سے واپس آئے تو حضرت عائشہؓ نے بہت شوق و محبت سے گھر کو سجا رکھا تھا اور ایک پردہ بھی رنگین لگایا تھا۔ آپؐ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے سلام کیا لیکن آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار تھے اور سلام کا جواب نہ دیا پھر خود اپنے ہاتھ سے پردے کے دو ٹکڑے کر دیے اور فرمایا:

"خدا نے ہمیں مٹی اور پتھر کو آراستہ کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔"

(ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوریے پر لیٹے اور بدن مبارک پر بوریے کا نشان پڑ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو میں سہلانے لگا اور عرض کیا:

"یارسول اللہ آپ ہمیں اجازت کیوں نہیں دیتے کہ اس پر کوئی چیز بچھا دیا کریں جو آپ کو بوریے سے بچائے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"مجھے دنیا سے کیا مطلب۔ میں اور دنیا محض اس طرح ہیں جیسے ایک سوار کہ ایک درخت کے سائے میں آیا، پھر چلا گیا اور اسے پیچھے چھوڑ گیا۔"

(ابن سعد)

حضورؐ نے اسی روش کی طرف اپنے صحابہ کرامؓ کو بھی اکثر توجہ دلائی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

"خوش نصیب ہے وہ شخص جو اسلام لایا۔ بس ضرورت بھر سامان رکھتا ہے اور جو کچھ اللہ نے اس کو دیا ہے اس پر وہ قانع ہے۔" (مسلم)

حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

"قابلِ رشک دو ہی طرح کے آدمی ہیں۔ ایک وہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ مال دے

Marfat.com

وہ اسے اللہ کی راہ میں لٹا دے۔ اور دوسرا وہ جس کو اللہ تعالٰے حکمت دے تو وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے اور ان کو (دین) سکھلائے۔"

(مسلم)

حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ بیان کرتی ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا:

"اسماء خرچ کر، گن گن کر نہ رکھ، ورنہ تجھے بھی خدا گن گن کر دے گا اور باندھ کر نہ رکھ ورنہ تم پر بھی رزق باندھ دیا جائے گا۔" (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا پکڑ اور متوجہ کر کے فرمایا:

"دنیا میں ایک پردیسی یا راہ چلتے مسافر کی طرح زندگی بسر کرو۔" (بخاری)

مال و دولتِ دنیا کی کوئی وقعت حضورؐ کی نظر میں نہ تھی۔ حضرت ابوامامہؓ نے بیان کیا کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا:

"میرے رب نے مجھ سے کہا کہ اے نبی اگر تم چاہو تو تمہارے لیے وادیٔ مکہ سونے کی بنا دی جائے میں نے عرض کیا میرے پروردگار! میں تو یہ پسند کرتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں جس دن بھوکا رہوں تیرے حضور گریہ و زاری کروں اور تیری یاد میں مصروف رہوں اور جس دن سیر ہو کر کھاؤں دل کی گہرائی سے تیرا شکر اور تیری تعریف کروں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا:

"مجھ سے پہلے انبیاء پر بھی فقر و فاقہ کی سختیاں گزری ہیں اور مجھے بھی اللہ تعالٰے جل شانہ کی نوازشوں میں یہ نوازش سب سے زیادہ پسند ہے۔"

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں:

"نبی علیہ السلام والصلوٰۃ کبھی بھی سیر ہو کر کھانا نہیں کھاتے تھے اور بھوک پیٹ بھر کر کھانے سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ تھی۔"

مسکینی حضورؐ کو اس درجہ پسند تھی کہ آپ نہایت درجہ تواضع سے گدھے کی سواری بھی کر لیتے تھے اور کبھی اپنے پیچھے کسی اور کو بھی بٹھا لیتے تھے۔ غریبوں کی عیادت کیلئے تشریف لے جاتے تھے۔ محتاجوں اور مسکینوں کے درمیان بیٹھنا پسند فرماتے تھے۔ آپ خود ہی اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے۔ اپنے کپڑے دھو کر ان کو پیوند لگا لیتے تھے۔ اپنے پاپوش بھی سی لیا کرتے تھے۔ اور اپنے اور گھر والوں کے مختلف کام بھی کر دیا کرتے تھے۔ [1]

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کان کٹے مرے ہوئے بکری کے بچے کے پاس سے گزرے پھر آپؐ نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

"تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ اسے ایک درہم کے بدلے خرید لے۔"

ساتھیوں نے کہا یا رسول اللہ ایک درہم تو بڑی چیز ہے ہم تو اسے مفت لینا بھی پسند نہیں کرتے، آپ نے فرمایا قسم خدا کی دنیا اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ جس قدر یہ مردہ بچہ تمہارے نزدیک ہے۔"[2]

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

"اے معاذ دیکھو زیادہ چین اور مزے نہ کرنا اللہ کے نیک بندے چین نہیں کیا کرتے۔" [3]

---

[1] (طبقات ابن سعد) [2] نجات المسلمین

[3] مسند احمد۔

حضرت ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ارشاد ہے کہ تم دوسروں پر خرچ کرتے رہو میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا" (بخاری و مسلم)

حضورؐ نے مزید فرمایا:

"اے ابو ہریرہ حرص و بخل اور ایمان کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے"

(سنن نسائی)

حضرت ابو سعیدؓ خدری روایت کرتے ہیں کہ انصار میں سے کچھ لوگوں نے رسول اکرمؐ سے کچھ طلب کیا تو آپؐ نے ان کو عطا فرمایا۔ انہوں نے پھر آکر طلب کیا آپؐ نے پھر ان کو عنایت فرمایا۔ یہاں تک کہ جو کچھ بھی آپؐ کے پاس تھا وہ سب ختم ہو گیا اور کچھ باقی نہ رہا۔ تو آپؐ نے ان انصاریوں سے فرمایا:

"سنو جو مال و دولت بھی میرے پاس ہو گا اور کہیں سے آئے گا میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا اور اپنے پاس ذخیرہ جمع نہیں کروں گا۔ بلکہ مسلسل تم کو دیتا ہی رہوں گا"[1]

حضورؐ پہلی اسلامی ریاست کے سربراہ تھے اور مالِ غنیمت دور و نزدیک مختلف سمتوں سے چلا آرہا تھا۔ لیکن اس اسلامی مملکت کے سربراہ کا اپنا گھر کھجور کے پتوں بنا ہوا تھا جس پر گھاس پھوس ڈالی گئی تھی۔ ستون کھجور کے تنوں کے تھے اور دروازے کو کواڑ تک نہ تھی اور دوسری طرف آپؐ کی جو تعلیم تھی اسے حضرت قتادہؓ بیان کرتے ہیں حضور اکرمؐ نے فرمایا:

"خدا جب اپنے کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو دنیا کے گورکھ دھندوں سے محفوظ رکھتا ہے"

[1] معارف الحدیث۔

Marfat.com

اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ حضور اکرمؐ نے جب عتابؓ بن اُسید کو مکہ کا گورنر مقرر کیا تو ان کا معاوضہ ایک درہم روزانہ مقرر کیا گیا۔ گورنر نے لوگوں کے سامنے تحفے تحائف سے اپنی معذوری ظاہر کرتے ہوئے فیصلہ دیا:

"لوگو، خدا اس شخص کو بھوکا رکھے جو ایک درہم روزانہ ملنے کے بعد بھی بھوکا رہا۔ مجھے چونکہ حضور اکرمؐ نے روزانہ ایک درہم مقرر فرمایا ہے اس لیے مجھے اور کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔"

حضور اکرمؐ ایک بار مسجد سے باہر نکلے تو راستہ میں ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی مل گئے۔ تینوں بھوک سے بیتاب ہو کر ہی گھروں سے نکلے تھے۔ آپ انہیں ابوالہثیمؓ انصاری کے گھر لے گئے۔ انہوں نے گھر میں کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور خود بکری ذبح کی۔ دسترخوان چنا، سب نے مل کر کھایا اور ٹھنڈا پانی پیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہم سے قیامت کے دن اس نعمت کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد سے بے حد محبت تھی اور حضرت فاطمہؓ سے تو انتہائی محبت تھی اس لیے کہ آخری ایام میں وہی حضورؐ کی زندہ اولاد باقی تھیں۔ حضرت فاطمہؓ سخت غربت کی زندگی بسر کرتی تھیں۔ چکی پیسنا اور پانی کی مشکیں بھر بھر کر دو دو میل دور باہر سے لانا، پھر گھر کا سارا کام خود سرانجام دینا ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ اس سے ہاتھ اور کندھے متاثر ہو گئے تھے۔ انہوں نے پریشان ہو کر حضورؐ سے ایک خادم معاونت کے لیے طلب کیا تو حضور نے صاف انکار کر دیا۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تم خادم کی خواہش کرتے ہو اور یہاں اصحاب صفہ فقر و فاقہ میں مبتلا بیٹھے ہیں۔ ایک بار حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھ میں سونے کا کنگن دیکھا جو انہیں حضرت علیؓ نے لا کر دیا تھا تو حضورؐ نے فرمایا:

Marfat.com

"اے میری بیٹی فاطمہؓ، کیا تجھے یہ پسند ہے کہ لوگ کہیں کہ رسولؐ اللہ کی بیٹی کے ہاتھ میں آگ کا کڑا ہے۔"

یہ کہہ کر آپؐ تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے اسی وقت کڑے کو فروخت کر دیا اور اس کی قیمت سے ایک غلام خریدا۔ پھر اس کو بھی آزاد کر دیا۔ حضورؐ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا:

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے فاطمہؓ کو دوزخ سے نجات دی۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار نماز پڑھ رہے تھے کہ کہیں سے گھر میں سونا آگیا جب آپؐ کو اس کی اطلاع ملی تو نماز جلدی جلدی پڑھ لی اور فوراً سیدھے گھر تشریف لے گئے اور وہ سونا حاجتمندوں میں تقسیم کر دیا تب آپؐ کو سکون ہوا۔ آپؐ کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ آپؐ کے گھر میں سونا موجود رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؐ کو فقر و فاقہ سے کوئی خوف نہ تھا۔ مال و دولت کی فراوانی، خزانہ رکھنے اور سرمایہ کی موجودگی کو آپؐ سخت ناپسند کرتے تھے۔ اپنے لیے رزق کے بارے میں بھی آپؐ یہی دعا کیا کرتے تھے۔

"پروردگار محمدؐ کے گھر والوں کی روزی بس ضرورت کے مطابق دینا۔"

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور اکرمؐ کے پاس بیٹھے تھے کہ اتنی دیر میں حضرت مصعبؓ بن عمیر ایک پیوند لگی چادر اوڑھے ہوئے حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے جب ان کو دیکھا تو ان کی گزشتہ ناز و نعمت اور آرام و آسائش کی حالت کا خیال کر کے رو پڑے پھر فرمایا:

"تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم صبح میں ایک لباس اور شام میں دوسرا لباس تبدیل کرنے کے قابل ہو جاؤ گے اور اپنے گھروں پر ایسے پردے چڑھانے لگو گے جیسے کعبہ پر آویزاں کیے گئے ہیں۔"

Marfat.com

لوگوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ اس دن تو ہم موجودہ حالت سے بہتر ہوں گے اور خوب دلجمعی سے عبادت میں مشغول رہیں گے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"نہیں بلکہ اس دن کی نسبت تم آج کی حالت میں بہتر ہو۔"

حضرت عونؓ بن عبداللہ بن عتبہ کہتے ہیں کہ میں مالداروں کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا۔ اس کے باوجود میں انتہائی متفکر اور غمزدہ رہتا تھا۔ مجھ سے زیادہ غمگین شاید ہی کوئی اور ہوگا۔ میں اپنی سواری اور اپنے کپڑوں سے بہتر دوسروں کے کپڑے دیکھا کرتا اور کڑھتا رہتا تھا۔ لیکن جب میں نے حضور اکرمؐ کو یہ فرماتے سنا کہ اگر تم اطمینان قلب چاہتے ہو تو اپنے سے نیچے کی طرف دیکھو تاکہ تم خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کر سکو۔ عبداللہؓ کہتے ہیں اس کے بعد میں نے فقراء اور مساکین کی صحبت اختیار کر لی تو مجھے سکون اور اطمینان حاصل ہوا۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا اور اس سے استفادہ کا معیار بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"جو شخص اپنی جماعت میں امن و سکون سے زندگی بسر کرے۔ صحیح و تندرست ہو، اس کے پاس ایک دن کی خوراک بھی ہو تو بس گویا اس نے دنیا حاصل کر لی۔"

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا:

"انسان کو ان اشیاء کے علاوہ اور کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔ رہنے کے لیے گھر، بدن ڈھانپنے کے لیے کپڑا، کھانے کے لیے خشک روٹی اور پینے کے پانی۔"

ایک شخص نے حضرت عمرؓ بن عاص سے پوچھا جنہوں نے حضورؐ کی صحبت پائی اور تربیت

Marfat.com

حاصل کی تھی، کیا ہم فقراء میں سے ہیں۔ انہوں نے کہا کیا تیری بیوی ہے اس نے کہا ہاں۔ پھر پوچھا کیا تجھے رہنے کے لیے گھر ہے۔ کہا ہاں، انہوں نے کہا تب تو تُو اغنیاء میں سے ہے۔ پھر اس نے کہا میرے پاس ایک خادم بھی ہے یہ سن کر انہوں نے کہا اچھا پھر تو تُو بادشاہ ہے۔

صحابہ میں سے کسی نے سوال کیا:

"یارسول اللہ سوال نہ کرنے کے لیے کتنے مال کی ضرورت ہے۔"

"جس کے پاس صبح و شام کا کھانا موجود ہو" حضورؐ نے فرمایا۔

حضرت عمرؓ کو ایک ریشمی رنگین کپڑا ملا تو اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور عرض کیا یارسول اللہ آپ اسے لے لیجئے عید اور دیگر اہم مواقع اور وفود کی آمد پر اسے زیبِ تن فرمائیے۔ آپ نے فرمایا:

"یہ لباس تو اس شخص کے لیے سزاوار ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔"

آپ کی سخاوت وعطا کا یہ عالم تھا کہ مال کی آمد سے صحن بھر جاتا لیکن آپ سارا مال لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اور جب گھر میں تشریف لاتے تو کھجور کے درخت کی بھوس کے تکیے پر آرام فرماتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ کے پاس ایک ہی چادر تھی جس کو رات کو تہ کر کے اس پر نماز پڑھتے۔ دن میں اسے کھول کر بچھا لیتے اور اس پر اجلاس فرماتے۔ کھانے میں سخت محتاط اور قناعت پسند تھے۔ فرماتے۔

"انسان کو چند لقمے کافی ہیں تاکہ اس کی آنتیں سیدھی ہو جائیں"

حضور اکرمؐ نے اپنے مرضِ وفات میں فرمایا:

"اے عائشہ وہ سونا کیا ہوا، چنانچہ وہ آپ کے پاس حاضر کیا گیا جو پانچ یا سات دینار کے قریب تھا۔ آپ اس کو اُلٹ پلٹ رہے تھے اور فرماتے تھے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا خیال یہ نہ تھا کہ میں اللہ تعالیٰ سے

اس حال میں ملوں کہ یہ دینار میرے پاس ہوں۔ اے عائشہ ان کو خیرات کر دو۔"
چنانچہ وہ تقسیم کر دیے گئے۔

اسلامی مملکت کے اس سربراہ نے جو گھر میں اثاثہ چھوڑا وہ یہ تھا :

★ کچھ ہتھیار، زرہ، کمانیں، تیر اور ڈھال یہ جہاد فی سبیل اللہ کا سامان تھا جو موجود رکھا جاتا تھا۔

★ ایک عصا۔

★ ایک لکڑی کا پیالہ، ایک شیشے کا پیالہ۔

★ ایک پانی کا مشکیزہ، وضو کا برتن، کپڑے دھونے کا برتن، ہاتھ دھونے کا برتن۔

★ تیل کی شیشی، آئینہ اور کنگھا، ایک سرمہ دانی، قینچی، مسواک۔

★ ایک بڑا پیالہ جسے کُنڈا لگا تھا زیادہ مہمانوں کے لیے۔

★ ایک چارپائی اور ایک چمڑے کا بستر۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اللہ کے رسولؐ کے ترکہ میں نہ دینار تھا، نہ درہم، نہ بکری نہ اونٹ، اور عمروؓ بن حارث کہتے ہیں کہ آپؐ نے اپنے ترکہ میں سوائے ہتھیاروں اور ایک خچر کے کچھ نہ چھوڑا۔ تھوڑی سی زمین تھی جو صدقہ کر دی گئی تھی۔

یہ اس انسان کے فقر کا حال ہے جو دلوں کا بادشاہ، علاقوں کا حکمران، سرداروں کا سردار اور بادشاہوں کا شہنشاہ تھا۔ جس کی حکومت لاکھوں مربع میل تک پھیل گئی تھی۔ آپؐ کا فقر و غنا کا یہ طرزِ عمل اپنے مالک کی منشا اور رضا کے عین مطابق تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں انسان کو اس لیے اشرف قرار دیا ہے کہ وہ اپنے فہم و شعور اور عزم و ارادے کے ساتھ اللہ کی بندگی کا قصد کرتا ہے اور انسانوں میں سے انبیاء کرام اس لیے محبوب ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے اللہ کی رضا کی خاطر دنیا کے ان تمام دلفریب زہد شکن اور پُرکشش تعیشات اور سہولتوں سے دست بردار ہو جاتے ہیں جو

Marfat.com

انہیں دنیا میں آسانی سے حاصل ہوتے ہیں اس لیے کہ خوشحالی اور مال و دولت پرورشِ نفس کا ذریعہ اور آرام طلبی اور عیش پسندی کا آلہ ہے اور عیش پسند خوشحال لوگ ہی خدا کی بندگی اور راہ راست پر آنے سے ہمیشہ کتراتے اور صداقت و دیانت کے راستے کے رہزن ثابت ہوتے ہیں۔ تمام انبیاء کے ساتھیوں کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی غرباء و مساکین اور کم مالی حیثیت کے لوگ جلد اور پہلے ایمان لائے اور سردارانِ قریش اور مالدار خوشحال لوگ مسلسل رکاوٹ ڈالتے رہے۔ اسی لیے اللہ تعالےٰ جو خالقِ خواص اشیاء ہے فرماتا ہے:

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا۔ إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَجَحِيمًا وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا۔ (المزمل ۱۱-۱۳)	ان جھٹلانے والے خوشحال لوگوں سے نمٹنے کا کام تم مجھ پر چھوڑ دو اور انہیں ذرا کچھ دیر اسی حالت میں رہنے دو۔ ہمارے پاس ان کے لیے بھاری بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ اور حلق میں پھنسنے والا کھانا اور دردناک عذاب۔

اور یہ بات صرف حضورؐ کے مخاطب خوشحال لوگوں پر ہی صادق نہیں آتی بلکہ ہر نبی کو انہیں سرمایہ دار اور خوشحال دنیا کے طالب اور عیش و عشرت میں مبتلا لوگوں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان خوشحال اور مالدار لوگوں کی شدید مزاحمت سے تنگ آکر کہا:

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي	نوح نے کہا، میرے رب انہوں

وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا۔

نے میری بات رد کر دی اور ان مالداروں اور رؤسا کی پیروی کی جو مال اور اولاد پا کر اور زیادہ نامراد ہو گئے ہیں۔

(نوح: ۲۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اپنے ملک کے بادشاہ اور رؤسا سے ہی سابقہ پڑا اور انہوں نے ہی دعوت کو جھٹلا کر اور انہیں آگ میں جلا کر اپنا ناپاک دل ٹھنڈا کرنا چاہا۔ اس لیے کہ دعوتِ حق وہ پیمانہ عزّو شرف مقرر کرتی ہے جو دنیا داروں کے عام پیمانۂ عزّو شرف، مال و دولت کو اُلٹ کر ایمان اور عمل صالح کو عزّت و شرف کا پیمانہ قرار دیتا ہے۔ بس یہی بات خوشحال طبقے کو ناگوار ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے سرداروں سے ہی واسطہ پڑا جو حکام اور رؤسا تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی رؤسا و حکام نے ہی صلیب تک پہنچایا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر بھی ایک بادشاہ نے ہی کاٹ کر طشت میں رکھ کر اپنی محبوب رقاصہ کے سامنے پیش کیا۔

غرض تاریخ انسانیت میں جہاں جہاں دعوتِ حق بلند ہوتی ہے وہاں مالدار لوگ رؤسائے قوم ملاءِ ملّت اور خوشحال مالدار اور دنیا دار لوگ اس دعوت کی مزاحمت و مخالفت کے لیے آگے بڑھتے رہے ہیں اور ساتھ دینے والوں میں اکثریت مساکین فقراء اور تہی دست پس ماندہ لوگوں کی ہی رہی ہے۔ اس سے محسوس ہوتا ہے کہ مال و دولت اور سرو سامانِ دنیا دل پر ایک ایسا زنگ چڑھا دیتا ہے جس میں سے دعوتِ حق کی شعاعیں آسانی سے نہیں گزر تیں اس کے مقابلے میں غربت فقر اور دنیا کے مال سے تہی دستی انسان میں خدا سے تعلّق، رقّت قلب اور ایسا جذب اندرون پیدا کر دیتی ہے جو دعوتِ حق کو شناخت کرنے اور قبول کرنے

Marfat.com

ہیں مددگار ہوتے ہیں۔

اس مال و دولت اور سرمایہ و سرو سامانِ دنیا کی افراط نے بڑے بڑے فساد پیدا کیے اور بڑی بڑی آفتیں ڈھائی ہیں۔ قومیں قوموں سے جنگیں برپا کرتی ہیں۔ ہزاروں اور لاکھوں انسان ہلاک ہوتے، بچے یتیم ہوتے، عورتیں بیوہ ہوتیں اور بستیاں ویران و شکستہ حال ہوتی ہیں۔ یہ سب کچھ مال و دولت کے حصول دوسروں کے مال پر قبضہ کرنے کی حرص، نفس پرستی، مفاد پرستی اور قوم پرستی کی خاطر ہوتا ہے۔ دنیا میں ظلم و ستم حق تلفی اور حق ماری، زیر دست آزادی، طبقاتی کشمکش، نزاع و اختلاف، اشرف المخلوقات کے ان سب کارناموں کے پیچھے ہوسِ مال و دولت اور عیش و آرام، غلبہ و تفوق کی خواہش اور نفسانی لذتوں کا حصول ہوتا ہے اور یہ سب دنیا کے وہ مظاہر ہیں جو انسان کے نفس کو آسودہ کرتے اور اس کی روح کو مضمحل کرتے ہیں۔

اسی لیے تمام انبیاء کرام اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور خاص دنیا اور اس کی لذات و خواہشات اور لوازمات و معیارات کو اپنے زیر پشت پار کھا اور انہیں اپنے سامنے سر نہ اُٹھانے دیا کہ یہی فساد کی جڑ اور قوموں کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ قومیں جب تباہ ہوتی ہیں تو پہلے ان کے خوشحال طبقے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور پھر ان کا بگاڑ بتدریج ساری قوم میں زہر کی مانند سرایت کر جاتا ہے یہ زہرِ عیش و عشرت جس قوم میں سرایت کر جائے اسے تباہی و بربادی سے پھر کوئی حکمت روک نہیں سکتی۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حفظِ ماتقدم کے طور پر خود اللہ تعالےٰ کی بنائی ہوئی تدبیر کے ماتحت ہی دنیا اور اس کے آرام و راحت اور مال و دولت سے اپنے آپ کو پاک و صاف رکھا اور اپنے نفس پر ضبط و خشیتِ الٰہی کا وہ بند باندھا کہ جس کے سامنے مال و دولت کے بہتے ہوئے دھارے اور فتوحات کے سرمائے اور خزانے ٹھیکریوں کے ڈھیر سے زیادہ وقعت نہ رکھتے

تھے۔ چنانچہ دنیا کے سب سے بڑے انسان کی بے نفسی اور دنیا سے استغناء کا ذکر کرتے ہوئے۔ ایک مشہور سیرت نگار نے کیا خوب لکھا ہے:

"ضبطِ نفس بلکہ بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ جب وہ تمام ملک کا بادشاہ ہوگیا۔ اس وقت بھی وہ جیسا فقیر پہلے تھا ویسا ہی فقیر رہا۔ پھونس کے چھپّر میں رہتا تھا۔ بوریے پر سوتا تھا۔ موٹا جھوٹا پہنتا تھا۔ غریبوں کی سی غذا کھاتا تھا، فاقے تک کر گزرتا تھا۔ رات رات بھر اپنے خدا کی عبادت میں کھڑا رہتا تھا۔ غریبوں اور مصیبت زدوں کی خدمت کرتا تھا۔ ایک مزدور کی طرح کام کرنے میں بھی اسے تامّل نہ تھا۔ آخر وقت تک اس کے اندر شاہانہ تمکنت اور امیرانہ ترفع اور بڑے آدمیوں کے سے تکبّر کی ذرا سی بو بھی پیدا نہ ہوئی۔ وہ عام آدمی کی طرح لوگوں سے ملتا تھا۔ ان کے دکھ درد میں شریک ہوتا تھا عوام کے درمیان اس طرح بیٹھتا تھا کہ اجنبی آدمی کو یہ معلوم کرنا مشکل ہوتا تھا کہ اس محفل میں قوم کا سردار، ملک کا بادشاہ کون ہے، اتنا بڑا آدمی ہونے کے باوجود چھوٹے سے چھوٹے آدمی کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا تھا کہ گویا وہ اسی جیسا ایک انسان ہے۔ تمام عمر کی جدّوجہد میں اس نے اپنی ذات کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ اپنا پورا ترکہ اپنی قوم کے لیے وقف کر دیا اپنے پیروؤں پر اس نے اپنے یا اپنی اولاد کے کچھ بھی حقوق قائم نہ کیے۔ حتیٰ کہ اپنی اولاد کو زکوٰۃ لینے کے حق سے بھی محروم کر دیا۔ محض اس خوف سے کہ کہیں آگے چل کر اس کے پیرو اس کی اولاد ہی کو ساری زکوٰۃ نہ دینے لگ جائیں۔"[1]

---

[1] نبوت محمدیؐ کا عقلی ثبوت از سید ابوالاعلیٰ مودودی۔

Marfat.com

یہ تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نفسی، بے لوثی اور بے نیازی کا عالم آپ فقر کے شہنشاہ اور استغناء کا پہاڑ تھے اور یہ سب اپنے مالک کی رضا اور اس کے حکم کے مطابق تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کو انہیں لوگوں نے فتح کیا جنہوں نے استغنا کے زور سے پہلے اسے مغلوب کیا اور اسے اپنے در کی لونڈی بنا کر رکھا۔ دنیا کو ایسے انسانوں کی تلاش کبھی نہیں رہی ہے۔ جو اس سے مغلوب ہو کر اس کے دروازے پر کتوں کی طرح پڑے رہیں اسے تو ہمیشہ تاریخ انسانی میں صرف ایسے انسانوں کی تلاش رہی ہے جو اس سے مستغنی ہوں تاکہ وہ ان کی جوتیاں سیدھی کرے۔ اسی لیے آج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے سیرت نگار یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کا جوتا بھی ساری دنیا کے مال و متاع سے زیادہ قیمتی ہے۔

Marfat.com

منزل ہفتم:

حکمتِ انقلابِ اسلامی کے چند پہلو

Marfat.com

پہلا باب

حکمتِ قیادت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے متعدد حکیمانہ تدابیر اختیار کیں جن میں سے ایک ایک تدبیر انقلاب کی طرف بھرپور پیش قدمی کی حیثیت رکھتی تھی۔ ان تدابیر میں اسلامی تحریک کے لیے ایک اعلیٰ پائے کی قیادت کی فراہمی بھی ہے اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے حضورؐ نے اسلامی تحریک کی ۲۳ سال تک قیادت فرمائی۔ اس انقلابی جدّوجہد میں آپ نے قیادت کا یکسر ایک نیا معیار قائم فرمایا۔ وہ قیادت جو اپنے ساتھیوں کے دلوں کے تخت پر متمکن تھی۔ جس سے لوگوں کو والہانہ محبت تھی۔ جس کی شفقت، محبت، بصیرت، راہنمائی اور دانائی پر سارے ہی قافلے والوں کو بھرپور اعتماد تھا۔ حضورؐ اپنے ساتھیوں کے درمیان بیٹھے ہوئے کسی نشانِ عظمت سے پہچانے نہیں جاتے تھے۔ آپ سب میں سے ایک تھے۔ سب کے ہمدرد، سب کے بہی خواہ اور سب کے لیے مربی اور سرپرست۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہمہ پہلو رحمت و راحت تھی جس نے ایک بار آپ کو دیکھ لیا اس نے دیکھ کر ہی گواہی دے دی کہ وہ چہرۂ مبارک کسی جھوٹے مدعی کا چہرہ نہ ہو سکتا تھا جو آپ کے پاس بیٹھا اس نے اپنی عزت و آبرو، عزتِ نفس اور جان و مال کو محفوظ پایا۔ جس نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا پھر وہ ہاتھ تحریک کی کامیابی کے آخری مدارج تک آپ کے ہی ہاتھ میں رہا۔ آپ نے کسی کا ہاتھ کبھی نہ جھٹکا تھا۔ آپ کے دائیں بائیں دنیا دار لیڈروں کی مانند کوئی داخلی سیاسی کشمکش موجود نہ

Marfat.com

تھی۔ آپؐ کے ساتھی خدا کے نیک بندے، باہمی حقوق کے ادا کرنے والے، آپس میں رحمت و شفقت کے مجسمے اور کافروں کے لیے سخت تھے۔ آپؐ سے کسی کو بے رُخی کا گلہ نہ ہوا۔ آپؐ سے کسی کو کبھی سرد مہری کا شکوہ نہ ہوا۔ آپؐ نے ادنیٰ سے ادنیٰ ساتھی کو بھی ہمیشہ نگاہ میں رکھا اور اس کے حالات سے آگاہ رہے۔ آپؐ سے آپ کا کوئی ساتھی چند دن بھی مل نہ سکا تو آپؐ نے اس کے بارے میں استفسار فرمایا۔

آپؐ لوگوں کی مشکلات سے آگاہ رہتے۔ ان کے دکھ درد میں شرکت فرماتے ان کو مصائب میں تسلی اور مدد دیتے اور ان کی پریشانیوں کا مداوا کرتے تھے۔ آپؐ اپنے ساتھیوں سے بے پناہ لگاؤ تھا اور صحابہ کرامؓ بھی آپؐ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ یا رسول اللہ مجھے آپ سے محبت ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ کیا کہتے ہو جو مجھ سے محبت کرتا ہے فقر و فاقہ اس کی طرف اس طرح آتا ہے جس طرح ڈھلوان میں پانی بہتا ہے لیکن محبت کرنے والوں کو یہ سب کچھ منظور تھا اس لیے کہ اگر آپ ان کے ساتھ تھے تو ان کے لیے ہر دکھ راحت تھا اور اگر آپ ان سے ناراض ہوتے تو ان کے لیے ہر راحت دوزخ کی جلن تھی۔ بقولِ اقبالؒ ؎

پاس اگر تو نہیں شہر ہے ویران تمام
تو ہے تو آباد ہیں اُجڑے ہوئے کاخ و کو

آپؐ اللہ کے نبی تھے لیکن پھر بھی اپنے ساتھیوں کی طرف سے بے نیاز اور غیر متعلق نہیں تھے۔ ایک ایک ساتھی کے بارے میں آپؐ استفسار فرمایا کرتے۔ ان کی اور ذاتی مشکلات میں مشورے اور مدد دیا کرتے۔

حضورؐ نے اسلامی تحریک کو برپا کرنے اور چلانے میں اسے صرف اپنی ذاتی مساعی تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ ایک نئے نظام کو برپا کرنے والے داعی کی حیثیت سے تحریک کی خاطر زیادہ سے زیادہ افرادِ کار تیار کیے۔ ایک ایک ساتھی کی حفاظت کی۔

Marfat.com

اس کی خامیوں کو دور کیا۔ اس میں خوبیوں کو اُبھارا، اِسے ضروری تعلیم وتربیت سے سنوارا اور اس طرح اسے تحریک کے وسیع تر مفاد کی رہنمائی اور قیادت کے لیے تیار کیا۔ اسی حکیمانہ طریقِ قیادت سے خلفاء راشدینؓ جیسے بہترین صالح حکمران تیار ہوئے اسی طریقے سے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ جیسے بہترین معلمین اخلاق تیار ہوئے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ جیسے مفسر اور محدث تیار ہوئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ، خالدؓ بن ولید اور سعدؓ بن وقاص جیسے جرنیل تیار ہوئے۔ قاضی شریح جیسے جج اور منصف تیار ہوئے۔ حضرت ابوذرؓ غفاری جیسے بے لاگ اور بے لوث حق گو تیار ہوئے۔ غرض دنیا کے انسانی سرمائے کا بہترین اثاثہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگرانی اور طریقِ قیادت سے تیار کر دیا۔ اگر آپؐ کے ساتھی ایک نئے نظام کو اٹھانے کی صلاحیتوں سے مالامال نہ کر دیے گئے ہوتے اور اس کی ہمہ پہلو رہنمائی اور قیادت کے اوصاف سے وہ متصف نہ ہوتے تو ایک عظیم نظریاتی اور انقلابی تحریک کو نظام کی صورت میں اور اس نظام کو معاشرے کی صورت میں ڈھالنا سخت دشوار کام ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ قیادت کا ہی یہ معجزہ ہے کہ چند برسوں میں آپؐ نے بہترین صلاحیتوں کا حامل انسانی سرمایہ جمع اور تیار کر کے دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ اس کی تیاری میں آپؐ نے اپنی عظیم شخصیت کا جوہر ایک ایک ساتھی میں اتارنے کی سعی کی۔ انہیں سفر میں، حضر میں، مسجد میں، بازار میں، گھر میں، پردیس میں، ہر جگہ اور ہر حالت میں نئے نظام کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لیے تیار کیا اور ان میں وہ اوصاف پیدا کیے جن اوصاف کے لوگ اتنی بڑی تعداد میں انسانی تاریخ نے اس سے پہلے کبھی یکجا نہ دیکھے تھے۔ یہ حکمتِ قیادت حضورؐ کا وہ معجزہ ہے جو بے مثال ہے حضورؐ کے بعد آج تک کوئی قائد اس نوعیت کی کامیابی تک نہیں پہنچ سکا اسی لیے وہ نتائج جو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانے کی لوح پر درج فرمائے تھے وہ نتائج دوبارہ برپا کرنا مشکل ہو گئے اس لیے کہ کسی انقلاب کے لیے ایک انقلابی ٹیم کی تیاری کسی داعیٔ دعوت کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا فریضہ ہوتا ہے اور عموماً اسی کی کمی یا خامی مطلوبہ نتائج نکلنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ دنیا میں حضورؐ وہ واحد اور حقیقی قائدِ انقلاب تھے جنہوں نے دنیا کی تشکیل کا پرانا ڈھانچہ یکسر بدل دیا اور دنیا کو سب کچھ نیا دیا۔ آپؐ نے دنیا کو ایک نیا نظام، نیا معاشرہ، نیا ضابطہ، اور نیا انسان دیا۔ ایسا نیا انسان جو اللہ کی خوشنودی کا مظہر اور اس کی بندگی اور عبادت کی علامت ہے جس کا نام ہی اطاعت الٰہی کا نشان ہے۔ ظلمتوں، تاریکیوں اور گمراہیوں سے بھری ہوئی دنیا میں سرورِکائنات کا وجود ایک ایسا روشنی کا مینار ہے جو عالمی قیادت کا ایک بے مثال نمونہ ہے۔ اس لیے انسانیت کا قافلہ مجبور ہے کہ راہِ راست کی تلاش میں اس مینار سے ہی روشنی کی بھیک طلب کرے۔ ہر چشمِ بصیرت کو غیر متمدن دنیا اپنی تمام کمزوریوں کے ساتھ حضورؐ کے عقب میں گم ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور نئی دنیا اور نیا نظام آپؐ کے قدموں سے پھوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ پرانی دنیا کو آپؐ نے اپنے تئیس سالہ جہادِ زندگانی میں ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔ علم و عقل کی روشنی میں دمادم مہذب اور متمدن ہونے والی دنیا کا افتتاح آپ نے فرمایا اور اسے ایک ایسا نظام عطا کیا جو ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرنا۔ اور ہر زمان کے انسانی ضرورتوں کا کفیل ہے۔ حضورؐ درحقیقت پوری انسانیت کے تا قیامت قائد ہیں۔ آپ کی قیادت کی پوری تاریخ انسانی میں کوئی مثال نہیں ہے۔

دنیا میں کچھ لوگوں نے ایسے کارنامے سرانجام دیے ہیں کہ ان کی یاد ذہنِ انسانی سے وابستہ ہو کر رہ گئی ہے اور تاریخ نے ان کے کارناموں کو اپنے دامن

Marfat.com

میں محفوظ کر لیا ہے۔ بڑے بڑے سالاروں کی یلغاریں، بڑے بڑے فاتحوں کی فتوحات، بڑے بڑے حکیموں کی حکمتیں اور دانائیاں اور بڑے بڑے فلسفیوں کے فلسفے، بڑے بڑے عالموں کے علم و ادب کے ذخیرے اور بڑے بڑے سائنسدانوں کی ایجادات، وطن پرستوں کی جانفشانیاں اور قوم پرستوں کی قربانیاں تاریخ کے دامن میں سے نکل نکل کر نسل انسانی کے سامنے آتی ہیں اور اپنے لیے تحسین و آفرین کے تحفے طلب کرتی ہیں۔ لیکن اگر ان کے مجموعی کارناموں کو فلاحِ انسانیت کے عالمگیر ترازو میں رکھ کر تولا جائے تو ان کی بے وزنی اور بے وقعتی بہت نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ بڑے بڑے آمروں، فاتحوں اور سالاروں نے زیادہ سے زیادہ بس یہی کیا کہ انہوں نے زیادہ سے زیادہ انسانوں کو غلام بنایا، بڑے بڑے حکیموں کی حکمتیں اور داناؤں کی دانائیوں نے دنیا کے معاملات کی گتھیوں کو کچھ اور الجھا ہی دیا لیکن سلجھا نہ سکے۔ بڑے بڑے فلاسفروں نے اس سے زیادہ کچھ نہ کیا کہ پہلو دار الفاظ کے انبار لگائے اور انسانوں کے گروہوں کو شک و تذبذب میں گرفتار کر کے انہیں جھگڑنے کے لیے چھوڑ دیا۔ بڑے بڑے صناع کاریگر اور سائنسدانوں نے جس قدر انسانیت کو فلزاتی سہولتیں مہیا کیں ان سے زیادہ اس کی ہلاکت اور تباہی کا باعث بن گئے آج جن لوگوں کو دنیا پر انکشافاتِ جدیدہ کے ذریعے احسان کرنے کا دعویٰ ہے ان کے جبڑوں سے بھی زخمی انسانیت کا خون مسلسل ٹپک رہا ہے۔ مغرب کی جو تہذیب بلند بانگ دعووں کے ساتھ وجود میں آئی اس نے بھی انسان کو تباہ کرنے کے لیے اپنی تجربہ گاہوں کی ہر تجرباتی نلکی کو وقف کر دیا اور اسے موت کے انجکشن دینے کے فکر میں دن رات ایک کر دیے۔ علم و دانش کے یہ سارے مدعی انسانیت کی آہوں اور فریادوں کے سوا اور کچھ حاصل نہ کر سکے۔ اس لیے کہ ان میں سے کسی نے بھی فلاحِ انسانیت کا کوئی عالمگیر پروگرام پیش نہیں کیا اپنی صفات کے

Marfat.com

لحاظ سے وہ سب یک طرفے اور جانبدار ہوتے قائد نظر آتے ہیں۔ ان میں کوئی معاشیات میں اُلجھ گیا ہے تو انسانی زندگی کے دوسرے تمام شعبوں کو نظر انداز کر گیا ہے۔ کسی نے سیاست کو لیا ہے تو معاشرت اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے کوئی اجتماعات کا ماہر ہے تو انسانی انفرادیت سے وہ قطعی بے بہرہ ہے غرض ان سب کو حالاتِ زمانہ اور تقاضائے وقت نے پیدا کیا ہے۔ وہ خود حالات کو اپنی مرضی کے مطابق نہیں ڈھال سکے بلکہ جب کہیں کوئی مخصوص حالات پیدا ہو گئے تو انہوں نے آگے بڑھ کر ان حالات سے فائدہ اٹھایا۔ انہیں ہم تاریخ کی پیداوار کہہ سکتے ہیں۔ لیکن حضورؐ تشریف لائے تو حالات کا تقاضا وہ نہ تھا جو آپ نے پورا کیا۔ آپ نے حالات کو خود پیدا کیا۔ خود اپنے کام کے آدمی تیار کیے۔ خود ان آدمیوں سے مخصوص اصولوں کی علمبرداری کا کام لیا اور خود ہی تاریکی کے پردوں کو پھاڑ کر ان میں سے صبحِ انسانیت کو طلوع کیا انہوں نے خود تاریخ کو بنایا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھالا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے وہ منفرد قائد ہیں۔ جو دنیا کو اپنے رنگ میں ڈھالتے ہیں۔

مشرق بعید کے تمام مذاہب کے قدیم بانیوں نے انسان کے لیے ترکِ دنیا کو مکتی کا ذریعہ بتایا۔ یہ زندگی کے مسائل کا حل نہ تھا بلکہ ان سے فرار تھا۔ انبیاء کرام جو دنیا میں وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہے۔ ان کا پیغامِ ہدایت بھی انہیں مخصوص قوموں کے لیے وقف رہا۔ جن کی طرف وہ مبعوث ہو کر آتے رہے۔ حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ ہر ایک نے ایک ہی انداز میں گم کردہ راہ لوگوں کو مخاطب کیا:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ۔ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔

ہر نبی اور ہر داعئ حق نے ہر زمانے میں گم کردہ راہ انسانوں کو اسی طرح خطاب کیا اور انہیں لوگوں کو مخاطب کیا جو ان کے گرد ان کی قوم یا قبیلے کی شکل میں پھیلے ہوئے

Marfat.com

تھے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے تمام انسانوں کو بیک وقت مخاطب کیا۔ ان کو بھی جن تک آواز پہنچی ان کو بھی جو ان سے براہِ راست مخاطب ہوئے اور ان کو بھی جو اس دنیا میں قیامت تک آدم کی نسل سے پیدا ہوتے چلے جائیں گے ان کے خطاب اور ان کے پیغام کے تمام انسان مساوی طور پہ مخاطب ہیں۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ۔ اے لوگو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضورؐ کا پیغام تمام نسلِ انسانی کے ہر ہر فرد کے لیے ہے۔ چاہے وہ زمین کے مغربی گوشے میں پیدا ہوا ہو یا مشرقی گوشے میں، چنانچہ اللہ تعالےٰ نے بھی اپنے نبی کو دنیا میں بھیجتے ہوئے یہی پیغام دیا تھا کہ وہ کسی مخصوص گروہ کو نہیں بلکہ ساری دنیا کو خدا سے ڈرانے والا اور سیدھی راہ دکھانے والا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ (القرآن)

ہم نے تم کو دنیا کے آگے حق کی گواہی دینے والا سعادتِ انسانیت کی کی خوشخبری دینے والا اللہ کی طرف اس کے بندوں کو بلانے والا اور دنیا کی تاریکیوں کے لیے ایک چراغِ نورانی بنا کر بھیجا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ (القرآن)

کیا ہی بابرکت ذات ہے جس نے اپنے بندے پر الفرقان نازل کیا تاکہ وہ قوموں کو اور ملکوں ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام عالموں کی ضلالت کیلئے ڈرانے والا بنے۔

Marfat.com

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حجۃ الوداع کا آخری خطبہ دیا۔ وہ انسانیت کے لیے تمام غیرالٰہی بندھنوں سے آزادی کا منفرد منشور ہے۔ آپ نے تمام لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا:

"جو یہاں موجود ہیں وہ اس پیغام کو ان تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا پیغام زمان و مکاں کی حدبندیوں سے بالا ہے اور وہ ہر زمانے اور ہر نسل کے انسانوں کو بیک وقت ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔ آپ پوری انسانیت کے قائد ہیں اور ساری دنیا کے قائد میں جن صفات کا ہونا ضروری ہے وہ آپ میں موجود ہیں جو یہ ہیں:

★ ایسے قائد کی پہلی صفت یہ ہونی چاہیئے کہ وہ کسی خاص قوم، نسل خاندان، رنگ یا طبقے کی سربلندی کے لیے نہ اُٹھا ہو بلکہ مجموعی طور پر دنیا کے تمام انسانوں کی بھلائی کے لیے اس نے کام کیا ہو۔ اس لیے کہ کسی مخصوص قوم یا ملک یا نسل کی سربلندی چاہنے والا شخص اس کے اپنے لوگوں کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے قابلِ تقلید نہیں ہو سکتا۔ جو شخص صرف مشرق والوں کے لیے ساری خیرخواہی کا جذبہ لے کر اٹھا ہو اس کی ذات سے مغرب والوں کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے اور انہیں کیا ضرورت ہے کہ وہ اسے اپنا قائد تسلیم کریں بلکہ اگر وہ مشرق کے باشندوں کی ترقی کے لیے مغرب والوں کو گرانا چاہتا ہو تو انہیں اس سے نفرت ہوگی۔ اس لیے تمام قوموں کے انسان تو ایک شخص کو صرف اسی صورت میں اپنا قائد مان سکتے ہیں کہ وہ کسی قوم کے فرد کو کسی دوسری قوم کے فرد پر کوئی ترجیح نہ دے۔

★ اس کی دوسری صفت یہ ہو، کہ اس قائد نے ایسے اصول پیش کیے ہوں جو دنیا کے تمام انسانوں کی نسل، قوم، رنگ اور ملک کی عصبیت سے بالاتر ہو کر رہنمائی کرتے

Marfat.com

ہوں اور ان کی فلاح کا طریقہ بتاتے ہوں۔

★ اس کی تیسری صفت یہ ہونی چاہیئے کہ اس کی رہنمائی کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ اس کا بنایا ہوا راستہ ہر زمانے کے انسانوں کے لیے مفید ترین راستہ ہو اس لیے کہ جو قائد زمانے کی گردش کے ساتھ افکار رفتہ ہو جانے والا ہو اسے دنیا کا ہادی نہیں کہا جا سکتا۔ دنیا کا ہادی صرف وہی ہو سکتا ہے جس کی رہنمائی رہتی دنیا تک کار آمد ہو۔

★ اس کی چوتھی صفت یہ ہو کہ اس نے جو اصول بھی پیش کیے ہوں وہ محض کسی فلسفی کا فلسفہ نہ ہوں بلکہ ان اصولوں پر اس نے خود بھی حرف بہ حرف عمل کر کے دکھایا ہو اس لیے کہ محض اصول پیش کر دینے والا زیادہ سے زیادہ ایک مفکر تو ہو سکتا ہے لیکن ایک راہنما اور ہادی نہیں ہو سکتا۔ ان شرائط کو پورا کیے بغیر کسی انسان کو ساری دنیا اپنا قائد تسلیم نہیں کر سکتی جب ہم یہ شرائط لے کر تاریخ کا دامن کھنگالتے ہیں اور دنیا کے تمام رہنماؤں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی انسان ایسا نظر نہیں آتا جو ان شرائط پہ پورا اترتا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر سرسری طور پر بھی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کسی خاندان یا قوم یا نسل یا طبقے یا گروہ اور ملک کے مفاد سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ان کی نگاہ میں تمام انسان بحیثیت انسان برابر تھے۔ ان کی زندگی میں کوئی شائبہ بھی ایسا نظر نہیں آتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ انہیں کسی خاص قوم یا خاندان یا گروہ سے دلچسپی تھی۔ انہوں نے قومی، ملی، خاندانی یا نسلی بڑائی چھوٹائی کے تمام معیار توڑ کر تمام بنی نوع انسان کے سامنے ایک ہی معیار رکھ دیا تھا:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ "جو تم میں پرہیزگار ہے بس اللہ کے نزدیک وہی معزز ہے"

Marfat.com

اس پیمانے پر دنیا کے ہر خطے کا انسان اپنے آپ کو جانچ سکتا ہے اور جس کا وزن اس میں زیادہ نکلے وہی معزز ہے چاہے وہ حبش کے بلالؓ ہوں یا روم کے صہیبؓ ہوں۔ اسی لیے حضورؐ نے انسانوں میں امتیاز کے وہ پیمانے مقرر کیے جن کا تعلق انسان کے جغرافیائی یا نسلی وجود سے نہیں بلکہ اخلاقی وجود سے ہے اور ان میں مساواتِ انسانی درجہ اوّل کا اصول ہے۔

فرمایا:

"اللہ کی ناراضگی سے بچو، جو خدا کے غضب سے ڈرتا ہے وہ پورا پورا کامیاب ہوا۔"

"پرہیزگاری مراتب کو بلند کرتی ہے۔"

پھر فرمایا:

"جاہلیت کے تمام مفاخر بند کیے جاتے ہیں۔"

نسل کی حد بندیاں ختم کرتے ہوئے فرمایا:

"پرہیزگاری کے سوا اور کسی چیز کی بنا پر ایک شخص کو دوسرے پر کوئی تفضیلت نہیں سب لوگ آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

پھر فرمایا:

"اے لوگو نسب کے لیے کوئی فخر نہیں ہے عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنے والی عالمی ربانی ہدایت قرآن میں فرمایا گیا:

"اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔

Marfat.com

اور تم کو گروہ اور قبائل بنا دیا تاکہ تم آپس میں پہچانے جاؤ مگر درحقیقت معزز تم میں وہی ہے جو پرہیزگار ہے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں۔"

غرض آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکان و زمان اور قوم و وطن کی تمام حدبندیاں توڑ کر دنیا کے تمام انسانوں کو مخاطب کیا اور اسلام کے ذریعے ایک عالمی برادری کی بنیاد رکھی۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی ساری قوت ان اصولوں کو نافذ کرنے میں صرف کر دی جو انسان کی فلاح کا بنیادی پتھر ہیں۔ کائنات کا نظام جس اصول پر قائم ہے۔ اسی اصول پر انسانی زندگی کا سارا ڈھانچہ تعمیر کرنے کی جدّوجہد میں آپ نے زمانے بھر کی مصیبتیں برداشت کیں۔ طائف کے بازاروں میں پتھر کھائے، جلاوطنی قبول کی۔ قوم نے جینا مشکل کر دیا۔ لالچ دیے، دھمکیاں دیں، نظربند کیا۔ لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند بھی رکھ دو تو میں دعوتِ اسلام سے باز نہ آؤں گا۔ آپؐ کے قتل کی سازشیں ہوئیں لیکن آپؐ نے جس اصول کی حقانیت کا نعرہ لگایا اور علم اُٹھایا تھا اور جس راہ کی طرف دنیا کو بلایا تھا۔ اس پر مضبوطی سے قائم رہے یہاں تک کہ فلاح انسانیت کے ان عالمگیر اصولوں کی جڑیں قیامت تک کے لیے زمین میں گہری جما دیں۔

پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ۲۳ سال کی مختصر سی مدت میں وہ سوسائٹی قائم کر کے دکھا دی جس کا خواب آپؐ نے انسانیت کو دکھایا تھا۔ جس خواب کو پریشان کرنے کے لیے مشرکین اور دشمن اپنے سارے ہتھیار لے کر نکل آئے تھے وہ ایک واقعہ کی صورت میں عالم وجود میں آ گیا اور عالمگیر بین الانسانی بنیادوں پر جس

Marfat.com

معاشرے کی تاسیس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیشِ نظر تھی وہ جاہلیت کے پردوں کو پھاڑ کر دنیا کے مطلع پر پہلی بار طلوع ہوا۔ اس میں حبش کے بلالؓ، ایران کے سلمانؓ، فارس کے باذان اور روم کے صہیبؓ بھی شامل تھے۔ اس معاشرے میں غلام آقا بن گئے، اور جو ہمیشہ سے پست چلے آتے تھے وہ بلند ہو گئے جن کا کام صرف اطاعت کرنا تھا وہ فوجوں کے سالار ہو گئے اور جو حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے ان کے اعزاز پر بڑے بڑے معززین کو بھی رشک آنے لگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مردم شناسی کی ایک مثال حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے ایمان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں پوشیدہ جوہرِ قابل کو شناخت کرتے تھے کہ اگر انہوں نے اسلام قبول کیا تو وہ اسلامی نظام میں کس قدر خدمت سرانجام دینے کی صلاحیت رکھتے تھے چنانچہ تاریخ نے دیکھ لیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ دوم منتخب ہونے کے بعد دینِ اسلام کی کس قدر شاندار خدمت سرانجام دی۔ ایسی مردم شناسی اگر کسی قائد میں ہو تو اس کی تحریک جوہروں سے کبھی خالی نہیں رہتی اور نہ ہی وہ تحریک جوہرِ قابل کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے سے محروم رہتی ہے۔

آپؐ کا قائم کردہ معاشرہ خالص خدا کی بندگی کے اصولوں پر تعمیر ہوا جس میں داخلے کی فیس صرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تھی۔ اس طرح دنیا کے عظیم ترین ہادی اور کامیاب ترین قائد نے دنیا کی ایک نئی تعمیر کی اور اسے ایک نیا نظامِ اخلاق دیا، نیا نظامِ تعلیم، نیا نظامِ تمدن، نیا نظامِ معاشرت و معیشت اور نیا نظامِ حکومت دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ساری دنیا کے سامنے یہ مظاہرہ کر کے دکھا دیا کہ پاکیزہ اصولوں پر ایک صالح نظام کس طرح تعمیر ہو سکتا ہے۔ اور وہ دنیا کو کتنی رحمت و برکت سے بھر سکتا ہے۔ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

کو ایک نیا انسان دیا۔ انسان کو بدل دینا ہی حقیقی انقلاب ہے۔ بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی قائدِ انقلاب تھے۔

پھر جو گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نئے انسانوں پر مشتمل تیار کیا وہ صرف عالمگیر اصولوں کی بنیادوں پر ہی تیار کیا گیا اس گروہ کا تعلق نسلِ انسانی کے کسی خاص طبقے سے نہ تھا یا جغرافیائی حدود کی کسی خاص حدبندی سے نہ تھا بلکہ وہ پوری دنیا کے انسانوں میں سے ایک اصول کے ترازو میں تول اور چھانٹ کر نکالے گئے تھے اور ساری دنیا کی فلاح کے لیے انہیں مامور کیا گیا تھا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ	تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کے
لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ	لیے نکالی گئی ہو تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ	برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان
بِاللّٰهِ۔ (القرآن)	لاتے ہو۔

اس طرح جو جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کی وہ تمام بنی نوع انسان میں سے چھانٹی گئی تھی جس کے چھانٹنے اور برپا کرنے کا مقصد وہی تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کیا کہ وہ بھلائی کا حکم کریں، برائی سے روکیں اور اللہ پر ایمان لائیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس گروہ کی ایسی تربیت کی تھی کہ وہ ہر غیر الٰہی حکم سے بغاوت، ہر غیر الٰہی اطاعت سے انکار، خدا کے ہر باغی کے اقتدار کی نفی اور خدا کے مکمل اقتدار اور قانون کے نفاذ کے لیے مسلسل جدوجہد کرنے والا گروہ تھا۔ اس جدوجہد میں کتنے ہی اُحد اور کتنے ہی حُنین سامنے آئے۔ اس انقلاب کی راہ روکنے کے لیے بہت سے خون کے رشتے دار بھائی بیٹے اور عزیز سامنے آئے لیکن اسلامی انقلاب کے راستے کی ہر رکاوٹ کو ان لوگوں نے تلوار سے ہٹا دیا۔

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان تربیت کا معجزہ ہے کہ تاریخ انسانی میں

Marfat.com

ایسا تربیت یافتہ گروہ نمودار ہوا جس نے دنیا کا عظیم ترین اسلامی انقلاب برپا کیا۔ اور یہ بھی حضورؐ کی معجزانہ قیادت کا ہی حیرت انگیز کرشمہ ہے کہ دنیا میں ایک ایسا عظیم الشان انقلاب برپا ہوا جس کی مثال تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ تصوّرات انقلاب بھی آپؐ نے دیے۔ اس کا طریق کار بھی آپ نے پیش فرمایا۔ اس کے لیے بہترین ساتھی بھی آپؐ نے تیار کیے اور ان کی قیادت کر کے وہ انقلاب بھی برپا کیا جو واحد انقلاب ہے جس نے انسان کو بدلا اور اسے زمین پر اللہ تعالٰے کی خلافت اور نیابت کا واقعی حقدار بنایا یہی اسلامی انقلاب ہے جو انسانیت کے لیے سراپا رحمت و برکت و سعادت ہے۔

Marfat.com

دوسرا باب ۲

حکمتِ تبلیغ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغِ دین کا کام جس حکمت و دانشوری سے آغاز کر کے سرانجام دیا وہ تاریخِ دعوت و عزیمت کا درخشاں باب ہے آپ کا موضوعِ تبلیغ اس دینِ حق کی دعوت تھا جس کی طرف آپ نے خلقِ خدا کو بلایا۔ یہ دعوت قریش کے لیے بالکل انوکھی اچانک اور غیر متوقع تھی۔ انہیں دور کا گمان بھی نہ تھا کہ ان کے درمیان رہنے والا شریف ترین انسان جس کو وہ صادق و امین کا لقب دے چکے تھے انہیں کسی ایسی آزمائش سے دوچار کر دے گا جس سے مکے کے باشندوں، خاندانوں اور قبیلوں میں کشمکش برپا ہو جائے گی اور مکے کے شہر کا سماں ایسا بدل جائے گا کہ ان کے روزمرہ کے معمولات میں بھی فرق پڑے گا اور انہیں ایک دعوت کا موافقت یا مخالفت کی صورت میں بہر حال جواب دینا ہوگا وہ آپؐ سے ایسی توقع ہرگز نہیں رکھتے تھے کہ ان کے ذریعے مکہ کے معاشرے میں ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے گی۔ وہ انہیں سب کا مونس سب کا ہمدرد اور ایک بے ضرر انسان کی حیثیت سے جانتے تھے لیکن یہ کہ ان کے ذریعے گھر گھر میں کشمکش برپا ہو جائے گی اس کی انہیں دور کی توقع بھی نہ تھی۔

اسی نفسیاتی پس منظر میں اچانک حضورؐ کو دعوت عام کا حکم مل گیا۔ آپؐ جانتے تھے کہ قریش اس طرح ایک آزمائش سے دوچار ہو گئے تھے۔ آپؐ یہ بھی جانتے تھے کہ ہر دور میں ہر قوم نے اپنے رسول کا جس طرح استقبال کیا ہے وہی استقبال قریش کی

Marfat.com

طرف سے آپ کا بھی ہوگا۔ ورقہ بن نوفل عیسائی عالم نے تو اوّلین وحی کی حقیقت سننے کے بعد اپنے سابقہ کتب کے علم کی بنا پر پیش گوئی کر دی تھی کہ ایک روز آپؐ کی قوم آپ کو گھر سے نکال دے گی۔ اس وقت آپؐ نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا تھا۔ بہرحال جب کھل کر دعوت پیش کرنے کا وقت آیا تو آپ نے اپنی دعوت و تبلیغ میں انسانی نفسیات اور حکمتِ تبلیغ کا پورا پورا لحاظ رکھا تاکہ مخاطبین کو قائل کیا جا سکے اور قائل کر کے انہیں دعوت کی طرف مائل کیا جا سکے۔ آغازِ دعوت میں آپؐ نے حکمت کے طور پر ٹکراؤ پیدا کرنے، کشمکش کرنے اور ان کے اندر ضد یا جذبۂ عناد کو بھڑکا دینے سے سخت اجتناب کیا آپؐ نے ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ فیاضانہ، فراخدلانہ اور کریمانہ رویہ قائم رکھا۔ دعوت عام کا حکم ملنے پر جب آپ نے اہلِ مکہ کو صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر بلایا اور وہ سب اکٹھے ہو گئے تو آپؐ نے سب سے پہلے ان سے اپنی شخصیت کے بارے میں ہی اعتراف و اظہار کرایا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"اے گروہِ قریش، اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کی جڑ میں ہے تو کیا تم لوگ میری تصدیق کرو گے"؟

"لوگوں نے کہا ہاں آپ ہمارے نزدیک غیر متّہم ہیں اور ہم نے کبھی آپ کے کذب کا تجربہ نہیں کیا"

جب صداقت و امانت کا یہ اعتراف ہو گیا تو آپؐ نے فرمایا:

"تو میں تمہیں ایک عذابِ شدید سے ڈراتا ہوں"

اس اعترافِ صداقت کے بعد پھر جن لوگوں نے آپؐ کی دعوت کو جھٹلایا۔ ظاہر ہے کہ ان کا ضمیر انہیں اندر سے ضرور کاٹتا ہوگا۔ تبلیغ کی یہی حکمت تھی جس سے قریش پر اظہارِ حقیقت کی حجّت تمام ہو گئی۔

اس کے علاوہ آپؐ نے کسی ایسے امر کی تبلیغ نہیں کی جس پر آپؐ نے خود عمل کر کے نہ دکھایا ہو۔ یہ وہ عملی تبلیغ تھی جس سے لوگ اسلام کی حقیقت پر ایمان لے آتے تھے اور یہ بھی جان لیتے تھے کہ اس کام میں بھلائی اور خیر ہے۔ اس طرح آپؐ ایک ایسے علم کی تبلیغ کرتے تھے جو زبان سے گزر کر دلوں میں جگہ پکڑ لیتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ میں اس امر کا اہتمام بھی فرماتے تھے کہ لوگوں کی سہولت اور توجہ کا لحاظ رکھیں۔ آپؐ موقعہ بے موقعہ تبلیغ نہیں فرماتے تھے۔ اور نہ اتنی کثرت سے دعوت پیش کرتے تھے کہ لوگ گھبرا اور اُکتا جائیں۔ اسی طرح آپؐ اس حال میں بھی تبلیغ نہ کرتے تھے کہ لوگ اپنے بعض دوسرے اہم کاموں میں مشغول ہوں آپؐ کی تبلیغ بیشتر تعلیم قرآن پر مبنی ہوتی تھی جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت درجہ ناقابل مزاحمت موثر کلام تھا۔ آپؐ تبلیغ کی زبان ہمیشہ آسان اور عام فہم رکھتے اور اپنی بات مثالوں سے واضح فرمایا کرتے۔ آپؐ بالعموم اپنی بات تین بار دہرایا کرتے تاکہ جن پر بات ایک بار واضح نہ ہوئی ہو ان پر بھی بات واضح ہو جائے اور انہیں خوب اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ تبلیغ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی حکمتِ تبلیغ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

> "دلوں میں کچھ خواہشات اور میلانات ہوتے ہیں اور کسی وقت وہ بات سننے کے لیے تیار رہتے ہیں اور کسی وقت اس کے لیے تیار نہیں رہتے۔ لوگوں کے دلوں میں ان میلانات کے اندر داخل ہو اور اس وقت اپنی بات کہو جب کہ وہ سننے کے لیے تیار ہوں اس لیے کہ دل کا حال یہ ہے کہ جب اس کو کسی بات پر مجبور کیا جاتا ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے اور بات قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔"[1]

---

[1] (کتاب الخراج) ابو یوسف

Marfat.com

اسی لیے بہترین مبلغ کے بارے میں فرمایا گیا ہے:۔

"بہترین عالم وہ ہے جو لوگوں کو اپنے وعظ سے اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں کرتا اور نہ اللہ کی نافرمانی کے لیے انہیں رخصتیں دیتا ہے اور نہ اللہ کے عذاب سے انہیں بے خوف بناتا ہے" (کتاب الخراج)

تبلیغ میں اس امر کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ انسان مخاطب کی طرف سے کسی مزاحمت، رکاوٹ، تمسخر اور استہزا کی پروا نہ کرے چنانچہ جس قدر مزاحمتیں اور رکاوٹیں آپ کے راستے میں پیدا کی گئیں آپؐ نے ان کی کوئی پروا نہ کی بلکہ اپنے فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی میں آپؐ کا انہماک تنبانہ روز بڑھتا ہی چلا گیا۔ آپؐ نے اعلانیہ مجالس میں بھی تبلیغ کی اور انفرادی ملاقاتوں اور علیحدہ مجالس کے ذریعے بھی ان تک اللہ تعالےٰ کا حکم پہنچایا اور انہیں بندگیٔ رب اختیار کرنے کی دعوت دی۔ آپؐ نے نہ کبھی کسی کے منہ لگنے کی کوشش کی اور نہ ان کی بیہودگیوں کا کبھی کوئی نوٹس لیا۔ آپؐ ان کی بیہودگیوں کو ہمیشہ نظر انداز فرمایا کرتے اور ان کی بدتمیزیوں پر کبھی ناراضگی، غصہ و پریشانی اور جھنجھلاہٹ کا اظہار نہ کرتے۔ آپؐ کا یہ شریفانہ طرزِ عمل اتنا عالی ظرفی پر مبنی ہوتا کہ کفار کے دلوں کی تہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت بڑھتی چلی گئی۔ قریش آپؐ کے استقلال، استقامت، اور اپنے مقصد پر اتنی مضبوطی سے قائم رہنے پر سخت حیرت زدہ تھے اور ان میں سے سعید فطرت انسانوں کے دلوں میں آپؐ کی صداقت کا اعتراف بڑھتا چلا گیا۔

حضورؐ نے اپنے سارے دورِ تبلیغ میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل فرمایا جو حضرت موسیٰؑ کو ہدایت فرمایا گیا تھا:

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۔

تم (اور ہارون دونو بھائی) اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید کہ وہ

Marfat.com

نصیحت قبول کرے اور خدا سے ڈرے۔ (طٰہٰ:۴۴)

آپؐ نے نرمی، شفقت اور اپنی قوم کے ساتھ مہربانی اور اس کی طرف سے لائی گئی مصیبتوں کے مقابلے میں صبر کی بے نظیر مثال قائم کر دی۔ کسی نبی کو اتنا نہ ستایا گیا ہوگا اور کسی نبی نے اپنی قوم کے لیے اتنی دعائیں نہ کی ہوں گی جتنی حضورؐ نے اپنی قوم کی ہدایت کے لیے دعائیں کیں۔ آپ نے دن اور رات اپنی قوم کو راہ راست پر لانے کے لیے کوششیں کیں۔

آپؐ نے لوگوں سے کبھی ترش روئی اور بے رُخی نہیں برتی۔ کبھی دعوت پیش کرنے میں بے پروائی اور بے نیازی نہیں دکھائی۔ خود اللہ تعالےٰ نے بھی حضورؐ کو یہ ہدایت دے رکھی تھی کہ ہر بندۂ خدا کی طرف مساوی توجہ کی جائے اور ہدایت پہنچانے کا کام بلا امتیاز جاری رکھا جائے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپؐ ان لوگوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے جو خدا سے برگشتہ دنیوی وجاہت کے بھوکے اور متکبّر و مغرور تھے۔ آپؐ ایسے لوگوں کے سامنے دعوت پیش کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے جو اسے سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ جو لوگ حق سے بے نیازی کا رویہ اختیار کرتے آپؐ بھی وقارِ دعوت کے پیشِ نظر ان کے پیچھے نہ پڑتے تھے البتہ دعوت عام پیش کرنے میں آپؐ کوئی کمی یا کوتاہی نہ کرتے تھے۔

آپؐ ہمیشہ آسان ترین پیرائے میں اپنی دعوت پیش کرتے تھے۔ ہمیشہ اس بات پر نظر رکھتے تھے کہ کون دعوت سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہے اور کس میں راہ حق کی طرف گامزن ہونے کے لیے آمادگی پائی جاتی ہے۔ آپؐ جن میں ایسی آمادگی پاتے وہی سعید فطرت لوگ آپ کی نگاہِ التفات کے زیادہ مستحق قرار پاتے اور پھر آپؐ ان کی تعلیم و تربیت پر زیادہ سے زیادہ توجہ مبذول فرماتے تھے آپؐ

Marfat.com

جس کے دل میں بھی خدا کا خوف محسوس فرماتے اس کی نصیحت اور ہدایت کی آپ زیادہ فرماتے۔ حضورؐ کے اس طرزِ عمل کو قرآن نے اس طرح بیان فرمایا ہے :

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۔ پس اے نبی نصیحت کیے جاؤ۔ تم بس
لَسْتَ عَلَيْهِمْ نصیحت ہی کرنے والے ہو کچھ ان پر جبر
بِمُصَيْطِرٍ ۔ کرنے والے نہیں ہو۔

چنانچہ آپؐ اس حکمِ خداوندی کے مطابق مسلسل دعوتِ دین پیش فرماتے رہے نہ استکبار کرنے والوں کے کبر سے پریشان ہوئے اور نہ انکار کرنے والوں کے انکار سے بددل ہوئے اور نہ ان کی مخالفت سے مایوس ہو کر اپنا کام چھوڑا۔ اس مستقل مزاجی کے نتیجے میں کلمۂ حق بار بار سن سن کر کسی کے دل میں ایک وقت اور کسی کے دل میں دوسرے وقت اسلام اترتا چلا گیا۔ ہٹ دھرم ایک طرف ہوتے چلے گئے اور حق کے متلاشی حق کی روشنی پا کر آپؐ کے گرد جمع ہوتے چلے گئے۔ آپؐ نہایت خوبصورتی سے اللہ کی ان صفات کو بنیاد بنا کر جنہیں قریش تسلیم کرتے تھے کہ وہ خالق اور رب ہے انہیں یہ بھی تسلیم کراتے چلے گئے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک مسجود، حاکم اور بادشاہ بھی ہے اور دوسرے کسی کا اللہ کی ان صفات میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

آپؐ کے پیش کردہ کلامِ ربّانی میں اتنی زبردست تاثیر تھی کہ جو لوگ اسے تسلیم کر لیتے تھے وہ اس کے لیے جان و مال کی بازی لگا دیتے تھے اور جو تسلیم نہیں کرتے تھے ان کے دل بھی اندر سے معتقد اور مرعوب ہو جاتے تھے۔ عتبہ نے قریش کا نمائندہ بن کر جب حضورؐ سے بات چیت کی اور آپ کو تین چیزوں کی پیش کش کی تو آپؐ نے خاموشی سے اس کی باتیں سننے کے بعد کچھ ردّ و کد نہیں کی بلکہ صرف یہ فرمایا ”کہ اگر تم اپنی کہہ چکے ہو تو پھر اب میری سنو۔ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر جب آپؐ نے تلاوتِ قرآن شروع کی تو عتبہ دونوں ہاتھوں کو پیچھے زمین پر ٹیک کر بغور قرآن سنتا رہا۔ اس کے

Marfat.com

چہرے پہ ایک رنگ آتا اور ایک رنگ جاتا تھا جب وہ آپؐ کی طرف سے ٹکا سا جواب لے کر اپنے آدمیوں میں واپس آیا تو اسے دور سے دیکھتے ہی اس کے ساتھیوں نے کہہ دیا:

"خدا کی قسم عتبہ کا چہرہ بدلا ہوا ہے اور یہ وہ صورت نہیں ہے جسے لے کر وہ گیا تھا۔"

اس پر آپؐ کی تبلیغِ حق کا یہ اثر ہوا کہ اس نے آتے ہی اپنی قوم کو یہ مشورہ دیا کہ محمدؐ کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اور بالکل مزاحمت نہ کرو۔ عرب اس پر غالب آ گئے تو تم پر اس کی ذمہ داری نہ ہو گی اور وہ عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہی تمہاری بادشاہی ہو گی۔ یہ تھا اس تبلیغ کا اثر جو آپؐ نے کمالِ حکمت سے پورے تحمّل کے ساتھ عتبہ کے دل و دماغ میں پیدا فرما دیا تھا آپؐ نے قریش پر صاف صاف واضح کر دیا تھا کہ یہ قرآن اللہ کا نازل کردہ کلام ہے۔ یہ کسی اجنبی بولی میں نہیں بلکہ عربی زبان میں اترا ہے جو لوگ اس کے مضامین سن کر بھی سیدھی راہ سے گریز کرتے ہیں انہوں نے اپنے دلوں پر قفل چڑھا رکھے ہیں لیکن دلوں کی اس قفل بندی اور نظروں کی اس بندش کے باوجود اس حقیقت میں کوئی تغیر ممکن نہیں کہ خدا ایک ہی ہے کسی کی ضد سے بھی یہ حقیقت نہیں بدل سکتی اس مالک کے ساتھ شرک اور کفر کا رویہ سراسر ظلم و زیادتی اور خسران کا رویہ ہے جو بالآخر عذابِ خداوندی کو دعوت دینے والا ہے وہ لوگ نہایت بدقسمت ہیں جو خدا کی کتاب کی موجودگی میں بھی راہ راست نہ پا سکیں اور ان کے شیطان ان کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ کسی قسم کی گھٹیا چالیں قرآن جیسی اٹل حقیقت کو شکست دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ جب وہ حقائق آخرت فی الحقیقت مجسّم ہو کر سامنے آ جائیں گے جن کا آج مذاق اڑایا جا رہا ہے تو بدقسمت انسان پچھتائیں گے لیکن اس وقت ان کا پچھتانا بعد از وقت ہو گا اور

Marfat.com

کسی کام نہ آئے گا۔

یہ تھا وہ اندازِ تبلیغ جو قرآن کے اتباع میں حضورؐ نے اختیار فرمایا تھا۔ اور یہی وہ منصبِ رسالت تھا جس پر فائز ہو کر آپ نتائج سے بے پروا ہو کر اللہ کی بندگی کی طرف خلقِ خدا کو دعوت دیے رہے تھے اس دعوت کے دوران آپؐ کا اپنا عمل اتنا پاکیزہ تھا کہ کسی کے لیے اس پر حرف رکھنے کی گنجائش نہ تھی۔ نیکی بجائے خود ایک زبردست طاقت ہے جو دلوں کو مسخر کرتی ہے نیکی کے مقابلے میں بدی میں خود ایک پنہاں کمزوری ہوتی ہے جو ایک روز اسے پاؤں سے اکھاڑ کر پھینک دیتی ہے چنانچہ حضورؐ کو یہ تعلیم دی گئی تھی کہ وہ بدی کا مقابلہ نیکی سے کریں اس سے خود بخود بدی شکست کھا جائے گی:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ۔ (القرآن)	اور اے نبی نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی ہے وہ تمہارا جگری دوست بن گیا ہے۔

لیکن یہ حکمت اختیار کرنا ہر کسی کے بس کا کام نہیں ہے کہ بدی کے مقابلے میں اعلیٰ تر نیکی کرے۔ اس کے لیے گراں قدر صبر و تحمّل کی از حد ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ کی اس صفت نے بالآخر آپؐ کے دشمنوں کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا اس سے بڑھ کر اور کیا حکمتِ تبلیغ ہو سکتی ہے کہ جن لوگوں نے حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں کو ان کے گھروں اور وطن سے نکال دیا تھا جب مکہ میں قحط پڑا تو انہیں کی امداد کے لیے آپ نے غلہ اور زرِ نقد ارسال فرمایا۔ اس کے بعد بھی جو لوگ آپ کے مقابلے میں آئے ان کے دل سینے میں ضرور کھینچے ہوتے ہوں گے اور وہ کبھی حضورؐ کے مقابلے میں جرأت و ہمت کا

مظاہرہ نہیں کر سکتے تھے۔

بدی کے مقابلے میں نیکی کا یہ طرزِ عمل حضورؐ کا عمر بھر کے لیے مستقل طرزِ عمل رہا۔ آپؐ نے ذاتی انتقام کے لیے کبھی کوئی جوابی کارروائی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ حق کی خاطر لڑنے والوں کی طرف سے ہزار بدیوں کے مقابلے میں اگر ایک بات بھی ان کے اخلاقی معیار سے فروتر سرزد ہو جائے تو لوگوں کو اچھالنے اور اپنی رکیک حرکات کے لیے جواز مل جاتا ہے۔ پھر لوگوں کے لیے دونوں فریقوں کو برابر قرار دینے کی کوشش ممکن ہو جاتی ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور وہ خاموشی سے مخالف کی گالیاں سنتے رہے۔ حضورؐ بھی قریب ہی انہیں گالیوں کا تختۂ مشق بنتے ہوئے دیکھتے اور مسکراتے رہے۔ آخر کار جناب صدیق اکبرؓ کا پیمانۂ صبر بھی لبریز ہو گیا چنانچہ انہوں نے بھی جواب میں ایک سخت بات کہہ دی۔ ان کی اس بات کو سنتے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت انقباض کی کیفیت طاری ہوئی اور آپؐ فوراً وہاں سے تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی آپؐ کے پیچھے پیچھے چل دیے اور آپؐ سے مل کر عرض کیا:

"یارسول اللہ آخر کیا سبب ہے کہ جب تک وہ شخص مجھے بُرا بھلا کہتا رہا آپ مسکراتے رہے اور جب میں نے مقابلے میں جواب دیا تو آپ ناراض ہو کر تشریف لے آئے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"ابوبکر جب تک تم خاموش تھے تمہاری طرف سے ایک فرشتہ اس کو جواب دے رہا تھا لیکن جب تم خود بول پڑے تو اس فرشتہ کی جگہ شیطان آگیا۔ میں آخر شیطان کے ساتھ کس طرح بیٹھ سکتا تھا۔"

اس واقعہ سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ ایک داعیٔ حق کے لیے بدی کا جواب بدی میں نہیں بلکہ نیکی اور صبر میں ہے اسی میں اللہ تعالیٰ کی رضا پوشیدہ ہے چنانچہ مسلمانوں کو یہی تعلیم دی گئی ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۔ (القرآن)	اے نبی نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کیجئے۔ معروف کی تلقین کیجئے اور جاہلوں سے نہ الجھئے۔

گویا تبلیغ کے لیے اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نرم گوئی، متحمل مزاجی اور عالی ظرفی کی تعلیم دی گئی ہے۔ آپؐ کو مخالفین کے ساتھ شفقت رحم اور حلم کا معاملہ کرنے کی ہدایت ہے۔ مخالفین کی طرف سے سخت کلامی، بہتان تراشی، ایذا رسانی اور شرارت و مزاحمت کے رویے پر بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو درگزر سے ہی کام لینے کی ہدایت ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں غضب اور رضا دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کہوں، جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں، جو مجھے میرے حق سے محروم کرے میں اسے اس کا حق دوں جو میرے ساتھ ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں۔"

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو ہدایت فرمایا کرتے تھے:

"تم جہاں تبلیغ حق کے لیے جاؤ وہاں تمہاری آمد لوگوں کے لیے خوشخبری ہو، باعث نفرت نہ ہو اور تم لوگوں کے لیے سہولت

کے موجب بنو، تنگی اور سختی کا ذریعہ نہ بنو۔"

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس صفت کا خود قرآن نے ذکر فرمایا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔	یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم خو ہو ورنہ اگر تم درشت خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب لوگ تمہارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔
(آل عمران: ۱۵۹)	

دوسری جگہ فرمایا گیا:

اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔	اے نبی اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔
(آل عمران)	

گویا شیریں کلامی اور اعلیٰ درجے کے شریفانہ اخلاق معتدل اور دل لگتے دلائل کے ساتھ دعوتِ حق پیش کرنے کی آپؐ کو تعلیم دی گئی تھی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی پر عمل پیرا تھے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ۔	تم بدی کو اچھے ہی طریقے سے رفع کرو ہمیں معلوم ہے جو باتیں وہ تمہارے خلاف بناتے ہیں۔
(المؤمنون: ۹۶)	

حکمتِ تبلیغ کے اس میدان میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے آپ کو صرف مکے کی بستی تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ سعید روحوں کی تلاش میں آپؐ نے مکہ سے باہر کے علاقوں میں بھی ہر ممکن صورت سے دعوت پہنچانے کی پیہم کوشش کی۔ ہر سال حج کے عظیم اجتماع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک قبیلے کے پڑاؤ پہ جا کر فرداً فرداً دعوت دین پیش فرماتے، نئے نئے افراد سے ملتے، جو لوگ بسلسلہ تجارت یا متفرق کاموں سے مکہ میں آتے ان تک بھی دعوتِ حق پہنچاتے۔ میلوں اور بازاروں میں جہاں دور دور سے لوگ آئے ہوئے ہوتے ان کے سامنے دعوت کی تفصیلات رکھتے تاکہ دعوت کی جڑیں مکہ کی بستی سے باہر تک بھی پھیل جائیں اور تحریکِ اسلامی کے دست و بازو دور دور تک پہنچ جائیں۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر آپؐ نے مکہ سے باہر طائف تک کا سفر اختیار فرمایا تھا اور مکہ کی بستی سے باہر دعوت پہنچانے کی کوششوں کا ہی نتیجہ تھا کہ بالآخر مدینہ والوں نے آپؐ کی دعوت قبول کر لی۔ اور آپؐ سے درخواست کی کہ مدینہ میں ان کے پاس تشریف لے چلیں۔ یہی حکمت تبلیغ تھی جس کے نتیجے میں مکہ میں لگایا ہوا دینِ حق کا پودا مدینہ کے باغ میں جا کر پھل پھول کر تن آور درخت بن گیا۔

فریضۂ تبلیغ بے لاگ حق پسندی اور حق گوئی کا منصب ہے۔ اس میں کسی گروہ کی پاسداری اور کسی گروہ کے خلاف کسی نوعیت کے تعصب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بے لاگ حق پسند مبلّغ سب کے لیے یکساں طرزِ عمل کا حامل ہوتا ہے۔ اصولی طور پر اس کے مخالف بھی جانتے ہیں کہ وہ جاہلی دھڑوں میں سے کسی دھڑے کا آدمی نہیں ہوتا۔ اس کا بے لاگ حق سب کے لیے حق ہے اور اس کا فیصلہ اور طرزِ عمل مکمل منصفانہ اور غیر جانبدارانہ ہوتا ہے۔ وہ کسی کی کمزوریوں کو نشانہ بنا کر ان پر چوٹ نہیں کرتا۔ بلکہ وہ عمومی طور پر لوگوں میں

جانے والی خرابیوں کی حکمت و دانش سے نشاندہی کرتا ہے جو ہٹ دھرم ہوتے ہیں ان سے وہ جھگڑتا نہیں نہ مباحثہ کرتا ہے۔ بلکہ ان پر حق واضح کرنے کے بعد صبر و شرافت اور تحمل کے ساتھ ان سے الگ ہو جاتا ہے۔

یہی طرزِ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پورے دورِ تبلیغ میں اپنے سارے مخاطبین کے ساتھ روا رکھا۔ نہ کسی سے ناراضگی، نہ کسی پر غصہ، نہ کسی سے عناد، نہ کسی سے مجادلہ اور مباحثہ، بے لاگ اور بے لوث حق گوئی جس میں آسان ترین پیرائے میں حق سمجھانے کا طریقہ اختیار کیا جاتا۔ لیکن اس شریفانہ طرزِ عمل کے مقابلے میں مخالفین کی طرف سے ظلم و زیادتی، استہزا، بیہودہ گوئی، طنز و تعریض، الزام بازی اور بہتان تراشی، لفظی اور جسمانی تشدد، یہاں تک کہ قتل کر دینے تک کی دھمکیاں اور اقدامات ہوتے رہے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر و تحمل، بردباری، برداشت، نرم خوئی، نرم گفتاری اور معاملات میں ہمدردی و دلداری اور دلدہی کا رویہ مسلسل جاری رہا۔ دونوں فریقوں کے اس متضاد اور مخالف طرزِ عمل نے آپؐ کی عالی ظرفی، شریف النفسی، بلند نگاہی اور اعلیٰ درجے کی اخلاقی بالاتری کو اس طرح نمایاں کر دیا کہ بتدریج مخالفین میں سے بھی ایک بہت بڑی تعداد اگرچہ ضد اور ہٹ دھرمی سے بظاہر کچھ عرصہ آپ کی مخالفت کرتی رہی، لیکن اندر ہی اندر ان کا دل مرعوب، ذہن ماؤف، اور سینہ کھوکھلا ہوتا چلا گیا۔ مخالفین آپ کی بلند انسانیت کے سامنے اپنے موقف اور اخلاق دونوں کو بہت کمزور اور کھوکھلا محسوس کرتے تھے۔ وہ کبھی چھپ چھپ کر قرآن سنتے۔ کبھی باہمی گفتگوؤں میں اعترافِ حق بھی کر لیتے۔ ابوجہل نے تو بالآخر صاف کہہ دیا:

> "پہلے ہی ساری فضیلتیں بنی عبد مناف کے پاس جمع تھیں اور اب وہ کہتے ہیں کہ نبوّت بھی اُن کے پاس ہے۔"

Marfat.com

یہ باتیں بتاتی ہیں کہ مکّہ میں آپؐ کی ۱۳ سالہ حکیمانہ تبلیغ اور بلند پایہ اخلاق نے مخالفوں کے اخلاقی محاذ کو اندر سے بالکل کھوکھلا کر دیا تھا۔ وہ ہٹ دھرمی سے بلاشبہ مخالفت کے محاذ پر ڈٹے ہوئے تھے لیکن اُن کی اندرونی، اخلاقی قوّت اُن میں سے بیشتر کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ آپؐ کی بعد کی کامیابیوں میں آپ کی حکمتِ تبلیغ کا بہت بڑا حصہ ہے۔

Marfat.com

تیسرا باب :

حکمتِ اجتماع

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ تبلیغ کے نتیجے میں جو لوگ ایمان قبول کرتے چلے گئے۔ آپؐ نے انہیں چند دینی ہدایات اور چند وظائفِ مذہبی بتا کر ہی فارغ نہیں کر دیا بلکہ ان کی انفرادی اور اجتماعی تعلیم کا بھی موثر انتظام کیا۔ انہیں کتاب اللہ کی تعلیم دی اور اس کے احکام سے انہیں آگاہ کیا۔ دین اسلام کے بنیادی عقائد سے انہیں مزین کیا اور اللہ تعالےٰ کی ہدایات سے انہیں سنوارا۔ پھر آپؐ نے ان کی اخلاقی تربیت کی۔ عبادت پاکیزگی اور صلوٰۃ و عبادت کا اہتمام سکھایا۔ معاملات وطرزِ عمل کی تعلیم دی اور اخلاق وکردار کی تربیت کی۔ آپؐ نے انہیں اجتماعی طور پر ایک نئے اخلاقی سانچے میں ڈھال کر نیا انسان بنا دیا۔ پھر آپ نے ساتھ ہی ساتھ ان کی تنظیم و تربیت کی اور انہیں ایک باقاعدہ گروہ کی صورت میں منظم کر دیا۔ ان کے اجتماع کا اہتمام کیا تاکہ وہ جمع ہو کر باہمی ایک دوسرے کے حالات سے آگاہ ہو سکیں۔ دعوتی صورتحال پر غور و فکر اور مشورے کر سکیں۔ باہمی ملنے جلنے اور اجتماع میں جمع ہونے سے انہیں ایک طرف تقویت پہنچی اور دوسری طرف ان کو ایک دوسرے کا سہارا حاصل ہوا۔ ان میں حوصلہ اور قوت پیدا ہوئی دارِ ارقم کا اجتماع اسی مقصد کے لیے مقرر اور منعقد کیا جاتا تھا۔

دارِ ارقم کا اجتماع قریش کے دار الندوہ کا جواب تھا۔ قریش اگر دار الندوہ میں بیٹھ کر اسلامی دعوت اور تحریک کے خلاف سوچ بچار کرتے تھے تو مومنین بھی دارِ ارقم میں بیٹھ کر مشورے کرتے اور تدابیر سوچ سکتے تھے۔ اس طرح قریش کی جاہلی اجتماعیت کے مقابلے

Marfat.com

ہیں یہ اسلامی اجتماعیت کا قیام تھا۔ اس اجتماع نے مسلمانوں کو بے حد تقویت پہنچائی۔ کفار کے مقابلے میں ان کے حوصلوں کو بلند رکھا۔ ہر دفعہ نئی سے نئی آیات اس اجتماع میں مومنین کے سامنے آتی تھیں جو بیک وقت سب کی تعلیم کا ذریعہ بنتیں اور ساتھ ہی سب کو یاد بھی ہو جاتی تھیں پھر چند ہی دنوں کے اندر وہ ساری تعلیماتِ الٰہی پورے مکہ شہر میں گونج جاتیں اور زبان زدِ عام ہو جاتی تھیں۔ جب سورۂ لہب تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ کے جملے کے ساتھ نازل ہوئی اور ابو لہب کی بیوی کو حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کہا گیا تو ایک طرف ابولہب کے بخل اور غرور و تکبر سے اندر ہی اندر چڑنے والے کفار کو بھی خوب لطف آیا اور انہوں نے اسے اپنی اپنی مجلسوں میں خوب لطف لے لے کر بیان کیا تو دوسری طرف اسلام کی دعوت پر سے خاندانی بڑائی کے لیے جدوجہد کرنے کا لیبل بھی کلیتہً اتر گیا اور بدترین دشمنوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاندانی بڑائی کے لیے یہ دعوت لے کر نہیں اُٹھے تھے۔ تیسری طرف یہ دھاک بیٹھ گئی کہ یہ دعوتِ اسلامی کوئی بڑی ہی زبردست پشت پناہی رکھتی تھی کہ اس نے مکہ کے اتنے بڑے رئیس اور سردارِ قبیلہ کو اس طرح برسرِ عام رسوا کر کے رکھ دیا تھا۔ اس سے حضورؐ کی دعوت کے لیے دوسرے خاندانوں میں زیادہ سرعت سے نفوذ کا راستہ پیدا ہو گیا۔ ابولہب کے بارے میں حضورؐ کے اعلان نے آپ کو خاندانی عصبیت سے بالاتر اصول کا انسان ثابت کر دیا اور آپ ایک جرأت مند بے لاگ بہادر اور حق گو انسان کی حیثیت سے ابھر کر سب کے سامنے آئے اس سے آپؐ کی دعوت کو زبردست تقویت پہنچی۔

دارِ ارقم ایک نہایت مناسب موقعہ کا مقام تھا۔ حضورؐ کا مکان بیت اللہ شریف سے ذرا فاصلے پر ہونے کے سبب اجتماعِ مومنین کے لیے موزوں نہیں تھا! اس لیے ارقم کے اس گھر کا انتخاب عمل میں آیا جو کوہِ صفا پر بیت اللہ شریف کے بالکل قریب تھا۔ وہاں سے سامنے کعبہ نظر آتا تھا جس نے بالآخر مرکزِ اسلام بننا تھا اور جہاں عرب کے دور دراز مقامات سے لوگ

کھنچ کھنچ کر آتے تھے اس جگہ سے بیت اللہ میں جانا بھی بہت آسان تھا۔ بیت اللہ سے دارارقم میں آنے والے کو بھی کچھ بہت زیادہ فاصلہ طے کرنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ بہت سے لوگ جن میں حضرت ابوذرؓ غفاری بھی شامل ہیں چھپ چھپ کر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے آتے تھے تو انہیں دارارقم میں جانا، ٹھہرنا، اسلام کی دعوت سمجھنا اور خاموشی سے واپس چلے جانا زیادہ آسان تھا۔ اس سبب وہ مخالفِ اسلام مشرکوں کے نوٹس میں آنے سے بھی بچ جاتے تھے اور دعوتِ اسلامی کا پیغام لے کر اپنے اپنے قبائل کی طرف خاموشی سے چلے جاتے تھے۔ اس طرح دارارقم شہر میں تحریکِ اسلامی کا مرکزی اجتماع منعقد کرنے کے لیے موزوں ترین مقام تھا۔ وہاں نماز باجماعت بھی ہوتی تھی۔ یہیں صحابہ کرام کو ان کی مشکلات پر صبر کی تلقین کی جاتی اور انہیں حوصلہ دلایا جاتا تھا۔ یہیں مشورے ہوتے اور مختلف دعوتی تدابیر پر غور و فکر کیا جاتا تھا۔ یہیں قرآن کی تعلیم دی جاتی تھی اور یہیں نئے نئے آنے والوں کا استقبال کیا جاتا تھا۔ یہ کوئی خفیہ جگہ نہ تھی بلکہ شہر بھر کا جانا پہچانا مقام تھا۔ یہیں اسلام کے متعدد اکابر حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جیسے لوگوں نے پہنچ کر اسلام قبول کیا تھا۔ یہ گویا اسلامی دعوت کا اوّلین مرکز تھا جو سارے شہر میں معلوم و معروف تھا اور کفار نئے لوگوں کو اس طرف جانے سے اکثر روکتے رہتے تھے تاکہ وہ اسلام کی دعوت سے متاثر نہ ہو جائیں۔ چنانچہ جب پہلی بار حضرت ابوذر غفاریؓ تفتیشِ حال کے لیے مکہ تشریف لائے تو حضرت علیؓ انہیں بڑی حکمت اور تدبیر سے اس اجتماع گاہ میں لے کر گئے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اپنے مکان پر اس کا ایک ذیلی مرکز قائم کر لیا تھا اور وہاں وہ بالعموم نماز ادا کرتے، تلاوتِ قرآن کرتے اور آس پاس کے لوگوں میں اسلام کی دعوت پھیلاتے تھے۔ آپ کے سوز و گداز اور بہی خواہانہ تبلیغ سے بھی بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ جن میں حضرت زبیر بن العوامؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت عثمان بن عفانؓ قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسلمان ہو

جانے والے بہت سے لونڈی، غلاموں کو بھی خرید خرید کر آزاد کیا اور ان کو اسلامی دعوت کے فعال اور جفاکش کارکن بنا دیا۔

اسی تعلیم و تربیت اور تنظیم و اجتماع کا نتیجہ تھا کہ جو شخص ایک بار مسلمان ہو گیا چاہے وہ معاشرے میں کتنا ہی کمزور ہو وہ کسی ترغیب و ترہیب کی بنا پر اسلام سے دست بردار نہ ہوا۔ کلمہ طیبہ ایک ایسا شجرِ طیبہ تھا کہ جب وہ ایک بار دل میں جڑ پکڑ جاتا تو پھر کسی سختی اور تشدّد سے اسے اکھاڑا نہ جا سکتا تھا۔ مرد اور عورتیں کفار کے تشدد اور ظلم و ستم کی شدت سے شہید بھی ہو گئے لیکن انہوں نے اسلام سے منہ نہ موڑا۔ وہ اگر معاشرے میں کمزور ترین پوزیشن کے فرد بھی ہوئے تو اسلام قبول کرنے کے بعد معاشرے کے مضبوط ترین سردار کی دھمکی کو بھی انہوں نے پرِکاہ کے برابر نہ سمجھا اور ہر لالچ اور تشدد کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔

یہ جرأت اور حوصلہ جہاں ایمان لانے کا نتیجہ تھا وہاں حضورؐ کی صحبت میں بیٹھنے آپ کی باتیں سننے آخرت کے بارے میں اپنے یقین کو عین الیقین تک پہنچانے اور نظم و اجتماع کی مدد سے مناسب اسلامی تربیت حاصل کرنے کا بھی نتیجہ تھا۔

اجتماع مشاورت کا بہترین ذریعہ ہے اور تحریک کو پیش آنے والے نت نئے مسائل حل کرنے کے لیے مشاورت کا اہتمام ایک ناگزیر ضرورت ہے چنانچہ آپؐ نے ہمیشہ مشاورت کا خاطر خواہ انتظام رکھا اور دارِ ارقم کا یہ اجتماع جہاں تعلیم و تربیتِ نومسلمین کا کام کرتا اور انہیں نئی تحریک کی عدم محاربت کی پالیسی سے آگاہ کرتا وہاں ان سے مختلف امور میں مشورے کا اہتمام بھی ہوتا۔ بے جا جوش و خروش سے بچ کر دعوت پھیلاتے چلے جانا اس دور کی نمایاں دعوتی پالیسی تھی۔ صبر و تحمل سے اپنی بات کہنا اور ثابت قدمی اور اولوالعزمی سے اپنے دین پر ڈٹے رہنا۔ یہ اس دور کی تربیت کا اہم ترین نکتہ تھا۔ ہر نوعیت کے جوش و خروش اور مظاہرۂ قوت جسمانی سے اجتناب ضروری تھا۔ اس لیے کہ اس وقت دونوں فریقوں میں قوت کا کوئی قابلِ لحاظ توازن موجود نہ تھا۔ اس وقت

Marfat.com

بے جا جوش و خروش دکھانے سے دعوتِ اسلامی کو اس کے اوّلین مرحلے پر ہی کچل دیے جانے کا خطرہ موجود تھا۔ اس لیے خاطرِ کائنات مالک الملک جو اس تحریک کو چلا رہا تھا اور جس کی روزمرہ ہدایت کے تحت ہی یہ تحریک جاری تھی اس نے جہاد کا حکم اس وقت تک نہ دیا جب تک تحریک نے اپنے نئے آزاد مرکز میں ایک ابتدائی آزاد ریاست کی پوزیشن حاصل کر کے قوت کا ایک قابل لحاظ توازن اور تناسب فراہم نہ کرلیا دارارقم کا مرکز درحقیقت ایک تعلیمی اور تربیتی مرکز تھا۔

دارارقم کی اس تربیت گاہ میں تحریکِ اسلامی کے ابتدائی دور میں نظم و ضبط، تحمل و بردباری اور صبر و استقامت کی اوّلین تعلیم دی گئی یہیں تحریک اسلامی کی اوّلین اجتماعی روایات قائم ہوئیں۔ دارارقم کے اس اجتماع میں سمع و طاعت کے اصول اور ان کی حدود بنائی گئیں اور اللہ اور اس کے رسول کے لیے غیر مشروط اطاعت کی تعلیم دی گئی۔ اس اجتماع گاہ میں انہیں ایک علیحدہ انقلابی گروہ ہونے کا شعور اور اس کی تعلیم و تربیت دی گئی۔ جس کی آخری منزل اسلامی نظام کا قیام تھا۔ اسی لیے حضرت خبابؓ بن ارت جیسے مظلوم صحابہ پریشان ہو کر کبھی کبھی یہ پوچھ بیٹھتے تھے کہ اسلامی نظام کب آئے گا۔ اس اجتماع میں نئے نئے آنے والوں کو اسلامی تحریک سے اوّلین تعارف حاصل ہوا اور انہوں نے حضورؐ کے ساتھ صحابہ کے اطاعت گزارانہ طرزِ عمل کو دیکھ کر نہایت گہرا تاثر قبول کیا۔ اس اجتماع میں انہیں یہ تعلیم ملی کہ وہ ایک دوسرے کے ہمدرد اور حامی بنائے گئے تھے اور وہ ایک نوخیز اسلامی معاشرے کے فرد تھے۔ اس معاشرے کی قدریں اس جاہلی معاشرے سے مختلف تھیں جو ان کے چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ اسی اجتماع میں صحابہ کو دعوتِ اسلامی کو پیش کرنے اور تحریکی مسائل میں انہیں اہم اور غیر اہم اور مقدم و مؤخر کی تعلیم دی گئی اس طرح مضبوط اور جاندار مبلغین کا وہ گروہ تیار ہوا جو دعوتِ اسلامی کا ایک قیمتی اثاثہ تھا۔

دارارقم کی اسی تعلیم گاہ میں انہیں حقائقِ دینی سے آگاہ کیا گیا اور ان کے ایمان کو

Marfat.com

مستحکم کیا گیا۔ اس تربیت نے انہیں اعمالِ صالح کے اہتمام کا عادی بنا دیا۔ اس تنظیم نے انہیں اجتماعی اسلامی زندگی کے اصول و ضوابط اور حدود و قیود بتائے اور اس اجتماع نے انہیں باہمی تعلق کی مضبوطی اور دنیا و آخرت میں باہمی رشتے کی اہمیت سمجھائی جس کے نتیجے میں ابتداء سے یہ لوگ ایک انقلابی گروہ کی حیثیت سے ممتاز و ممیز ہو گئے اور جو انقلاب ان کے ہاتھوں آنا تھا اس کے لیے مناسب تربیت پا کر تیار ہو گئے۔ حضورؐ کی انقلابی کامیابی میں اس تعلیم و تربیت اور صحابہ کی تنظیم و اجتماع کا بہت بڑا دخل تھا۔

Marfat.com

چوتھا باب :

حکمتِ اخلاق و کردار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں تبلیغ کی حکمت سے مخاطبین کے دلوں کو متاثر کیا اور صحابہؓ کی تعلیم و تربیت سے اپنا داخلی محاذ مضبوط کیا وہاں اپنے اور اپنے صحابہؓ کے برتر اخلاق اور بلند تر کردار سے بھی اپنے گروہ کی برتری ہر ایک کے سامنے ثابت کر دی اور دیکھنے والے غیر جانبدار مبصر کے لیے یہ بالکل آسان ہو گیا کہ وہ دونوں کی اخلاقی اور کرداری حالت کو دیکھ کر صالح اور مُفسِد گروہ کو واضح طور پر پہچان سکے۔ مسلمانوں کے اخلاق اور کردار کی یہ ممتاز حیثیت اتنی نمایاں تھی جسے کفار و مشرکین بھی بہت اچھی طرح سمجھتے اور محسوس کرتے تھے۔

کفار و مشرکین میں سے جو لوگ ٹوٹ ٹوٹ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نئی تحریک میں آ رہے تھے وہ اس معاشرے کے اصحابِ خیر سمجھے جاتے تھے۔ وہ اپنی سوسائٹی کے بہترین لوگ تھے۔ ان کی شرافت، دیانت، فیاضی اور خدمت پر پوری بستی گواہ تھی۔ گویا معاشرے کا صالح ترین سعید فطرت اور جانا پہچانا شریف الطبع عنصر خود بخود چھٹ چھٹ کر اس نوخیز تحریک میں چلا آ رہا تھا جو خدا کی وحدانیت اور آخرت کی جوابدہی کے اصولوں پر اٹھی تھی۔ اور جس کی دعوت ہی یہ تھی کہ دنیا میں شریفانہ، خدا ترسانہ اور ذمہ دارانہ زندگی گزارو تا کہ آخرت میں خدا کے سامنے بہتر نامۂ اعمال پیش کر سکو۔ اس تعلیم کے نتیجے میں جو لوگ اس تحریک سے وابستہ ہوتے تھے ان کی پہلی شرافت کو بھی چار چاند لگ جاتے تھے۔ ان کی نیکی اور بھلائی کا دائرہ وسیع تر ہو جاتا تھا۔ اس تحریک میں شامل ہونے کے بعد وہ اتنے

Marfat.com

نیک دیانتدار پرہیز گار، راستباز اور پاکیزہ اخلاق انسان بن جاتے تھے کہ ہر دیکھنے والا انسان اس تحریک کے عمدہ اثرات اور اس دعوت کی اخلاقی برتری کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ گویا ایک طرف یہ تحریک اپنے اندر سوسائٹی کا بہترین عنصر کھینچ کر ثابت کر رہی تھی کہ وہ بہترین افراد کی آماجگاہ تھی اور دوسری طرف ان میں پاکیزگی طہارت اور شرافت کو نکتہ عروج تک پہنچا کر یہ ثابت کر رہی تھی کہ اس تحریک کے اندر یہ خوبی اور قوت بھی تھی کہ وہ پاکیزگی اور شرافت کو اور بھی اُجاگر اور مضبوط تر بنا دیتی تھی۔ اس طرح اس جاہلی معاشرے میں یہ صورتحال پیدا ہو رہی تھی کہ نیکی اور خیر خواہی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو رہی تھی اور بدی اور بدخواہی دوسری طرف پڑی تھی۔ ان دونوں گروہوں کو بیک نظر دیکھ کر کسی پاکیزہ ذوق انسان کے لیے یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہ تھا کہ وہ اپنی تائید کے لیے کس گروہ کو منتخب کرے۔

اسی لیے دن بدن یہ نوخیز تحریک بڑھ رہی تھی۔ قریش مسلمانوں پر شدید ترین جھنجھلاہٹ پر مبنی ہولناک ترین مظالم کرنے کے باوجود کسی نومسلم کو توڑ نہ سکے تھے اور نہ تحریک کے پھیلاؤ اور دم بدم اس کی وسعت کو روک سکے تھے۔ جس طرح حضرت اسماعیلؑ کا چشمۂ آبِ زمزم پھوٹ کر جب بہہ نکلا تو پھر اسے کوئی روک نہ سکا تھا اسی طرح جب آپؐ کی اسلامی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی تبلیغ کی حکمت، اپنی تنظیم کی قوت اور اپنی اخلاقی برتری سے پھیلنے لگی تو کسی ظالم کا ظلم اس کا ہاتھ تھام نہ سکا۔ اور کسی جابر کا جبر اس کے آگے بند نہ باندھ سکا۔ اس لیے کہ برتر اخلاق و کردار میں وہ قوتِ نفوذ تھی جسے روکنا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ حضور اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کی بے داغ سیرتیں دلوں کو مفلوج کرتی چلی جاتی تھیں اور ان کے نظم و ضبط جانثاری اور استقامت نے لوگوں کے دلوں میں اس تحریک کے لیے زبردست جذبۂ احترام پیدا کر دیا تھا۔ یہی ان کی ترقی کا سب سے بڑا راز تھا۔

Marfat.com

قریش کی طرف سے ایک شخص آیا۔ اس نے آپؐ کے سامنے دنیا کی حسین ترین دلپسند پیش کش کی سارے قریش کی سرداری اور بادشاہی، حسین ترین عورتوں سے نکاح اور مال و دولت جس قدر مطلوب ہو لیکن اس بے لوث، بے داغ اور با اصول شخصیت کی نظر میں ان چیزوں کے لیے کوئی التفات نہ تھا۔ آپؐ نے صاف انکار کر دیا اور لالچ دینے والوں سے کہہ دیا کہ جس کام کا بیڑا میں نے اٹھایا ہے اسے کسی لالچ یا مصالحت کی بنا پر چھوڑا نہیں جاسکتا۔ یہ کام میری جان کے ساتھ ساتھ ہے یا یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچے گا یا میں اس راستے میں اپنی جان دے دوں گا۔ دعوتِ حق سے کم تر کوئی چیز آپ کو قبول نہ تھی۔ اس بلند ارادے اور بھرپور عزیمت کے سامنے کون سا پہاڑ تھا جو راستہ روک سکتا تھا اور کون سی مزاحمت تھی جو ان کی منزل کھوٹی کر سکتی تھی۔

دعوتِ حق کے اس کام میں آپؐ کی شخصیت کا وزن غیر معمولی تھا۔ آپؐ ناقابلِ شکست عزم کے مالک تھے۔ آپؐ کی نرم خوئی عام افراد کے لیے تھی یا پھر ذاتی مسائل تک محدود تھی۔ اصولوں کے معاملے میں آپؐ پہاڑ کی مانند مضبوط اور ناقابلِ شکست تھے۔ آپؐ صابر و متحمل مزاج تھے۔ لیکن دین کی بنیادی تعلیمات کے بارے میں آپؐ کی ثابت قدمی ناقابلِ مزاحمت اور ناقابلِ مصالحت تھی۔ دعوتِ اسلامی کا آغاز کرنے سے پہلے ہی آپؐ کے اخلاق و کردار کا لوہا قریش مانتے تھے۔ آپؐ کو زندگی کے سارے معاملات میں ہمیشہ حق گو پاکر قریش آپؐ کو صادق کا خطاب دے چکے تھے۔ ہر نوعیت کی امانتوں کے بارے میں ہمیشہ دیانتدار پاکر قوم کی طرف سے آپؐ کو امین کا لقب مل چکا تھا۔ ابوجہل تک کہتا تھا کہ میں یہ کب کہتا ہوں کہ محمدؐ جھوٹا ہے میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ وہ نبی نہیں ہے۔ آپؐ کا خادمِ خلق اور صلح جو کردار آپؐ کی کم عمری میں ہی حلف الفضول کے معاہدے میں دستخط کنندہ بن چکا تھا جو معلوم و معروف تھا۔ آپؐ کا یہی اخلاق حجرِ اسود کے دیوارِ کعبہ میں رکھنے کے جھگڑے میں خون تک چاٹنے والوں کو آپؐ کے فیصلے کا پابند کر چکا

تھا۔ آپؐ کا بلند اخلاق ناقابل نزاع تھا۔ آپؐ کا پاکیزہ کردار ناقابلِ حجت تھا۔ آپؐ اخلاق و کردار میں لاثانی تھے۔ اب وہی کردار اس تحریک میں رواں دواں دکھائی دیتا تھا جو آپؐ نے دعوتِ اسلامی کے ذریعے برپا کی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار کی فتوحات کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے آپؐ نے حسب نسب کے بت پاش پاش کر دیے اور روم کے صہیبؓ اور فارس کے سلمانؓ بھی اپنے آپ کو "من اہل بیت" اور "ابن اسلام" کہنے لگے تھے۔ رنگتوں کا اختلاف مٹ گیا۔ خاندانی اور نسلی شرافتوں کے معیار الٹ گئے، دین واحد نے سب کو ایک ملت بنا دیا۔ دشمن دوست بن گئے اور جان کے بیری جانثار ہو گئے جو عمرو بن العاص قریش کا سفیر بن کر مسلمانوں کو حبش سے نکلوانے گیا تھا وہ چند ہی سال بعد غسّان کے بادشاہ کے پاس اسلام کا سفیر بن کر گیا اور ہزاروں انسانوں کے اسلام قبول کرنے کی خوشخبری لایا۔ جو خالد بن ولید جنگ اُحد میں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا سب سے بڑا سبب بنا تھا وہ لات و عُزیٰ کے بتوں کو گراتا ہوا اسلامی فتوحات کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ کر عراق و شام کی طرف نکل گیا۔ جو عروہ بن مسعود حدیبیہ میں قریش کا سفیر بن کر آیا تھا وہ خود حاضر ہو کر ایمان لایا پھر اپنی قوم کی طرف دعوت اسلام لے کر گیا اور اسلام ہی کے راستے میں اپنی جان قربان کر دی۔ جو سہیل بن عمرو معاہدہ حدیبیہ میں بت پرستوں کا نمائندہ تھا اور معاہدے میں حضورؐ کے نام کے ساتھ رسول اللہ کا لفظ لکھنے پر بھی معترض تھا اس نے بیت اللہ میں کھڑے ہو کر اسلام کی حقانیت کی گواہی دی اور سینکڑوں قلوب میں حقانیتِ اسلام کی سکینت اتارنے کا ذریعہ بنا۔ جو عمر بن خطاب تلوار لے کر گھر سے قتلِ رسول کے لیے نکلے تھے وہ خود دعوتِ اسلامی کے نخچیر ہو کر ایمان و کفر کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے والے عمر فاروقؓ بنے۔ حد یہ ہے کہ جو وحشی حضرت امیر حمزہؓ کا قاتل بنا تھا اس نے مسیلمہ کذاب کو قتل کر کے اپنے جرم کا کفارہ ادا کیا جو ابن

Marfat.com

ابن عم ابوسفیان بن حارث آپؐ کی ہجو میں شعر کہتا تھا وہی ہوازن کے معرکے میں چند ثابت قدم رہ جانے والے ساتھیوں کے درمیان آپؐ کی رکاب تھامے ہوئے نظر آیا جو ابوسفیان بن حرب برسوں تک آپ کے خلاف فوجیں چڑھا چڑھا کر مدینہ پر حملہ آور ہوتا تھا وہ اسلام قبول کر کے حضورؐ کی طرف سے ایک علاقے کا عامل مقرر کیا گیا۔ جو عبدِ یالیل ثقفی طائف میں آپؐ کی زندگی کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا تھا وہ خود حاضرِ خدمت ہو کر ایمان لایا اور راہِ راست پر گامزن ہو گیا۔ انتہا یہ ہے کہ وہ ہندہ جگر خوار جو حضورؐ کے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چباتی اور آپ کا مُثلہ کرتی دیکھی گئی تھی۔ وہ ایمان لاتی اور یہ کہتی ہوئی سُنی گئی کہ مجھے حضور اکرمؐ کے خیمے سے زیادہ محبوب خیمہ اب کوئی نظر نہیں آتا۔ یہ کرشمے اس اخلاق و کردار کے تھے جو حضورؐ کو اللہ تعالےٰ نے عطا فرمایا تھا جو آپؐ نے اپنے جماعت میں پیدا فرمایا تھا جو جماعت الٰہی تعلیمات کی حامل اور ان پر عامل تھی اور جس کے تربیت یافتہ کارکنوں نے پوری دنیا میں اپنے اخلاق و کردار کی عظمت کا سکّہ بٹھا دیا تھا۔ اس بلند اخلاق کے لوگوں کی فاتح فوجیں ایک شہر میں داخل ہوئیں تو دشمن نے ازراہِ شرارت و حکمت عورتوں کو مزین کر کے بالاخانوں میں کھڑا کر دیا تاکہ اس کے دعوت کے اخلاق کو آزمایا جا سکے لیکن کسی سپاہی کو بھی اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ بالاخانوں میں ان کے دین و ایمان کے خلاف کیا انتظام کیا گیا تھا چونکہ غضِّ بصر کے اصول نے ہر سپاہی کی نظر کو غیر محرم چہروں کی طرف سے پھیر دیا تھا۔ ایک معرکے میں دشمن فرمانروا کا ہیرے جواہرات سے جڑا ہوا تاج ایک معمولی سپاہی کے ہاتھ لگ گیا تو وہ اسے چھپا کر رات کو سالار کے پاس لایا تاکہ دن کی روشنی میں لانے کے سبب اس پر تہمتِ ریا نہ لگ سکے۔ اس گروہ کے فرمانروا پیوند لگے کپڑے پہننے اور بیت المال کے اونٹوں کی خود مالش کرتے تھے۔ وہ عام عدالتوں میں حاضر ہو کر مقدمات کی جوابدہی کرتے اور مسجد میں بازو کا تکیہ لگا فرشِ زمین پر لیٹ جاتے تھے۔ وہ خدا کے سامنے جوابدہی

Marfat.com

کے خوف سے اور احساس ذمہ داری سے سرشار ہو کر دنیا سے اُٹھا لیے جانے کی دعا کرتے تھے وہ غلام کے ساتھ بھی سفر کرتے تو سواری کے لیے باری مقرر کر لیتے تھے عوام کی طرف سے وہ سرِعام ٹوکے جاتے اور اپنے کاموں کے لیے سب کے سامنے جوابدہی کرتے تھے یہی وہ اخلاق و کردار کی برتری تھی جس نے دشمنوں کو حضورؐ اور آپ کی جماعت کے مقابلے میں اندر سے بے زور اور کھوکھلا کر دیا تھا۔ حضورؐ کی کامیابی کا راستہ اخلاق و کردار کی اس قوت اور برتری نے بالکل صاف اور ہموار کر دیا تھا۔

Marfat.com

پانچواں باب

حکمتِ ہجرت

(اسلامی انقلاب کے نصب العین تک پہنچنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عملی تدابیر اختیار کیں ان میں ایک حکمتِ ہجرت بھی ہے۔ کسی نصب العین کی خاطر اس کے پیرؤوں کی سب سے بڑی قربانی یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے لیے اپنے گھر بار، عزیز و اقارب، کھیتی باڑی، کاروبار، تعلقات اور تمام رشتے ناطے چھوڑ دیں اور اس آزمائش میں پورے اتریں، جس آزمائش میں اترے بغیر کوئی گروہ سندِ وفاداری اور تمغۂ ایمان حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ آزمائش اپنے نصب العین کی خاطر دارالکفر کے وطن سے فقر اور بے وطنی کے پردیس کی طرف ہجرت ہے۔ اس ہجرت کا اجر جنت ہے!)

ہجرت کے بغیر وفادار اور بے وفا، کھوٹے اور کھرے، اصلی اور نقلی، حقیقی اور غیر حقیقی دعویدارِ ایمان میں تمیز نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی تحریک کے پیشِ نظر ایک زبردست انقلابی کشمکش اور جان لیوا جدّوجہد ہو تو اس کے لیے اپنے پیرؤوں کو ہجرت کی کسوٹی سے گزار کر پرکھنا اور میدان میں لانے سے پہلے بے وطنی کی کس مپرسی کی بھٹی میں تپا کر ان کا انقلابی کھرا پن معلوم کرنا اشد ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی دعوت کا نگہبان و نگران اور پاسبان و ہادی تھا اس نے اسلام کے غلبے کے لیے اس کی جدّوجہد میں جو تدریج رکھی اس میں ہجرت کی کسوٹی بھی شامل تھی۔ اس ہجرت کے بغیر اہلِ ایمان کا محاذ اہلِ کفر کے عین مقابل نہ کھل سکتا تھا۔ تحریک کے لیے یہ جاننا ضروری تھا کہ مدعیانِ ایمان میں انقلابی روح کے

ساتھ تن من دھن کی بازی لگا کر کون کون آگے آئے تھے۔

ہجرتِ حبشہ آپؐ کی اسلامی تحریک کی پہلی آزمائش تھی۔ اس سفر پر جاتے ہوئے آپؐ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہؐ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا، کہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد راہِ خدا میں یہ پہلا جوڑا ہے جو گھر بار سے ہجرت کی نیت سے نکلا ہے۔ اس طرح مسلمانوں کو اپنی بستی سے باہر ایک غیر ملک کی طرف اسلام کی خاطر سفر کرنے کا پہلا تجربہ حاصل ہوا۔ پھر وہاں وہ جن نئے نئے حالات سے دوچار ہوئے ان سے عہدہ برآ ہونے کا حوصلہ بھی ان میں پیدا ہوا اور ان میں اپنے ملک سے باہر جا کر ایک نظریاتی معاشرتی گروہ ہونے کا احساس بھی اُبھرا۔ یکساں نوعیت کے مصائب سے دوچار ہونے کے سبب ان میں یکجہتی، یکسانیت اور یکتائی کی خوبیاں اُجاگر ہوئیں۔ انہیں عربوں کے علاوہ غیر ملکی لوگوں کے سامنے بھی دعوتِ اسلامی پیش کرنے کا موقعہ ملا۔ مشکل حالات پر قابو پانے کا تجربہ ہوا۔ مشرکوں کی بجائے اہلِ کتاب کے سامنے ایک نئے انداز میں دعوتِ اسلامی پیش کرنے کا طریقہ سیکھا اور دعوتِ اسلامی کو مکہ کی بستی سے نکال کر عرب سے باہر حبش کے ملک میں پہنچا دینے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ اس طرح اسلامی دعوت اپنے ملک کی سرحدات پار کر کے ایک دوسرے ملک کی سرحدوں میں داخل ہو گئی۔ اس میں بین الاقوامیت کا رنگ پیدا ہو گیا۔ اس ہجرت سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ انہیں کچھ دنوں کے لیے مشرکینِ مکہ کے ظلم و ستم سے بچ کر عیسائی اہلِ کتاب کے ساتھ رہنے جُلنے اور انہیں سمجھنے کا موقعہ میسّر آ گیا۔

ہجرتِ حبشہ کے بعد جب مکے کے کفار کی طرف سے ایک سفارت شاہ حبش کے دربار میں گئی تاکہ مہاجر مسلمانوں کو واپس لا کر ان پر ظلم و ستم کو جاری رکھا جا سکے تو انہیں ایک بے لاگ مباحثے میں بادشاہ کے دربار میں اسلام کا موقف پیش کرنے کا موقعہ ملا۔ مباحثے میں کفار کے سفیروں کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی۔ درباریوں میں تقسیم

Marfat.com

ہوئی ان کی رشوتیں اور ہدیے کسی کام نہ آئے اور وہ سفارت بالکل ناکام واپس آئی۔ اس سے مسلمانوں کو ان کے مقابلے میں احساسِ فتح حاصل ہوا اور ان کا دل بڑھ گیا۔ دوسری طرف انہیں یہ بھی محسوس ہوا کہ ان کی بات معقولیت کے ساتھ سنی جائے تو اس کی صداقت کے وزن کو ہر غیر جانبدار مبصر محسوس کر سکتا ہے اور ان کا مؤقف اگر بڑی مجالس میں بھی زیرِ بحث آئے تو اس کی معقولیت بہت زیادہ قابلِ قبول سمجھی جاتی ہے۔

مہاجر مسلمانوں کو یہ بھی پہلی بار تجربہ ہوا کہ اپنی بات بے لاگ انداز میں کسی ہیر پھیر کے بغیر ہر جگہ پیش کرنے کی جرأت دکھانا ہی ان کے شایانِ شان اور ان کے دین کے تقاضوں کے مطابق ہے انہیں یہ بھی پتہ چلا کہ اگر وہ مخالفین کے مروجہ عقائد کی پرواکیے بغیر پورا پورا بے لاگ حق بیان کریں تو اس میں بہت زیادہ قوت اور وزن ہوتا ہے جسے سننے والا اچھی طرح محسوس کرتا ہے۔

حضورؐ نے ہجرت کے لیے پہلی بار جو علاقہ منتخب کیا وہ حبش کا ملک تھا اور ایک عیسائی مملکت تھی وہاں بیشتر اہلِ کتاب کی آبادی تھی۔ اہلِ کتاب اپنے عقائد اور اقرارِ خدا اور رسالت و آخرت کے بارے میں مسلمانوں سے قریب تر تھے۔ ویسے بھی اس وقت کے عیسائی یہود کے مقابلے میں زیادہ خدا ترس اور خدا خوف تھے اور ان میں اچھی تعلیمات کے اثرات ابھی باقی تھے حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات نے ان میں خدا خوفی، ہمدردی رحم اور مسافر نوازی کی خوبیاں بھی پیدا کر دی تھیں چنانچہ حضورؐ کی نظر نے مظلوم مسلمانوں کی پناہ کے لیے جو علاقہ تجویز کیا وہ ملک حبش کا علاقہ تھا۔ غالباً اس وقت وہ موزوں ترین ملک تھا جس کی طرف مسلمان پناہ کے لیے ہجرت کر سکتے تھے جب ظلم و ستم کی حد ہو گئی تو آپؐ نے اس ملک کی طرف ہجرت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"اچھا ہو کہ تم لوگ نکل کر حبش چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کرے تم لوگ وہاں ٹھہرے رہو۔"

Marfat.com

چنانچہ حبشہ کی طرف دوبار مظلوم مسلمانوں نے ہجرت کی جس کے نتیجے میں آپؐ کے ساتھ مکہ میں صرف تھوڑے سے افراد باقی رہ گئے۔ جن لوگوں نے حبش کی طرف ہجرتیں کیں انہوں نے بلاشبہ اپنے رب سے بہترین انعام و اکرام کا وعدہ حاصل کیا۔ پہلی ہجرت کے لیے حبشہ کا انتخاب حضورؐ کی دانش و حکمت کا عمدہ نمونہ تھا۔ اس سے مسلمانوں نے خدا کی راہ میں نکل کر بہت سے ایمانی فوائد حاصل کیے۔ یہ ۵ نبوی کا زمانہ تھا۔

اس کے بعد ۱۳ نبوی کو مسلمانوں نے باضابطہ انصار کے ساتھ ایک معاہدے کے ذریعے مدینہ کی طرف ہجرت کی یہ ایک عظیم ہجرت تھی۔ تمام اہل ایمان کے لیے لازم کیا گیا تھا کہ وہ ہجرت کریں کوئی مدعی ایمان جو اس ہجرت میں شریک نہ ہوا اس سے خدا اور اس کے رسول کا ذمہ اٹھالیا گیا تھا مدینے کی ہجرت ہمہ پہلو و ہمہ جہتی ہجرت تھی۔ ہر چیز چھوٹ رہی تھی۔ مکان، دکان، کھیت، دوست عزیز، وطن اور شہر، غرض ہر چیز سے کلی ہجرت تھی۔ یہ بڑی آزمائش تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کو تسلی دی گئی۔

- ★ جان کی فکر نہ کریں کہ جان تو کبھی نہ کبھی جانی ہی ہے۔ مکہ میں گئی یا مدینے میں گئی یا راہِ حق کسی اور مقام پر گئی۔ بس یہ دیکھیں کہ جان ایمان کے ساتھ جائے اور ایمان پر ہی قربان ہو۔
- ★ دنیا کی نعمتوں کی فکر نہ کریں کہ جس نے یہ نعمتیں دی تھیں اس کے راستے میں جب جا رہے ہو تو وہ دوبارہ ان سے بہتر نعمتیں دے سکتا ہے۔
- ★ اپنے کاروباروں، مویشیوں، کنبوں اور قبیلوں کی فکر نہ کریں ان کا اجر آخرت میں محفوظ ہے اور دنیا میں بھی بہتر بدلہ دینے والا خدا موجود ہے۔
- ★ روزگار کی فکر نہ کریں کہ رازق تو اپنی حقیر ترین مخلوق کو بھی بھرپور رزق دیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ دعوتِ حق کی راہ میں ایک ایسا مرحلہ ضرور آتا ہے جب ایک اللہ کے بندے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ سارے اندیشہ ہائے سود و زیاں اور غم ہائے دور دراز کو چھوڑ کر بس اللہ کی راہ میں جان و مال کی بازی لگا دے اور تمام دنیوی سہاروں۔

یکسر قطع نظر کرے اور اپنے مقصد کے لیے جان پر کھیل جائے۔ یہ وہ انقلابی جذبہ ہے جو زمانے میں تغیرات لاتا اور کسی نصب العین کو کامیاب کرتا ہے۔ جو لوگ نفع و نقصان کے حساب لگاتے رہتے، اور کامیابی و ناکامی کے امکانات پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں وہ کبھی ایسے اقدامات نہیں کر سکتے جن سے کوئی انقلاب رونما ہو۔ ہر چہ بادا باد کہہ کر اپنے مقصدِ زندگی کے لیے سب کچھ نچھاور کر دینے والوں کی جدّ و جہد سے ہی وہ انقلاب رونما ہوتا ہے جس کے سامنے سارے باطل کے کلمے پست ہو جاتے ہیں اور صرف اللہ کا کلمہ بلند ہو کر رہتا ہے۔

ہجرت کے ذریعے ایک بندۂ مومن یہ ثابت کر دیتا ہے کہ وہ صرف خدا کا بندہ ہے وطن، خاندان، قبیلے، روزگار اور نسل کا بندہ نہیں ہے۔ اس طرح جو شخص اپنا کلمۂ حق اپنے وجودِ معنوی و مادی پر طاری کرتا ہے وہی کلمۂ انقلاب آفرین اور انقلاب انگیز ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے خوش آئند وعدے ہیں۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ. الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ.	جو لوگ ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کر گئے ہیں ان کو ہم دنیا ہی میں اپنا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر بہت بڑا ہے کاش جان لیں وہ مظلوم جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے رب کے بھروسے پر کام کر رہے ہیں کہ کیسا اچھا انجام ان کا منتظر ہے۔
(النحل ۴۱-۴۲)	

لیکن جو لوگ خدا کی راہ میں حکم ملنے کے بعد بھی ہجرت نہ کریں ان کا شمار منافقین میں ہوتا ہے انقلابی جدّ و جہد میں جو لوگ اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیں کہ انہیں اسلام کے احکام اور خدا و رسولؐ کے مقابلے میں اپنے گھر بار، کھیتی باڑی، کاروبار اور دوسرے دنیوی رشتے زیادہ عزیز ہیں ان کے اس صریح اظہارِ نفاق کے بعد پھر مسلمانوں کے ذمے ان کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ البتہ ان ضعفاء کا معاملہ دوسرا ہوتا ہے۔ جو شرعی مجبوریوں کی بنا پر ہجرت پر عملاً قادر نہ ہوں، جان

بوجھ کر ہجرت سے باز رہنے والے لوگوں کے بارے میں بڑے سخت الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

"جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بڑا ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ ہاں جو مرد اور عورتیں واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پاتے۔ بعید نہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دے۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔"

(النساء: ۹۷-۹۸-۹۹)

اس طرح ہجرت کے عظیم انقلابی اقدام نے اسلامی تحریک کے سامنے کامیابی کے تمام راستے کھول دیے۔ اس ایک حکیمانہ اقدام سے اسلام کے لیے اتنے فوائد سامنے آئے جنہیں شمار کرنا آسان نہیں ہے۔

۱۔ اسلامی تحریک کو ایک مرکز فراہم ہو گیا۔ جس کی ابتدائی صورت ہی ایک زیرِ تشکیل ریاست کی تھی۔ مدینہ اس کا صدر مقام تھا۔

۲۔ اس مرکز میں تحریک کے داعی کی حیثیت سربراہِ مملکت کی تھی۔

۳۔ دعوتِ اسلامی کے لیے دعوت و اقدام کا کھلا میدان فراہم ہو گیا۔

۴۔ پرانے مخاطبِ دعوت لوگ بدل گئے اور کئی قسم کے مخاطبین دعوت سے سابقہ پیش آ گیا یہ تبدیلی، توسیعی اور دعوتی لحاظ سے غنیمت تھی۔ اس کے بعد دعوتِ اسلام اور توسیعِ اسلام کے لیے جدید واضح مواقع پیدا ہو گئے۔

۵۔ جسمانی تشدّد کا دور ختم ہو گیا۔

۶۔ مدینہ اسلامی مرکز ہوا تو اس کے ساتھ ہی اسلام کے عروج کا دور شروع اور کفر اور مشرکین کے زوال کا آغاز ہو گیا۔ اس کے بعد اسلام کا ہر قدم آگے اور کفر کا ہر قدم

Marfat.com

پیچھے ہی ہٹتا چلا گیا۔

۷۔ ہجرت سے کھرے کھوٹے مسلمانوں کی پہچان ہوگئی۔ ناکارہ عنصر چھٹ کر کھرا قوی اور طاقتور عنصر تحریک کی جھولی میں آ گیا۔

۸۔ ہجرت کے اقدام نے مسلمانوں کو ضعف سے قوّت کے راستے پر ڈال دیا۔ وہ ایک نئی اُبھرنے والی اسلامی ریاست کے اعوان و انصار بن گئے اور یہ بات بھی عرب پر ثابت ہوگئی کہ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک برابر کی اجتماعی قوّت ہیں جنہیں اکھاڑ پھینکنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

۹۔ ہجرت کے بعد اسلامی معاشرہ اپنی ساری ضروریات اور خصوصیات کے ساتھ وجود میں آگیا جس سے اسلامی اجتماعیت کی برکات کا ظہور ہوا۔

۱۰۔ ہجرت سے سارے عرب میں بکھری ہوئی جاندار اسلامی قوّت سمٹ کر مدینے کے مرکز میں جمع ہوگئی جس سے اسلام کو تقویت حاصل ہوئی اور اسلام ایک قوّت بن کر اُبھرنے لگا۔

۱۱۔ مدینہ میں ہجرت کے بعد اسلام کے نظریاتی تصورِ قومیّت کا عملی ظہور ہوا جس سے جاہلی تصوراتِ اجتماعیت دب گئے۔

۱۲۔ مدینے میں پہنچ کر مسلمانوں اور کفارِ مکّہ میں باقاعدہ حالتِ جنگ قائم ہوگئی، اور دونوں فریق برابر کی چوٹ بن کر سامنے آئے۔ مسلمانوں کا دورِ مظلومیّت ختم ہوا۔ اللہ کی غیبی تائید آنے کے مواقع پیدا ہوگئے۔ بالآخر ہجرت کے بعد پیدا ہونے والی کشمکش کفار کی واضح اور آخری شکست اور مسلمانوں کی کامل فتح مکہ پر منتج ہوئی۔ گویا ہجرت جس سمت میں قوّت و انقلاب کا آغازِ سفر تھا، فتح مکہ اس کی آخری منزل تھی۔

۱۳۔ ہجرت کے بعد یہ ثابت ہوگیا کہ تمام اطاعتوں پر فائق اللہ کی بندگی ہے اور سب

Marfat.com

راستوں پر حاوی راستہ اللہ کا راستہ ہے۔
۱۴۔ ہجرت نے ایک عالمی غیر نسلی اور غیر نسبی برادری کی بنیاد رکھی جو خالص نظریاتی تھی جس میں مساوات تھی اور اس میں چھوٹے بڑے، رنگ و نسل اور عرب و عجم کی قومیت کا کوئی امتیاز نہ تھا۔
غرض ہجرت کے اقدام میں جو حکمت پوشیدہ تھی اس نے اسلام کی کامیابی کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔

چھٹا باب:

حکمتِ ازدواج

اسلامی انقلاب کی منزل تک پہنچنے کے لیے تعلقات کی وسعت اور مختلف خاندانوں اور با اثر قبائل کا تعاون بھی ایک بنیادی ضرورت ہوتا ہے۔ اس غرض کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر بہت سی شادیاں کیں۔ بدباطن متعصب اور سیاہ دل معترضین کی کج فکری سے قطع نظر حضورؐ کی ان شادیوں میں بھی ایک حکمت پوشیدہ تھی جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کام بھی ہدایتِ الٰہی کے بغیر سر انجام نہیں دیتے تھے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ پہلو بھی الٰہی ہدایت سے آزاد نہ تھا۔

(جوانی میں کسی انسان سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ایک سے زاید شادیاں کرے لیکن اس وقت آپ نے ۲۵ سال کی بھرپور جوانی میں ایک ایسی خاتون سے شادی کی جس کی عمر اس وقت چالیس سال تھی اور وہ بچوں والی بیوہ خاتون تھی۔ حضورؐ کی اور آپ کی پہلی بیوی کی عمر میں ۱۵ سال کا تفاوت تھا۔)

پھر آپؐ نے اُم المومنین حضرت خدیجہؓ الکبریٰ کے ساتھ اپنی ساری جوانی گزاری اور آپ کی ساری اولاد حضرت خدیجہ الکبریٰ سے ہی ہوئی۔ ان کا دور آپ کی مکّی زندگی کا دور تھا۔ بعثتِ نبوت کے بعد سردارانِ قریش کی مخالفت کے کٹھن دن اور شعب ابی طالب کے جانگسل قید و بند اور جان لیوا معاشی مقاطعے بھی انھوں نے اکیلے ہی گزارنے اور اس دوران میں آپؐ نے کبھی خیال تک نہ کیا کہ انہیں کسی دوسری شادی کی ضرورت ہے جب کہ آپ صاحبِ حیثیت تھے، صحت مند تھے۔ اور عرب میں ایک سے زاید شادیاں کرنے

Marfat.com

کا عام اور کھلا رواج تھا جس میں کوئی قباحت نہ سمجھی جاتی تھی۔ نہ مرد سمجھتے تھے اور نہ عورتیں

اس سے معلوم ہوا کہ فی الحقیقت حضورؐ نے اپنی طبعی ضرورت کی وہی شادی کی تھی جو حضرت خدیجہؓ الکبریٰ سے ہوئی تھی۔ حضورؐ عین عنوان شباب میں بھی کنواری لڑکیوں سے زیادہ شرم وحیا اور احساسِ عفت و عظمت رکھنے والے انسان تھے۔ آپؐ کبھی نگاہ اونچی کر کے صنفِ مخالف کی طرف نہ دیکھتے تھے۔ آپؐ کی زندگی اس مکہ میں جہاں بھی اس زمانے میں اوباشوں کی ٹولیاں پیدا ہو چکی تھیں انتہائی پاکیزہ شریفانہ اور عصمت و عفت کی زندگی تھی۔ آپؐ کی ذات کے بارے میں پوری مکّی زندگی میں شادی سے پہلے یا بعد کوئی ایک حرفِ ناروا بھی کہیں سے سنائی نہیں دیتا تھا۔ آپؐ ایک کامل شریف النفس پاکیزہ سیرت عصمت مآب اور باحیا و بااخلاق انسان تھے۔ آپؐ کی ساری زندگی کا ہر پہلو آئینے کی طرح صاف ہے جس پر معمولی گرد بھی کہیں محسوس نہیں ہوتی۔

آپؐ نے اپنی عمر کا وہ حصہ جس میں انسان کو طبعی طور پر شادی اور عائلی زندگی کا ذوق و شوق ہو سکتا ہے حضرت خدیجہؓ کے ساتھ پوری عفت و پاکیزگی اور یکسوئی سے گزار دیا حالانکہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور شادی کے خواہشمند ہوتے تو وہ جاں نثار خاتون اس میں کبھی مزاحمت نہ کرتیں وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی منصف مزاجی اور بردباری کا طویل تجربہ کر چکی تھیں۔

حضرت خدیجۃؓ الکبریٰ کا انتقال ۱۰ نبوی میں ہوا۔ انہیں دنوں حضرت ابو طالب کا انتقال بھی ہوا تھا۔ وہ دونوں ہستیاں آپؐ کے کارِ نبوت میں دنیوی طور پر بہت ممد و معاون تھیں۔ اسی سال طائف اور دیگر مقامات کے بیرونِ مکہ قبائل کی طرف حضورؐ تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے گئے۔ طائف میں آپؐ کو جس مخالفت اور مزاحمت سے سابقہ پڑا وہ آپؐ کی پُرمشقت زندگی کا مشکل ترین دن تھا۔ ایسے سخت ترین ایّام میں آپؐ کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔ جو دنیوی طور پر ہر قسم کے دکھ درد میں آپؐ کا بہت بڑا سہارا تھیں

Marfat.com

حضرت خدیجہؓ الکبریٰ کی وفات سے آپ کی ازدواجی اور گھریلو زندگی بالکل معطل ہو کر رہ گئی تھی۔ اس پریشانی کے دور میں بعض صحابیوں اور صحابیات نے آپ سے شادی کا تذکرہ کیا۔ آپ اس وقت پچاس سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور پچاس سال کی عمر میں ایک صاحبِ اولاد آدمی گھریلو مجبوری کے سوا کسی اور جذبے سے شادی نہیں کرتا۔ چنانچہ حالات سے مجبور ہو کر گھر کی آبادی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے لیے جو خاتون منتخب کیں وہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ تھیں۔

(یہ خاتون پچاس سال عمر کی تھیں۔ حبش میں ہجرت کر کے گئی تھیں۔ اسلام کے لیے مشکل ترین مصائب برداشت کیے تھے۔ کئی سال تک ہجرت میں رہنے کے بعد شوہر کی وفات پر حبش سے واپس آگئی تھیں اور اب وہ بیوہ تھیں۔ ان کی عمر اس قابل نہ تھی کہ کوئی ان سے شادی کر کے ان کا معاشی اور معاشرتی سہارا بن سکے۔) اسلام کے راستے میں اس قدر مصائب سہنے، ہجرت اور سفر کرنے اور ملک در ملک بھٹکنے کے بعد گھر بار اور شوہر سے محروم ہو کر اب وہ اس عمر میں بالکل بے سہارا ہو کر واپس مکے آئی تھیں۔ حضورؐ نے ان کے مصائب کے ازالے، ان کی دلدہی، ہمدردی اور اعترافِ خدماتِ اسلام کے طور پر ان سے شادی کر لی۔ آپ ایک عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ حضرت خدیجہؓ الکبریٰ کے انتقال کے بعد یہی پچاس سالہ خاتون ہیں جو سب سے پہلے حضورؐ کے نکاح میں آئیں۔ آپ سے متعدد احادیث کی روایت موجود ہے۔ ان کے بعد باقی تمام ازواج ہجرت کے بعد مدینہ میں آپ کی زوجیت میں داخل ہوئیں۔

(ہجرت کے پہلے ہی سال شوال میں حضرت عائشہؓ صدیقہ کی رخصتی ہوئی جو حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ جس رفیقِ غار کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے دنیا میں سب انسانوں کے احسانات کا بدلہ چکا دیا ہے لیکن ابوبکرؓ کے احسانات کا بدلہ اللہ تعالے خود چکائے گا۔ حضرت عائشہؓ کا نکاح کمسنی میں ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

سے مکہ کے آخری ایام میں ہو گیا تھا۔ لیکن مدینہ پہنچ کر آپ کی رخصتی ہوئی۔ یہ ایک ایسے محبوب ترین رفیق اور دوست سے مضبوط تر رشتے کی استواری تھی جس نے مکہ کے مشکل ترین ایام میں ہمیشہ آپؐ کا ساتھ دیا تھا، کفار کے نرغے میں آپؐ کی حفاظت کی۔ معراج کے حیران کن واقعہ کی پہلی خبر پہ ہی آپؐ کی تصدیق کی جبکہ بہت سے ضعیف الایمان نومسلم تک ڈول گئے تھے۔ غارِ ثور کی ہولناک تاریکی میں آپؐ کی رفاقت کی۔ مدینہ کے سفرِ آبلہ پائی میں آپؐ کا ساتھ دیا۔ جس نے آپؐ پہ اپنی ہر متاعِ عزیز کو نچھاور کر دینے کی عمر بھر سعی کی۔ جس نے آپؐ کی غیر موجودگی میں مسلمانوں کی نماز کی قیادت کی۔ جو آپ کے اوّلین جانشین ہوئے اور جو مزاجِ نبوت کے حامل صحابی اور رفیقِ رسولؐ تھے۔ ان کے ساتھ رشتے کا تعلق قائم کرنا ان کے احسانات و محبت کا قلبی اور عملی اعتراف تھا۔ حضرت عائشہؓ نے بھی جس طرح حضورؐ کی دلجوئی اور رفاقت کی اور اپنے باپ کے نقشِ قدم پہ چل کر حضورؐ کی غمگساری، محبت و الفت کے لطیف ترین جذباتِ جاں نثاری کے ساتھ کی اس کی کہیں مثال ملنی مشکل ہے جب دشمنوں، حاسدوں اور منافقوں نے آپؐ کی آبرو پر آپ کے حوالے سے حملہ کرنے کی کوشش کی اور واقعۂ افک پیش آیا تو جس طرح صبر و استقامت کے ساتھ انہوں نے حضورؐ کی محبت کا امتحان دیا وہ ایک بے مثال طرزِ عمل ہے۔

حد یہ تھی کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان سے اس بہتان کے بارے میں پوچھ لیا۔ پھر تو ہفتوں تک مسلسل رونے والی اس پاک دامن عفیفہ اور صابرہ خاتون نے جو جواب دیا وہ ان کی ذہانت اور استقامت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انہوں نے حضورؐ کی بجائے اپنے کہنے والوں کو مخاطب کر کے کہا:

"اگر میں اب کہوں گی کہ میں اس الزام سے بری ہوں تو میری بات باور نہ کی جائے گی اور اگر میں کسی بات کا ناحق اقرار کر لوں حالانکہ خدا جانتا ہے کہ میں اس سے بالکل بری ہوں تو وہ باور کر لی جائے گی بس اس حالت

میں تو بس اپنے لیے صرف حضرتِ یعقوب علیہ السّلام کی مثال ہی پاتی ہوں جنہوں نے کہا تھا کہ بس صبر ہی بہتر ہے اللہ ہی مددگار اور کارساز ہے۔"

چنانچہ پھر آپ کی پاکیزگی کی گواہی اور براءت کا اعلان خود قرآن نے کیا۔ ان سے محبت کی تلقین خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کو کی تھی۔ جن پر جبریلؑ تک نے سلام کہا تھا۔ جن کے حجرے میں حضورؐ پر بارہا وحی نازل ہوتی تھی اور جن کی وساطت سے مسلمانوں کو آیتِ تیمم کے ذریعے قیامت تک ایک آسانی اور سہولت میسر آئی تھیں۔ حضرت عائشہؓ دینِ اسلام کے معاشرتی اور تہذیبی پہلو کی سب سے بڑی معلمہ تھیں۔ حضورؐ کے بعد صحابہ کرامؓ میں جب کوئی پیچیدہ مسئلہ آپڑتا تو وہ حضرت عائشہؓ صدیقہ کی طرف ہی رجوع کیا کرتے تھے آپ کے پاس اس مسئلے کا تسلی بخش حل موجود ہوتا آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جسم پہ کپڑوں کو پیوند لگایا کرتیں اور ایک ایک دن میں ستر ہزار درہم تک راہِ خدا میں تقسیم کر کے دامن جھاڑ دیا کرتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ اعلیٰ پائے کی عالم و فاضل خاتون تھیں۔ ادبِ عربی پر عبور تھا۔ بہت سے اعلیٰ پائے کے اشعار یاد تھے جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعی کا سامان مہیا کر دیا کرتیں آپ سے کتبِ احادیث میں دو ہزار دو سو دس احادیث کی روایت ہے۔ گویا اسلام کے معاشرتی نظام کا بہت بڑا حصہ حضرت عائشہؓ کی معرفت امتِ مسلمہ کے حصے میں آیا ہے۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ کے بعد حضورؐ نے اپنے دوسرے نہایت درجہ اور معتمد علیہ ساتھی حضرت عمر فاروقؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ سے شادی کی جو بیوہ تھیں انہوں نے اپنے سابق شوہر کے ساتھ پہلے حبش کی طرف ہجرت کی پھر دوسری ہجرت مدینہ کی طرف کی۔ ان دو ہجرتوں کے بعد ان کے شوہر خنیسؓ بن حذافہ جنگ اُحد میں شہید

ہو گئے تو حضرت عمر فاروقؓ ان کی بیوگی سے بہت پریشان ہوئے اور چند اکابر صحابہؓ سے ان کا تذکرہ کیا لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳ھ ہجری میں ان سے نکاح کر لیا اور فرمایا کہ عثمانؓ کو حفصہؓ سے بہتر بیوی اور حفصہؓ کو عثمانؓ سے بہتر شوہر مل گیا ہے۔ یہ رشتہ حضرت عمر فاروقؓ سے تعلق کی مزید گہرائی کا ذریعہ بن گیا اور ان کی دلجوئی اور معاونت کا سبب بھی بنا۔ اس طرح اسلامی تحریک کے درجۂ اوّل کے دو اہم ترین افراد سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتے کا قریب ترین تعلق پیدا ہو گیا۔ حضرت حفصہؓ بے حد عبادت گزار اور روزہ دار خاتون تھیں۔ ان سے ساٹھ احادیث کے لگ بھگ روایت موجود ہے۔ انہوں نے بھی اسلام کے معاشرتی احکام مسلمانوں تک پہنچانے میں بہت کام کیا ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمر مشہور صحابی رسول کی بڑی بہن تھیں جن سے ہزاروں احادیث کی روایت موجود ہے۔ ۱

حضرت حفصہؓ کے بعد آپ نے حضرت اُم المومنین اُم سلمہؓ سے نکاح کیا۔ جو بیوہ تھیں اور ان کے شوہر حضرت ابو سلمہؓ جنگ اُحد میں شدید زخمی ہو کر شہید ہو گئے تھے انہوں نے پہلے حبش کی طرف ہجرت کی تھی۔ پھر مکہ میں واپس آ گئے اور جب ہجرت مدینہ کا حکم ہوا تو پھر دوسری بار مدینے کے لیے ہجرت کی۔ اس ہجرت میں کفارِ قریش نے ان کے بچے چھین کر حضرت اُم سلمہؓ پر بہت ظلم ڈھایا۔ وہ سال بھر روتی رہیں۔ لیکن مدینہ میں آ کر ان سے شوہر کی دیرینہ رفاقت بھی چھن گئی اور وہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ تنہا رہ گئیں۔ انہوں نے اور ان کے شوہر نے اللہ کے راستے میں بے انتہا صعوبتیں برداشت کی تھیں اور ان کا یوں بے یار و مددگار رہ جانا بہت سوہانِ روح حادثہ تھا۔ حضورؐ نے بچوں سمیت ان کے سہارے کے لیے اور ان کی دینی خدمات کے اعتراف کے طور پر ان سے نکاح کر لیا۔ وہ بہت عاقل و دانشور خاتون تھیں اور مختلف مواقع پر ان کے دانشورانہ مشوروں سے اسلام کو فائدہ پہنچا۔ ان سے اسلامی معاشرتی اور اخلاقی

احکام پر مبنی ۳۷۸ احادیث کی روایت کتبِ احادیث میں موجود ہے۔ اس طرح انہوں نے اسلامی قوانین کی روایت میں ایک قابلِ قدر کردار ادا کیا ہے۔

اُم المساکین حضرت زینبؓ بنت خزیمہ حضورؐ کی پانچویں بیوی تھیں۔ ان کے پہلے تین نکاح ہو چکے تھے وہ بیوہ تھیں ان کے تیسرے شوہر حضرت عبداللہؓ بن جحش جنگ اُحد میں شہید ہو گئے تو حضورؐ نے ان سے نکاح کر لیا لیکن نکاح کے بعد وہ صرف دو تین مہینے زندہ رہیں وہ بے حد فیاض حق گو اور خدا ترس خاتون تھیں۔

یہ سب نکاح مختلف قبائل کی خواتین سے تھے جن میں سے بیشتر کے ساتھ نکاح کا سبب تالیفِ قلب/سہارا دینا یا اس خاندان سے تعلق و رشتہ کی مزید گہرائی مقصود تھی۔ یا ان رشتوں سے اسلام کی تقویت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مطلوب تھی یہ سب رشتے آپؐ کی ۵۵ برس کی عمر کے بعد ہوئے تھے۔

البتہ معاشرتی اصلاحات میں معرکے کا نکاح اُم المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش کا نکاح تھا جن کا پہلا نکاح حضورؐ کے منہ بولے بیٹے اور غلام حضرت زیدؓ بن حارث سے ہوا تھا۔ لیکن حضرت زیدؓ نے انہیں طلاق دے دی تھی۔ اس وقت جاہلی معاشرے میں منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کی مانند شمار ہوتا تھا اور جو حرمتیں سگے بیٹے سے متعلق ہوتی ہیں وہی منہ بولے بیٹے سے وابستہ کی جاتی تھیں۔ اسلام کا قانون اس سے مختلف تھا چنانچہ حضرت زینبؓ سے نکاح اللہ تعالےٰ کے حکم سے ہوا تا کہ اس قدیم جاہلی رسم کا خاتمہ کر دیا جائے حضورؐ جھجک رہے تھے لیکن اللہ تعالےٰ نے صاف صاف حکم دے کر یہ نکاح کروایا۔ اس نکاح کے ذریعے منہ بولی ابنیت کی یہ جاہلی رسم ہمیشہ کے لیے دفن ہو گئی۔

اُم المومنین حضرت جویریہؓ کا تعلق قبیلہ بنی المصطلق سے تھا اور وہ حارث بن ابی ضرار سردارِ قوم کی بیٹی تھیں۔ ان سے نکاح کے نتیجے میں مسلمانوں نے بنو المصطلق کے سب

Marfat.com

قیدی رہا کر دیے ان کی بھی پہلی شادی ہو چکی تھی یہ خاتون بھی عابدہ اور زاہدہ تھیں ان سے متعدد احادیث کی روایت منسوب ہے۔)

(پھر آپ نے حضرت اُم حبیبہؓ سے نکاح کیا جو بیوہ تھیں۔ ان کا پہلا شوہر عبید اللہ بن جحش تھا۔ انہوں نے حبش کی طرف اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کی۔ یہ مشہور سردارِ قریش ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں جو مسلمان ہو کر شوہر کے ساتھ حبش چلی گئی تھیں۔ وہاں ان کا شوہر تو عیسائی ہو گیا لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں اور ہجرت کے سارے مصائب برداشت کیے۔ حضورؐ نے نجاشی کی معرفت ان سے حبش کی ہجرت میں ہی نکاح کر لیا تھا۔ اس نکاح سے بھی ابوسفیان کا حوصلہ حضورؐ کی مخالفت میں پست ہو گیا تھا۔ ان سے ۶۵ احادیث کی روایت موجود ہے۔)

(اُم المومنین حضرت صفیہؓ مشہور یہودی سردار حیّ بن اخطب کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح ہو چکا تھا۔ جنگِ خیبر میں وہ مارا گیا۔ اسیر ہو کر آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر کے نکاح کر لیا ان کے ذریعے یہود میں اسلام کے اثرات پھیلے۔ ان سے دس احادیث کی روایت ہے۔

اُم المومنین حضرت میمونہؓ بیوہ تھیں۔ حضرت عباسؓ عم النبی کے توجہ دلانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا ان سے ۷۶ احادیث کی روایت کتبِ احادیث میں موجود ہے۔

اس تفصیل سے جو نقشہ سامنے آتا اور جو ان ازواج کی حکمتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ وہ کچھ یوں ہیں۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ کے سوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات بیوہ تھیں اور ان میں سے بیشتر کافی بڑی عمر کی تھیں۔ ظاہر ہے کہ نکاح برائے عشرت اس طرح کے نہیں کیے جاتے۔ یہ صریحاً تعلقات کی مضبوطی گہرائی امداد و تعاون، تالیفِ

Marfat.com

قلب، اعترافِ خدماتِ اسلامی اور سہارا دینے کے لیے کیے ہوئے نکاح دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے عقدِ بیوگان کی اہمیت بھی سامنے آتی ہے۔

★ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے سوا یہ سارے نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر کے اس حصے میں پہنچ کر کیے یعنی ۵۰ سال سے زائد عمر میں جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے باعفت اور حیادار انسان کو کسی نکاح کی حاجت نہیں رہتی اور عام حالات میں اتنی شدید مصروفیات والا انسان جو ایک ہمہ گیر تعلیمی اور تربیتی تحریک کا سربراہ ہو وہ اتنی عیالداری کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔

★ اپنی اوّلین شادی اپنے بھرپور عالمِ شباب میں ایک چالیس سالہ بچوں والی بیوہ سے کر کے آپ نے اپنے آپ پر کسی جنسی جذبے کے غلبے کی مکمل نفی کر دی تھی جو ہمارے مستشرقین کے دماغ پر بالعموم سوار رہتا ہے۔

★ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ سے اپنی اوّلین شادی کر کے یہ بھی ثابت کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اخلاقِ فاضلہ اور بلند کردار شرافت اور معاملہ فہمی حسن و جمال کے مقابلے میں ہر لحاظ سے قابلِ ترجیح صفات تھیں۔ ویسے بھی آغازِ دعوت میں جن مصائب سے اچانک آپ کو سابقہ پیش آیا تھا اس کے لیے حکمتِ ربانی یہی تھی کہ گھر میں ایک ایسی پختہ کار مزاج شناس متحمل مزاج اور جہاندیدہ خاتون موجود ہو جو آپ کے لیے تسلی و تشفی اور حوصلے کا باعث بن سکے اور بلاشبہ اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے جو خدمات اوائل اسلام میں سرانجام دیں۔ اُمتِ مسلمہ اس احسان کو قیامت تک نہیں بھول سکتی۔

★ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سخت نا تراشیدہ قوم سے سابقہ تھا جو تہذیب و تمدن میں بہت پیچھے تھی اور جس کی معاشرتی زندگی بہت ہی غیر منظم اور بے ہنگم

Marfat.com

اور ہر قاعدے قانون سے آزاد تھی۔ حضورؐ کے پیشِ نظر اس قوم کو مہذب اور متمدن بنانا تھا اور ظاہر ہے کہ تہذیب و شائستگی کا بہت بڑا تعلق خاندانی معاشرتی اور تہذیبی تعلقات سے ہوتا ہے جس میں خواتین کا حصہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس قوم کو شائستگی سکھانے۔ طہارت اور پاکیزگی کے اصول بتانے اور اسلام کی حدودِ اختلاط کو توڑے بغیر ان کے گھروں تک اسلامی تعلیم پہنچانے کا ذریعہ بھی امہات المومنین تھیں۔ اس سلسلے میں مختلف خاندانوں اور قبیلوں کی اور مختلف عمروں کی خواتین سے نکاح کیے بغیر اسلام کا یہ مقصد پورا نہ ہوسکتا تھا۔ آپ(صلی اللہ علیہ وسلم)نے امہات المومنین کو پہلے تعلیم دے کر تیار کیا پھر وہ دوسری مسلمان خواتین کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بن گئیں۔

★ اس قبائلی معاشرے میں آپ نے مختلف قبائل کی خواتین سے نکاح کر کے ان قبائل سے اپنے معاشرتی تعلقات استوار کر لیے جس سے بہت سے قبائل کی دشمنیاں آپ کے خلاف سرد پڑ گئیں۔ کیونکہ قبائلی معاشرے میں رشتہ کی بہت اہمیت تھی۔

★ معاشرے کی جاہلی رسوم کو توڑنا بھی آپؐ کے فرائض میں شامل تھا اور رسوم کو توڑنے کا کام خواتین کی اصلاح سے ہی ممکن تھا۔

★ نسل و خون و رنگ و قبیلے کی مساوات اسی طرح قائم ہوسکتی تھی کہ عملی طور پر قبائل کے محدود تعلقاتِ رشتہ داری سے نکل کر عملی مثال قائم کی جاتی تاکہ لوگ برادریوں کے چکر سے نکل سکتے۔ اسلام نے جس طرح سب مسلمانوں کو زندگی کے سارے حقوق میں مساوی قرار دیا ہے وہاں رشتہ و مناکحت کے بارے میں بھی ان میں کوئی امتیاز درست اور جائز نہیں ہے۔ آپؐ سے پہلے

Marfat.com

مختلف قبائل رشتے اپنے ہی قبیلے میں کرتے تھے اور قبیلے سے باہر رشتہ کرنا عار سمجھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کو توڑ کر انسانی برادری کو وسیع کر دیا۔

* حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازدواج کے ذریعے بہت سی قبائلی عصبیتوں کا عملی مظاہرہ کر کے قلع قمع کر دیا چونکہ حضورؐ نے یہ رشتے مختلف قبائل سے قائم کیے تھے۔

غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی رشتۂ ازدواج بھی محض نکاح کی خاطر نہ تھا بلکہ اللہ تعالٰے نے اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ فرمائی تھیں اور حضورؐ کا کوئی ایک نکاح بھی ایسا نہیں ہے جس نے اسلامی انقلاب کے لیے راستہ ہموار کرنے میں مدد نہ دی ہو۔

Marfat.com

ساتواں باب:

حکمتِ جہاد

جنگ و جہاد ایک انقلابی اقدام ہے اور ایک دُور رَس نظریاتی انقلاب کے لیے اس کی ضرورت ناگزیر ہے۔ لیکن یہ بھی محض دشمن سے تیغ آزمائی کرنے کا نام ہی نہیں بلکہ حکمت و دانش اور تدبیر و فراست کے ہمہ پہلو استعمال کا عمل ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ظالم کفر غالب اور حق کے راستے میں رکاوٹ ہو، مظلوم مسلمانوں کی دادرسی کرنے والا کوئی موجود نہ ہو اور دوسری طرف مسلمانوں کی ایک منظم اور قابلِ لحاظ قوت، مظلوموں کی دادرسی کر سکتی اور کفر پر ضرب لگا سکتی ہو تو پھر مومن پر عملِ جنگ جہاد دین کر فرض ہو جاتا ہے۔ اس وقت جان بچانے کے مقابلے میں خدا کی راہ میں جان دینا سب سے بڑی سعادت شمار ہوتا ہے۔

مکہ کی تیرہ سالہ دعوتی مدت تو ظلم و جور سہنے میں گزر گئی۔ وہ بے سہارا مظلوموں کے ظلم سہنے کے دن تھے بالآخر وہ دکھ بھرے ایام بھی گزر گئے۔ مدینہ میں آنے کے بعد کفار سے ذرائع وسائل اور طاقت و توانائی میں کم ہونے کے باوجود اب مسلمانوں کے لیے اپنا ایک مورچہ اور علیحدہ محاذ موجود تھا اس لیے اب جنگ ان کے لیے لازم ہو گئی تھی اب جہاد ہی سارے مسائل کا حل تھا اب فتنہ پرور لوگوں کے مزید ظلم سہنا اور ان کو مزید رعایت دینا کسی صورت جائز اور درست نہ تھا۔ چنانچہ فرمایا گیا:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا

تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے

Marfat.com

فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو۔ کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں ہے۔ (البقرہ ۱۹۳)

گویا اللہ کے دین کے غلبے کے سوا دوسری جو صورت بھی موجود ہے وہی فتنہ ہے جس کے خلاف لڑنا مسلمانوں کا فرض ہے۔ اور یہ لڑائی اس وقت تک مسلسل جاری رکھی جائے گی جب تک کہ اللہ کے دین کا غلبہ مکمل اور سب لوگ قانونِ الٰہی کے پابند ہو جائیں۔ البتہ اگر کفار اور ظالم لوگ غلبۂ باطل کی کوشش سے باز آجائیں۔ اور غلبۂ دین اللہ پہ راضی ہو جائیں تو پھر جنگ کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پاکر دبا لیے گئے ہیں۔ اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال، جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔" (النساء: ۷۵)

جب مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر کہیں دبا لیا گیا ہو اور ان پر ان کے مسلمان ہونے کے سبب سے ظلم ہو رہا ہو تو پھر آزاد اور خود مختار مسلمانوں پر فرض عائد ہو جاتا ہے کہ ان کی مدد کو پہنچیں۔

ایسے ہی مواقع تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں تشریف لا کر جنگ و جہاد کا آغاز فرمایا اس وقت بھی اگر جنگ کے لیے مسلمان نہ اٹھتے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تلوار نہ اُٹھاتے تو کفار کے فتنہ کا جھکڑ بڑھ کر اسلام کی شمع کو بجھا دیتا۔ چنانچہ مدینہ میں تشریف لانے کے فوراً بعد کفار کے ساتھ کشمکشِ جنگ و جدل کا آغاز ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاوّل بروز جمعہ ۱۳ نبوی کو مدینہ میں تشریف لائے اور یکم رمضان سنہ ۱ ہجری کو پانچ ماہ ۱۸ دن کے بعد ہی جنگی کارروائیوں کا آغاز ہو گیا۔ مدینہ میں تشریف آوری کے بعد سب سے پہلے جو جنگی دستہ آپ نے قریش کے خلاف ان کی سرگرمیوں کی نگرانی اور گرداوری کے لیے ارسال فرمایا وہ سریہ سیف البحر کہلاتا ہے جس میں تین سو مجاہدین شامل تھے۔ یہ سریہ حضرت امیر حمزہؓ کی سرکردگی میں گیا تھا جبکہ دوسری طرف مکہ سے چھاپہ مارنے کی نیت سے آنے والا دشمن ابوجہل بھی تین سو افراد کے دستے کے ساتھ ہی آیا تھا۔ جب قریش کے دستے نے مسلمانوں کو چوکنا اور ہر طرح سے مسلّح اور تیار پایا تو دشمن واپس لوٹ گیا۔ مجاہدین کا یہ دستہ بھی بہت دور تک فوجی گشت کر کے واپس مدینہ آگیا۔ اب ساڑھے تیرہ سال بعد مسلمان اخلاقی اور مادی ذرائع سے مسلح ہو کر باطل کے خلاف مضبوط ارادے کے ساتھ میدان میں اُتر آئے تھے اور کفر سے ہر سطح پر ٹکرانے اور اس سے انتقامِ حق لینے کے لیے تیار تھے۔ جب ایک بار یہ سلسلہ شروع ہوا تو پھر جنگی کارروائیوں کا یہ سلسلہ فتح مکہ تک مسلسل اور پیہم جاری رہا۔ فتح مکہ کے بعد جب جزیرۃ العرب اسلام کے سامنے مغلوب ہو گیا تو پھر اس کی فتوحات کا رُخ باقی دنیا کی طرف پھر گیا۔

سب سے پہلا غزوہ جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے وہ غزوۂ وُدّان تھا جو صفر ۲ ہجری کو پیش آیا۔ مسلمانوں کا دستہ ستر مجاہدین پر مشتمل تھا۔ یہ دستہ آپ کی خاص نگرانی میں گیا تھا۔ یہ نگرانی کی گشت کر کے اور عمر بن مخشی الضمری سے معاہدہ کر کے واپس آگیا کہ وہ جنگ کی صورت میں نہ قریش کو مدد دیں گے اور نہ مسلمانوں کو۔ تحریر یہ تھی:

"یہ محمد رسول اللہ کی تحریر ہے بنو حمزہ کے لیے ان لوگوں کا جان و مال محفوظ رہے گا اور جو شخص ان پر حملہ کرے اس کے مقابلے میں ان کی مدد

Marfat.com

کی جائے گی بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلے میں لڑیں اور پیغمبر جب ان کو مدد کے لیے بلائیں گے تو یہ مدد کو آئیں گے۔"

اس طرح قریش کا ایک حلیف قبیلہ ان سے توڑ لیا گیا۔

(جنگ وجہاد کا یہ سلسلہ ہجرت کے بعد شروع ہو کر دین کے مکمل غلبہ اور باطل کے مکمل استیصال تک جاری رہا۔ اس جنگ وجہاد میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی حکمت ودانش کا راستہ اختیار کیا جس نے مسلمانوں کی جنگ کو دوسرے سب لوگوں کی جنگ سے ممتاز کر دیا۔ آپ کی جنگی حکمت کی ہی یہ خوبی تھی کہ دشمنوں کے بڑے بڑے گروہ بھی مسلمانوں کے سامنے آتے ہوئے گھبراتے تھے اور طرح دے جاتے تھے۔ مسلمانوں کے لشکر کو اللہ تعالےٰ نے اپنا لشکر قرار دیا اور اس کے غلبے کی پیشین گوئی کی:

اِنَّ جُنْدَنَا لَھُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ (صافات) ہمارا لشکر ہی برابر غالب آتا رہے گا۔"

اللہ تعالےٰ کی اس ضمانت کے بعد کہ مسلمانوں کا لشکر خود خدا کا لشکر ہے اور خدا کے لشکر کے لیے ہی غلبہ مقدر ہے۔ ان کے لیے شکست کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اِلّا یہ کہ ان کی انسانی لغزشوں اور ایمانی کمزوریوں پر تادیب اور تنبیہ کے لیے ان کی سرزنش کی جائے جیسے اُحد میں کی گئی تھی۔ جب وقتی طور پر فتح کو بھی شکست میں تبدیل کر کے مسلمانوں کی کمزوریوں کو نکالنے کا سامان پیدا کیا گیا تھا چونکہ مسلمانوں کا لشکر خدا کا لشکر ہے اس لیے جب تک مسلمانوں میں خدا کے لشکر کی صفات موجود رہیں۔ وہ خدا کے دین کے لیے لڑتے رہے خدا کا کلمہ بلند کرتے اور اس کی تبلیغ و توسیع کے لیے جانیں لڑاتے رہے اور انہوں نے اپنے اندر وہ اخلاقی صفات بھی قائم رکھیں جو خدا کے سپاہی میں ہونی چاہیئے تب تک فتح ان کے قدموں کے ساتھ بندھی رہی اور

Marfat.com

نصرت ان کی علمبردار رہی۔

غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے گروہ کو اللہ کا لشکر بنانے کے لیے جو تعلیمی اور تربیتی کورس مکہ میں پورا کیا تھا اور جس معیار کو زیادہ عمدگی اور خوبی کے ساتھ مدینہ کی آزاد فضا میں برابر قائم رکھا جا رہا تھا ایسے لشکر کی کسی محاذ پر ناکامی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ کامیابی کی اس مضبوط ضمانت کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی حکمتِ عملی کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا۔ تحریکِ اسلامی کی انقلابی جدوجہد کے ہر معرکے میں ایک طرف معیارِ اخلاق کو اللہ کے لشکر کی شرائط کے مطابق قائم رکھا گیا تو دوسری طرف جنگی حکمتِ عملی میں ہر بار نیا سے نیا اضافہ کیا اور ہر معرکے کے تجربے سے اسلام کے غلبے اور مسلمانوں کی بھلائی کے لیے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا گیا۔

آپ نے بعض اصولوں کو پورے اہتمام کے ساتھ دشمنوں کے ساتھ معرکہ آرائی میں بھی برابر قائم رکھا یہ اصول حسنِ سلوک اور فراخدلانہ طرزِ عمل پر مبنی تھے۔

۱۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک:

اسلام سے پہلے دنیا جنگی قیدیوں کے ساتھ بدترین بہیمانہ سلوک کرتی تھی فاتحین ان کی عزت و آبرو اور جان و مال ہر شے کو پاؤں تلے روند دیتے تھے یہ صورتحال کچھ اسی دورِ جاہلیت سے تعلق نہ رکھتی تھی۔ اسلام سے بے بہرہ اور محروم دنیا کا ہمیشہ سے یہی حال رہا ہے جو لوگ تہذیب و ترقی کے زبردست حامی اور ساری دنیا کو تہذیب سکھانے کے مدعی بنتے رہتے ہیں ان کے تعذیبی کیمپوں میں بھی قیدیوں کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے وہ اس سلوک سے بھی بدتر ہے جو چنگیز و ہلاکو اپنے قیدیوں کے ساتھ روا رکھتے تھے۔ حقیقی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں مادی ترقی اور اخلاقی ترقی دونوں میں کوئی توازن موجود نہیں ہے اور جب مادی ترقی اخلاقی اصولوں سے بے نیاز ہو کر کی جاتی ہے تو پھر ہر ہتھیار انسانیت کو ذبح کرنے کے لیے ہی تیار ہوتا ہے۔ وہ کسی کا

Marfat.com

محافظ اور پشت پناہ نہیں بن سکتا۔ روس کے سائبیریا کے جہنم میں قائم شدہ قیدیوں کے جبری محنت کے کیمپ جہاں سے انسان کی صرف ہڈیاں ہی برآمد ہوتی ہیں اور جہاں کوڑوں کی مار کے زور سے بھوکے انسانوں سے پہاڑوں اور برفستانوں میں کانیں کھودنے کا کام بلا اُجرت لیا جاتا ہے۔ جرمنی جہاں قیدیوں کی چربی سے صابن تیار کیا گیا۔ اسرائیل جہاں قیدیوں کے جسموں سے پورا خون نکال لیا جاتا ہے۔ بھارت جہاں قیدیوں کو بھوکا ملا دیا جاتا ہے۔ غرض آج بھی قیدیوں کے ساتھ مہذب ترین قومیں وحشتناک درندگی کا ایسا سلوک کرتی ہیں جس کے تصور سے بھی انسانیت کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں پہلی بار قیدیوں سے حسن سلوک کی حیرت انگیز مثال قائم کی۔

★ ان کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا۔

★ جو فدیہ نہ ادا کر سکے انہیں بلا فدیہ ہی چھوڑ دیا گیا۔

مسلمانوں کو سب سے پہلی بار جنگِ بدر میں قیدی ہاتھ لگے۔ یہ اہلِ مکہ تھے جن سے بڑھ کر مسلمانوں کا کوئی دشمن نہ تھا اور جنہوں نے مسلمانوں کو ۱۳ سال تک انتہائی تکالیف دی تھیں اور پھر مدینہ میں بھی انہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیا تھا۔ لیکن جب وہی ظالم قیدی بنے تو مسلمان خود پیدل چلے اور ان کو مدینہ تک سواریاں مہیا کیں۔ خود کھجوریں کھائیں اور ان کو روٹی مہیا کی جب وہ آپؐ کے پاس لائے گئے تو آپؐ نے صحابہؓ کے مشورے سے انہیں جرمانہ ادا کر کے آزاد کر دینے کا فیصلہ کیا اور جو جرمانہ ادا نہ کر سکتے انہیں فی قیدی انصار کے دس بچوں کو کوئی ہنر یا لکھنا پڑھنا سکھا کر آزاد کر دینے کا فیصلہ فرمایا گیا اور جو نہ پڑھا سکتے تھے اور نہ فدیہ دے سکتے تھے انہیں یونہی رہا کر دیا گیا۔ مسلمان ان قیدیوں کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرتے تھے۔ ہر جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیدیوں کے ساتھ یہی طرزِ عمل رہا۔ غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

جنگ میں انسانی ہمدردی اور رحم و انصاف کا ایسا نمونہ پیش کیا جو دلوں کو جیت لینے والا تھا یہ نمونہ دنیا کے کسی سربراہ مملکت نے نہ حضورؐ سے پہلے پیش کیا اور نہ آپ کے بعد پیش کیا۔

۲۔ عدل وانصاف اور امن کا قیام:

جنگ میں عدل وانصاف اور جنگ سے امن کے قیام کا مقصد شاید ہی کسی گروہ کے پیش نظر رہا ہو۔ دنیا تو جنگ میں مکر و فریب اور دھوکہ دہی کو ہمیشہ جائز قرار دیتی اور مکر و فریب کو عین موقعہ کی ضرورت بیان کرتی چلی آ رہی ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کو عدل وانصاف اور امن کے قیام کا ذریعہ بنایا۔ قرآن نے جنگ کو بس اسی وقت تک جائز رکھا جب تک فتنہ باقی ہو:

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ۔ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے ۔

لیکن جب فتنہ باقی نہ رہے اور عدل وانصاف اور امن کی فضا قائم ہو جائے تو ایک لمحہ کے لیے بھی جنگ کا جاری رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سلاطین کے نام اپنے دعوتی مکاتیب میں یہی بات تحریر فرمایا کرتے تھے۔

- ★ اسلام قبول کر لو (کہ عدل وانصاف اور امن کامل کی ضمانت صرف اسلام میں ہی ہے)۔
- ★ جزیہ دے کر مطیع ہو جاؤ (تاکہ رعایا کو اسلام کو سمجھنے اور راہ راست پا کر عدل و انصاف اور امنِ عامہ سے مستفید ہونے کا موقعہ فراہم ہو جائے۔)
- ★ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ (تاکہ اس علاقے کی مخلوق خدا اور اسلام کے درمیان جو جابر و ظالم قوت حائل ہے وہ دور ہو جائے اور لوگ براہِ راست اسلام کی برکات سے مستفید ہو سکیں)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلی کھلی حالتِ جنگ کے سوا کسی قوم پر کبھی اچانک

حملہ نہیں کیا ہمیشہ پہلے دونوں واضح اسلامی اصولوں کی طرف دعوت دی اور اگر وہ پہلی دو باتوں میں سے کسی ایک بات پر تیار ہوگئے تو ہمیشہ جنگ سے گریز کیا تاکہ خلقِ خدا کا خون نہ بہے البتہ اگر تیسری صورت پیش آتی تو دشمن کو ہمیشہ اسلام کے حقیقی موقف سے آگاہی رہتی۔ آج مہذب کہلانے والی دنیا کے مہذب فرمانروا خاموشی سے چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح حملہ کرتے۔ دشمنوں کے پُرامن شہریوں اور نہتے شہروں پر بمباری کرتے اور ان کے ہسپتالوں اسکولوں اور عبادت گاہوں پر زور آزمائی دکھاتے ہیں اور یہ آج کا عام دستور ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتیاں اُجاڑنے، درخت کاٹنے عورتوں، بچوں، بوڑھوں عبادت گزاروں، مریضوں اور نہتی پُرامن شہری آبادی پر ہاتھ اٹھانے سے خدا سختی سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے ایک جنگ میں ایک عورت کی لاش دیکھی تو بار بار تاسف سے تنبیہ فرماتے رہے کہ یہ تو نہیں لڑ رہی تھی یہ تو نہیں لڑ رہی تھی۔

حضورؐ نے کسی معاہد دشمن کے خلاف اس وقت تک لڑنے سے منع فرمایا جب تک اس کے ساتھ کیے ہوئے معاہدات اس کے منہ پر نہ دے مارے جائیں۔

۳۔ اُحد کی شکست کے بعد لشکرِ کفار کا تعاقب:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جنگی حکمت عملی میں بڑی بڑی نادر مثالیں قائم کی ہیں۔ جنگ اُحد اس کی عمدہ مثال ہے۔ یہ جنگی تاریخ کا عجوبہ ہے کہ ایک جنگ میں ایک فریق شکست کھا جاتا ہے۔ سالار لشکر بری طرح مجروح ہو جاتا ہے۔ لشکری تتر بتر ہو جاتے ہیں۔ دشمن واضح غلبہ حاصل کر کے یکایک کسی فوری جذبے کے تحت فتح کو منطقی نتائج تک مکمل کیے بغیر لوٹ جاتا ہے اور شکست خوردہ مفتوح فریق دشمن کی واپسی کو غنیمت جان کر اپنی لاشیں سمیٹنے اور اپنے زخموں کی مرہم پٹی کرنے کی بجائے نہایت سرعت سے فاتح دشمن کا تعاقب شروع کر دیتا ہے۔ حربیت شجاعت اور جرأت و دلیری کی یہ ایک منفرد مثال ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

قائم فرمائی۔ دشمن کسی فوری خطرے یا غیر متوقع مسرت کے جذباتی بہاؤ میں اتنی سی فتح کو غنیمت جان کر لوٹ گیا تھا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی واپسی کو غنیمت نہیں سمجھا بلکہ اسے واقعی خطرے کی حدود سے باہر نکالنے کے لیے دشمن کا جرأت مندانہ تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ دشمن جو واپس آکر اپنی فتح کو مکمل کرنے کے بارے میں غور کر رہا تھا گھبرا کر اسی حالت میں مکہ کی طرف واپسی پر مجبور ہوگیا۔ یہ بات زبان سے کہنا تو آسان ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود جس شدید زخمی حالت میں تھے اور صحابہ جس پریشانی بد دلی اور مایوسی کا شکار تھے اور اس وقت اسلامی لشکر میں بے سر و سامانی جس درجے کی تھی اس میں فاتح دشمن کا تعاقب کرنے کے لیے نکل کھڑے ہونا تاکہ وہ لوٹ نہ آئے اس کو جنگی شجاعت سے بھی بڑھ کر دانشورانہ تہور ہی کہا جا سکتا ہے۔ حضور کا یہ طرزِ عمل کہ آپ نے شکست کے باوجود ہمت نہیں ہاری اور ایک فاتح کی سی نفسیات کے ساتھ فاتح دشمن کا تعاقب کیا ایک ایسی جنگی حکمت عملی کا عظیم مظاہرہ ہے جس کے بعد دشمن کے لیے ممکن نہیں رہ گیا تھا کہ وہ پلٹ کر دوبارہ حملہ کر سکے اور اپنی بظاہر جیتی ہوئی بازی کو ہار کے خطرے سے دوچار کرے۔ اس سے دشمن کے دل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت و حکمت کا عظیم نقش قائم ہو جاتا ہے۔ اس سے آس پاس کے قبائل پر بھی مسلمانوں کا رعب طاری ہوا کہ وہ پوری قوت اور توانائی کے ساتھ دشمنوں کا سر کچلنے کے لیے موجود ہیں۔ آپ کا یہ طرزِ عمل بیک وقت آپ کی سیاسی بصیرت پر بھی مثبت گواہی دیتا ہے۔

۴۔ دشمن کے حرکت میں آنے سے پہلے اس کا استیصال:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ جنگی حکمتِ عملی تو بہت نتیجہ خیز ثابت ہوئی جو آپ کی زبردست قوتِ فیصلہ، جرأت اور دانشوری کی علامت ہے کہ آپ نے اپنے بہت سے دشمنوں کا استیصال ہمیشہ بروقت اقدام، بروقت فیصلہ اور فوری کارروائی سے کر دیا۔

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آیا کہ بنی اسد کا قبیلہ مدینے پر چھاپہ مارنے کی تیاری کر رہا ہے اور اس سے قبل کہ وہ حرکت میں آئے آپ نے حضرت ابو سلمہؓ کی قیادت میں ان کی طرف ایک لشکر روانہ کر دیا۔ اسلامی فوج کے اس فوری اقدام سے وہ اتنے گھبرائے کہ اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ گئے۔

یہودیوں کے جنگی قبیلے بنی نضیر نے آپ کو دھوکے سے شہید کرنے کی کوشش کی اس راز کے فاش ہوتے ہی آپ نے انہیں دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جانے کا فوری نوٹس جاری کر دیا۔ انہوں نے لاپروائی اور ہیکڑی سے نوٹس کی مدت گزار دی تو آپ نے ان کا فوراً محاصرہ کر لیا لاچار ہو کر وہ مفتوح ہو گئے اور اپنے مکان اور قلعے خالی کر کے مدینے سے نکل گئے۔

بنی غطفان کے قبیلے کی طرف سے مدینہ پر چڑھائی کی اطلاع ملی۔ آپ ایک لشکر لے کر خود نکلے اور انہیں جا لیا اس اچانک حملے سے وہ ایسے بدحواس ہوئے کہ لڑائی کے بغیر میدان اور سامان چھوڑ چھاڑ کر بھاگ گئے۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیاب جنگی حکمتِ عملی میں دانشوری موقعہ شناسی، بروقت اقدام، سرعتِ رفتار اور جرأت حوصلے کا بہت بڑا دخل ہے۔

۵۔ بے مثالی شجاعت اور غیر متزلزل یقینِ محکم :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی کارروائیوں کی کامیابی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال شجاعت اور ناقابلِ شکست اور غیر متزلزل یقینِ محکم کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔ اُحد میں جو صورتحال پیش آئی اس کا قرآن نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے عجیب نقشہ پیش کیا ہے :

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى	یاد کرو جب تم بھاگے چلے جا رہے
اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ	تھے اور تم کو کسی طرف پلٹ کر دیکھنے تک

Marfat.com

اُخْرٰكُمْ۔ کا ہوش نہ تھا اور رسول تمہارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا۔ (آل عمران: ۱۵۳)

یہ نقشہ اس جنگِ اُحد میں مسلمانوں کی ابتدائی ابتری کا ہے جب ان پر یک وقت دو طرف سے حملہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ ان کی صفوں میں ابتری پھیل گئی۔ کچھ لوگ مدینے کی طرف بھاگے کچھ اُحد پر چڑھ گئے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہٹے۔ دشمنوں کا چاروں طرف سے ہجوم تھا۔ وہ سارا زور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے اور آپ کو کسی صورت گزند پہنچانے پر صرف کر رہے تھے اور حضورؐ کے پاس صرف دس بارہ آدمیوں کا جتھا باقی رہ گیا تھا جو جاں نثاری کے جوہر دکھا رہا تھا۔ لیکن اس نازک ترین موقعہ پر بھی حضورؐ پہاڑ کی مانند اپنی جگہ پر جمے ہوئے تھے اور بھاگنے والوں کو پکار رہے تھے:

اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ۔ اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔ اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔

جنگِ حنین میں دشمن کے تیروں کی بوچھاڑ سے نو مسلموں کا سارا لشکر بھاگ کھڑا ہوا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ میدان میں ڈٹے رہ گئے۔ قرآن نے کہا:

"حنین کا دن یاد کرو، جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کسی کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پہ تنگ ہونے لگی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔"

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا میدان جنگ میں کھڑے نہایت اطمینان وسکون سے یہ کلمات دہرا رہے تھے۔

اِنَ النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ الْمُطَّلِبْ

"میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"

اسی موقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عباسؓ نے کہا :

"جب مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم خچر کو ایڑی لگانے اور دشمن کی طرف بڑھنے لگے میں نے لگام اور ابوسفیانؓ بن حارث نے آپ کی رکاب تھام رکھی تھی"

دوسری جگہ لکھا ہے کہ :

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم خچر سے اُتر پڑے اور دشمن کی طرف بڑھنے لگے"

یہ اس وقت کی بات ہے جب حضورؐ کی ۱۲ ہزار کی جاں نثار فوج میدان چھوڑ کر بھاگی چلی جا رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر بھاگتے ہوئے قدم رُک گئے اور اکھڑے ہوئے پاؤں جم گئے۔

الاحزاب میں حضورؐ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر خود خندق کھودی اور خود ساری جنگی حکمتِ عملی مرتب کی۔ آپ خندق کے محاصرے میں قریش کی کامیاب پسپائی سے فارغ ہو کر پلٹے ہی تھے کہ بنو قریظہ کا مسئلہ سامنے آگیا۔ آپ نے ان کے محاصرہ کا حکم دے دیا۔

مدینے میں مسلمان ابتدائی ایام میں سارے عرب کی طرف سے شدید خطرے کی حالت میں دن رات گزار رہے تھے اور ہر وقت کسی نہ کسی قبیلے کی طرف سے حملے کی افواہ گرم ہو جاتی تھی اچانک ایک رات شور مچ گیا۔ اکابر صحابہؓ تیار ہو کر جب باہر نکلے تو انہوں نے دور سے ایک سوار کو مدینہ کی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے جنہوں نے بتایا کہ وہ شاہراہ مکہ پر دور تک دیکھ آئے ہیں کوئی حملہ آور نہیں ہے۔ اس لیے آپ لوگ اطمینان سے واپس چلیے۔

لَمْ تُرَاعُوا لَمْ تُرَاعُوا "ڈرو نہیں، ڈرو نہیں"

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو خود شجاعت و بہادری کا نشان ہیں فرماتے ہیں :

"جب جنگ میں گھمسان کا رن پڑتا اور لڑنے والوں کی آنکھوں میں خون اُتر آتا تو اس وقت ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اوٹ لیا کرتے تھے ہم میں سب سے آگے دشمن کی جانب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوا کرتے تھے۔" [۱]

ظاہر ہے کہ تمام دنیا کے مقابلے میں ایک اصول کی خاطر کھڑے ہو جانا اور اپنی پوری قوم کو اپنا دشمن بنا لینا۔ عرب کے سفاک اور جنگجو قبائل میں نہتے دعوت پہنچانا اور سب غلط کاروں کو رُو در رُو غلط کار قرار دینا۔ قیصر و کسریٰ جیسے حکمرانوں کو دعوت اسلام پیش کر دینا اور ان کی فوجوں اور قوت کی ذرہ برابر پروا نہ کرنا۔ یہ شجاعت و بہادری اور قوتِ دل و دماغ کا وہ نمونہ ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے پوری انسانی تاریخ عاجز ہے۔

۶۔ ہر بار نئے طریقِ جنگ کا استعمال :

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جنگی حکمتِ عملی میں اکثر اس کا اہتمام فرماتے کہ ہمیشہ دشمن سے مقابلے میں نئے سے نئے طریقِ جنگ کو استعمال کریں تاکہ دشمن بوکھلا جائے اور میدان جنگ میں اسے بے چارگی اور مجبوری محسوس ہو تاکہ ذہنی طور پر اس نئی صورت حال سے مفاہمت نہ کر سکنے کے باعث وہ مایوسی اور پریشانی کا شکار ہو جائے جنگ خندق میں آپؐ نے عرب کی جنگوں میں پہلی بار خندق کا استعمال کیا۔ اس وقت آپ کے پاس کل تین ہزار کا لشکر تھا جب کہ خیبر کے یہود اور قریش اور دیگر متفرق متحارب قبائل مل جل کر دس بارہ ہزار کا لشکر جرّار مقابلے پر لے آئے تھے۔

آپؐ نے شہر کے اندر رہ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور شہر کو عام حملے سے محفوظ

[۱] سنن نسائی رحمت للعالمین جلد دوم صفحہ ۳۵۱

Marfat.com

کرنے کے لیے ۶ دن کے اندر اندر اندازاً تین میل لمبی خندق شمالاً غرباً کھود کر شہر کو محفوظ کر دیا۔ اس میں آپؐ نے دیارِ بنی عبد الاشہل کو خندق کا مشرقی سرا اور حَرَّةُ الوَبْرَہ کے پہاڑی ٹیلوں کو خندق کا مغربی کنارہ قرار دیا۔ دس دس آدمیوں کی جماعت کے حصے میں بیس بیس گز خندق کھودنے کا ٹکڑا آیا۔ آپؐ نے خود بھی اس کھدائی میں مزدوروں کی طرح شرکت کی۔

(جب دشمن کی فوج کا سوار دستہ آگے بڑھا تو خندق کو جو اندازاً دس فٹ چوڑی اور پانچ فٹ گہری تھی دیکھ کر حیران رہ گیا وہ کہنے لگے۔

"یہ تو ہم نے نیا مکر دیکھا ہے ایسا مکر عرب میں کوئی نہیں جانتا"۔[1])

اور جب انہوں نے اسے پار کرنے کی کوشش کی تو مسلمانوں کے تیروں کی بوچھاڑ سے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ دشمن کو وہ طویل محاصرہ کرنا پڑا جس کے لیے اتنا بڑا لشکر نہ تیار ہو کر آیا تھا اور نہ اس کے پاس اس کا راشن اور چارہ موجود تھا۔ بالآخر سارے عرب کی مجموعی قوت کو لاچار واپس جانا پڑا۔ یہ ان کی حملہ آور قوت کا آخری مظاہرہ تھا حضورؐ کی تدبیر نے پورے عرب کی مجموعی قوت کا منہ موڑ دیا۔

۷۔ سپاہیوں کے ساتھ برابر کا کام:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فوج کے سالارِ اعلیٰ تھے لیکن وہ اپنے ساتھیوں کے درمیان بڑے بن کر نہیں بیٹھ جاتے تھے بلکہ ہمیشہ ساری فوج کے مجموعی کاموں میں شریک ہوتے تھے۔ خندق کی کھدائی میں عام مزدوروں کی طرح کام کیا۔ کھدائی میں آپؐ کا سینہ مٹی اور گرد و غبار سے اَٹ جاتا تھا۔ بھوک سے آپؐ کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوتے تھے۔ اپنے ساتھیوں کا ہر حالت میں ساتھ دینے کا عملی مظاہرہ آپؐ نے اپنی تمام جنگی مہمات میں کر کے دکھایا۔ لوگ کھانا پکاتے تو آپؐ لکڑیاں

---

[1] ابن ہشام ج ۲ ص ۱۴۱۔

کرلاتے۔ غرض ہر کام میں آپؐ عام سپاہیوں کے ساتھ مشقت برداشت کرتے تھے آپؐ کی اس خوبی نے بھی آپؐ کی فوج کے حوصلہ کو ہمیشہ بلند رکھا اور مجاہدین میں نظریاتی توانائی ہمیشہ برقرار رہی۔

خندق میں آپؐ اس گروپ کے ساتھ کھدائی کر رہے تھے جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ تھے۔ آپؐ کا کھدائی کا خیمہ جہاں لگا ہوا تھا وہاں اب مسجدِ ذباب بنی ہوئی ہے جو حضورؐ کی اپنے ساتھیوں کے دکھ درد میں عملی شرکت اور محنت و مشقت میں مکمل مساوات کی گواہ ہے۔ یہ وہ سالارِ فوج تھے جو تمام دنیا کے خلاف نظریاتی جنگ میں مصروف تھے اور جن کے سامنے اپنی ساری جنگی حکمتِ عملی موجود تھی۔

۸۔ دشمن میں انتشار کا اہتمام :

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا بھی خوب جانتے تھے آپؐ دشمن کے اندر انتشار پیدا کرکے اسے میدانِ جنگ سے مفرور ہونے پر مجبور کر دیتے تھے۔ جنگِ خندق میں آپؐ نے عرب بھر کے مجموعی لشکر کا مقابلہ کیا اس میں یہود، بت پرست قریش، مخالف قبائل اور دوسرے متفرق دشمن شریک تھے انہوں نے مدینہ کے اندر مسلمانوں کے حلیف یہودی قبیلے بنو قریظہ کو بھی توڑ کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا لیکن آپؐ نے ان کے گفت وشنید میں باہمی یرغمال رکھنے کی ایسی بات ڈلوادی جس سے ان کے درمیان اعتماد کی بجائے بے اعتمادی کی فضا پیدا ہوگئی اور مسلمانوں پر جو حملہ اندر سے ہونے کا واضح امکان پیدا ہوگیا تھا وہ دشمن کے باہمی ٹوٹ جانے سے ٹل گیا) اگر خدانخواستہ مدینے کے باہر گھیرا ڈالے ہوئے ۱۲ ہزار کے لشکر کی موجودگی میں مدینے کے اندر پیچھے سے بھی یہود کا حملہ ہوجاتا تو صورت حال قابو سے باہر ہوجاتی لیکن اللہ تعالےٰ کی حکمتِ کاملہ اور حضور اکرمؐ کی تدبیرِ فاضلہ سے قبائل میں پھوٹ پڑ گئی اور سارے عرب کی قوت آندھی کی طرح آئی اور بگولے کی طرح منتشر ہوکر چلی گئی۔

Marfat.com

۹۔ قوت و رعب کا اہتمام و مظاہرہ:

(۱) استعمالِ قوت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ ضرورت قوت و رعب کا اہتمام اور مظاہرہ بھی فرماتے تھے۔ اسی بات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بھی فرمایا کہ:

"مجھے ایک ماہ کی مسافت تک رُعب سے مدد دی گئی ہے۔"

صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعتِ رضوان کا واقعہ اس کی عمدہ مثال ہے مسلمان جنگ کرنے کے ارادے سے نہیں گئے تھے لیکن قریش انہیں پریشان کر کے لڑنے پر اکسا رہے تھے لیکن جب قریش نے حضرت عثمانؓ کو بھی سفیر کی حیثیت سے مکہ میں روک لیا اور افواہ اُڑ گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے بیعتِ رضوان لی۔ یہ بیعت دراصل موت کی بیعت تھی۔ اسی پر قرآن نے کہا تھا:

"خدا مسلمانوں سے راضی ہوا (اے محمدؐ) جب وہ درخت کے نیچے تیرے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ پس اللہ تعالےٰ نے ان کے قلوب کا حال جان لیا۔ ان پر تسلی نازل فرمائی اور ان کو قریبی فتح عطا فرمائی۔"

اس موقعہ پہ ہر شخص نے بیعت کی تھی کہ وہ اسلام کی راہ میں جان دے دے گا اور قریش کا مقابلہ کرے گا اس بیعت کی خبر جب قریش کو پہنچی کہ حضورؐ اور آپ کے ساتھی تو مرنے مارنے پر بیعت کر رہے ہیں اور اب تخت یا تختہ کا راستہ ان کے سامنے ہے تو قریش مسلمانوں کے اس عزم و ارادے سے گھبرا گئے وہ خود بھی اس وقت جنگ کے موڈ میں تھے بس مسلمانوں کو نہتا دیکھ کر تنگ کر رہے تھے لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کے عزم کا حال سنا تو پھر صلح صفائی اور معاہدہ کرنے پر راضی ہو گئے۔ جو معاہدۂ حدیبیہ کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ آپؐ کی اس حکمت کا رُعب تھا جو آپ نے ان حالات میں بیعتِ رضوان لے

نام سے اختیار کی تھی۔ قریش نے جان لیا تھا کہ مسلمان اب بے پناہ تہوّر اور جذبہ و جوش کے ساتھ لڑیں گے اور قریش اس کے لیے تیار نہ تھے۔ چنانچہ جب قریش نے معاہدہ کرکے ناک بچانی چاہی تو حضورؐ نے اسے قبول فرمالیا۔ اسی معاہدے کو اللہ تعالیٰ نے فتح عظیم قرار دیا۔

اس طرح جب مسلمان دوسرے سال معاہدے کے مطابق زیارتِ بیت اللہ شریف کے لیے مکہ گئے تو حضورؐ نے انہیں حکم دیا کہ وہ طواف میں اپنی جسمانی قوّت کا مظاہرہ کریں کیونکہ قریش نے مشہور کر رکھا تھا کہ مسلمان مدینے میں جاکر وہاں آب و ہوا کی خرابی کے سبب کمزور ہوگئے تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل کرنے کا حکم دیا جو آج تک رائج ہے یعنی اکڑ اکڑ کر پہلوانوں کی طرح اپنے دست و بازو ہلاتے اور اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے چلنا۔

غزوہ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بروقت سرحد شام پر قیصر روم کے حملے سے بھی پہلے ایک زبردست مظاہرۂ قوّت کر دیا جس کے نتیجے میں قیصر اس اُبھرتی ہوئی قوّت سے ٹکرانے سے پہلوتہی کر گیا۔ اس پہلوتہی سے فائدہ اٹھا کر حضورؐ نے بہت سے چھوٹے بڑے عرب قبائل اور عیسائی قبائل حکمرانوں سے معاہداتِ صلح کیے۔ بعض نے اطاعت قبول کرلی اور ہدیے پیش کیے اور اسلام کی قوت کے سائے میں آگئے۔ جس سے اسلام کے اثرات حرمین سے نکل کر جزیرۃ العرب کی انتہائی شمالی سرحدوں تک پھیل گئے اس قوت و شوکت کے نتیجے میں خود عرب کے اندر مشرکین اور منافقین کی کمر ٹوٹ گئی اور انہوں نے محسوس کیا کہ اسلام کی قوّت اب ان کے بس سے باہر تھی۔ چنانچہ انہوں نے بھی اسلام کی بالاتری کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے۔

۱۴۔ دشمن کی نقل و حرکت سے بروقت آگاہی:

حضورؐ کی جنگی حکمتِ عملی میں دشمن کی نقل و حرکت اس کی سرگرمیوں اور تیاریوں پر پروگراموں

اور ارادوں سے بر وقت آگاہی اور اس کے حلیفوں اور معاہدوں پر کڑی نظر رکھنا بدرجہ اولیٰ شامل تھا۔ آپؐ نے ہمیشہ اس کا عمدہ انتظام فرمایا۔ اگرچہ ایک نظریاتی تحریک کو یہ فطری سہولت حاصل ہوتی ہے کہ اس کے ہم خیال متاثرین، نظریے کی بنیاد پر ہر کہیں پائے جاتے ہیں جو دشمن کی ہر حرکت اور سرگرمی کی بر وقت اطلاع پہنچا دیتے ہیں۔ چنانچہ آپؐ کی ۱۳ سالہ مکّی دعوت، مدنی تبلیغی وفود اور جنگی فتوحات کے نتیجے میں عرب کے ہر قابلِ ذکر قبیلے اور علاقے میں دعوتِ اسلامی کے متاثرین موجود تھے۔ یہ وہ نومسلم تھے جو اپنے اپنے قبیلوں میں دکھ درد اور ظلم و ستم سے دوچار زندگی گزار رہے تھے بعض لوگ ابھی مسلمان بھی نہ ہوئے تھے۔ لیکن اس تحریک کی دعوت اخلاقی قوّت اور مادی فتوحات سے دل ہی دل میں متاثر اور معترف تھے۔ یہ سب لوگ حضورؐ کو کفار کی ہر جنگی کاروائی سے بہت پہلے باخبر کر دیتے تھے۔ جیسے احزاب کے موقعہ پر کفار کی سرگرمیوں کی اطلاع حضورؐ کو اتنی پہلے مل گئی تھی کہ آپ اطمینان سے خندق کھود کر دفاعی جنگ کے لیے تیار ہو گئے اور کوئی افراتفری پیدا نہ ہوئی۔ غرض کفار کی کوئی جنگی حرکت حضورؐ سے خفیہ نہ رہتی تھی۔

بنی اسد نے مدینے پر چھاپہ مارنے کی تیاریاں شروع کیں۔ آپؐ کو اطلاع مل گئی۔ آپؐ نے ان کے آنے سے پہلے ہی ان کا قلع قمع کر دیا۔ بنی نضیر یہودی قبیلے کی سازش کا راز کھلا تو آپؐ نے بر وقت نوٹس لیا اور انہیں مدینہ خالی کر دینے پر مجبور کر دیا۔ بنی غطفان مدینہ پر حملہ آور ہونے کا سوچ ہی رہے تھے کہ آپؐ نے انہیں پہلے ہی ذات الرقاع کے مقام پر جا لیا اور وہ منتشر ہو گئے۔ دومتہ الجندل والے قافلوں کو لوٹتے تھے آپؐ نے انہیں مقامِ کاروائی چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ بنی قریظہ نے عین دورانِ جنگ خندق معاہدہ توڑ کر پیچھے سے حملہ کرنے کا ارادہ کیا آپؐ کو بر وقت اطلاع مل گئی اور آپؐ نے کفارِ قریش اور ان کے درمیان پھوٹ ڈلوا دی اور جب خندق کا محاصرہ اُٹھ

توسب سے پہلے آپؐ نے ان کے خلاف موثر کاروائی کر کے انہیں مدینہ سے نکال باہر کیا۔ بنی ضمرہ قریش کے حلیف اور ہم نسب تھے اور مدینہ کے قریب رہتے تھے ان کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ قریش کے ساتھ ساز باز رکھتے ہیں آپؐ وہاں خود دستہ لے کر تشریف لے گئے۔ انہوں نے دب کر معاہدہ کر لیا۔ غرض جنگی حکمتِ عملی میں حضورؐ ایک طرف پوری طرح باخبر رہتے تھے۔ بروقت نوٹس لیتے تھے دشمن کے حرکت میں آنے سے پہلے کاروائی کرتے تھے اور دوسری طرف اپنی تمام نقل و حرکت اور جنگی منصوبے اتنے خفیہ رکھتے تھے کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ کس جنگی کاروائی میں آپ کا ہدف کون ہے۔ انتہا یہ ہے کہ دس ہزار کا لشکر فتحِ مکہ کے لیے روانہ ہوتا ہے اور قریش کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ جب تین سو میل کا فاصلہ طے کر کے فوجیں مکہ کے نواح میں پڑاؤ ڈالتی ہیں تو ان کے کیمپ کی روشنیاں دیکھ کر مشرکین مکہ کو حضورؐ کے لشکر کی آمد کا علم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی تائید کے ساتھ حضورؐ کی یہ جنگی تدبیریں مسلمانوں کے لشکروں کی کامیابی میں بہت ممد و معاون ثابت ہوئیں۔

(اسی طرح حضورؐ نے اندرونی دشمنوں کا بھی ہمیشہ بروقت نوٹس لیا۔ ایک طرف منافقین کو ہمیشہ اعتماد سے باہر رکھا اور ان کی ریشہ دوانیوں کا توڑ کیا اور دوسری طرف یہودیوں کی سازشوں کو بے نقاب کیا۔ ان کی غداری کی انہیں پوری پوری سزا دی اور جس معاہد قبیلے نے بھی معاہدہ شکنی کی اسے بلاتاخیر خارج البلد کر کے شہری آبادی کو ان کے فتنے سے محفوظ کر دیا۔)

۱۱۔ لشکر آرائی:

(حضورؐ ہمیشہ جنگ کے وقت لشکر آرائی میں ایسی حکمت اختیار کرتے تھے جس سے دشمن کو کمزور پوزیشن میں ڈالا جا سکے اور اسے نامناسب موقعہ و محل سے واسطہ پڑے۔ بدر کے موقعہ پر آپؐ نے پہلے پہنچ کر ایک اونچی جگہ پر جہاں پانی تھا قیام فرمایا۔ قریش

Marfat.com

ڈھلوان میں ریتلی جگہ پر پڑاؤ ڈالنے پر مجبور ہوئے۔ بارش سے مسلمانوں کے پاس پہلے سے بنائے ہوئے حوض میں پانی جمع ہو گیا اور قریش کی طرف پانی بہنے سے ریت دلدلی ہو گئی جس سے ان کی نقل و حرکت میں دشواری ہو گئی۔ مسلمانوں کے دائیں بائیں اونچے ٹیلے تھے جو ان کی دشمن سے حفاظت کرتے تھے جبکہ کفار کھلی جگہ پڑے تھے اور ان کا رُخ مشرق کی طرف تھا اور سورج ان کے منہ پر پڑتا تھا۔ جنگِ اُحد میں حضورؐ نے پہاڑ کو پشت پر رکھا جو حضور کے دائیں بائیں اور پشت پر تھا اور کفار کو سامنے رکھے۔ پھر جہاں سے کفار کے کسی دستے کے چکر لگا کر آنے کا خطرہ ممکن تھا وہاں تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین کر دیا اور اس طرح دشمن کو اپنے سامنے رکھ لیا۔ اس حکمت کی بنا پر وہ پہلے ہلے میں ہی شکست کھا کر بھاگنے لگے اگر تیر انداز اپنی پوزیشن چھوڑ کر قریش کے دستے کے لیے راستہ نہ بنا دیتے تو قریش شکست کھا چکے تھے جنگِ احزاب میں کثیر تعداد میں دشمن کا مقابلہ تھا تو اسے خندق سے روکا اور جو خندق پار کرنے کی کوشش کرتے تھے انہیں تیروں کی نوک پر یا تلواروں کی دھار پر رکھ لیا جاتا تھا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر آپ اتنی سرعت سے شہرِ مکہ تک پہنچے کہ دشمن سراسیمہ ہو کر کچھ بھی نہ کر سکا اور پھر مختلف دستے مختلف راستوں سے اس طرح داخل ہوئے کہ کسی کو یہ جرأت بھی نہ رہی کہ اس لشکر کے داخل ہوتے ہوئے بھی مزاحمت کر سکے۔ جو لوگ مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال چکے تھے اور پھر ان کو دوسری جگہ بھی گھروں میں بیٹھنے نہ دیتے تھے وہ اپنے گھروں میں بیٹھے بیٹھے ہی بے بس ہو گئے غرض حضورؐ کی لشکر آرائی کی حکمت ہمیشہ گہری سوچ بچار اور موقعہ و محل کے مطابق ہوتی تھی جس سے دشمن کو خود بخود کمزور پوزیشن اختیار کرنی پڑتی تھی اور وہ بے بس ہو جاتا تھا۔

۱۲۔ ایفائے عہد کا اہتمام :

حضورؐ کی تمام تر جنگی حکمت اخلاقی اصولوں پر مبنی تھی اس لیے آپ عہد و پیمان اور معاہدات کی سختی سے پابندی کرتے تھے اور آپؐ کا یہ طرزِ عمل دشمنوں کے اندر ہمیشہ آپ کی برتری منوانے کا

Marfat.com

باعث ہوتا تھا)

صلحِ حدیبیہ کے معاہدہ پر ابھی دستخط بھی نہ ہوئے تھے کہ نوجوان ابوجندلؓ کفار کے ظلم و ستم سے فرار ہو کر اسلامی کیمپ میں پہنچ گئے۔ سہیل بن عمرو جو قریش کی طرف سے معاہدہ کا فریق تھا نوجوان نومسلم ابوجندلؓ کا باپ تھا۔ اس نے کہا کہ اگرچہ معاہدے پر دستخط نہیں ہوئے لیکن زبانی شرائط طے پا چکی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا بے شک اور ابوجندلؓ واپس کر دیے گئے اس طرح حضورؐ نے عہد و پیمان کی پابندی کی ایسی مثال پیش کی جو بے نظیر تھی اس لیے کہ ابوجندلؓ کی حمایت میں سارے مسلمانوں کے دل پانی ہو رہے تھے۔

جنگِ بدر کے موقعہ پر مسلمانوں کی قلتِ تعداد حد درجہ تشویشناک تھی اور آپؐ کو ایک ایک آدمی کی اشد ضرورت تھی۔ حذیفہؓ بن الیمان اور ابوحسیلؓ دو صحابی حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یارسول اللہ ہم مکہ سے آ رہے تھے اس راستے میں کفار نے ہمیں گرفتار کر لیا اور اس شرط پر رہا کیا کہ ہم اس لڑائی میں حصہ نہیں لیں گے اور آپ کا ساتھ نہیں دیں گے لیکن حضورؐ یہ تو مجبوری کا عہد تھا ہم تو کافروں سے ضرور لڑیں گے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"ہرگز نہیں تم اپنا وعدہ پورا کرو اور لڑائی کے میدان سے چلے جاؤ۔ ہم مسلمان ہر حال میں اپنا وعدہ پورا کریں گے ہم کو صرف اللہ کی مدد درکار ہے" (صحیح مسلم)

جنگِ اُحد میں نامکمل شکست دینے کے بعد ابوسفیان سردارِ قریش حضورؐ کو چیلنج دے گیا تھا کہ اب ہمارا تمہارا معرکہ آئندہ سال بدر کے مقام پر ہوگا۔ حضورؐ نے وہ چیلنج قبول کر لیا:

جب سال گزرا تو حضورؐ عہد و پیمان کے مطابق مقام بدر پر پہنچ گئے لیکن ابوسفیان مسلمانوں کے اس جرأت کے ساتھ آنے سے مرعوب ہو کر مرالظہران سے ہی یہ کہہ کر واپس لوٹ گیا کہ یہ سال قحط کا سال ہے حضورؐ آٹھ دن تک بدر میں قیام کرنے کے بعد اپنا عہد پورا کر کے واپس تشریف لے آئے۔

Marfat.com

جنگ وجہاد کی تاریخ میں حضورؐ نے ایک نئی مثال قائم کی۔ جنگ کو حضورؐ نے اپنی صداقت شعاری، امن پسندانہ جدّوجہد اور رحمدلانہ طرزِ عمل سے انسانیت کے لیے رحمت بنا دیا جس طرح ناسور کا اپریشن بھی مریض کے لیے رحمت ہے اسی طرح باطل کے ظلم وستم کی ماری ہوئی دنیا کے لیے اسلام کی جنگی جدّوجہد بھی رحمت ہے جو اس کے ظلم وستم سے چھٹکارے اور اس کے جبر وتشدد سے رہائی کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسلام جب میدان جنگ میں ہوتا ہے اس وقت بھی دنیا اس ظلم وستم سے دوچار نہیں ہوتی جو باطل پرستوں کے ٹکراؤ سے دنیا کو دیکھنا پڑتا ہے۔

حضورؐ نے اپنی اس نظریاتی اور انقلابی جدّوجہد میں کل ۸۲ جنگی کاروائیاں کیں۔ یہ جنگی جدّوجہد ۲ ہجری سے ۹ ہجری کے درمیانی زمانے پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں ۲۷ جنگی مہمات میں جن میں آپ خود شریک ہوئے گویا اوسطاً ہر تین چار ماہ بعد آپ کسی نہ کسی جنگ میں بہ نفسِ نفیس شریک ہوئے مدینے کی اسلامی جماعت کو کل ۸۳ جنگی کاروائیوں سے واسطہ پڑا۔ گویا اندازاً ہر ماہ آپؐ کو کوئی نہ کوئی جنگی مہم درپیش ہوتی تھی۔ اس میں چھوٹی چھوٹی مہمات بھی شامل ہیں اور بڑی بڑی جنگیں بھی۔ بہر حال ان تمام جنگی مہمات کی جو مسلح طریقے پر کسی نہ کسی کمانڈر کی سرکردگی میں روانہ کی گئیں ان کی تعداد یہی ہے اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپؐ کی زندگی کا مکی دور اگر ہر ظلم وستم سہنے کا دور تھا تو مدنی دور ہر لحہ چوکنا رہنے، دشمن کا مقابلہ کرنے اور ہر وقت کمر کس کر رکھنے اور سر ہتھیلی پر رکھ کر دشمنان اسلام کے خلاف مستعد اور سرگرم رہنے کا دور تھا۔ یہ دور حد درجہ اعصاب شکن تھا۔ چونکہ مادی سروسامان کی کمی ہر جنگی مہم کی خصوصی صفت تھی کبھی بھی ایسا نہ ہوسکا کہ جس درجہ کا دشمن ہے اس درجے میں مناسب اور مؤثر مادّی تیاری کرکے مقابلہ کیا جاسکے۔ مسلمانوں کے پاس مادی سروسامان ہمیشہ اپنے دشمنوں سے کم ہی ہوا۔ صرف ایک غزدۂ حنین میں ایسا ہوا کہ وہاں مسلمان اپنی تعداد کو قابل لحاظ محسوس کرتے تھے تو اس میں فوری ہزیمت نے انہیں تعداد کی بجائے توکل علی اللہ کا سبق ازسرِ نو سکھا دیا۔

جنگ میں حضورؐ کی ہدایات بالعموم یہ ہوتی تھیں۔

Marfat.com

★ مسلمان صف بندی کو کسی حالت میں نہ توڑیں (عرب میں صف بندی کر کے جنگ لڑنا مسلمانوں نے شروع کیا جس سے ان کی قوت بڑھ گئی اور وہ بنیانِ مرصوص کی مانند دشمن کیلئے ناقابلِ شکست ہو گئے۔ ورنہ پہلے عربوں میں کھلی جنگ کا رواج تھا جس میں اپنے بیگانے کی تمیز مشکل ہوتی تھی۔)

★ حضورؐ کے حکم کے بغیر لڑائی شروع نہ کریں (گویا سالارِ فوج کی اطاعت ضروری تھی اس سے پہلے کوئی بھی سر پھرا لڑائی چھیڑ دیتا تھا۔)

★ دشمن دور ہو تو تیر، قریب آئے تو پتھر، مزید قریب آئے تو نیزے اور تلواریں استعمال کریں (اس سے ہتھیاروں کا صحیح استعمال ہوتا تھا۔)

اپنے درخشاں جنگی اصولوں کی بنا پر آپؐ نے ۹ سال کی قلیل مدت میں ایسی حربی کامیابی حاصل کی جس کی مثال نہیں ملتی۔ طلوع ہونے والا سورج ان دنوں ہر روز اسلامی ریاست کی حدود میں اضافہ دیکھتا رہا۔ تقریباً پونے تین سو مربع میل یومیہ کی رفتار سے سلطنت اسلامی میں توسیع ہوتی چلی گئی اور جب آپؐ کا مشن کامل غلبۂ اسلام جزیرۃ العرب میں مکمل ہوا تو دس لاکھ مربع میل سے زائد رقبہ اسلامی نظام کے زیرِ نگین اور اسلامی ریاست کی حدود میں شامل ہو چکا تھا۔ اس عظیم انقلاب میں مسلمانوں کا جانی نقصان ماہانہ ایک فرد یعنی کل سوا سو افراد کے لگ بھگ ہوا تھا یعنی اسلامی انقلاب کی تکمیل میں دو طرفہ انسانی جانی اتلاف کی تعداد تو سو کے لگ بھگ بنتی ہے اس قلیل ترین جانی اتلاف سے اتنا بڑا انقلاب انسانی تاریخ کا ایک ایسا معجزہ ہے کہ ہم آپ کی جنگی حکمتِ عملی کو رحمت پر مبنی حکمتِ عملی ہی کہہ سکتے ہیں اس لیے کہ آپؐ کی جنگ کا مقصد رفعِ شر اور استیصالِ منکر تھا۔

حضورؐ کی جنگ تمام تر فی سبیل اللہ تھی۔ اس جنگی جدوجہد سے آپؐ کا مقصود کسی شہرت یا ناموری کا حصول نہ تھا۔ اس میں قیادت کی بے مثل بیدار مغزی اور شجاعت، جدید ترین طرز کی جنگی تیاری، راسخ عزم، یقینِ محکم اور بلند حوصلہ خصوصی صفات تھیں یہی کامیابی کی

Marfat.com

ضمانت تھیں۔ اس جدّوجہد کے نتیجے میں آپؐ نے انسانیت کو ایک مکمل ضابطۂ حیات دیا۔ صلح و جنگ کے ضوابط کا وسیع قانون دیا۔ جنگی اخلاق کے حدود بنائے۔ لڑنے والوں کے باہمی حقوق و فرائض کی نشاندہی کی۔ دشمن کے لڑنے والے افراد کے درمیان امتیاز قائم کیا۔ معاہدے کا احترام کرنا سکھایا۔ مفتوح قوموں کے حقوق کا ضابطہ بتایا۔ سفیروں اور قیدیوں کے حقوق متعین کیے۔ جنگ میں لوٹ مار، جلاؤ گھیراؤ، تباہ کاری، سوزناکی، مُثلہ، بدعہدی اور ہر نوعیت کی وعدہ خلافی کی ممانعت فرمائی۔ اس کی بجائے خداترسی، خوفِ خدا، ایفاءِ عہدِ غنیمت میں دیانت داری اور زیردستوں، غیر مقاتلوں کے جان و مال کے تحفظ کی تعلیم دی۔

(حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنے اصولِ جنگ سے جہاں دشمنوں کو ہر میدان میں ناکام کیا وہاں شرافت اور انسانیت کو ہر میدان میں کامیاب کیا۔ ہم یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ حضورؐ کی جنگی حکمتِ عملی کی کامیابی درحقیقت انسانی شرافت، خداخوفی، حق پرستی اور دیانت و امانت کی فتح ہے اور حضورؐ اور آپ کے لائے ہوئے دین کی فتح دنیا کے لیے رحمت کے دروازے کھولنے کے مترادف ہے۔)

Marfat.com

منزل ہشتم:

انقلابی اسلامی ریاست کی تشکیل

Marfat.com

Marfat.com

پہلا باب:

اِنقلابی اِسلامی ریاست کی تشکیل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخِ انسانیت کی ۲۳ سالہ قلیل ترین مدت میں جو عظیم الشان انقلاب برپا کیا وہ اپنی نوعیت، کیفیت، جدّوجہد اور نتائج کے اعتبار سے اتنا حیران کن ہے کہ اس کی نظیر تاریخِ عالم میں کہیں موجود نہیں ہے جب ہم اس انقلاب کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے ہیں تو حقیقتاً اس کے سوا کسی دوسرے انقلاب پر لفظ "انقلاب" کا اطلاق ہی درست معلوم نہیں ہوتا۔ اگر یہ بات کہی جائے کہ اب تک انسانیت کی تاریخ صرف ایک ہی حقیقی انقلاب سے آشنا ہے تو یہ کوئی مبالغہ آمیز بات نہیں ہے اور نہ اس کا انکار آسان ہے۔ اس لیے کہ اب تک دنیا میں انقلاب کا مفہوم صرف اسی قدر سمجھا جاتا ہے کہ انسانوں پر غالب اور مسلّط، پہلے اقتدار کو بے دخل کر کے ایک دوسرا اقتدار ان پر مسلّط کر دیا جائے۔ یہ کام جس قدر اچانک ہو اور اس میں جس قدر زیادہ خون خرابہ ہو اسی قدر بڑا انقلاب سمجھ لیا جاتا ہے حالانکہ فساد فی الارض، ہلاکتِ انسانی، ضیاعِ جان و مال و عزت و آبرو انسانی بستیوں کی بربادی اور ظالموں کے ایک گروہ کے بعد ظالموں کے ہی کسی دوسرے گروہ کے مسلّط ہو جانے سے انسانیت کی قسمت میں وہ کون سا تغیّر واقع ہو جاتا ہے جس کی بنا پر اسے انقلاب کہا جا سکے۔

البتہ ایک ایسی جدّوجہد جس کے نتیجے میں پرانا بد اخلاق اور بدکردار انسان یکسر ایک نئے پابندِ اخلاق انسان کا روپ دھار لے۔ قدیم رسموں اور عصبیتوں کا مارا ہوا اور اخلاقی خرابیوں میں ملوث انسانی معاشرہ سارے بوجھ اتار کر سیدھا سادا خدا پرست

شریف اور پابندِ اخلاق معاشرہ بن جائے جس میں خدا ترسی، ہمدردی، اخوت، مساوات، مسئولیت، آخرت کی جوابدہی، نیکی اور خیر خواہی کی قدریں جاگزیں ہو جائیں۔ ظالم اور جابر حکام کی بجائے خدا ترس اور نیک حکام کا ٹھنڈا سایہ انسانوں کو میسر آ جائے اور جانبدارانہ سنگدلانہ اور متعصبانہ قوانین کی بجائے مساواتِ انسانی پر مبنی غیر جانبدارانہ خدا ترسانہ اور رحمدلانہ قوانین انسانوں میں رائج ہو جائیں۔ تو اس کو حقیقی طور پر انقلاب کہا جا سکتا ہے۔ پھر جب یہ بات معلوم ہو کہ یہ کام صرف ۲۳ سال کی مختصر مدت میں ہو گیا تو انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ پھر جب مزید یہ پتہ چلے کہ یہ سب کچھ پُر امن طور پر، خون خرابے کے ہوا اور ۲۷ غزوات اور ۵۴ سرایا میں صرف چند سو انسان دو طرفہ آئے تو انسانی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ اس ساری انقلابی جدوجہد کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان بے ساختہ یہ بات کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اگر تاریخ انسانی میں کوئی حقیقی انقلاب برپا ہوا ہے تو فقط یہی انقلاب ہے باقی جو کچھ ہے وہ ساری کشمکش، انتقام اور خون خرابہ کی داستان ہے۔

ظاہر ہے کہ اس جدوجہد کا تجزیہ کرتے ہوئے اگر اتنی سی بات کہہ کر خاموشی اختیار کر لی جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اولوالعزم رسول تھے۔ آپؐ کو مکمل تائیدِ الٰہی حاصل تھی اور خدا کی کامل قدرت سے یہ انقلاب رونما فرمایا تو بلاشبہ یہ بات حقیقت پر مبنی ہے لیکن اس حقیقت کے چند دوسرے پہلو بھی غور طلب ہیں۔

۱۔ یہ دین کامل اور آخری ہے اور ساری انسانیت کی فلاح اسی میں مضمر ہے۔ اس کے بعد دوسرا کوئی دین نہ آنا ہے اور نہ اس کا نمونہ انسانیت کے سامنے پیش ہونا ہے اس لیے کامل علم اور کامل عمل کے ساتھ دنیا کو اس کے نمونے کی حقیقی ضرورت ہے عام انسان کا حق ہے کہ نظریے کے ساتھ نمونہ بھی طلب کرے۔

Marfat.com

۲۔ خلق خدا کو اس دین کی طرف دعوت دینے کے لیے اس کا عملی نمونہ خلقِ خدا کے سامنے رکھنا مسلمانوں کا دینی فرض ہے ورنہ محض کتابی علم سے عام خلقِ خدا صداقت کی حلاوت کو نہیں پا سکتی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خلقِ خدا کے سامنے جب اس نظام کا عملی نمونہ پیش فرمایا اسی وقت یہ منظر سامنے آیا تھا کہ:

يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللهِ أَفْوَاجًا۔ داخل ہوئے اللہ کے دین میں فوج در فوج

اس کے قیام سے پہلے تو مزاحمت منافقت اور مخالفت ہی تھی۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس دین کا عملی نمونہ غیر مسلم دنیا کے سامنے پیش کریں تاکہ دوسرے نظاموں سے بیزار دنیا اس کی خوبیاں عملی زندگی میں دیکھ کر اسے قبول کر سکے۔

۳۔ مسلمان خود بھی دینِ اسلام کے تمام احکام پر قدم بہ قدم عمل پیرا ہوں۔ اس کے نظریات کی دل و جان سے اطاعت کریں۔ ظاہر ہے کہ جب تک اسلام کے سارے احکام نافذ نہ ہوں۔ خود مسلمان کی اپنی اسلامی زندگی بھی چند عبادات کے اندر ہی گردش کرتی رہتی ہے۔ معاملات، معاشیات، سیاسیات، سماجیات اور وسیع تر اخلاقیات کا دائرہ اسلام کی گرفت سے باہر کسی دوسرے ہی نظام کا پابند رہتا ہے جو مسلمان کے لیے کسی صورت مناسب نہیں ہے۔

۴۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اسلام اپنے سارے پہلوؤں کے ساتھ ایک قابلِ عمل نظامِ زندگی ہے۔ اسے اخلاقی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر دور میں بالکل سائنٹیفک انداز میں پورے طور پر برپا اور نافذ کیا جا سکتا ہے۔ اگر

یہ انسانوں کے لیے قابلِ عمل نہ ہوتا تو اللہ تعالےٰ انسانوں کے لیے کوئی دوسرا قابلِ عمل دین لازماً بھیجتا اور دین اسلام کو خاتم الادیان قرار نہ دیتا۔ اس لیے کہ دین انسانوں کی ضرورت ہے اور ہر دور میں انسانوں کی فلاح و بہبود کیلیے اللہ تعالیٰ کمال ربوبیت اپنا دین انبیا کی معرفت بھیجتا رہا ہے۔ دین زندگی کا عمل ہے یہ صرف مدرسوں میں پڑھنے اور وعظوں میں بیان کرنے کے لیے ہی نہیں ہوتا۔ اسلام کا آخری نظامِ زندگی اور خاتم الادیان ہونا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیینؐ ہونا اور مسلمانوں کا خاتم الامم ہونا خود اس بات پر گواہ ہے کہ اسلام اب ساری دنیا کا دین ہے اور ساری انسانیت کے مسائلِ زندگی اب اسی کے ذریعے حل کیے جائیں گے۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سعیِ بلیغ سے دین اسلام کو کامل طور پر نافذ فرمایا اور اس کے ذریعے انسانوں کی زندگی کے سارے مسائل حل کر کے دکھائے اور اسے جاری وساری غالب ونافذ اور رواں دواں حالت میں ہی دنیا کے سامنے پیش کر کے مسلمانوں کے حوالے کیا۔ اب اگر مسلمان حوادثِ زمانہ اور اپنی کوتاہیوں کے سبب اسے قائم ونافذ نہ رکھ سکے ہوں تو اب ان کا یہ فرض ہے کہ اسے دوبارہ نافذ کر کے دنیا کے سامنے پیش کریں۔ تاکہ آخری دین کامل صورت میں دنیا کے سامنے آئے اور ہر شخص اسلام کا وعظ ہی نہ سنے بلکہ اسے چلتا ہوا اور لوگوں کے مسائل حل کرتا ہوا بھی دیکھ لے۔

جب اسلام کے نفاذ کا مسئلہ آتا ہے تو اس کے ساتھ ہی سیاست ونظم مملکت تدبیر وتدبّر اور کشمکش وجہاد کے مسائل بھی سامنے آجاتے ہیں۔ پھر جونہی سیاست کا لفظ سامنے آتا ہے بعض لوگ جن کی طبیعتیں ملوکیت کے طویل دور نے متاثر کر دی ہیں سیاست

کے اندر دنیا داری، مکاری، چالبازی، طلبِ اقتدار، کرسی کی طمع، منصب کی ہوس، جاہ پرستی، عیش طلبی اور حکومت خواہی کے مفہوم ڈال ڈال کر پہلے تو ایسے شخص کو دنیا طلبی کے طعنے سے مطعون کرتے ہیں اور خدا ترسی، آخرت طلبی، توکل، دنیا سے بے رغبتی، فقر و درویشی اور خود نگری و خدا خواہی کی نصیحتیں کر کے اس کے نام نہاد سیاسی ذہن کو دینی ذہن بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کوشش کے باوجود بھی اگر کوئی شخص ضد کرے کہ یہ کام مسلمانوں کا فرض ہے اور انہیں ضرور سرانجام دینا چاہیئے تو پھر اسے صحابہ کرامؓ کا گستاخ قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس گستاخی کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ گویا جو کام صرف صحابہ کرامؓ نے سرانجام دیا تھا۔ اس گستاخ کے نزدیک وہ کام ہر کہ دمہ سرانجام دے سکتا ہے ایسا شخص صحابہ کرامؓ کی انفرادیت اور فوقیت کو مجروح کرتا ہے اگر کوئی شخص کمالِ ادب سے اللہ کا یہ حکم بیان کرے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ بے شک اللہ کے رسول کی سنت میں تمہارے لیے بہترین مثال ہے۔

تو اس کے جواب میں حکم خداوندی کے لیے پورے احترام کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ نبیوں کے کرنے کا یہ کام آخر اور کس کے بس میں ہے۔ گویا یہاں پہنچ کر کوئی غیر محسوس نفسیاتی اور تاریخی مجبوری ہے جو دامن تھام لیتی ہے۔ چنانچہ صدیوں سے اب صورتحال یہ بن گئی ہے کہ اسلام کے کامل نظامِ زندگی کو از سرِ نو بپا کرنے کی ہر چھوٹی بڑی کوشش کا مقابلہ کرنے کے لیے باہر کے یہود و ہنود کو سامنے آنے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ مسلمانوں کے اندر کے حدود و قیود ہی کافی ثابت ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص دل کڑا کر کے اور کانوں میں انگلیاں دے کر نظامِ اسلامی کی عمارت کی ضرورت کا احساس کر کے صرف زمین ہی صاف کرنے لگے تو اس پر اس قدر لعن طعن اور ملامت کی بوچھاڑ کی جاتی ہے کہ وہ ساری عمر ان کانٹوں سے الجھنے اور نپٹنے میں ہی گزار دیتا ہے جو اس کے چاروں طرف

Marfat.com

بکھیر دیے جاتے ہیں۔ مدّت ودراز سے اب اسلام کی کشتی تاریخی ادھارے کی اس دلدل میں پھنسی ہوئی ہے جو دلدل مسلمانوں نے خود ہی اپنے باطل زدہ ذہنوں سے تیار کرلی ہے اور جس میں وہ خود بھی پھنسے ہوئے ہیں۔

اسلام جو زندگی کی وحدت کا علم لے کر اٹھا تھا جس کی وحدت کے حسن نے سارے دنیا کو مسحور ومسخر کر لیا تھا، زندگی کی اسی وحدت کو اب دین وسیاست کے دو خانوں میں نہایت شدت وقوت کے ساتھ تقسیم کر دیا گیا ہے جو دین دار ہے اسے سیاست سے کیا سروکار ہے جو گویا خالص ایک دنیا دارانہ اور مکارانہ کاروبار ہے اور جو سیاست دان ہے اسے دین داری اور شرافت ودیانت سے کیا کام ہے گویا وہ تو خالص دہریہ لالچی، مکار اور بے ایمان ہے۔ اب دین دار کا کیا کام ہے کہ وہ سیاست کے کوچے کا رُخ کرے اور سیاست دان کو کیا مجبوری ہے کہ وہ بڑھاپے سے پہلے دینداری اختیار کرکے اپنی دنیا تباہ کرے۔ غرض دین وسیاست کی علیحدگی کے ان تصوّرات نے اسلام کو اورادو وظائف اور نیم رہبانیت کا دین بنا دیا ہے اور غیر مسلموں سے زیادہ خود مسلمانوں کی محدود دینداری ہی کامل اسلام کا راستہ روکنے کے لیے کافی ہے۔

یورپ نے تو مغربی سیکولر تہذیب کو بہت مدت بعد اپنی موجودہ شکل میں وضع کیا اور اس کے لیے یونان وروم کے ملحد معاشروں سے تصورات اخذ کیے۔ کچھ انہوں نے پادریوں کے وضع کردہ کلیسائی نظام کے مظالم سے بھی تنگ آکر لادینی اور بے دینی کا راستہ اختیار کر لیا۔ لیکن مسلمانوں میں تو خلافت کے بعد ملوکیت کے اجراء کے سبب دین ودنیا کی تقسیم دورِ ملوکیت سے ہی شروع ہو گئی تھی اور علماءِ حق کے وقتاً فوقتاً احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے باوجود عام مسلمان معاشرہ بتدریج اس روش پر ڈال دیا گیا تھا کہ وہ فقہی اور مذہبی مسائل کے لیے علماءِ کرام اور دنیوی مسائل اور ضروریات کے لیے اپنے ملوک وحکام کی طرف رجوع کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دین جس

کو یکجا فرمایا تھا اور دنیا کو اس طرح استعمال کرنے کی تعلیم دی تھی جس طرح دین سکھاتا ہے اور یہی کامل دین تھا لیکن اس کے انقطاع کے بعد پھر دین کی قیادت علماء وصوفیاء کرام اور دنیا کی قیادت ملوک وحکام کے پاس چلی گئی۔ اس تقسیم قیادت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بُرے لوگوں کے سیاست میں مسلسل انہماک سے سیاست کا مفہوم ہی برائی بن کر رہ گیا حالانکہ اسی سیاست کو کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محراب ومنبر سے باندھ دیا تھا اور حضورؐ کے خلفائے راشدینؓ بھی سیاست سے ہی امورِ دنیا سرانجام دیتے تھے۔ انہوں نے مقدمات کے فیصلے کیے، جہاد کیے، سلطنتوں سے معاہدات کیے مختلف سلطنتوں کی طرف سفیر بھیجے اور ان کے سفیروں کا استقبال کیا۔ چونکہ سیاست کاروبارِ دنیا کے بہت بڑے حصے کو کنٹرول کرتی ہے اس لیے خلقِ خدا کے بہت سے کام اسی سے وابستہ ہوتے ہیں نتیجۃً اگر سیاست پر بُرے لوگ مسلّط ہوں تو لوگ ان کے مرہونِ منّت ہوتے ہیں اور انہیں جیسے بن جاتے ہیں اور اگر اچھے لوگ غالب ہوں تو لوگ ان کے مرہونِ منّت ہوتے اور ان جیسے بن جاتے ہیں گویا تبلیغِ دین کے لیے بھی امورِ دنیا پر قبضہ اور تدبیرِ مملکت نہایت ضروری ہے۔

اسلام جو کامل نظامِ زندگی ہے اس کی توحید کے ذریعے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتحادِ انسانیت کی بنیاد رکھی۔ آپؐ نے تعلیم دی کہ سب انسان ایک خدا کے بندے ہونے کی حیثیت سے حدودِ بندگی میں سب برابر ہیں۔ نماز کے ذریعے آپؐ نے انسانیت کو نظم وضبط کی تعلیم دی۔ انہیں پاکیزگی طہارت، پابندئ اوقات ہر معاملے میں خدا ترسی اور دینداری سکھائی۔ زکوٰۃ وصدقات کے ذریعے آپ نے غریبوں، محتاجوں مسکینوں اور بے سہارا انسانوں کے مسائل حل کیے۔ سرمایہ داری کا خاتمہ کیا۔ انسانوں میں غیر منصفانہ طبقاتی تقسیم کی بنیاد ختم کی۔ انسانوں کو جذباتِ صالحہ اور اعمالِ حسنہ کی بنیاد پر باہمی بھائی بھائی بنایا۔ تقسیمِ وراثت کے ذریعے اجتماعِ دولت کا راستہ بند کر کے

Marfat.com

گردشِ دولت کا راستہ کھول دیا تاکہ محرومی اور نایافتگی کوئی مستقل طبقاتی قدر نہ بن سکے۔ اسلام کے تصورِ رسالت اور عقیدۂ ختمِ نبوت نے انسانیت کے لیے ناگزیر کر دیا کہ آخری ہدایت کو پیش کرنے والی رسالت پوری اور جامع ہدایت پہنچائے۔ اس رسالت کے ذریعے علمی اور عملی پہلو سے دنیا پر حجت تمام کرنے میں کوئی کمی باقی نہ رہے۔ اس طرح ختمِ نبوت نے وحدتِ قیادت کا بھی سبق دیا۔ آپؐ کے نظامِ اخوت نے مسلمانوں کو بنیانِ مرصوص بنا دیا۔ رسولؐ کی غیر مشروط اطاعت نے وحدتِ عمل و حرکت و اقدام کا درس دیا اور تحریک کو تیز تر کرنے کا سامان فراہم کیا۔ آخرت میں مسئولیت کے احساس نے ذمہ داری اور جوابدہی کی قوت ابھار دی۔ جرأتِ فیصلہ نے مواقع سے فائدہ اٹھانے اور صحیح نتائج نکالنے کا راستہ بتایا اور آپؐ کے بروقت اقدامات نے باطل کے لیے شکست مقدر کر دی۔ اس طرح ایک تدریجی ارتقا کے تحت باطل ہٹتا گیا اور حق غالب آتا چلا گیا۔

یوں بھی سیاست و اقتدار کوئی ایسی ہی مکروہ شے ہوتی تو حضرت یوسفؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت داؤدؑ اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کو اس کراہت سے بدرجہ اولیٰ بچایا جاتا لیکن ظاہر ہے کہ احکامِ خداوندی کے نفاذ کے لیے عین مطلوب شے ہے۔ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق آخرت میں نور کے منبروں پر ان آئمہ عدل کو بٹھایا جائے گا جو دنیا میں حدود اللہ کی پاسداری کرتے ہوئے خلقِ خدا کو راہ راست پر چلاتے رہے اور خود بھی راہِ راست پر قائم رہے۔ کائنات میں وسیع نظامِ اطاعت جو طبعی اور تکوینی اصولوں پر قائم ہے، جس میں اللہ کی ساری مخلوق اللہ کی مطلق بندگی کا فریضہ ادا کر رہی ہے اس میں صرف انسان ہی ہے کہ جس کو ایک محدود دائرۂ اختیار میں آزادی حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دائرۂ اختیار ہی اس کا حلقۂ آزمائش ہے۔ اس کا دائرہ تبلیغ و جہاد و نفاذِ حدود اللہ ہے۔ اگر اس دائرے میں خدا کے احکام برپا

رغبت جاری ہوں تو انسانی زندگی پوری کائناتی زندگی کے ساتھ مطابقت پیدا کر کے مخلوقاتِ کائنات کے قافلۂ بندگی میں داخل ہو جاتی ہے اسی محدود دائرۂ اختیار میں بندگیٔ رب کے نفاذ کے لیے سلسلۂ رسالت جاری ہوا اور اسی مقصد کے لیے دنیا میں انبیاء کی معرفت انسان کو احکامِ خداوندی پیہم ملتے رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ جدّوجہد خصوصًا مدینہ میں دس سالہ مجاہدانہ مساعی سے وہ نظام قائم ہوا جو کائنات کے خالق کو منظور و مطلوب ہے۔ یہ نظام انسان کی ہمہ پہلو رہنمائی و ہدایت کے لیے بے حد ضروری ہے۔ یہ امر خود اس بات پر گواہ ہے کہ مشیتِ ایزدی کے نزدیک انسان کی کامل رہنمائی کے لیے محض تلقین و وعظ سے کہیں بڑھ کر کسی نظام کا عملی نفاذ ہے۔ انسان پر حجت تمام کرنے کے لیے کسی نظام کا عملی مظاہرہ ناگزیر ہے۔ حضورؐ چونکہ خاتم النبییّن تھے۔ اس لیے انسانیت کے لیے کامل نظام کا عملی نفاذ بھی اتنا ہی ضروری تھا جس قدر علمی لحاظ سے واضح اور مبین انداز میں ان تک تعلیمات کا پہنچ جانا ضروری تھا۔ اس نظام کی کامیابی کے عناصر میں یہ بات نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ :

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ نظامِ زندگی علاقائی کی بجائے ناقابلِ تغیر اصولی اور نظریاتی بنیادوں پر قائم تھا۔

۲۔ اس میں نسل و رنگ و زبان کے بجائے اخلاق و کردار کو وجۂ امتیاز قرار دے کر انسانی حقوق کو کامل مساوات کی بنیادوں پر قائم کیا گیا تھا اور سارے انسانوں کو ایک انسانی کنبے کے افراد قرار دیا گیا تھا۔

۳۔ سارے اسلامی نظام کی بنیاد وحدتِ الٰہ، (ایک خدا) وحدتِ قیادت (ایک رسولؐ) اور وحدتِ ہدایت (ایک کتاب) پر رکھی گئی تھی۔

۴۔ سارے انسانوں کو براہِ راست ان کے خالق کے سامنے جو علیم و خبیر اور غفور رحیم

Marfat.com

ہے مسئول قرار دیا گیا تھا اور خارجی ضابطہ بندی سے زیادہ انسانی ضمیر کو اصلاح کردار و اعمال کا ذریعہ بنایا گیا تھا۔

۵۔ دولت و غربت کے درمیان ایسا توازن قائم کیا گیا تھا کہ امارت سے فخر و غرور اور غربت سے مسکنت اور عجز علیحدہ کر کے دونوں کو ایک انسانی برابری کے پلیٹ فارم پر کھڑا کیا گیا تھا اور امیر کی امارت پر غربت کے بے شمار حقوق عائد کر کے اسے بالواسطہ طور پر غربت کے ساتھ بندگیٔ رب کے لیے جھکایا گیا تھا۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

حضورؐ کے غلام زیدؓ اور ان کے صاحبزادے اسامہؓ کے ماتحت بڑے بڑے کبار صحابہؓ کے لشکر مرتب ہوئے اور ان کی ماتحتی میں انہوں نے جہاد کیا۔ یہ صرف مسلمانوں کی سماجی مساوات ہی تھی کہ جس میں خاندانِ غلاماں تک حکومت و امارت کے مقام پر فائز ہو کر کارہائے نمایاں سرانجام دیتے رہے۔

۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ پورے نظامِ فکر کی روح سمیٹ کر ایک کلمہ میں پیش کر دی گئی۔ جسے سنتے ہی انسانوں کے لیے اس نظامِ فکر و عمل کو سمجھنا اور موافقت یا مخالفت کا فیصلہ کرنا آسان ہو گیا۔ اس ایک کلمہ کی مدد سے ایک اُمّی قوم کے لیے ممکن ہو گیا کہ وہ ایک عظیم قوی اور مضبوط قول کے ذریعے اپنے نظریے کا اظہار کر سکے۔ وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پوری تحریک اور اس کی تعلیمات کا خلاصہ بن گیا اس طرح وہ لوگوں کے دل و دماغ میں اترتا چلا گیا۔

مکہ میں تیرہ سال تک وہ ایک ایسی تحریک تھی جو اپنے لیے ایک زمین کا، ایک

ریاست کا اور ایک نظم و ضبط کا مطالبہ کرتی تھی تاکہ وہ اپنے اصولوں کو عملی طور پر انسانوں کے سامنے پیش کر سکے اور مدینہ میں اوّل روز سے ہی وہ ایک ریاست تھی جس کے اندر اس کے تمام اعضاء و جوارح اپنی ابتدائی شکل میں موجود تھے۔ اسلامی نظام کے یوں بھرپور اور زور دار طریقے پر قائم ہو جانے کے بعد اس کے ثمر دنیا نے چکھے اور پھر اس کی دعوت سے متاثر ہو کر جوق در جوق اس میں شامل ہوتے چلے گئے۔ پھر نہ طائف والوں کو اپنے بُت عزیز رہ گئے اور نہ مکہ والوں کو اپنی چوہدراہٹ کے دوسری طرف منتقل ہو جانے کا غم رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک باطل کا تعلق ہے وہ تو اسلامی نظامِ حیات کی غیر موجودگی کا ہی نام ہے جب اسلامی نظامِ حیات قائم نہ ہو، اور صرف اس کی معقولیّت کا ہی وعظ کیا جائے تو اس وعظ بے مثال سے ایسے ہی دیانتدار کارکن تیار ہوتے ہیں۔ جن کی دیانت اور محنت موجود الوقت غالب باطل کے ہی کام آتی ہے۔ درحقیقت ایک دیانتدار اور محنتی مسلمان کا تو یہ فرض ہے کہ وہ اپنی دیانت، محنت اور احساسِ فرض جیسی اعلیٰ صفات کو صرف اسلام کی تقویت کے لیے ہی صرف کرے اور باطل کی جڑوں کو ان صفات سے مضبوط و پائیدار نہ بنائے بلکہ ان صفات کی مدد سے باطل کے خلاف جنگ آزمائی کرے۔

اسلامی تحریک کی ابتداء، عروج اور نتائج سے آگاہ ہوئے بغیر ادھوری اور سرسری نظر سے دیکھنے والے بعض مغربی مستشرقین حضورؐ کے بارے میں یہ تاثر دیتے ہیں کہ جب تک آپ مکہ میں تھے۔ ظلم و ستم سہہ رہے تھے نشانۂ استہزاء بنے ہوئے تھے۔ ستائے جاتے اور پریشان کیے جاتے تھے۔ ان پر اوجھری ڈالی جاتی اور ان کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے تھے۔ یعنی جب تک ان کی زندگی ان کے اپنے تصوّرِ رسالت یعنی مظلومانہ حالت سے ملتی جلتی تھی وہ نبی اور رسولؐ تھے لیکن جب آپؐ مدینہ میں تشریف لائے اور یہاں پہنچ کر ایک اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی تو پھر آپ فرمانروا اور

Marfat.com

بادشاہ بن گئے۔ نبوّت کے بارے میں ان کا یہ تصوّر خالص ادھورے مطالعہ اور اپنے کلیسائی نقطۂ نظر کا نتیجہ ہے دوسری طرف فقرِ نبویؐ کے باوجود صرف نظمِ مملکت کو دیکھ کر حضورؐ کی زندگی کو بادشاہ اور فرمانروا کی زندگی قرار دینا ان کے مغربی سیکولر ذہن کا نتیجہ ہے اور یہ دونوں نقطہ ہائے نظر اختیار کرنا ان کے ماحول اور تربیت کی مجبوری کا فطری نتیجہ ہے۔

حضورؐ کی مکی اور مدنی زندگی میں تفریق کرنے والے لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اسلام سے وابستہ ان انسانوں میں جو مکہ میں تھے اور پھر وہ ان میں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آگئے اخلاقی لحاظ سے کوئی بھی فرق واقع نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ہر شب و روز ان کے اندر خدا ترسی، فکرِ آخرت اور انہماکِ عبادت میں اضافہ کرنے والا تھا۔ البتہ مکہ میں حضورؐ زیادہ خوشحال زندگی بسر کرتے تھے اس لیے کہ وہاں آپ کا ذاتی کاروبار اور اثاثہ موجود تھا لیکن مدینے میں آکر آپ کے فقر نے یہ رنگ اختیار کر لیا تھا کہ کئی کئی دن تک چولہا گرم ہوتا تھا۔ مال و متاع کا دھارا آپ کے چاروں طرف بہتا تھا جس سے مکمل طور پر آپ اپنے آپ کو محفوظ رکھتے تھے۔ خاندان کا ایک بچہ بھی اگر بیت المال کا ایک چھوہارا اٹھا کر منہ میں رکھ لیتا تھا تو وہ بھی اس سے اگلوا لیا جاتا تھا۔ خاندانِ نبوت پر آسائش ممنوع تھی۔

حضورؐ ہجرت سے قبل مکہ کے بازاروں، میلوں اور راستوں میں اگر تبلیغ دین فرماتے تھے تو مدینہ میں وفورِ عبادت کے سبب آپ کے پاؤں پر ورم آجاتا تھا اور جب اس شاہِ دوجہان کی وفات ہوئی تو گھر میں کوئی شے موجود نہ تھی زرہ ایک مہاجن کے پاس رہن پڑی تھی۔ یہ اس بادشاہ کا حال تھا جس نے فقر کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنا لیا تھا۔ مکہ میں آپؐ کے چولہے میں کبھی گھاس نہ اُگتی تھی لیکن مدینے میں اسلامی مملکت کے سربراہ ہونے کے بعد ایسا بارہا ہوجاتا تھا کہ ہفتوں کھجور کے سوا آپؐ کی کوئی غذا نہ

Marfat.com

ہوتی تھی۔ مکہ میں آپؐ کے جسم پر چٹائی کے نشان کسی نے نہ دیکھے تھے لیکن مدینہ میں سرکارؐ کے جسم پر چٹائی کے نشانات دیکھ کر فاروقِ اعظمؓ کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے۔ مکہ میں کبھی آپؐ کے پیٹ پر پتھر نہ بندھے تھے لیکن مدینہ میں جب آپ سربراہِ مملکتِ اسلامی تھے تو آپ کے پیٹ پر دو دو پتھر بندھے ہوئے بھی دیکھے گئے تھے ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ:

"میری جان آپ پر قربان دنیا کے مال میں سے اتنا تو قبول کر لیجئے کہ جس سے قوّت بحال رہے۔"

لیکن سرکارؐ فرماتے تھے کہ:

"مجھے دنیا سے کیا کام۔ میں تو اس سوار کی مانند ہوں جو گرمی بھر سایہ کے نیچے دم لیتا ہے اور پھر منزل کی طرف آگے نکل جاتا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آکر وہی بادشاہت قائم کی تھی جس کی دُعا حضرت عیسیٰؑ کیا کرتے اور فرماتے تھے کہ:

"اے آسمانی باپ جس طرح تیری بادشاہت آسمان پر قائم ہے اسی طرح تیری بادشاہت زمین پر بھی قائم ہو۔"

یہی وہ آسمانی بادشاہت تھی جو حضورؐ نے زمین پر قائم کی تھی اور خدا کے بندوں کو جو پیدائشی طور پر خدا کی رعیّت ہیں حقیقی معنوں میں خدا کے قوانین کے نفاذ کے ذریعے خدا کی رعیت بنایا تھا اسی کے نتیجے میں وہ نظام قائم ہوا تھا جو انسانیت کے لیے رحمت و برکت کا باعث تھا۔ اس کو عربی ملوکیت سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ وہ ملوکیت نہیں بلکہ زمین پر خدا کی نیابت یا خلافت تھی اور اس کے ذریعے جو قوانین نافذ ہوئے تھے وہ سارے خدائی قوانین تھے اگر خدا کا رسول خدا کے بھیجے ہوئے قوانین نافذ کرکے دنیا میں ہی آسمانی بادشاہت قائم کر دے تو یہ تو وہ کارنامہ ہے جس پر ساری انسانیت فخر کر سکتی ہے۔ اس سے بڑی رسالت اور نبوت کیا ہو سکتی ہے کہ

Marfat.com

احکام صرف پہنچانے ہی پر نہ جائیں بلکہ نافذ بھی کیے جائیں اور مظلوموں سے صرف زبانی ہمدردی ہی نہ کی جائے بلکہ ظالموں کا ہاتھ پکڑا جائے اور مظلوموں کی دادرسی اور دستگیری کی جائے۔ گویا مدینے کی اسلامی ریاست کے ذریعے حضورؐ نے فریضۂ رسالت کو احسن ترین طریقے پر سرانجام دے کر اپنے اللہ کے سامنے سرخروئی حاصل کر لی۔ پھر اگر حضرت یوسفؑ کی بادشاہی ان کی رسالت میں حارج نہیں ہوتی اور انہیں نبی سے عام بادشاہ نہیں بنا دیتی اور اگر حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی بادشاہت ان کی نبوت میں رکاوٹ نہیں بنتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایک اسلامی ریاست قائم کر کے اس میں احکام خداوندی جاری کرتے ہیں جس سے زمین پر خدا کی مرضی پوری ہوتی ہے تو اس سے کس طرح لازم آتا ہے کہ وہ مدینہ میں آ کر صرف فرمانروا ہی بن گئے تھے ایسی باتیں جانبدارانہ، متعصبانہ اور ادھوری فکر کا ہی نتیجہ ہو سکتی ہیں۔ یہ تو تحقیق سے زیادہ تاریخی حقائق کے گلے میں اپنی رائے اتارنے کے مترادف ہے۔

اب اس سے پہلے کہ ہم اس عظیم الشان اسلامی ریاست کے قیام کی تدابیر اور اسلامی نظام کے اجراء کی حکمتوں اور مختلف جہتوں پر بحث کریں خود اسلامی ریاست کی بعض خصوصیات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے یہ اندازہ کرنا نہایت ضروری ہے کہ صرف چند برسوں میں ایسا حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دینا کتنی زبردست جدوجہد، بصیرت، تدبّر، حکمت، دانش اور بے نظیر رہنمائی اور قیادت کا نتیجہ ہے۔ یہ انقلاب انسانی تاریخ میں اب تک منفرد واقع ہے جیسے کہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا نے لکھا ہے:۔

"یہ وہ کامیابی ہے جو آپ سے قبل کسی دور میں بھی کسی دینی معلّم کو حاصل نہ ہو سکی تھی۔"

حقیقت یہ ہے کہ اس کی نظیر بنی نوع انسان زمین پر آج تک پیش نہیں کر سکے ہیں۔

Marfat.com

ایک فردنی قوم اٹھ کر اپنی بات کہتا ہے۔ پوری قوم مزاحمت کرتی ہے اور ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اس کے پیش کردہ نظریے کے عین مطابق افراد ڈھل جاتے ہیں۔ معاشرہ بدل جاتا ہے۔ قوانین کا اجراء ہو جاتا ہے۔ تصوراتِ اخلاق و کردار اور معیشت و معاشرت و سیاست و تہذیب و تمدن سب بدل جاتے ہیں۔ اس انقلاب سے ۲۵ سال پہلے کا انسان یکبارگی قبر میں سے اٹھ کر اگر واپس اس سرزمین میں آتا تو اس بدلے ہوئے ماحول کو دیکھ کر کبھی باور نہ کرسکتا کہ وہ کھلی آنکھوں کے سامنے عالمِ بیداری میں ایسا عظیم الشان تغیر انسانی زندگی میں دیکھ رہا تھا اور وہ واقعی اسی سرزمین میں واپس آیا تھا جس سے وہ رخصت ہوا تھا۔

یہ اسلامی ریاست جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ کی تائید اور اپنی زبردست جانگسل جدّ و جہد سے قائم کی، ایک اصولی اور نظریاتی ریاست تھی یہاں اس کی بیش بہا خصوصیات میں سے چند ایک کا ذکر نہایت ضروری ہے۔

۱۔ اس ریاست کی بنیاد ایک ایسے معاہدے پر رکھی گئی تھی جو پہلے ایک شخص اور ایک شہر کے باشندوں کے درمیان طے پایا تھا اور انہوں نے برضا و رغبت اسے سارے معاملات کا سربراہ اور ذمہ دار تجویز کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت (عقبہ) کی تھی۔ اگر کوئی معاہدۂ عمرانی نامی شئے کسی جگہ واقع ہوئی تھی تو وہ یہی معاہدہ تھا جس کے تحت ایک جگہ کے باشندوں نے اپنی آزاد مرضی سے حضورؐ کو اپنا سربراہ تجویز کیا گویا یہ ریاست خالص عوامی رضامندی اور معاہدے پر قائم کی گئی تھی۔

۲۔ اس ریاست کی ایک اور خصوصیت اس کا ایک تحریری دستور تھا۔ یہ ایک خالص دستوری اور آئینی ریاست تھی جس میں اس کے باشندوں کے حقوق و فرائض کی واضح تعینؔ و تقسیم کی گئی تھی غالباً یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور تھا جو مدینہ کی ریاست

Marfat.com

کے ذریعے وجود میں آیا تھا۔

۳۔ یہ ایک اصولی اور نظریاتی ریاست تھی کیونکہ اس کی بنیاد نسل، علاقہ، زبان، قبیلہ یا معاشی اور سیاسی مفادات کے کسی اشتراک پر نہیں رکھی گئی تھی بلکہ چند اصولوں کی حفاظت اور ان کے اجراء کے لیے یہ ریاست وجود میں آئی تھی۔

۴۔ اس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہ ایک جامع تصورِ زندگی پر قائم ریاست تھی جو انسان کی زندگی کے تمام شعبوں کو منظم کرتی اور انہیں ایک سمت یا بندگیٔ رب کی طرف موڑتی تھی۔ وہ عبادات سے معاملات تک انسانی زندگی کے تمام گوشوں پر محیط تھی۔

۵۔ دنیا میں پہلی بار دین و سیاست کے حسین امتزاج پر مبنی یہ ریاست قائم ہوئی تھی۔ رسول ہی اس ریاست کا سربراہ تھا۔ وہی فوجوں کا کمانڈر تھا اور وہی نمازوں کا امام تھا۔ وہی عمال کا نگران تھا اور وہی الٰہی تعلیمات پہنچانے کا ذمہ دار تھا۔ محراب و منبر اور دربار و دفتر کے اس امتزاج و اجتماع نے انسانی زندگی کی تقسیم کو ختم کر کے اسے ایک حسین اور متوازن وحدت میں بدل دیا تھا جس سے انسان کے بے شمار بوجھ اتر گئے تھے۔

۶۔ یہ ایک جمہوری اور شورائی ریاست تھی جس میں سارے کام مشورے سے طے ہوتے تھے چونکہ خدائی حکم یہی تھا کہ سارے کام مشورے سے طے کیے جائیں:

وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ۔ ان سے معاملات میں مشورہ کرو۔

اور

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ۔ ...... ان کے امور آپس میں مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

کے مطابق صلح و جنگ داخلی اور خارجی معاملات سب کے سب مشورے سے طے پاتے تھے اور ساری پالیسیاں باہمی مشورے سے ہی مرتب ہوتی تھیں۔ حریتِ فکر، مساواتِ انسانی، عدلِ اجتماعی اور جمہوریت، ان الفاظ کی روح کے مطابق ان کا پورا پورا اہتمام تھا۔ ہر قسم کی غلامی سے آزادی کا منشور وہ انقلابی کلمہ تھا جو اس ریاست کے بنیادی نظریہ کا ترجمان تھا۔ مساواتِ انسانی، وحدتِ انسانیت اور اخوت پر قائم تھی۔ قانون سے بالاتر خود سربراہ مملکت کی ذات بھی نہ تھی۔

۷۔ یہ ایک فلاحی اور خادمِ خلق ریاست تھی جس کے ذمے خدمتِ انسانیت اور کفالتِ رعایا تھی۔ اس ریاست میں کوئی گداگر نہ تھا۔ اس کے سربراہ کا اعلان تھا کہ جو مقروض فوت ہو جائے اس کا قرض ریاست کے ذمے ہے اور جو وراثت چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کی ہے۔ روزگار کی ضمانت اور معاشی کفالت کا اہتمام ریاست کے ذمے تھا۔

۸۔ یہ ریاست اپنے اجتماعی امور میں خدا کے سامنے جوابدہ تھی اور اس کی تمام پالیسیاں اور قانون سازی خدا کی اتاری ہوئی ہدایات کے مطابق طے پاتی تھیں۔ اس ریاست کا فرد فرد اس امر سے سرشار تھا کہ وہ خدا کے سامنے جوابدہ تھا اور اسی احساس کے تحت پوری ریاست کے باشندوں میں ذہنی مطابقت اور جذباتی ہم آہنگی موجود تھی۔ درحقیقت یہ کوئی غیر مسئول ریاست نہ تھی بلکہ اس کی حیثیت خدا کے سامنے ایک ایسے جوابدہ ادارے کی تھی جو خدا کی نیابت کرتا تھا۔ اسی لیے اسے خلافت سے تعبیر کیا گیا تھا۔

۹۔ اس ریاست کا تصورِ حاکمیت دنیا کی تمام ریاستوں سے مختلف تھا اس کی حاکمیت نہ عوام کی تھی، نہ سربراہ مملکت کی، نہ کسی خاندان کی اور نہ کسی ادارے

Marfat.com

کی بلکہ اس کی حاکمیت کا براہِ راست تعلق اللہ تعالےٰ سے تھا۔ وہ اس کا حقیقی اور مستقل حاکم اعلیٰ تھا جو ازل سے ابد تک حی و قیوم اور علیم و خبیر ہے اور جو ہر لمحہ اپنے بندوں کا نگران اور کفیل ہے اور جو اپنی مخلوق کا تنہا واحد حاکم ہے باقی سب اس کے محکوم ہیں۔ اس نظریے نے ریاستوں کے نظریۂ حاکمیت میں انقلابی تبدیلی کر دی۔ اس سے ایک ایسی بے لاگ مساوات اور ایک ایسا بے لوث انصاف قائم ہو گیا جس کی نظیر کسی دور اور کسی معاشرے میں ممکن نہ تھی۔

۱۰۔ اس ریاست کی ایک مستقل کتابِ ہدایت تھی جو خود قانون اور ماخذِ قانون تھی اور ہر نزاع میں آخری اتھارٹی شمار ہوتی تھی اس نوعیت کی ریاست کے لیے تاقیامت یہ کتابِ ہدایت تھی جسے قرآن کہا گیا تھا اور جس کا ایک ایک لفظ حاکمِ اعلیٰ کا فرمایا ہوا اور ناقابلِ تغیر تھا۔ وہ اس ریاست کی مستقل گائیڈ بک، بنیادی قانون اور دستور تھی۔

۱۱۔ اس ریاست کے مقاصد میں سب سے بڑا مقصدِ خدا کے باغیوں کی سرکوبی تھا نیز کفر یا طاغوت کر کے دنیا کے تمام باغی انسانوں، ریاستوں، اداروں اور گروہوں کو خدا کی بندگی کی طرف لانا اور ایمان باللہ کو زمین کے آخری کناروں تک پہنچانا اس ریاست کا مقصدِ اولین تھا۔ اس طرح یہ ریاست ایک عالمگیر دعوتِ انقلاب کی داعی ریاست تھی اور اس کا قیام تمام دنیا کے طاغوتوں اور خدا کے نافرمانوں کے لیے ایک مستقل چیلنج تھا۔

۱۲۔ یہ ریاست ایک تعلیمی اور تربیتی ادارہ تھی جو اپنے باشندوں کو ایک مخصوص اخلاقی سانچے میں ڈھالنے کا اہتمام کرتی تھی اس کا تصورِ انسان و کائنات اس کی تعلیم کے ہر گوشے میں پیوست تھا اور اس تصور کی روشنی میں وہ اپنے تمام باشندوں کو تعلیم دیتی اور ان کے کردار اس کے مطابق ڈھالتی تھی

Marfat.com

جس سے خدا ترس اخلاقی کردار وجود میں آتے تھے۔ یہ ریاست مادی اشیاء سے زیادہ انسانوں پر توجہ دیتی تھی اور اس کے نزدیک ہر شئے سے زیادہ انسان کی قدر و قیمت تھی۔ اس کے نزدیک ایک انسان کا ناحق قتل ساری مخلوق کے قتل کے مترادف تھا۔

۱۳۔ اس ریاست میں عمال کے بارے میں صالح کی شرط لازم تھی۔ غیر صالح کردار کے لیے اس ریاست میں روٹی کپڑے اور مکان کا انتظام تو ضرور موجود تھا لیکن اس کے لیے اعلیٰ مدارج اور اونچے مناصب کے حصول کا کوئی سوال نہ تھا۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کے اصول کے تحت نیک اور صالح افراد ہی اس ریاست کے کل پرزے بن سکتے تھے۔ اس میں مال و نسب کی اہمیت نہیں شرافت اور اخلاق کی اہمیت تھی۔

یہ وہ عظیم الشان ریاست تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ۲۳ سال کی مدت میں قائم کر کے ایک حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ جو اپنی نوعیت میں منفرد اور ممتاز تھی اور جس کی مثال نہ اس سے پہلے دنیا میں کوئی ریاست قائم ہوتی تھی اور نہ اس کے بعد ایسی ریاست قائم ہو سکی۔ جبکہ ایسی ریاست کا قیام امتِ مسلمہ کا فرض ہے اور اس کے قیام کے بغیر مسلمان اپنے مالک کے سارے احکام پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے اور اس کے بغیر ان کی مسلمانی ادھوری رہ جاتی ہے۔

یہ کارنامہ سرانجام دینے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ کی ہدایات کی روشنی میں مختلف حکمتوں سے کام لیا۔ اس میں حکمتِ تبلیغ و دعوت بھی شامل ہے۔ حکمتِ تنظیم و اجتماع ہے۔ حکمتِ اخلاق و کردار ہے۔ حکمتِ ہجرت اور ترکِ وطن ہے۔ حکمتِ ازدواج ہے۔ حکمتِ جنگ اور جہاد ہے اور حکمتِ تدبیر

Marfat.com

سیاست ہے۔ ان ساری حکمتوں نے اپنی اپنی پوری کامیابی اور عمدگی سے کام کیا ہے تب جاکر وہ عظیم الشان ریاست وجود میں آئی جو درحقیقت حضرت عیسیٰؑ کے الفاظ میں زمین پر آسمانی بادشاہت تھی۔ اب ہم اس کتاب کے آخری باب حضورؐ کی حکمتِ سیاست و تدبر پر بحث کریں گے جو اس کتاب کا سب سے اہم موضوع ہے اور جس نے اسلامی انقلاب برپا کرنے میں نہایت درجہ اہم کردار ادا کیا ہے۔

منزلِ نہم :

حکمتِ سیاست

اور

تدابیرِ انقلابِ اسلامی

Marfat.com

Marfat.com

پہلا باب :

تدابیرِ انقلابِ اسلامی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں اسلامی انقلاب جیسے عظیم الٰہی نظام کا برپا ہونا جہاں ایک واضح اور غیر معمولی احسانِ ربانی ہے وہاں اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دانشورانہ، حکیمانہ اور جراءت مندانہ قیادت کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔ اللہ تعالٰی نے اپنی مشیت کو پورا کرنے کے لیے عالمِ اسباب میں سے جن موزوں ترین عوامل کو یکجا کرنے کی ضرورت محسوس فرمائی ان عوامل میں سب سے بڑا اور سب سے مؤثر عامل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک تھی۔ آپ میں وہ ساری خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں جن سے اسلامی انقلاب جیسا منفرد تاریخی کارنامہ سرانجام دیا جاسکتا تھا۔ یہ محض اقتدار کے اُلٹ پھیر کا نام نہ تھا۔ یہ محض کرسی بدلنے اور اقتدار پر قبضہ کرنے کا مسئلہ بھی نہ تھا بلکہ یہ ایک تعمیری اخلاقی، تعلیمی، تربیتی اور تنظیم معاشرتی اور اصلاحی کام تھا جس کا دائرہ ایک فرد سے لے کر تمام عالمِ انسانیت تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں فرد کی روحانی ضروریات سے لے کر اس کی مادی ضروریات تک فراہم کرنے کا مسئلہ تھا۔ اس میں انسانی سوسائٹی میں سے نسلوں اور فرقوں کی پیدا شدہ برائیوں کو ختم کرنے کا مسئلہ تھا۔ یہ ان گنت مدتوں کے پیدا شدہ اونچ نیچ کو اٹھا کر آدم کے انسانی خاندان کو ایک خاندانی اور برادرانہ سطح پر لانے کا مسئلہ تھا۔ یہ صدیوں سے باہمی ایک دوسرے کے حقوقِ انسانیت پر جابرانہ قابض شدہ جابر لوگوں سے مظلوموں کے حقوق حاصل کرکے انہیں واپس لوٹانے اور ان میں شرفِ انسانیت پیدا کرنے کا مسئلہ تھا۔

انقلابِ اسلامی محض کرسی حاصل کرنے کا مسئلہ نہ تھا، جو بالعموم ہر طالع آزما سیاسی مہم جُو کا مسئلہ ہوتا ہے۔ بلکہ یہ طالع آزماؤں کے آگے بند باندھ کر خدا کے نیک بندوں کو آگے لانے کا مسئلہ تھا۔ یہ بڑا ہی پیچیدہ شاخ در شاخ الجھا ہوا مسئلہ تھا۔ جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کی قلیل مدت میں سلجھا کر انسانیت کے قافلے کو بندگئ رب کی صراطِ مستقیم پر ڈال دیا۔ جب آپؐ نے اپنا کام مکمل فرمایا تو سارے انسانی مسائل سلجھ چکے تھے اور انسان خدا کی زمین پر آدم کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے باہمی بھائی بھائی بن چکے تھے۔

یہ کام محض معجزے دکھانے سے ہونے والا نہیں تھا۔ آپؐ سے پہلے بہت سے انبیاء ہزارہا معجزات کے ساتھ انسانوں کو دعوتِ بندگئ رب دے چکے تھے۔ لیکن انسانوں نے قبولِ دعوت اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی بجائے عذاب خداوندی تک پہنچنے کا راستہ بار بار اختیار کیا تھا۔ آپؐ سے پہلے بہت بڑے بڑے زور آور فوجوں والے فاتحین آئے تھے۔ لیکن فوجوں نے صرف قوموں کو تباہ کیا۔ ابنِ آدم کو مفتوح اور بے آبرو کر کے اپنا غلام بنایا اور ابنِ آدم کے مسائل میں مزید اضافہ کر دیا۔ آپؐ سے پہلے بہت سے مصلحینِ اخلاق بھی آئے لیکن ان سے کسی نے اصلاحِ اخلاق کا درس نہ لیا اور اگر کسی نے لیا تو اس نے تقسیم شدہ انسانیت میں ایک اور متحارب گروہ کا اضافہ کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت مدت سے اپنے دنیا کے کمرۂ امتحان میں بڑی پریشان چلی آ رہی تھی۔ بالآخر ان الجھے ہوئے پیچیدہ سوالات کا صحیح اور آسان حل صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی انسانیت کو بتایا۔

یہ عظیم کارنامہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سرانجام دیا اس میں حضورؐ کی حکمتِ سیاست بصیرت و دانش اور تدبر کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اس پہلو پر بہت کم غور کیا گیا ہے۔ ہمارے اس دور کا مطالبہ اور تقاضا ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی

Marfat.com

جدّوجہد میں اس سیاسی بصیرت و دانشوری اور حکمت و تدبّر کی بھی نشاندہی کریں جس کا اتباع ہر دور میں اسلامی انقلاب کے لیے ضروری ہے۔ ہماری بدقسمتی سے جہاں دین و سیاست کو الگ کیا گیا ہے تاکہ سیاست کو دین سے آزاد رکھ کر اس سب سے زیادہ طاقتور ادارے کو باطل مقاصد اور ہوائے نفس کے لیے استعمال کیا جا سکے وہاں حضورؐ کی سیرت میں سے بھی سیاسی اجزاء کو نکال کر اسے صرف پند و نصائح وعظ و تلقین، تبلیغ و اشاعت، عبادات، فقر و فاقہ اور دنیا سے مکمل اجتناب کی زندگی بنا کر ہی پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ حضورؐ کی سیرت کا سب سے بڑا اور اہم حصہ تو یہ ہے کہ حضورؐ نے ایک عظیم سیاسی اور روحانی انقلاب برپا کر کے باطل قوتوں کو بزورِ بازو سرنگوں کر دیا اکثر سیرت نگار انقلابِ اسلامی کے کارنامے کو اس طرح پیش کرتے ہیں جیسے یہ سارا کام خودبخود ہی ہو گیا اور اس میں صرف دعاؤں اور اوراد و وظائف کا ہی دخل تھا۔ حالانکہ اس طرح پیش کرنے سے ایک طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اُدھوری رہ جاتی ہے دوسری طرف آپ کے اسوہ حسنہ کا ایک نہایت اہم حصہ بھی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے جس کے بغیر مومن نظامِ باطل کو کبھی بھی چیلنج کر کے آپ کے اسوۂ حسنہ کا کامل اتباع نہیں کر سکتا۔

سیاست و تدبر، بصیرت و حکمت اور تدبیرِ مملکت حضورؐ کی سیرت کا اہم ترین حصہ ہے یہی حصہ انسانی زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے ہم اس بحث میں سوچ بچار کا راستہ کھولنے کے لیے اپنے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت و حکمت و تدبّر کے بعض پہلوؤں کی نشاندہی کریں گے۔ اس میں ہمارے مطالعہ فیصلے اور اخذِ نتائج کا نقص ہو سکتا ہے۔ لیکن جس جذبۂ خدمتِ دین اور نیتِ خیر کے ساتھ ہم نے اس جہت میں اپنے نتائجِ فکر کو مرتب کیا ہے۔ ان میں نقائص کے باوجود اپنی اس کوشش کے ذریعے ہم اپنے مالک سے اجر و بخشش کی امید رکھتے ہیں۔

Marfat.com

اتحاد اور امن کا اہتمام :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ جدّ و جہد کا مطالعہ یہ بات بار بار ہمارے سامنے لاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملّت کے اندر اتحاد کو سب سے بڑی اہمیت دی۔ آپؐ نے سب انسانوں کے سامنے ایسی نظریاتی اور اصولی بنیادیں فراہم کیں جو پہلے سے سعید فطرت کثیر انسانوں کے درمیان متفق علیہ چلی آرہی تھیں۔ جن میں سب سے اہم اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار اور آخرت میں اپنے اعمال کی جوابدہی کا احساس تھا۔ توحید سے مساوات اور آخرت کے عقیدے سے ذمہ داری پیدا ہوتی ہے۔ بلاشبہ بعض لوگوں نے باپ دادا کے بگاڑ کی حفاظت کے لیے مزاحمت کی جو فطرتاً ناگزیر تھی اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی انقلابی تربیت کے لیے بھی اس مزاحمت کی ضرورت تھی لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ یہ بنیادیں کثیر انسانوں کے اندر مدّت دراز سے متفق علیہ چلی آرہی تھیں اور یہ ایسی انوکھی باتیں نہ تھیں کہ جنہیں تسلیم کر لینے سے کوئی شخص بہت ہی دور از خیال انوکھے اصولوں کو تسلیم کرنے کا مرتکب ہو جاتا۔ ان باتوں کو فطرتاً اور اصولاً سب مانتے تھے بس باپ دادا کے پیدا کردہ سفارشیوں کا واسطہ اپنے لیے مفید اور آسان سمجھتے تھے۔ چنانچہ لوگوں نے ان اصولوں کو تھوڑی سی مزاحمت اور ردّ و قدح کے بعد تسلیم کر لیا اس سے ملت میں وحدت کا تصوّر اُبھرا اور اتحاد پیدا ہو۔ دوسرا مسئلہ امن کا تھا حضورؐ نے دعوتِ اسلامی کے لیے بطور ضرورت اور حکمتِ امن کے حالات کو ہمیشہ بہت اہمیت دی اور ایسے حالات پیدا کرنے کی ہمیشہ کوشش کی جن میں دعوتِ اسلامی اور اخلاق و کردار کے اثرات اپنا کام کر سکیں۔ یہ دونوں چیزیں حضورؐ کے پورے عرصۂ جدّ و جہد میں بطورِ اصول رواں دواں نظر آتی ہیں۔

......

Marfat.com

عرب کردار پر اسلام کا اصلاحی غازہ :

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انقلاب کے لیے عرب کردار کو زیادہ توڑنے پھوڑنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور نہ ہی اس کی زیادہ کوشش کی۔ عربوں میں بنیادی انسانی کردار کی بہت سی خوبیاں موجود تھیں۔ وہ مدّتِ دراز سے دربار داری سے دور، سلطنتوں کی عیش پرستانہ زندگی سے بے گانہ، آزاد اور خود دار قوم تھے۔ ان میں بنیادی طور پر شجاعت تھی۔ حمیت و غیرت تھی۔ فیاضی اور مہمان نوازی تھی۔ جذبۂ مہم جوئی اور شوقِ سیاحت تھا۔ امانت داری اور دیانت کا تصوّر تھا پاسِ عہد، احساسِ مروت، دوستی اور وفاداری تھی۔ حضورؐ نے قدیم عرب کردار کی ان خوبیوں کو قائم رکھا اور ان سے فائدہ اٹھایا۔ آپؐ نے ان میں مناسب صالحیت پیدا کرکے اسے انسانیت کے لیے زیادہ مثبت اور مفید بنا دیا۔ یوں تو اسلام کا نظام خود ہی ایک ایسا سانچہ ہوتا ہے جو تدریج کے ساتھ کردار کو اپنی منشا کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ مثلاً بنائے کعبہ کے بارے میں حضورؐ نے ایک بار اُم المومنین حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ حطیم بھی کعبے کی عمارت کا حصہ ہے۔ میں اسے ڈھاکر عمارت میں شامل کر دیتا لیکن اے عائشہؓ تیری قوم ابھی جدید الاسلام ہے۔ غرض آپؐ نے عربوں کی خوبیوں کو مزید اجاگر کرکے انہیں اسلام کے سپاہی بنایا اور انہوں نے بلاشبہ خدمتِ اسلام کا حق ادا کیا۔

معاشرتی مرتبے کی بجائے قبولیتِ حق کی اہمیت :

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تحریک کے اندر جاہلی دور کے باطل نظام کے پیدا کردہ معاشرتی مراتب کو وقعت دینے کی بجائے قبولیتِ حق کے لیے آگے بڑھنے کی مخلصانہ استعداد کو زیادہ اہمیت دی۔ سردارانِ قریش بار بار غلاموں، نوکروں، ملازموں، مزدوروں اور محنت پیشہ لوگوں کی طرف اشارہ کرکے کہتے تھے کہ

Marfat.com

کیا ہم ان کے ساتھ آکر ایک ہی صف میں بیٹھیں۔ یہ "شریف" لوگ ذات برادری، نسب اور پیشہ کی تقسیم کے سبب "کمین" لوگوں میں آکر بیٹھنے سے کتراتے تھے اور ایک ہی صف میں کھڑے ہونے والے محمود و ایاز کے اس طریقے کو ناپسند کرتے اور اپنے مرتبے سے فروتر سمجھتے تھے۔ آپ کی دانش نے جو وحی سے فیض یاب تھی ان کے اس مطالبے کو بلا تاخیر رد کر دیا اور اگر کہیں اس اصول اور حکمت سے ذرا بھی صرفِ نظر ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً توجہ دلائی:

"اے محمدؐ جس نے بے نیازی برتی تم اس کے پیچھے پڑتے ہو حالانکہ اگر وہ نہ سدھرے تو تم پر اس کی کیا ذمہ داری ہے اور جو تمہارے پاس دوڑا آتا ہے اس حال میں کہ وہ اللہ سے ڈر رہا ہے تم اس سے بے رخی برتتے ہو ہرگز نہیں۔ یہ تو ایک نصیحت ہے، جس کا جی چاہے اسے قبول کرے۔"
(۵-۱۲)

اسلامی تحریک میں معاشرتی مرتبے کو دینِ حق کی تبلیغ کے لیے تو استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن اس کی وجہ سے کسی کو اسلامی تحریک میں بلند مقام عطا کیا جائے اور اس کے مقابلے میں کم تر معاشرتی مرتبے کے کارکنوں کو کم وزن دیا جائے یہ چیز اسلام کے مزاج کے منافی ہے۔ آپؐ نے اس کیفیت کو اپنی تحریک میں ایک لمحہ کے لیے بھی پیدا نہیں ہونے دیا۔ وہاں یہ اصول کارفرما تھا کہ مالدار لوگ ہی دیانتدار ہوتے ہیں اس لیے کہ انہیں بد دیانتی کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ خدا ترسی، نیکی اور خدا خوفی انسان کی قدر و منزلت کا اصول تھا۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اس کی بنیاد تھی اور حضورؐ جانتے تھے کہ باطل کے نظام میں معاشرتی مرتبے، دیانتداریوں اور امانت داریوں سے نہیں بلکہ بے ضمیریوں، سفارشوں، رشوتوں اور ظلم و زیادتی کا آلہ کار بننے سے حاصل ہوتے ہیں چنانچہ معاشرتی مرتبے کی تفضیلت نظر انداز کر کے نظریاتی اور تحریکی حیثیت کو وقعت دیتے ہیں آپؐ

Marfat.com

کو مخلص ساتھیوں کا بہترین گروہ حاصل ہو گیا۔

غلاموں کی آزادی اور مظلوموں کی دادرسی کی تحریک:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کی آزادی کی تحریک چلائی۔ اس کے علاوہ آپؐ نے بے سہاروں، مظلوموں، کمزوروں، مسکینوں، غلاموں، محتاجوں، مسافروں، قیدیوں، بیماروں، یتیموں اور بیوگان کی ہمہ پہلو امداد و معاونت کی مہم بھی جاری کی۔ آپؐ کی یہ تحریک مکے میں بھی دکھائی دیتی تھی۔ جب آپؐ کے اشارے پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے اکابر صحابہ اپنے غلاموں کو آزاد کر کے پھر دوسرے نو مسلم غلاموں کو بھی خرید خرید کر آزاد کرتے تھے۔ مدینہ کی آبادی میں تو غلاموں کی آزادی ایک تحریک کی صورت اختیار کر گئی۔ غلام آزاد کرنا معاشرے کا فیشن بن گیا۔ معمولی معمولی لغزشوں پر کفارہ، غلام کی آزادی قرار پایا۔ مساکین کو کھانا کھلانا بھی ایک ایسا کفارہ قرار پایا جو ہر لغزش میں کام آنے والا تھا۔ زکوٰۃ کے فنڈ میں بھی اس کام کے لیے ایک حصہ مخصوص کیا گیا۔ اسلامی ریاست کا مقصدِ وجود ہی مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کے فتنے کی سرکوبی بتایا گیا۔

دنیا کے سارے مذاہب میں غلامی جاری رہی اور کسی نے اس کی تنسیخ نہ کی لیکن اسلام نے غلامی کو اپنے سارے ذرائع سے بتدریج ختم کر دینے کی مہم چلائی۔ چنانچہ غلاموں کی آزادی کو نیکی کا اصول بتایا گیا:

والسائلین وفی الرقاب۔ (بقرہ: ۱۲)
اور سوال کرنے والوں کو دو اور غلاموں کو آزاد کرنے میں خرچ کرو۔

پھر غلاموں کی آزادی کو آخرت میں نجات حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا گیا:

فلا اقتحم العقبۃ وما ادراک ما العقبۃ فک رقبۃ۔ (سورہ بلد)
پس نہیں بیٹھا تو بیچ گھاٹی کے اور کیا جانے تو کیا ہے گھاٹی۔ غلام کو آزاد کرنا۔

Marfat.com

غلاموں کی آزادی کو بعض گناہوں کے کفارے کا ذریعہ بھی بنایا گیا۔ مثلاً قتلِ خطا اور ظہار کا کفارہ، روزہ توڑنے کا کفارہ، حدیہ ہے کہ غلام کو مارنے کا کفارہ بھی اس کی آزادی ہی قرار دیا گیا۔ پھر یہ بات یہاں تک چلی کہ اکابر صحابہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف وغیرہ نے تو ہزاروں غلام آزاد کیے اس طرح بتدریج مسلمانوں نے غلامی کا رواج ختم کر دیا۔ ان کا مرتبہ اتنا بلند کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے فقیہہ، امام، محدث، سپہ سالار، صوبوں کے حاکم بلکہ خود سلطان تک مقرر ہوئے۔ محمود غزنوی خود خاندانِ غلامان سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا باپ سبکتگین غلام تھا۔ اس کے نتیجے میں عرب کی کثیر غریب اور مظلوم آبادی کی فطری ہمدردیاں اسلامی تحریک کے ساتھ ہو گئیں۔ انہیں اس تحریک میں اپنا معاشرتی، سیاسی اور معاشی مستقبل محفوظ اور درخشاں نظر آنے لگا۔ چنانچہ صہیبؓ رومی اور بلالِ حبشیؓ سے لے کر سلمانؓ فارسی تک اسلام کے شیدائی اور جاں نثار دکھائی دینے لگے۔ یہ اسلام کی وہ انقلابی روح تھی جس نے گرے ہوئے انسانوں کو سہارا دیا اور بے وسیلہ لوگوں کی دستگیری کی۔ اسی کے نتیجے میں اسلام نے دنیا میں معاشرت اور سیاست کا تصوّر بدل دیا اور اسے اقتصادی خوشحالی اور نسلی افتخار سے نکال کر مساواتِ انسانی پر قائم کر دیا۔ اس طرح آپ کی یہ اسلامی تحریک مساواتِ انسانی، امدادِ مساکین اور غلاموں کی آزادی کی زبردست مہم بن گئی۔ جس کے نتیجے میں اسلامی دعوت کی توسیع کے لیے یہ چیزیں زبردست محرک ثابت ہوئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ جذبہ نہایت قوی موجود تھا کہ مظلوموں کی مدد کی جائے اور ظالم کا ہاتھ پکڑا جائے۔ یہ بے لاگ انسانی خدمت اوّل روز سے حضورؐ کے اخلاق و کردار کا حصّہ تھی۔ اس کی درخشاں مثال نبوت سے پہلے حلف الفضول کے معاہدے میں آپ کی شرکت تھی۔ آپؐ کفار کی مختلف سرگرمیوں میں بالعموم کوئی دلچسپی نہیں لیتے تھے لیکن اس معاہدے میں آپؐ نے باقاعدہ شرکت فرمائی اور اس پر دستخط

ثبت فرمائے۔ یہ ایک نوعیت کی انجمن امدادِ مظلومین تھی جس کے ممبر ظالموں کا ہاتھ روکتے اور مظلوموں کا حق دلاتے تھے۔ اس انجمن میں شریک ہونے والوں کا حلف یہ ہوتا تھا:

"خدا کی قسم ہم سب مل کر ایک ہاتھ بن جائیں گے اور وہ مظلوم کے ساتھ رہ کر اس وقت تک ظالم کے خلاف اٹھا ہوا رہے گا تا آنکہ وہ ظالم اس مظلوم کا حق ادا کر دے اور جب تک سمندر گھونگھوں کو بھگوتا رہے اور حراء کے پہاڑ قائم ہیں ہماری معیشت میں مساوات رہے گی۔"[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت کاروں اور اجیروں کے سلسلے میں بھی سختی کے ساتھ واضح ہدایات جاری فرمائیں:

★ مزدور کی اُجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔
★ خدا کی لعنت ہے اس متاجر پر جو اجیر کا حق مار لے۔
★ اپنے خادم کو وہ کام کرنے کا حکم نہ دو جو تم خود نہ کر سکو۔ کام میں اس کا ہاتھ بٹاؤ۔ اور اس سے نرم سلوک کرو اس پر اس کی قوت سے زائد بوجھ نہ ڈالو۔
★ محنت کار کو اپنی طرح کا آدمی سمجھو اور اس کے اعزاز اور عافیت کا خیال رکھو۔
★ یاد رکھو کہ اجیر اجیر ہے اور تم متاجر ہو۔ یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل امر نہیں ہے کہ تم اجیر ہو جاؤ اور وہ مُتاجر۔
★ مومن کی شناخت یہ ہے کہ مرتے وقت بھی اس کی پیشانی محنت کے پسینے سے

[1] رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی ۲۷-۲۸ از ڈاکٹر حمید اللہ۔

نہ ہو۔

★ اللہ کی رحمت ہو اس بندے پر جو اپنی روزی اپنی محنت سے کماتا ہے۔

★ غریبوں کے حق کو پہچانو۔ یہ تمہارا ہی کام کر رہے ہیں۔[۱]

غرض حضورؐ کی اسلامی تحریک معاشرے کے پس ماندہ طبقے کے حقوق کی پوری طرح محافظ تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ سرداروں اور خوشحال طبقے کے دباؤ کے باوجود غلاموں، مسکینوں، اور اجیروں نے اسلام کا کھل کر ساتھ دیا وہ اسلام کی فوج کے بہترین سپاہی ثابت ہوئے۔

حجرِ اسود کے خونی نزاع کا متوازن اور قابلِ قبول فیصلہ:

حجرِ اسود کے نزاع کا فیصلہ آپؐ کی حکمت و تدبر کا شاہکار ہے بعثت سے پہلے حضورؐ اہلِ مکہ میں امانت و دیانت اور صداقت و شرافت کی اعلیٰ شہرت رکھتے تھے آپؐ کا احترام دانش و حکمت کے سبب بھی پوری شہری سوسائٹی میں موجود تھا۔ قریش کعبے کی تعمیر نو اور مرمت کا کام کر رہے تھے۔ جب حجر اسود والی دیوار ڈیڑھ گز اونچی ہو گئی تو حجر اسود جو عربوں میں متفق علیہ مقدس پتھر تھا اسے دیوار میں اس کی جگہ رکھنے کا مسئلہ پیدا ہوا۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے خطرناک نزاع کی صورت اختیار کر گیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسے حاصل ہو۔ حطیم کی تعمیر کرنے والے قبیلے نے تو خون سے پیالہ بھر کر رکھ دیا اور اسے چاٹنے لگے گویا اب مرے مارے بغیر وہ کسی دوسرے کو حجرِ اسود نہ رکھنے دیں گے یہاں تک کہ امیہ بن مغیرہ نے مشورہ دیا کہ اسے خدا پر چھوڑ دو اور بیت اللہ میں جو شخص اس راستے سے سب سے پہلے داخل ہو اسے ثالث بنالو اچانک حضورؐ داخل ہوتے ہوئے سب کو دکھائی دیے تو سب نے شور مچایا کہ:

"یہ تو امین آرہا ہے ہم اس کے فیصلے پر راضی ہیں، یہ تو محمدؐ ہے۔"

---

[۱] نقوشِ سیرت ۶۶۶۔ ۶۶۷۔

Marfat.com

حضورؐ نے سارا مقدمہ سن کر ایک چادر طلب کر کے بچھائی۔ حجرِ اسود اٹھا کر اس میں رکھا اور پھر جملہ قبائل کے نمائندوں سے کہا کہ وہ اس چادر کے کونے پکڑ کر حجرِ اسود کو دیوار کے مقامِ تنصیب تک لائیں۔ جب وہ چادر اٹھا کر اوپر لائے تو حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے حجرِ اسود اٹھا کر دیوار میں اس کی جگہ پر لگا دیا۔ حضورؐ کی حکمت و دانش کا یہ حال اس وقت بھی تھا جب آپؐ پر ابھی وحی کا نزول شروع نہیں ہوا تھا۔ یہی اعتماد تھا جس کے سبب بعد میں آپؐ کی تحریک میں مکہ نے اپنے بہترین جگر گوشے ڈال دیے۔ جو ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰؓ کی صورت میں دنیا کے سامنے آئے۔

کلمہ طیبہ: اسلامی تحریک کے لیے ایک جامع انقلابی نعرہ

حضورؐ نے تحریکِ اسلامی کو ایک جامع انقلابی نعرہ دیا جسے ہم کلمہ طیبہ کے نام سے جانتے ہیں یہ کلمہ اس تحریک سے وابستہ ہر مومن کا قیامت تک کے لیے جزوِ ایمان ہے اس مختصر کلمے میں تحریک کی نظریاتی روح کا پورا عکس آگیا ہے۔ اس میں توحید، آخرت اور رسالت کے تینوں بنیادی عقیدے سمو دیے گئے ہیں۔ یہ کلمہ مختصر ہے۔ جامع ہے۔ بیک وقت دعوتی بھی ہے اور انقلابی بھی۔ اسلامی تحریک کے انقلابی نظریاتی کردار کا یہ جامع نمونہ ہے۔ اس مختصر کلمے نے عرب کا دل دہلا دیا۔ اس ایک کلمے کی ضرب سے بڑے بڑے سردارانِ قریش بلبلا اٹھے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی اس کا اختصار ہے جو ہر نعرے میں ہونی چاہیئے دوسری خوبی اس کا نظریاتی پرتو ہے۔ تیسری خوبی یہ ہے کہ یہ نعرہ ایک وزنی گرز کی طرح تمام مخالفین۔ کے منفرق عقیدوں پر ضرب کاری کا کام کرتا ہے اور ان کے لیے مفاہمت کی کوئی راہ اطاعت کے سوا نہیں چھوڑتا تاکہ وہ غلط امیدوں کا سہارا نہ لیں۔ چوتھی خوبی یہ ہے کہ یہ فی الفور زبانوں پر چڑھ جاتا ہے آسان سلیس مترنم، واضح دلکش اور خوش ادا۔

اس سے پہلے کسی قبیلے کا کوئی نعرہ نہ تھا۔ اسلامی تحریک کا عرب کی فضا میں پہلی بار

Marfat.com

ایک مختصر اور جامع نعرہ گونجا۔ یہ نعرہ ہر کسی کی زبان پر چڑھ گیا اور تحریکِ اسلامی کی حقیقت ہر کسی کی سمجھ میں آگئی۔ اس کلمہ میں جرأت کا اظہار تھا۔ مردانگی کا اعلان تھا اور وحدتِ الٰہ کے کے منفرد عقیدے کا پرچار تھا۔ گویا ساری تحریک کی علمی شان کو اس مختصر سے جملے میں سمو دیا گیا تھا۔ حضورؐ عوام کی نفسیات سے خوب آگاہ تھے وہ جانتے تھے کہ ایک آسان اور عام فہم نعرہ بہت سی علمی تقریروں اور مقالوں پر بھاری ہوتا ہے۔ اس کلمے نے تحریک کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کر دیا۔ جب یہ کلمہ میدان میں آگیا تو گویا ایک سریع الرفتار اور سریع الاثر نظریاتی ہتھیار میدان میں آگیا۔ تحریک اسلامی کا جو مخالف اسے سنتا وہ پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا۔ خواس باختہ ہو جاتا اور اسے اس کی گونج اپنے چاروں طرف سنائی دیتی۔ یہ کلمہ تحریک کی ہمہ وقت بولتی ہوئی زبان بن گیا۔ اس میں اسلامی دعوت کی دو مرکزی ذاتوں کا اجتماع اور تعارف موجود تھا۔ اللہ تعالےٰ اور محمدؐ۔ گویا حاکمِ اعلیٰ جس کے آگے سب کو سر جھکانا چاہیئے اور جو بادشاہ حقیقی ہے، اس کا تعارف بھی اس کلمے میں موجود ہے کہ دوسرا کوئی اس کا مدمقابل نہیں ہے اس بات کو کفار بھی تسلیم کرتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ محمدؐ لوگوں کے معبود اور حقیقی بادشاہ کے نمائندہ ہیں اس لیے ان کی پیروی اپنے بادشاہ کی پیروی کے مترادف ہے۔ پھر آگے چل کر یہ کلمہ اذانوں میں بھی آگیا۔ اللہ اکبر کے ذریعے اللہ کی کبریائی کا مزید اعتراف علی الاعلان کیا گیا غرض کلمہ طیبہ اور اللہ اکبر، یہ اسلامی تحریک کے ایسے نعرے تھے کہ مشرک کفار کے پاس اس کا کوئی توڑ موجود نہ تھا اور وہ کلمہ کی گونج اور اللہ اکبر کی تکبیر میں گھر کر رہ گئے۔ ان دو نعروں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مدمقابل کو لرزا دیا تھا۔

دعوتِ اسلامی کے اثرات بیرون جات میں پہنچانے کی کوشش

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں صرف مکہ کی بستی تک ہی محدود نہیں رکھیں بلکہ اپنی دعوت کو دور دراز کے قبائل اور بستیوں تک بھی پہنچانے کی مناسب کوشش کی۔

Marfat.com

پہلے انبیاء کرام بالعموم صرف اپنی بستی تک ہی اپنی دعوت پہنچاتے تھے اور جب مخاطب قوم کے لوگ دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیتے تو نبی کا دعوتی میدان ختم ہو جاتا اور ان بستیوں کو عذاب سے تباہ کر دیا جاتا تھا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو ہی صرف اپنی دعوتی سرگرمیوں کا میدان نہیں بنایا بلکہ دعوت کو دور و نزدیک تک پھیلایا۔ بلاشبہ اس زمانے میں مکہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی لیکن آپؐ نے مکہ کے باشندوں کو ہی تنہا اپنی دعوتی سرگرمیوں کا مخاطب اور محور نہیں بنایا بلکہ آپؐ طائف تشریف لے گئے اور باشندگانِ طائف تک بھی دعوت پہنچائی اس سفر میں ایک غلام عداس نینوی مسلمان بھی ہوا ہر سال حج کے موقعہ پر عرب کے ہر علاقے سے آنے والے قبائل کے کیمپوں میں جا کر بھی آپؐ دعوتِ اسلامی پیش کرتے تھے۔ آپؐ میلوں میں بھی دعوتی مہم چلاتے اور چل پھر کر لوگوں سے دعوتی مذاکرات کرتے۔ کبھی آپؐ سوق عکاظ میں نظر آتے۔ کبھی سوق ذوالمجاز و مجنہ میں۔ حج کے ایام میں آپؐ کی یہ کوششیں بہت بڑھ جاتیں۔ انہیں کوششوں کا نتیجہ تھا کہ عقبہ کی گھاٹی میں مدینہ کے حاجیوں سے آپؐ کی ملاقات ہوگئی۔ مدینہ کے لوگ یہودیوں کی ہمسائیگی کے سبب خدا، رسالت، آخرت اور انبیاء کرام کے سلسلے کی باتوں سے کچھ کچھ پہلے سے آشنا تھے انہوں نے دلچسپی سے آپؐ کی باتیں سنیں اور مطمئن ہو کر مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ مدینے واپس جا کر اپنے لوگوں میں دینِ اسلام کی تبلیغ کریں گے۔ ان کی تبلیغ کے نتیجے میں اتنے افراد مسلمان ہو گئے کہ وہاں ایک مبلغ بھیجنے کی ضرورت پیش آگئی۔ چنانچہ تین سو میل کے فاصلے کی بستی میں حضورؐ نے اپنا پہلا مبلغ حضرت مصعبؓ بن عمیر کو بنا کر بھیجا۔ جنہوں نے مدینے کے نیک دل باشندوں میں زبردست کامیابی حاصل کی۔ اس تبلیغ کے نتیجہ میں بعد کے ایام میں مدینہ ہی تحریکِ اسلامی کا مرکز قرار پایا بیرونی تبلیغ کی اس حکمت سے یہ ممکن ہوا کہ اگر ایک شہر کے باشندوں نے نبی کے کام کو مشکل تر

بنا دیا تو دوسرے شہر کے لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ نے کھول دیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرزِ عمل آخر دم تک قائم رہا۔ آپؐ دعوتِ دین کی توسیع کے لیے ہمیشہ نئے سے نئے گوشے تلاش کرتے تھے۔

مسجدِ نبوی کے اصحابِ صفہ میں سے بے شمار تبلیغی وفود بنا بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبائل کی طرف ارسال فرمایا کرتے۔ ان میں بہت سے وفود کو لوگوں نے دھوکے سے قتل بھی کیا لیکن آپؐ نے دعوت کو دور دور تک پہنچانے کا یہ کام ترک نہیں کیا تاکہ اسلام کی وسعت واشاعت اور قوتِ تسخیر کا انحصار کسی ایک ہی علاقے کے لوگوں پر نہ رہے بلکہ جس قوم میں ان اصولوں کو اپنانے اور لے کر اٹھ کھڑے ہونے کی صلاحیت موجود ہو۔ وہ قوم آگے بڑھے اور اقوام عالم کی قائد بن جائے۔ چنانچہ جیسے ہی عرب میں دعوتِ اسلامی کے اثرات ذرا مضبوط ہوئے تو آپؐ نے مکاتیب اور سفارتوں کے ذریعے دیگر سلاطین تک دعوتِ اسلامی کا پیغام پہنچانا شروع کر دیا۔ اس طرح عرب کے لوگوں کو بھی اطمینان ہوا کہ یہ دعوت عجم تک پھیلنے والی تھی اور اس کے ابتدائی نتائج یہی تھے کہ دعوت کے ابتدائی علمبردار ہونے کی حیثیت سے عربوں کا سکہ دور و نزدیک تک پھیلنے والا تھا۔

حضورؐ کی اس حکمتِ تبلیغ نے بہت سے لوگوں کو اسلام کے قریب تر کر دیا اور اسلام کے لیے تسخیرِ اقوام کے راستے کھول دیے۔

اصولوں کے بارے میں ناقابلِ مصالحت رویہ

حضورؐ جس قدر نرم مزاج، خوش طبع، رحم دل، ہمدرد اور ہر انسان کے خیر خواہِ حقیقی تھے اپنے دعوتی اصولوں کے بارے میں آپ اسی قدر سخت اور ناقابلِ مصالحت بھی تھے کوئی شخص آپؐ کی نرم مزاجی سے یہ توقع نہ رکھ سکتا تھا کہ وہ انہیں کسی اصول میں معمولی لچک پیدا کرنے کے لیے آمادہ کر سکتا ہے یہ وہ صفت ہے جو حضورؐ کی پوری جدوجہد میں ہر

Marfat.com

طرف ہر جگہ ہیرے کی طرح جگمگاتی ہوئی نظر آتی ہے۔

مکہ میں کس مپرسی کا عجیب عالم ہے۔ سارا شہر دشمن ہے۔ جا بجا مخالفت کے اکھڑ ہو رہے ہیں۔ سردارانِ قریش اس دعوت کی خطرناکی کا اندازہ کر کے اپنی سرداریوں کی موجودہ صورت کو متزلزل محسوس کرتے ہیں اور اس اٹھتی ہوئی دعوت کو جس قدر جلد ممکن ہو کچل دینا چاہتے ہیں۔ تشدّد اور غنڈہ گردی کا آغاز کیا جا چکا ہے۔ حضورؐ کے بعض کمزور اور بے سہارا ساتھیوں کے ساتھ شب و روز مظالم کا ایک سلسلہ جاری ہے مکہ کی پوری بستی مسلمانوں کے لیے عقوبت گاہ بنی ہوئی ہے اور کسی طرف سے بھی ٹھنڈی ہوا کا کوئی جھونکا نہیں آتا ہے۔ بس ایک اللہ ہی کی ذات ہے جس کا سہارا ہر لحہ موجود ہے۔ باقی ساری بستی تو بچھوؤں اور سانپوں کی بابنی بن گئی ہے ہر کوچہ و گلی سے ہر طرف ہر وقت قتل کی خونی دھمکیوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔

ایسی ہی صورتحال ہے جب قریش کا ایک جرگہ بیٹھتا ہے جو اس ساری صورتحال پر غور کرتا ہے جس سے اس نئی دعوت کے سبب مکہ کی بستی دوچار ہو گئی ہے۔ جرگہ کی طرف سے پہلے ایک نمائندہ جہاندیدہ سردار آتا ہے:

"میرے بھتیجے۔ اگر تم اس کاروائی سے مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم خود ہی تیرے پاس اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ تم مالدار ہو جاؤ۔ اگر عزت کی بھوک ہے تو ہم تمہیں بادشاہِ عرب بنائے لیتے ہیں جو چاہو ہم کرنے کو تیار ہیں" وہ کہتا ہے:

"تم نے میری بابت جو کچھ کہا ہے وہ ذرا بھی صحیح نہیں۔ مجھے مال، عزت دولت، حکومت کچھ درکار نہیں۔ میری حقیقت تم کو قرآن بتائے گا"

حضورؐ نے فرمایا اور قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ قرآن سن کر عتبہ پر محویت کا عالم طاری ہو گیا اور وہ چپ چاپ اُٹھ کر چلا گیا۔

Marfat.com

پھر سارے سرداروں کا جرگہ حضورؐ کے چچا ابو طالب کے پاس پہنچا اور دھمکی دی کہ ہم اسے جان سے مار ڈالیں گے تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔

چچا نے انتہائی دکھ درد اور محبت سے بلا کر ساری بات بتائی۔ اور کہا کہ اس حد تک معاملہ چلا گیا تو پھر میں کچھ نہ کر سکوں گا۔ یہ بات سن کر حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا:

"چچا جان اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند لا رکھیں تو بھی میں اس کام سے نہیں ہٹ سکوں گا۔ چاہے اس کام میں میری جان ہی چلی جائے۔"

اس پر چچا نے کہا:

"تم بے خوف و خطر اپنا کام کیے جاؤ۔"

اس سے مایوس ہو کر پھر قریش کے جرگے نے آپؐ کو قوم کے سامنے بلانے کا فیصلہ کیا۔ حضورؐ خوشی خوشی سردارانِ قوم کے اجلاس میں تشریف لے گئے۔ سرداروں نے پہلے لالچ دیا۔ مال و دولت، حسین عورت، بادشاہی، علاج معالجہ، غرض ہر لالچ دیا لیکن جب ناکامی ہوئی تو پھر معجزات کے مطالبے کیے۔ نہریں، باغات اور مرے ہوئے باپ دادوں کو زندہ کرنا۔ جب ان کو بتایا گیا کہ رسول کا یہ کام نہیں ہے تو پھر دھمکیاں، مذاق اور استہزاء کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضورؐ نے توحید، رسالت، آخرت اور دین کے اصولوں میں سرمو کمی کرنے پر بھی آمادگی ظاہر نہ کی۔ مسیلمہ کذاب نے بھی اسی طرح شرکتِ رسالت کا مطالبہ کیا تو حضورؐ نے خندہ استہزاء سے ٹھکرا دیا۔ غرض بڑی سے بڑی ہولناک آزمائش اور لالچ کے مقابلے میں حضورؐ نے اپنی دعوت کے اصولوں میں سرِ مو تغیر کرنا بھی گوارا نہ کیا۔ حضورؐ کے سارے دشمن اس بات کو خوب جانتے تھے کہ دین کے بارے میں حضورؐ کی طرف سے نہ مصالحت ہوئی، اور نہ

Marfat.com

مداہنت ہوگی۔

جدید دعوتی مستقر کا قیام:

حضورؐ کی انقلابی جدّوجہد میں حالات کے مطابق منصوبہ بندی کا زبردست عنصر دکھائی دیتا ہے۔ تیرہ سال تک ہر ممکن طریقے سے دعوت دینے کے بعد حضورؐ نے ان لوگوں کو دعوت کے ابتدائی علمبرداروں کے طور پر مزید آزمانا غیر ضروری سمجھا۔ اس سے قوت اور وقت کا ضیاع ہوتا تھا اور مفید مطلب نتائج نہ نکلنے کی صورت میں مایوسی پیدا ہونے اور قوتِ کار مضمحل ہونے کا اندیشہ موجود تھا۔ چنانچہ حضورؐ نے مکہ کے لوگوں کی سنگدلی اور ہٹ دھرمی دیکھ کر دعوتِ اسلامی کا مرکز بدلنے کا فیصلہ کر لیا۔ ظاہر ہے کہ ایک مردِ انقلاب کو اپنا انقلاب انسانوں کے اندر ہی لانا ہوتا ہے۔ اگر کوئی بستی بانجھ ثابت ہونے لگے یا ضرورت سے زیادہ وقت لینے لگے جس سے دعوت کے زمانی تقاضے مجروح ہوں تو پھر ایک عملی رہنما کے لیے دعوتی مستقر بدلے بغیر کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔

چنانچہ حضورؐ نے دعوت کی شدتِ مزاحمت، ظلم و ستم اور کفّارِ مکہ کی انتہائی سنگدلانہ ہٹ دھرمی کو دیکھ کر دعوت کے پانچویں سال ہی پہلے حبش کی موزونیتِ مستقر دیکھنے کے لیے مسلمان مردوں اور عورتوں کو اس کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ "وہاں کا بادشاہ رحمدل اور نرم خو ہے" آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا چنانچہ مسلمان وہاں گئے تو شاہِ حبش نے بلاشبہ ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا لیکن پردیس بہرحال پردیس ہی ہوتا ہے اور ہر وقت وطن کی خبروں پر مہاجروں کے کان لگے رہتے تھے پھر ایک اور قافلہ بھی وہاں گیا لیکن بالآخر مدینہ کے لوگوں نے آگے بڑھ کر اسلام کی دعوت کو قبول کر لیا اور تین چار سال کے اندر مدینہ کی بڑی آبادی نے اسلام قبول کر کے اسے شہرِ اسلام بنا دیا۔ اسلام کے مبلغ حضرت مصعبؓ بن عمیر نے بھی بہت کام کیا چنانچہ وہاں سے ایک بڑا وفد حضورؐ سے گفتگو کرنے آیا مدبات چیت کے بعد حضورؐ نے مدینہ کی

Marfat.com

طرف ہجرت کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے کے نتیجے میں مکہ کے مظلوموں کی خاصی تعداد آہستہ آہستہ مدینہ منتقل ہونے لگی۔ سب سے پہلے مہاجر ابو سلمہؓ تھے جو پہلے حبش گئے تھے اور وہاں سے واپس آ کر پھر مکہ والوں کی مشقِ ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے ان کی آمد کے بعد پھر یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ حضورؐ کے منتقل ہونے سے پہلے بیسیوں خاندان اور افراد اپنے طور پر اجازت ملنے کے بعد مدینہ منتقل ہو چکے تھے۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے نصف سے زیادہ صحابہ وہاں منتقل ہو چکے تھے۔ بہر حال مدینہ حضورؐ کے ننھیال کا شہر بھی تھا۔ اور اس کو نیا مستقر بنانے سے پہلے وہاں کے نمائندہ وفد کے ساتھ حضورؐ نے کافی مذاکرات بھی کئے تھے۔ مدینہ والوں نے بھی پہلے مرحلے پر ہی صورتِ حال کی حقیقی نزاکت کا پورا پورا احساس کر لیا تھا۔ مدینے پر سارے عرب کی تلواریں برسیں گی، اشراف قتل ہوں گے، اور بچے یتیم ہوں گے۔ یہ سارے اندیشے ان کے سامنے پہلے سے تھے اور ان سارے خطروں کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے حضورؐ کا ہاتھ ہی نہیں تھاما تھا بلکہ حضورؐ کے ہاتھ میں اپنا دستِ اطاعت دے دیا تھا۔ انہوں نے حضورؐ کو اپنا ہادی، سربراہ، سردار اور پیشوا تسلیم کیا اور آپؐ پر اپنی جانیں بھی نچھاور کر دینے کا عہد کیا۔ اس کے جواب میں حضورؐ نے بھی وعدہ فرمایا تھا کہ میری زندگی اور موت تمہارے ہی درمیان ہو گی اور میں تمہیں چھوڑ کر واپس نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ پرانے مستقر میں جہاں جان سے مار دینے کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں۔ نئے مستقر میں حضورؐ پر اپنی جانیں نچھاور کر دینے کے وعدے ہو رہے تھے۔ چنانچہ یہ بات آخری فیصلہ کر دینے کے لیے بہت کافی تھی کہ اب تحریکِ اسلامی کو اپنا مستقر بدل دینا چاہیئے اور آگے بڑھ کر نئے حالات کے مطابق نئے تقاضوں کا سامنا کرنا چاہیئے۔

مکہ سے مدینہ کے مستقر کی تبدیلی درحقیقت دعوت کا کامیابی کی طرف پہلا قدم تھا جو دن بدن اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی چلا گیا۔ اپنا گھر بار چھوڑ کر دین کے

نکل جانا اور نئی سرزمین کو دینِ حق کے تقاضوں کے لیے تلاش کرنا یہ صفتِ ابراہیمیؑ بھی ہے اور سنتِ محمدیؐ بھی۔ بہرحال حضورؐ نے مستقر بدل کر اپنی قوم اور عالمِ انسانیت کی تقدیر بدل ڈالی۔

اس طرح تحریک کو ایک آزاد اور خودمختار مستقر فراہم ہو گیا جس میں آزادی کے ساتھ مشورہ کر کے سارے مسائل طے کیے جا سکتے تھے۔ اب آپؐ کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ مسلمانوں کا قبلہ جو اب تک بیت المقدس تھا یہود و نصاریٰ کے قبلے کے تحت ہو۔ اس سے تحریک کی انفرادیت اور جداگانہ تشخص مجروح ہوتا تھا۔ آپؐ کی تمنا تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ بھی یہود و نصاریٰ کے قبلے سے مختلف اور آزاد ہو۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا:

"اے جبریلؑ میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا رُخ یہود کے قبلے سے پھیر دے۔"

حضرت جبریلؑ نے فرمایا:

"میں تو محض ایک بندہ ہوں آپ اپنے رب سے دعا کیجئے اور اسی سے درخواست کیجئے۔"

چنانچہ حضورؐ ایسا ہی کرتے رہے اور دُعا میں اپنا رُخِ مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے رہے یہاں تک کہ پورے ۱۸ ماہ بعد مسلمانوں کو آزاد مستقر کے ساتھ اپنا آزاد قبلہ بھی مل گیا اور حکم ہو گیا کہ:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔ پس پھیرے منہ اپنا مسجد حرام کی طرف۔

اس طرح دعوتِ اسلامی نے اپنے نئے خدوخال پیدا کیے۔ قدیم مستقر کو سنگلاخ قرار دے کر بدل دیا گیا اور پرانے قبلے کو دوسرے اہلِ مذہب کا تابع سمجھ کر تبدیل کر

Marfat.com

دیا گیا۔ اس طرح تحریکِ اسلامی پوری طرح متعیّن اور مشخّص ہو کر دنیا کے سامنے اسلامی نظام کے قیام کی جدّوجہد کے لیے نمایاں ہو گئی۔

اسلامی تحریک کے منشور کی پیش رفت:

حضورؐ کو بارہ سال دعوت پیش کرتے ہوئے گزر چکے تھے۔ آپؐ کی دعوت قریش سے گزر کر آس پاس کے قبائلِ عرب، طائف اور دوسرے مقامات تک پہنچ چکی تھی۔ قریش کی طرف سے مخالفت کا سلسلہ انتہائی زوروں پر تھا۔ مسلمان دو بار حبش کی طرف ہجرت کر چکے تھے اور اب تیسری مدنی ہجرت بالکل تیار ان کے سامنے تھی۔ یہی وقت تھا جب اللہ تعالےٰ کی طرف سے تحریکِ اسلامی کو وہ منشور دیا گیا جو حضورؐ کی طرف سے قریش اور ساری دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ اوّل تو اس منشور کے دینے کا طریقہ ہی انتہائی حیرت انگیز تھا اللہ تعالےٰ نے اپنے بندے کو معراج عطا فرمائی پھر اس معراج میں وہ چودہ نکاتی منشور دیا گیا جو قریش کے لیے لمحۂ فکریہ پیش کرتا تھا۔ اس سے پہلے حضورؐ قریش سے متعدد بار فرما چکے تھے کہ تم اس دعوت کو قبول کر لو تو عرب و عجم پر تمہاری حکومت ہو گی اور تمہاری دعوت پر ساری دنیا لبیک کہے گی لیکن اکابرینِ قریش اب تک ہر معقول بات کو رد کرتے چلے آرہے تھے۔ جبکہ قریش کے دل و جگر کے ٹکڑے شبانہ روز اسلام کے دائرے میں داخل ہو رہے تھے اس سے قریش کی ضد اور دشمنی میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔ اب اتمامِ حجّت کے طور پر ان کے سامنے اس تحریک کا منشور بھی پیش کر دیا گیا جس تحریکِ دعوتِ اسلامی کا علَم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان برسوں سے اٹھائے ہوئے تھے تاکہ وہ اس منشور پر غور کریں اور اگر اس کے اندر ایک عالمِ نو کے امکانات محسوس کریں تو اس کے علمبردار بنیں اس لیے کہ اس کی علمبرداری میں ہی ان کی حقیقی فلاح پوشیدہ تھی۔

ہجرتِ مدینہ یعنی مکہ کو چھوڑ دینے اور قریش پر اتمامِ حجت تمام کرنے سے ذرا

Marfat.com

پہلے انتہائی نفسیاتی موقعہ پر اس منشور کو پیش کیا گیا۔ اس سے بہتر قریش کے لیے اور کوئی موقعہ نہ ہو سکتا تھا کہ وہ مفتوح ہو کر اسلام کے دائرے میں آنے کی بجائے اس کے علمبردار بن کر اٹھیں اور سارے عالم پر چھا جائیں۔

منشور کے نکات درج ذیل تھے:

۱۔ صرف اللہ کی بندگی کی جائے اور اقتدار اعلیٰ میں اس کے ساتھ کسی کی شرکت تسلیم نہ کی جائے۔

۲۔ تمدّن میں خاندان کی اہمیت ملحوظ رکھی جائے۔ اولاد والدین کی فرمانبردار اور خدمت گزار ہو اور رشتہ دار ایک دوسرے کے ہمدرد اور مددگار ہوں۔

۳۔ سوسائٹی میں جو لوگ غریب یا معذور ہوں یا جو لوگ اپنے وطن سے باہر مدد کے محتاج ہوں وہ بے وسیلہ نہ چھوڑ دیے جائیں۔

۴۔ دولت کو فضول ضائع نہ کیا جائے جو مالدار اپنے روپے کو بُری طرح خرچ کرتے ہیں وہ شیطان کے بھائی ہیں۔

۵۔ لوگ اپنے خرچ کو اعتدال پر رکھیں۔ نہ بخل کر کے دولت کو روکیں اور نہ فضول خرچی کر کے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے مشکلات پیدا کریں۔

۶۔ رزق کی تقسیم کا قدرتی انتظام کرنے والا اپنی مخلوق کی مصلحتوں کو زیادہ بہتر جانتا ہے۔

۷۔ معاشی مشکلات کے خوف سے لوگ اپنی نسل کی افزائش نہ روکیں جس طرح موجودہ نسلوں کے رزق کا انتظام خدا نے کیا ہے۔ آنے والی نسلوں کے لیے بھی وہی انتظام کرے گا۔

۸۔ خواہشِ نفس کو پورا کرنے کے لیے زنا کا راستہ بُرا راستہ ہے لہٰذا نہ صرف زنا سے پرہیز کیا جائے بلکہ اس کے قریب جانے والے اسباب کا دروازہ بھی بند

ہونا چاہیئے۔

۹۔ انسانی جان کی حرمت خدا نے قائم کی ہے۔ لہٰذا خدا کے مقرر کردہ قانون کے سوا کسی دوسری بنیاد پر آدمی کا خون نہ بہایا جائے۔ نہ کوئی اپنے آپ کو قتل کرے اور نہ کسی دوسرے کو قتل کرے۔

۱۰۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کی جائے جب وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہوں ان کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔

۱۱۔ عہد و پیمان کو پورا کیا جائے انسان اپنے معاہدات کے لیے خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔

۱۲۔ تجارتی معاملات میں لین دین اور ناپ تول ٹھیک ٹھیک راستی پر ہونا چاہیئے اوزان اور پیمانے صحیح رکھے جائیں۔

۱۳۔ جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کی پیروی نہ کرو۔ وہم و گمان پر نہ چلو۔ کیونکہ آدمی کو اپنی تمام قوتوں کے متعلق خدا کے سامنے جوابدہی کرنی ہے کہ اس نے انہیں کس طرح استعمال کیا۔

۱۴۔ نخوت اور تکبر سے پرہیز کرو۔ غرور کی چال سے نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں سے اونچے ہو سکتے ہو۔

ان چودہ اصولوں کے ذریعے حضورؐ نے معاشرے کو پاکیزہ ترین نہج پر استوار کرنے کے لیے جو مؤثر ترین لائحہ عمل پیش فرمایا وہ آپ کی تحریک اور دعوت کے کردار کی خوبی کو بیان کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔ اگر قریش ضد اور عناد سے اجتناب کر کے ان اصولوں پر غور کرتے تو وہ سمجھ سکتے تھے کہ اس تحریک کے ذریعے کتنا پاکیزہ معاشرہ، کتنی اعلیٰ پائے کی انسانی تہذیب اور کتنا منصفانہ اور عادلانہ تمدن وجود میں آرہا تھا۔ یہ حضورؐ کی طرف سے قریش کو وعظ و تلقین اور دعوت و انذار کے ذریعے سمجھانے کا آخری اور مؤثر ترین انداز

Marfat.com

تھا۔ لیکن جب وہ دعوت کے اس اندازِ معراج سے بھی حقیقت کو نہ سمجھ سکے تو پھر انہیں خندق و بدر سے گزر کر مکہ کو اسلام کے لیے فتح ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھنا پڑا۔ اور انہیں حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح اپنے اخی الکریم سے جان بخشی کی بھیک مانگنی پڑی۔ یہ الگ بات ہے کہ رحمۃ اللعالمین تو اس وقت بھی اپنے ان جانی دشمنوں کو معاف ہی کر دینے والے تھے جب حکمتِ دعوت کے سارے مراحل گزر کر دعوتِ قوت کا مرحلہ آ گیا تھا۔

معاہدۂ مدینہ کے ذریعے اسلامی ریاست کے قیام کا سنگِ بنیاد:

مدینہ تشریف لانے کے بعد حضورؐ اور آپ کے صحابہؓ کی جماعت کی پوزیشن اب وہ نہ تھی جو مکہ میں تھی۔ مکہ میں وہ ایک ستم رسیدہ مظلوم گروہ تھا۔ جو اپنی مدافعت میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت بھی نہ رکھتا تھا۔ لیکن مدینہ پہنچ کر وہ ایک آزاد اور خود مختار شہری تھے۔ یہاں کے باشندوں نے آپؐ سے عہد وفاداری باندھا تھا۔ یہ لوگ آپؐ سے عقیدے کے نظریاتی رشتے میں بندھے ہوئے تھے۔ اب مدینہ میں ایک نئے نظام کی بنیاد رکھی جا رہی تھی جس سے مدینے کی بستی کی حیثیت بہت کچھ بدل گئی تھی۔ مدینے میں یہود بھی ایک قوی گروہ تھے۔ جن کے اپنے قلعے تھے اس لیے اب ہر قومیت کا مقام از سرِ نو متعین کرنے کی ضرورت تھی۔ اپنی اولین فرصت میں حضورؐ نے ایک منشور مرتب فرمایا۔ چنانچہ یہ منشور مختلف گروہوں کے دستخط ہو کر باقاعدہ نئی حکومت کا آئین بن گیا۔ اس منشور کی کسی شق سے بھی کسی کو بظاہر اختلاف کی گنجائش نہیں تھی۔

"یہ تحریر محمد النبیؐ کی طرف سے مسلمانوں کے درمیان جو قریش یا یثرب کے باشندے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ جو مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور کاروبار میں ان کے ساتھ شامل ہیں کہ یہ سب ایک ہی قوم (وطنی سطح پر) سمجھے جائیں گے۔ بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہیں اور

جو کوئی اس معاہدہ کرنے والی قوموں کے ساتھ جنگ کرے گا تو اس کے خلاف سب کے سب مل کر کام کریں گے۔ مسلمان ان کی نصرت کریں گے معاہد قوموں کے تعلقات باہمی خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہوں گے، ضرر اور گناہ کے نہ ہوں گے۔ جنگ کے دنوں میں یہودی مسلمانوں کے ساتھ مصارف میں شریک رہیں گے۔ یہودیوں کی دوستدار قوموں کے حقوق یہودیوں کے برابر سمجھے جائیں گے۔ کوئی شخص اپنے معاہد کے ساتھ مخالفانہ کاروائی نہ کرے گا اور مظلوم کی مدد و نصرت کی جائے گی۔ مدینے کے اندر کشت و خون کرنا یہ معاہدہ کرنے والی سب قوموں پر حرام ہو گا۔ اس معاہدہ کی قوموں کے اندر اگر کوئی ایسی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا خوف ہو تو اس کا فیصلہ خدا اور اس کے رسول محمدؐ رسول اللہ کے متعلق سمجھا جائے گا۔"

یہ ایک ایسی امن پسندانہ صلح جویانہ اور بھائی چارے پر مبنی تحریر تھی کہ جس پر دستخط کرتے ہوئے کسی کو بھی رکاوٹ نہ ہوتی تھی۔ لیکن دوسری طرف اس کے ذریعے مدینہ میں ایک ایسی مرکزی قوت وجود میں آ گئی جو محمد رسول اللہ کو تسلیم کرتی تھی اور معاہد قوموں سے صلح مندی کے ذریعے تعلق قائم رکھنا چاہتی تھی۔ اس پر مدینہ کے سب گروہوں کے دستخط ہو گئے اور حضورؐ نے کوشش کی کہ اس پاس کے قبائل کے بھی اس پر دستخط ہو جائیں۔ چنانچہ چند دیگر قبائل نے بھی دستخط کر کے اس مدنی قوت کی پناہ حاصل کر لی اس طرح مدینہ میں تشکیلِ ریاست کے اس معاہدے سے نراجیت اور قبائلی تشدد کی انارکی کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس سے تمام فیصلوں کا آخری اختیار محمدؐ رسول اللہ کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس طرح آپ نے کمالِ حکمت سے نراجیت انارکی اور مختلف قبائل کی منتشر قوت کے اندر سے (جہاں اوس و خزرج کو بھی یہ مرکزی پوزیشن حاصل نہ تھی) ایک مرکزی قوت

Marfat.com

پیدا کی۔ حضورؐ ترتیبِ منشور کے ذریعے پہلے ایک مرکزی اقتدار وجود میں لائے پھر تمام گروہوں کا رُخ اطاعت وتعاونِ مرکز کی طرف موڑا۔ پھر تمام نزاعی امور کے فیصلوں کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے کر اس مرکزی اقتدار کو اسلام کی طرف منتقل کر دیا۔ یوں بلاخون خرابہ صرف مسائل کو دانش وحکمت سے مرتب کرنے سے ایک اسلامی اقتدار وجود میں آگیا۔ اور وہی اقتدار اسلامی ریاست کا مرکز ومحور قرار پایا۔ یہ اقتدار خالص نظریاتی اور اصولی تھا اس میں کسی نسلی یا گروہی بنیاد پر اقتدار منتقل نہیں ہوا تھا۔ اس منشور نے جو قومیت قرار دی تھی وہ قومیت اس اقتدار کے تحفظ کے لیے رفاعی نوعیت کی علاقائی قومیت تھی جو معاہدے سے وجود میں آئی تھی۔

مواخاۃ۔ نظریاتی اسلامی برادری کا قیام:

مدینہ تشریف لانے کے بعد اوّلین کام جو حضورؐ نے سرانجام دیا وہ ایک معاہدے کے ذریعے مرکزی اقتدار کی تخلیق تھی جس سے ایک اسلامی ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔ اس کے بعد دوسرا فوری کام ان بے یار ومددگار اور بے گھر وبے در مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ تھا جو مکہ اور دیگر قبائل کی طرف سے کفار ومشرکین کے ظلم وستم سے پریشان ہوکر حضورؐ کے حکم کے تحت اس نئے اسلامی مستقر کی طرف منتقل ہو رہے تھے۔ ان کے پاس کوئی وسائل نہ تھے اور نہ ہی ریاست کے پاس کوئی مؤثر ذرائع تھے۔ مقامی آبادی انصارِ مدینہ کی معیشت بھی متوسط درجے کی تھی۔ مہاجرین کے مسئلے کا بہترین حل حضورؐ نے مواخاۃ کے ذریعے تلاش کر لیا۔ انصار کے مختلف گھروں میں مہاجرین کے مختلف گھروں کو اسلامی بھائی بنا کر مہمانوں کی حیثیت سے آباد کر دیا گیا۔ ایک گھر کے لیے کسی ایک گھر کے افراد کو بطور مہمان اپنے جیسے یا اپنے سے کچھ کم تر حیثیت کے ساتھ گزارا کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ اس طرح پوری مہاجرین کی بے گھر آبادی مواخاۃ کے اصول کے تحت ایک دن کے اندر اندر اپنے انصار دینی بھائیوں کے گھروں میں ابتدائی امداد کے طور پر آباد

Marfat.com

ہو گئی۔ پھر پاؤں ٹک جانے کے بعد تو کسی کے لیے بھی مشکل نہیں ہوتا کہ وہ جلد یا بدیر اپنے لیے نئے وسائل پیدا کر لے۔ چنانچہ بعض مہاجرین نے تو ایک دن بھی اپنے انصار اسلامی بھائی پر بوجھ بننا پسند نہ کیا اور بعض چند دن رہ کر پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی برادری کے مواخاتی اصول کے تحت آباد کر کے ایک طرف اسلامی ریاست کا، جو ابھی کوئی وسائل نہ رکھتی تھی، سارا بوجھ آبادی کی طرف منتقل کر دیا۔ پھر ان کو باہمی ایک ہی شہر کے باشندے بن کر رہنا تھا منتقل مہاجر اور انصار بن کر تو رہنا نہیں تھا اس لیے ایک ساتھ رہنے سے ان میں باہمی محبت و یگانگت اور تہذیبی یکسانی کے تعلقات پیدا ہو گئے اس طرح انہیں باہمی ایک دوسرے کے اطوار اپنانے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ مدینہ کی جدید و قدیم آبادی دو مختلف گروہوں پر مشتمل ہونے کے باوجود باہمی بالکل شیر و شکر ہو کر رہ گئی اس حکمتِ آبادکاری نے مہاجرین اور مقامی لوگوں کے درمیان مناقشت کا مسئلہ بھی حل کر دیا اور مسابقت کا بھی۔ دونوں کے درمیان کوئی غیریت باقی نہ رہی۔ بالآخر دونوں گروہ باہمی اس طرح گھل مل گئے کہ ان میں مہاجر اور مقامی کی بنیاد پر کوئی تنازع پوری تاریخ میں نظر نہیں آتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حکمتِ آبادکاری سے ان کے سیاسی، معاشرتی، اقتصادی بلکہ نفسیاتی سارے ہی مسائل حل ہو گئے۔ مہاجرین کی کاروباری سوجھ بوجھ سے بھی مدینہ کی کاروباری اور اقتصادی حالت پر بہت اچھے اثرات پڑے اور جو تجارت صرف یہود کی اجارہ داری تھی مہاجرین مکہ کی آمد سے اس میدان پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

دعوتِ اسلامی کے مرکز کی تعمیر:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حد درجہ دور اندیش، مدبّر و مفکّر، عقلِ خداداد کے مالک اور پختہ کار، بابصیرت، ہدایت یافتہ سیاستدان تھے۔ آپ جانتے تھے کہ اسلامی ریاست کے بنیادی

Marfat.com

اصولوں کی تنفیذ کے لیے ایک مرکز کا قیام اور اس مرکز کی تعمیر و ترقی وارتقاء انتہائی ضروری ہے۔ چنانچہ آپؐ نے سب سے پہلی فرصت میں مسجدِ نبوی کی بنیاد رکھ دی۔ جو دین و دنیا کے مشترکہ اقتدار کا نشان اور بندگیٔ رب کی حامل تحریک کی کھلی کھلی علامت ہے۔ یہی عبادت گاہ تھی۔ یہی دارالشوریٰ اور یہی اسلامی جماعت کا مقامِ اجتماع تھا۔ یہیں معاہدے ہوتے، وفود مرتب ہوتے۔ وفود کا استقبال کیا جاتا۔ دعوتی خطوط کا دفتر اور عسکری کارگزاریوں اور سرگرمیوں کا مرکز تھی۔ اسی میں جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری ہوتی تھی۔ اسی میں انفاق فی سبیل اللہ کی اپیل کی جاتی تھی۔ یہیں نزاعات کے فیصلے ہوتے تھے۔ یہیں انعام و سزا تجویز ہوتے تھے۔ غرض مسجدِ نبوی پہلی اسلامی ریاست کا مکمل سیکریٹریٹ تھا۔ اور اسی کے متصل ہر وقت موجود اور تیار مبلغین حضرات کی قیام گاہ صفہ پر تھی۔ وہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رہائشی حجرات تھے۔

مدینہ پہنچنے کے چھ ماہ بعد ہی حضورؐ نے اسلامی ریاست کا نشان ایک جھنڈا بھی تیار کر لیا۔ جو سب سے پہلے عبیداللہؓ بن حارث کو عطا کیا گیا تاکہ وہ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں بلند کریں اس طرح کلمے کے نعرے کے بعد اسلامی ریاست کا ایک تشخص بھی وجود میں آگیا۔ مدینہ میں اس طرح اسلامی قوت کا مرکوز ہو جانا قریش کو بھی کھٹک رہا تھا اور وہ سمجھ گئے تھے کہ مدینے میں جو مکے والوں کی تجارتی شاہراہ کے قریب واقع ہے اسلامی قوت کی یوں موجودگی ان کے لیے کھلا چیلنج ہے۔ وہ اگر ان کا دین رد کیں گے تو مسلمان ان کی تجارت روکیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے اب مسجد میں نماز کو لازم قرار دے دیا تھا جو اسلام کی تمام سرگرمیوں کا مرکز اور مدینے کی اسلامی ریاست کا بھی مرکز تھی۔ تاکہ اس مرکز میں مسلمان دن میں پانچ بار جمع ہوں۔ درسِ تہذیب و تمدن لیں۔ قرآن کا مطالعہ کریں۔ سنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ اپنے کرداروں کو اسلام کے سانچے

Marfat.com

میں ڈھالیں اور یکجا آزاد رہائش سے ایک اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھیں یہیں سب مسلمانوں کو مساوات، ہمدردی، تعاون، حریتِ فکر اور معاشرتی عدل کی تعلیم دی گئی اور مذہبی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کی سیاسی حیثیت بھی تسلیم کی گئی۔ حضورؐ نے اپنی تمام معاشرتی، اخلاقی، دینی، سیاسی اور عدل و انصاف کی سرگرمیوں کا مسجد کو ہی محور قرار دیا۔ باجماعت نماز کے اہتمام سے مسلمانوں کو نظم و ضبط کا درس دیا۔ ایک امام کی قیادت میں نماز ادا کرنے سے اطاعتِ امیر اور ایک آواز پر حرکت کرنے کی مشق پیدا کی۔ غرض اس مرکز نے مسلمانوں کی اخلاقی، دینی، معاشرتی اور عسکری تعلیم و تربیت میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ گویا مدینہ اسلامی ریاست کا دارالخلافہ تھا تو مسجد نبوی اسلامی حکومت کا مرکزی سکریٹریٹ، پارلیمنٹ، عدالت عالیہ اور عسکری تیاریوں کا مرکز تھی۔

قریش کی دھمکی پر اندرونی فتنے کا علاج :

جب کفارِ مکہ نے دیکھا کہ مسلمان مدینہ میں جا کر امن و چین سے رہنے لگے ہیں اور اپنے دین کی ترقی میں سرگرم ہو گئے ہیں تو انہوں نے کفارِ مدینہ اور منافقین کو ایک پیغام کے ذریعے مندرجہ ذیل دھمکی دی :

> "تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں ٹھہرا لیا ہے اب لازم ہے کہ تم اس سے لڑو یا انسے وہاں سے نکال دو ورنہ ہم نے قسم کھائی ہے کہ ہم یکبارگی تم پر حملہ کر دیں گے۔ تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں پر قبضہ کر لیں گے۔"

یہ دھمکی بڑی کارگر ہوئی اور کفارِ مدینہ اور منافقین کا ایک مجمع لگ گیا۔ جہاں عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے حضورؐ اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپؐ کو بھی اطلاع مل گئی چونکہ آپؐ اپنے مخالفین کی سرگرمیوں کے بارے میں ہمیشہ باخبر رہتے تھے۔ آپؐ فوراً اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس مجمع میں بے دھڑک پہنچ گئے اور ان سے

خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"دیکھو قریش نے تمہارے ساتھ ایک ایسی چال چلی ہے کہ اگر تم ان کی دھمکیوں میں آ گئے تو تمہارا بہت زیادہ نقصان ہوگا اس کی بہ نسبت کہ تم ان کی اس بات سے انکار کر دو گے۔ کیونکہ اگر تم مسلمانوں سے لڑو گے تو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے ہی بھائیوں اور فرزندوں کو (جو مسلمان ہو چکے ہیں) قتل کرو گے۔ اگر تمہیں قریش سے لڑنا پڑا تو وہ غیروں سے مقابلہ ہو گا"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دل نشین مدلل باتیں سن کر مجمع منتشر ہو گیا اور ایک خطرناک اندرونی شورش کا خطرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و دانش سے ٹل گیا۔

تجارتی قافلہ کی بجائے مسلح لشکر سے ٹکراؤ کا فیصلہ:

کفارِ قریش کا تجارتی قافلہ شام سے لاکھوں روپے کا مال لے کر مکہ جا رہا تھا اور وہ مسلمانوں کی زد میں تھا۔ قافلے کا سردار ابوسفیان جانتا تھا کہ مسلمانوں کا وجود ان کی تجارتی شاہراہ کے لیے دھمکی ہے چنانچہ اس نے پہلے ہی مکے کی طرف آدمی دوڑا دیا کہ قافلہ خطرے میں ہے۔ قریش نے مسلمانوں کے خطرے کو ہمیشہ کے لیے مٹانے کا عزم کر کے ایک ہزار مسلح افراد پر مشتمل ایک لشکر قافلے کی امداد اور مسلمانوں کے مقابلے کے لیے روانہ کر دیا اب آپ کے سامنے یہ صورت تھی کہ اگر قافلے پر جاتے ہیں تو بھی لشکرِ کفار سے تو مقابلہ ضروری ہے اور اگر کہیں نہیں جاتے اور بیٹھے رہتے ہیں تو عرب میں اسلام کی قوت کی ہوا ہمیشہ کے لیے اکھڑ جاتی ہے اور آس پاس کے قبائل بھی نڈر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حضورؐ نے انتہائی بے سروسامانی، ہجرت کی بے گھری اور بے زری کے باوجود لشکرِ کفار سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے لیے اپنے ساتھیوں کی وسیع مجلس میں مشورہ کیا۔ اکثر

Marfat.com

کی رائے تو یہی تھی کہ قافلہ آسان اور تر نوالہ ہے اسے لے لیا جائے لیکن آپؐ کے بار بار اصرار پر سب لوگ سمجھ گئے کہ آپؐ کا ارادہ قافلہ کا نہیں بلکہ لشکر کا مقابلہ کرنے کا ہے۔ مہاجر مسلمان تو مکہ کی ۱۳ سالہ مار کھا کر تحریکِ اسلامی کے پختہ کار کارکن بن چکے تھے اور اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھے ہوئے تھے چنانچہ انہوں نے بڑھ چڑھ کر کہا کہ ہم جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں۔ آپ جہاں چاہیں ہمیں لے چلیں لیکن انصار کو ایسی بے سروسامانی کے ساتھ اس سے پہلے کسی معرکے میں شرکت کا موقعہ نہ ملا تھا۔ اس لیے حضورؐ نے ان کی رائے کا انتظار فرمایا۔ اس پر انصار کے سرداروں نے بھی اس تجویز کی پرزور تائید کی اور بالآخر قافلہ کی بجائے لشکر سے ٹکرانے کا فیصلہ ہو گیا۔ لشکرِ کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی بے سروسامانی بھی مثالی تھی۔ دو تین گھوڑے، چند اونٹ، تھوڑی سی زرہیں اور کچھ تلواریں اور نیزے۔ غرض اگر بدر کو غزوۂ عسرت کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ لیکن حضورؐ کی دانش اور سیاسی بصیرت یہ جانتی تھی کہ وہ وقت اسلام کی تحریک کے لیے زندگی اور موت کا وقت تھا اور سارا عرب اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اس وقت ایک جرأت مندانہ قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔ اس کے بعد نتیجہ قدرت کے ہاتھ میں تھا۔ بدر کی عسکری رزم آرائی سے مجوب ہو کر بیٹھ رہنا سسک سسک کر مرنے کے مترادف تھا اور اس میں مردانہ وار کود جانا عزت کی موت اور عزت کی شاندار زندگی دونوں کی طرف جانے والا یقینی راستہ تھا۔ حضورؐ نے جرأت مردانگی اور اسلام کی آبرو کا راستہ اختیار کیا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اس جسورانہ قدم کو فتح سے پذیرائی بخشی اور مسلمانوں کو روحانی قوت، مضبوط تنظیم، وحدتِ قیادت اور اطاعتِ خدا و رسولؐ کی خوبیوں کی بنا پر کامیابی عطا فرمائی۔ معرکہ بدر نے یہ بھی سبق دیا کہ ایک قلیل گروہ جرأتِ ایمانی اور یقینِ محکم سے کثیر گروہ پر غالب آسکتا ہے اور یہ بھی سبق دیا کہ مال کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کو جہاد فی سبیل اللہ زیادہ پسند ہے۔

Marfat.com

کفر کے مقابلے میں ڈٹ کر رہنے کا پُرعزیمت راستہ:

حضورؐ نے اپنی تمام تر مادی مشکلات، افرادی قوت کی کمی، دشمنوں کی بھاری تعداد کثیر وسائل اور پرہجوم مخالفت کے باوجود ہمیشہ ڈٹ کر رہنے کا پُرعزیمت راستہ اختیار کیا۔ آپؐ کبھی کفار کی کثرتِ تعداد اور کثرتِ سامان سے مرعوب نہ ہوئے اور نہ ان کے رُعب میں آکر اپنی پالیسی اور طرزِ عمل کو نرم کیا۔ جتنی نرمی حضورؐ کے مزاج میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں تھی اسی قدر سختی اور استقامت کفار کی چیرہ دستیوں کے مقابلے میں تھی۔ اللہ تعالیٰ کا بھی حضورؐ کے لیے یہی حکم تھا۔ ایک اسلامی تحریک کفر کے نرغے میں ایسا ہی پُروقار طرزِ عمل رکھنے پر مامور ہوتی ہے۔ کافروں کے دباؤ سے دب کر صلح کی درخواستیں کرنا اور اپنی پالیسیاں تبدیل کرنا مسلمان کا شیوہ نہیں ہے، فرمایا گیا:

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ۔ (محمد: ۳۵)
پس تم سست نہ ہو اور صلح کی درخواست نہ کرو تم ہی غالب رہنے والے ہو۔

غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی سخت ترین حالت میں بھی جبکہ جان کا خطرہ ہر وقت سر پر منڈلاتا تھا اور دوسری طرف لالچ کے بے شمار مواقع موجود تھے آپؐ نے کفار کی درخواست اور خواہش کے باوجود ان کی کسی دھمکی اور حملے کی پرواہ کیے بغیر نہ دب کر صلح کی اور نہ ان کے سامنے امن و سلامتی کی درخواستیں پیش کیں۔ شعبِ ابی طالب کا تین سالہ دورِ عُسرت گزارا۔ بھوکے بچوں کو بلکتے دیکھا۔ کمزور مسلمانوں کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پایا۔ مدینہ میں کفار کا نرغہ، معاشی مقاطعہ اور بار بار کے جان لیوا حملے برداشت کیے لیکن دشمن سے دب کر رہنے اور اپنی جان بچانے کے لیے درخواستیں دینے کا رویہ کبھی اختیار نہ کیا۔ تحریک کا یہی مردانہ وار کردار تھا جس کی وجہ سے دشمنوں پر اس کا رعب اور دوستوں کے لیے اس کا اخلاص کے ساتھ ڈھونا ممکن تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ حق حق نہیں ہے جو باطل کے سامنے اپنی سلامتی کی درخواستیں لے کر جائے اور اپنے مفادات کے تحفظ کی اس سے التجا کرے

کرے یہ اس کے تاریخی کردار کے منافی طرزِ عمل ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا کردار اس پُرعزیمت سانچے میں ڈھلا ہوا تھا اور آپ کا یہ طرزِ عمل حکمِ خداوندی اور وقارِ دعوتِ اسلامی کے عین مطابق تھا ۔

فرمایا گیا :

" اے مسلمانو! کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے " (الانفال:۳۹)

مزید سختی سے حکم دیا گیا :

" اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں "

(البقرہ : ۱۹۰)

دشمن کو مکمل طور پر کچل دینے کی پالیسی بتاتے ہوئے فرمایا :

" کسی نبی کے لیے زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے "

(الانفال : ۶۷)

دشمن کے خلاف ہر وقت تیار رہنے کی پالیسی بیان کرتے ہوئے فرمایا :

" اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو اور اس کے ذریعے سے اللہ اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعدا کو خوف زدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے لیکن اللہ جانتا ہے "

(الانفال : ۶۰)

گویا آپؐ کے لیے دشمنوں کے مقابلے کی خاطر ہر وقت تیار رہنا اللہ تعالےٰ کی طے کردہ پالیسی کا حصہ ہے ۔ دشمنوں کو اپنی تیاریوں سے خوفزدہ کرنا ، ان کے خلاف

Marfat.com

ہر ممکن حد تک قوت فراہم کرنا وہ مستقل پالیسی ہے جو تحریکِ اسلامی کو خود اللہ تعالٰی کی طرف سے دی گئی ہے۔ آپؐ سختی سے اس پالیسی کے پابند تھے۔ چنانچہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) صلح کی بات چیت بھی کبھی کمزوری کی حالت میں نہیں بلکہ اپنی بالادستی کی حالت میں کرتے تھے اور وہ بھی اس صورت میں جب دشمن کی طرف سے اس کی پیش کش یا درخواست ہوتی تھی۔ اس صورت میں آپؐ کا رویہ انتہائی فراخدلانہ اور فیاضانہ ہوتا تھا۔

ہر قلِ روم کی تیاریوں اور اس کے حملے کی خبر ملی تو آپؐ نے فی الفور اس کا حملہ سرحدِ شام پر ہی روکنے کا فیصلہ کر لیا۔ آپؐ مارا مار بڑی سے بڑی تیاری کر کے تبوک کے لیے روانہ ہو گئے۔ ہرقلِ روم اسلامی لشکر کی اتنی سرعتِ رفتار، مقابلے کے لیے تیاری اور جرأتِ کردار کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ مسلمانوں کی عرب کے اندر فتوحات کو وہ پہلے سے جانتا تھا اور مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے لشکروں کی بڑے بڑے لشکروں پر فتوحات کی خبریں بھی اس کے علم میں تھیں۔ چنانچہ اس نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ وہ فوری طور پر مقابلہ کرنے کی بجائے طرح دے جائے۔ حضورؐ نے دشمن کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور نہایت باوقار طریقے پر تبوک پر پڑاؤ کیا۔ آس پاس کے قبائل بھی پوری طرح سے باخبر تھے وہ اس نئی قوت کو یوں ابھرتے ہوئے دیکھ رہے تھے اس لیے جوق در جوق وہ مطیع فرمان بن کر معاہدات کے ذریعے مسلمانوں کے معاون و مددگار بن گئے۔ اس طرح اسلام کے لیے دور دور تک راستہ کھل گیا۔ بغور دیکھنے سے نظر آتا ہے کہ جرأتِ کردار آپؐ کی سیاسی حکمتِ عملی کا بنیادی پتھر ہے۔ جو ہمیں اسلامی تحریک کے تعمیری خد و خال میں ہر جگہ ہر کہیں نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔

دشمن کی درخواستِ صلح پر بے جھجک جرأت مندانہ پذیرائی:

حضورؐ کا طریقہ یہ تھا کہ دشمنی کرنے والے سے کبھی نہ دبتے لیکن جو دشمن دب کر

صلح کی درخواست کرتا آپؐ اس سے انتہائی فیاضی اور نرمی سے پیش آتے اور اسے ہر ممکن رعایت جان و مال و آبرو کی دیتے ۔ یہ حضورؐ کا طرزِ عمل قرآن کی طے کردہ پالیسی کے مطابق تھا ۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ (الانفال: ۶۱)

اور اے نبی اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہو تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو یقیناً وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے ۔

یہ وہ جرأت مندانہ کردار ہے جو خدا نے اپنے نبی اور اسلامی تحریک کے کارکنوں کو سکھایا ہے کہ اگر دشمن صلح کرنے پر آمادہ ہے تو پھر خواہ مخواہ نزاع، خون خرابہ اور خلقِ خدا کو مبتلائے آزمائش رکھنے کی بجائے باوقار صلح کر کے اس پر احسان کیا جائے اور اگر اس کا ارادہ دھوکے کا ہے تو بھی اللہ پر توکل کیا جائے جس اللہ نے اب دشمن کے مقابلے میں آپ کو اتنی قوت دی ہے کہ وہ دب کر صلح چاہتا ہے وہی اللہ اس کے دھوکے کا بھی علاج کر دے گا ۔ غرض جو صورتِ حال بھی ہو اس سے جرأت مندانہ کردار کے ساتھ نپٹا جائے اگر وہ دھوکہ کرے گا تو پھر دوبارہ کسی رعایت کا مستحق نہ ہو گا ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی جرأت مندانہ کردار ہے جو ہمیں صلحِ حدیبیہ میں دکھائی دیتا ہے اور یہی کردار ہمیں غزوۂ تبوک میں نظر آتا ہے ۔ آپؐ ہر مقابلے میں باوقار پُرسکون، فیاض اور فراخ حوصلہ ہیں اور یہی آپؐ کی کامیابی کی دلیل ہے ۔

دشمنوں کو ممنونِ احسان کرنا :

حضورؐ انسانی اور اخلاقی سطح پر ہر ذی روح کے لیے رحمۃ للعالمین تھے اس لیے آپ کی اسی حیثیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آپ سیاسی مسائل میں بھی دشمنوں کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرتے کا راستہ اپنائے ہوئے تھے ۔ جب جنگِ بدر میں بہت

Marfat.com

سے کافر گرفتار ہو کر آئے تو آپؐ نے ان کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں دینے کا اہتمام فرمایا خوراک میں، سواری میں، یہاں تک کہ رہائی تک میں معمولی شرائط پر انہیں آزاد کر دیا آپؐ کو دشمن کے کافر قیدیوں کی معمولی تکلیف بھی گوارا نہ تھی۔

پھر جب اس دشمن کے شہرِ مکہ میں سخت قحط پڑا اور غلہ ناپید ہو گیا تو آپ نے صلہ رحمی کا احترام کرتے ہوئے مکے کے سردار اور اپنے بدترین دشمن ابوسفیان کو ۱۵۰ اشرفیاں قحط زدہ فقراء میں تقسیم کرنے کے لیے روانہ فرمائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے عوام آپؐ کو ایک شریف دشمن سمجھنے لگے۔ ایک دوسری روایت ہے کہ آپؐ نے مکہ والوں کو غلہ بھی ارسال فرمایا تھا۔ یہ گویا دلدہی کا ایک ایسا پیارا انداز ہے جس سے غیر محسوس طور پر ہر شخص متاثر ہو جاتا ہے۔

خبر رسانی کا موثر انتظام:

حضورؐ کا خبر رسانی کا نظام نہایت موثر جامع اور مکمل تھا۔ اس کام کو آپؐ نے بس افواہوں اور چلتی پھرتی اور سنی سنائی باتوں پر ہی نہیں چھوڑا بلکہ آپؐ نے اس کا موثر اہتمام فرمایا۔ ایک نظریاتی تحریک کے لیے یہ کام کچھ دشوار بھی نہیں ہوتا اگر وہ ذرا بیدار مغزی، تنظیمی صلاحیت اور مستعدی کا ثبوت دے تو نظریہ سے متاثر اور ذہنی اور قلبی طور پر اس سے ہم آہنگ افراد انسانی زندگی کے ہر گوشے اور مخالفین تک کی صفوں میں مل جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ اس کا جامع انتظام فرمایا کرتے تھے تاکہ آپؐ کو دشمنوں کی سرگرمیوں، آئندہ ارادوں، پروگراموں اور منصوبوں کی بروقت، موثر اور تحقیقی خبر ملتی رہے۔

یوں تو ہر قبیلے میں آپؐ کے نامہ نگار اور ہم خیال لوگ موجود تھے لیکن قریش جو حقیقی دشمن اور مدمقابل تھے ان کے اندر تو آپ کے بڑے موثر نامہ نگار اور مخبر موجود تھے یہی سبب تھا کہ آپؐ مکہ پر بلا خون بہائے قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جنگِ اُحد میں بھی ان پیشگی اطلاعات کے سبب ہی آپ کو تیاری کرنے میں مدد ملی تھی پھر قریش کے

لوٹ جانے کے بعد واپس پلٹ کر دوبارہ حملہ کرنے کے بارے میں بھی آپ کو باوثوق ذرائع سے ہی خبریں ملی تھیں۔ جنگِ خندق کے موقعہ پر تو خبر رسانی کے اس نظام نے بہت اعلیٰ کردار ادا کیا اور آپؐ کو احزاب کے آنے سے بہت پہلے تیاریاں کرنے، خندق کھودنے اور اپنے انتظامات مضبوط کرنے کا موقعہ مل گیا۔ اگر وہ سارے احزاب جو دس بارہ ہزار کی فوج پر مشتمل تھے یکبارگی مدینے پر چڑھ آتے اور مدینہ والوں کو اچانک کسی ہولناک صبح کو ان کی آمد کا علم ہوتا تو تباہی و بربادی اور ناکامی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا۔ اور اسلامی تحریک پورے طور پر کچل کر رہ جاتی۔ یہ آپؐ کا اعلیٰ پائے کا نظامِ خبر رسانی تھا جس نے آپ کو بہت پہلے آگاہ کر دیا۔

اسی طرح جب آپؐ نے یہودیوں کے مختلف قلعوں پر مدینہ اور خیبر میں مختلف اوقات میں حملے اور محاصرے کیے تو بیشتر موثر خبر رسانی سے ہی حملے کو کامیاب کرنا یا محاصرہ کو موثر کرکے انہیں مجبور کرنا ممکن ہو سکا۔ آپؐ کے خبر رساں ہر اس گروہ میں موجود ہوتے تھے جو اسلامی تحریک سے مخالفانہ تعلق رکھتا تھا۔

آپؐ نہ صرف دشمن کی خبروں سے خود آگاہ رہتے تھے بلکہ اپنی خبروں سے دشمن کو بے خبر رکھنے کا بھی بہت اعلیٰ اور موثر انتظام فرماتے تھے۔ جب خندق کے معرکے میں قریش مدینہ پر قبائلِ غطفان وغیرہ کو اتنی بڑی تعداد میں چڑھا لائے اسی زمانے میں حضورؐ عرب کے شمالی حصے دومۃ الجندل کی طرف گئے ہوئے تھے آپؐ کے سراغ رسانوں نے آپ کو قریش کے ارادوں سے آگاہ کیا تو آپؐ آدھے راستے سے ہی واپس تشریف لے آئے اور آکر جنگِ خندق کی تیاریاں شروع کر دیں اور قریش اور قبائل کے مشترکہ لشکر کے پہنچنے سے پہلے پہلے جنگ کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ یہ آپؐ کے نظامِ سراغ رسانی کا بہت اعلیٰ نمونہ ہے۔ جو دشمن کے معاملے میں کامل آگاہی پر مشتمل ہے لیکن دوسری طرف اپنی نقل و حرکت کو دشمن سے خفیہ رکھنے میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ جب آپؐ نے فتح مکہ کی مہم کا پروگرام بنا

Marfat.com

توکسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ ایک صحابیؓ نے غلطی سے ایک پیغام قریش کو بھیج دیا تو وہ پیام رساں آپؐ کی موثر ناکہ بندی کے سبب راستے میں ہی پکڑا گیا اور قریش تک نہ پہنچ سکا اس کامیاب اور موثر انتظام کے ذریعے آپؐ مکے پر اس طرح حملہ آور ہوئے کہ قریش مکہ کو مکمل بے خبری میں جا لیا۔ وہ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ تین سو میل کا فاصلہ طے کر کے اسلامی لشکر ان کے سر پہ پہنچ گیا اور اسلامی فوج کے کیمپ کی روشنیاں اور آگ دیکھ کر انہیں پتہ چلا کہ کوئی لشکر ان کے سر پہ پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا تھا جس کا مقابلہ اب ان کے بس سے باہر تھا اس طرح دشمن کی خبروں سے آگاہ ہونا اور اپنی خبروں کو مکمل کنٹرول میں رکھنا یہ آپ کی حکمتِ سیاست کا بہت موثر حصہ تھا۔

آپ کی حکمتِ سیاسی کا یہ بھی حصہ تھا کہ آپ اپنی کوئی دفاعی کمزوری دشمن پہ ظاہر نہ ہونے دیتے تھے۔ ہمیشہ رُعب، وقار اور جرأت کے مظاہرے سے دشمن پر اپنا دبدبہ قائم رکھتے۔ صبر و استقلال، توکل علی اللہ، اور ہمت و شجاعت آپ کے جنگی ہتھیار بھی تھے اور سیاسی ہتھیار بھی۔ ان سے آپ ہر جگہ اور ہر حالت میں کام لیتے تھے۔ مکہ میں جب آپ دشمنوں کے نرغے میں تھے اور آپ کو ہتھیار اُٹھانے کی اجازت نہ تھی ان حالات میں آپ نے صبر و تحمل کی ایسی نادر مثال قائم کی جس کا کوئی نمونہ تاریخ میں موجود نہیں ہے اور جب آپ کو دشمنوں کے مقابلے میں ہتھیار اٹھانے، ان کا قوت اور حکمت سے مقابلے کرنے کا حکم ہوا تو آپ نے جس دانشوری، جرأت اور بے سر و سامانی میں بڑے بڑے سامان والوں کا مقابلہ کیا وہ بھی اپنی جگہ ایک بے مثال واقعہ ہے۔

حج اور عمرے میں رمل کا طریقہ بھی اسلام میں کفر کے مقابلہ میں اپنے شاہزوری کا مظاہرہ کرنے کے لیے ہی جاری کیا گیا تھا جو اتنا پسند کیا گیا کہ قیامت تک اسے ارکانِ حج و عمرے کا حصہ بنا دیا گیا۔

...

Marfat.com

دشمنوں سے باری باری نپٹنے کی حکمت:

جب کوئی نظریاتی اور اصولی دعوت اٹھتی ہے تو دنیا بھر کے فتنے جو اس کی کامیابی میں اپنی موت دیکھتے ہیں اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوتِ اسلامی کا آغاز کیا تو مخالفتوں کا زور بھی دعوت کے زور کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا۔ جوں جوں دعوتِ اسلامی مختلف مفاد یافتہ عصبیتوں کے لیے خطرہ بنتی چلی گئی مخالفوں کی صف میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ قریشِ مکہ کو اپنی سرداریوں، معاشی اجارہ داریوں، خاندانی عداوتوں اور باپ دادا کی عصبیتوں کے سبب مخالفت تھی تو مختلف قبائلِ عرب قریش کے حلیف ہوتے اور بعض دیگر وجوہ سے مخالف ہو گئے۔ یہودیوں نے اپنی دیرینہ بیماری اور قلبی ناعکمی کے سبب مخالفتِ رسولؐ کا تاریخی کردار اپنے ذمے لے لیا اور سازشوں، جوڑ توڑ، اکھاڑ پچھاڑ اور قبائل کو اکسانے اور بھڑکانے میں لگ گئے۔ منافقین اپنے دل کی نامسلمانی اور دماغی مفاد پرستی کا بت پوجنے لگے۔ غرض دعوت کے میدان میں آتے ہی مختلف نوعیت کے مخالفین میدانِ کارزار میں سرگرمِ عمل ہو گئے۔

آغازِ دعوت کانٹوں کے بھرپور انبار کے درمیان نرم و نازک پھول کی مانند ہوتا ہے۔ وہ کھلتے ہی اتنی شدید مخالفتوں میں گھر جائے تو اس کے لیے جانبر ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفتوں کے اس ہمہ پہلو طوفانِ بلاخیز میں سے اپنا راستہ نکالا۔ آپؐ نے انتہائی بیدار مغزی، مستعدی اور سفارتی سرگرمیوں کے ذریعے مختلف دشمنوں کو بیک وقت اور مشترکہ طور پر برسرِ عمل آنے سے اکثر اوقات نہایت کامیابی سے روکا۔ بس ایک احزاب کا مشترکہ اقدام ہی وہ کر سکے لیکن اسے بھی آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی سُجھائی ہوئی تدابیر کے ذریعے اس انداز میں سنبھالا کہ ان میں باہمی پھوٹ پڑ گئی۔ وہ احزاب جو عرب بھر کی قوت سمیٹ کر مدینہ کی چھوٹی سی

Marfat.com

بستی پر چڑھ دوڑے تھے بالکل بے بس اور مایوس ہو کر اس مختصر سی بستی کو ناقابلِ فتح قرار دے کر واپس لوٹ گئے۔ اس کے علاوہ آپؐ نے مختلف دشمنوں سے نپٹنے کے لیے ہمیشہ باری کا اہتمام رکھا۔ جب کسی ایک دشمن سے نپٹنا ہوا تو دوسرے دشمن کے ساتھ معاہدۂ عدمِ محاربت کے ذریعے صلح رکھی۔

ہجرتِ مکہ کے بعد قریش سے جب آپؐ کی لڑائی ٹھن گئی تو آپ نے مختلف قبائلی دوروں اور فوجی دستوں کی ترسیل کے ذریعے مدینہ کے آس پاس کے زیادہ سے زیادہ قبائل کو عدمِ محاربت کے معاہدات میں باندھ لیا۔ خود یہودیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی معاہدہ کر لیا جس کے نتیجے میں بدر اور اُحد کی جنگیں یکسوئی کے ساتھ برپا ہو سکیں۔ پھر احزاب کے موقعہ پر جب سارا عرب چڑھ آیا تو آپؐ نے یہودیوں کے قبیلے بنی قریظہ سے پہلے ہی معاہدہ کر لیا تھا تاکہ سامنے کے دشمن سے مقابلہ ہو تو اندر کے دشمن کا خطرہ موجود نہ ہو۔ احزاب کے بعد اب اسلام کی پیش قدمی کا دور آیا تو آپؐ نے صلحِ حدیبیہ کے ذریعے قریش سے معاہدہ عدمِ محاربت کر لیا جس کے نتیجے میں خیبر اور غطفان کے یہودیوں سے آسانی سے نپٹا جا سکا اور جب یہود دشمن پوری طرح زیر ہو گیا اور ان کی اکساہٹ میں آئے ہوئے سرکش قبائل بھی دب گئے تو پھر دو ہی سال بعد آپؐ نے قریش سے بھی معاہدہ شکنی اور مسلسل جارحیت کے جرم کا بدلہ لے لیا۔ جس کے نتیجے میں فتح مکہ جیسا تاریخی واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

غرض حضورؐ کی انقلابی حکمتِ کار کا اگر ہم بغور مطالعہ کریں تو آپؐ اپنی پوری جدّوجہد میں اس امر کا اہتمام فرماتے نظر آتے ہیں کہ ایک وقت میں ایک ہی دشمن سے نپٹا جائے اور اس دوران دوسرے دشمنوں سے صلح صفائی یا معاہدۂ عدم جارحیت برقرار رکھا جائے یہ وہ عملی حکمتِ سیاست ہے جس کے سبب اسلام کی قوت نہایت قلیل ہوتے اور بہت سے خوفناک دشمنوں کا نشانہ بننے کے باوجود اپنے سارے ہی دشمنوں کو باری

Marfat.com

باری سے شکست دے کر اپنے راستہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئی۔ قریش کے ساتھ صلح حدیبیہ جیسا معاہدۂ عدم محاربت جسے قرآن نے فتح مبین قرار دیا ہے وہ اس معنی میں فتح مبین قرار پایا کہ اس کے نتیجے میں اسلام کو پھیلنے، قبائل تک پہنچنے، مسلمانوں سے حلیفانہ تعلقات قائم کرنے اور اس نئی طاقت سے معاہدات قائم کر کے اپنے مستقبل کو محفوظ کرنے کا موقعہ فراہم ہوا۔ دوسری طرف یہ بھی ممکن ہوا کہ اس صلح کے ذریعے قریش کی طرف سے مکمل اطمینان حاصل کر کے یہودیوں کی فتنہ انگیزیوں کا مکمل تدارک کیا جا سکا اس لیے کہ یہودی قریش سے کہیں بڑھ کر بدخصلت کینے دشمن تھے۔ ان سے پہلے نپٹ لینا اس لیے بھی ضروری تھا کہ میدانِ عمل کے آخری اقدام کے لیے پھر قریش سے نپٹنا ہی باقی رہ جائے جو دعوت کے اوّلین سب سے مضبوط اور بڑے مخالف تھے ظاہر ہے کہ قریش کے مفتوح ہونے پر عرب میں اسلام کے لیے سارے راستے کھل جاتے تھے اور ان کے مفتوح ہونے سے اسلام کو افرادی قوت کا بھی بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آجاتا تھا۔ غرض آپؐ نے چھوٹے دشمن کے بعد بڑے دشمن سے نپٹنے کا تدریجی سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ باری باری کر کے سارے ہی دشمن میدانِ مقابلہ سے محو ہو گئے اس کے بعد اسلام عرب سے باہر باطل کے مقابلے میں بین الاقوامی میدانِ کشمکش میں پہنچ گیا اور اس کا حقیقی مقام یہی تھا کہ وہ مقامی رکاوٹوں سے نپٹ کر دنیا کی رہنمائی کرے۔

عرب کا افرادی ذخیرۂ قوت محفوظ رکھنے کا اہتمام:

ہر تحریک کو مردانِ کار کی وافر ضرورت ہوتی ہے۔ دنیا کے سارے کام انسانوں کے ذریعے ہی چلائے جا سکتے ہیں اور جس قدر اعلیٰ و ارفع مقصد ہو اسی قدر بہتر استعداد و صلاحیت کے افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ قریش کے کردار میں جو انسانی خوبیاں تھیں اور ان میں عرب ہونے کی حیثیت سے رسولِ عربیؐ کی دعوت کو لے کر اٹھنے کی جو پیدائشی صلاحیتیں موجود تھیں حضورؐ ان سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ خصوصاً قریش تو عرب معاشرے

میں بکھن کی حیثیت رکھتے تھے ان کی برتری اور سیادت کو عرب تسلیم بھی کرتے تھے آپؐ کو بھی اپنے ساتھیوں میں بہترین ساتھی قریش میں سے ہی ملے تھے۔ آپؐ جانتے تھے کہ اسلام کا جھنڈا اٹھا کر قریش اسلام کی دعوت عرب سے عجم تک پہنچانے کے بہترین اہل تھے۔ بس ذرا ان کے اخلاق و کردار کو توحید اور آخرت کے عقیدے سے پالش کر دینے کی ضرورت تھی اس لیے کہ یہ عقیدہ سارے زنگ اتار کر انسان کو بہترین انسان بنا دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

بدر میں بلاشبہ قریش پر سخت کاری ضرب لگائی گئی تھی۔ اس معرکے میں ان کے بہت سے اکابر مارے گئے تھے۔ ان اکابر کا مارا جانا اسلام کا راستہ بنانے اور اس کے راستے سے کئی رکاوٹیں دور کرنے کے لیے نہایت ضروری تھا البتہ اس کے بعد قریش سے جتنی جنگیں ہوئیں ان میں ان کی افرادی قوت کا زیادہ زیاں نہیں ہوا۔ حضورؐ کی حکمت یہ تھی کہ اسلام ایک چڑھتے ہوتے بادل کی طرح مدینہ سے اٹھے۔ مدینہ کے آس پاس کے مخالفینِ دعوت کو قوت و حکمت سے مرعوب کرے یا یہودیوں کی بگڑی ہوئی قوم کو مفتوح کرنے اور مکہ تک پہنچتے پہنچتے اس کی قوت و توانائی اتنی بڑھ جائے کہ پھر قریش کے لیے مقابلہ کرنے کی بجائے بلا مقابلہ مفتوح ہو جانے کے سوا دوسرا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہ جاتے۔ تاکہ جنگی مقابلے میں وہ خون خرابہ نہ ہو جو ایک طرف افرادی قوت کو ضائع کرتا ہے اور دوسری طرف خاندانی دشمنیوں کی مستقل بنیاد ڈال دیتا ہے۔

اسی سیاسی حکمت کے ساتھ آپؐ اسلام کا لشکر لے کر میدانِ جدّوجہد میں برابر آگے بڑھتے رہے۔ آپ نے ایک ایک یہودی قبیلے کو اسلام کو ضرر پہنچانے کے مقام سے خارج کیا۔ بدوی آزاد قبائل کو کچھ دعوت کے ذریعہ اور کچھ قوت کے ذریعے زیر کیا اس عرصہ میں قریش سے بھی مقابلے ہوتے رہے لیکن بس وہی

Marfat.com

مقابلے جن میں وہ خود چڑھ چڑھ کر مسلمانوں پر آتے رہے، لیکن آپؐ زیادہ تر قریش کے دست و بازو توڑنے میں مصروف رہے تا آزاد بدوی قبائل میں سے کچھ کو قوت سے مطیع کیا، کچھ کو مسلمان کیا اور کچھ سے معاہدات کر کے انہیں اپنا حلیف بنایا جس سے قریش بتدریج آہستہ آہستہ تنہا (ISOLATED) ہوتے چلے گئے۔ جنگِ احزاب کے بعد تو پھر ان کے لیے کوئی مشترکہ کاروائی کرنا بالکل ممکن ہی نہ رہا تھا۔ دوسری طرف آپؐ نے یہود کی ریشہ دوانیوں کا پوری قوت سے قلع قمع کیا انہیں ایک ایک کر کے پوری طرح کچل دیا یہاں تک کہ فتح خیبر کے بعد وہ مکمل طور پر میدانِ مقابلہ سے نکال دیئے گئے۔ اس کے بعد پھر صرف قریشِ مکہ ہی رہ گئے جو ان تغیرات کو دیکھ بھی رہے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اب ان کے لیے اسلام کا مقابلہ آسان نہیں رہا ہے چونکہ ان کے سارے حلیف ایک ایک کر کے میدان سے نکل گئے تھے۔ اسی لیے صلحِ حدیبیہ کے دو سال بعد ہی جب مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلے پر حملہ کرنے میں قریش نے مدد کی جس سے حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔ تو انہیں یکایک یہ احساس ہوا کہ یہ معاہدہ توڑ کر انہوں نے اپنی حماقت سے وہ حصار توڑ ڈالا ہے جو اسلامی یلغار سے بچنے کے لیے انہوں نے اپنے گرد تعمیر کیا ہوا تھا۔ اس صورتِ حال کا احساس ہوتے ہی گھبرا کر انہوں نے تجدیدِ معاہدہ کی کوشش کی۔ چنانچہ قریش کا سردار ابوسفیان دوڑا دوڑا مدینہ پہنچا اور تجدیدِ معاہدہ کی ہر ممکن کوشش کی اور ہر سہارا تلاش کیا یہ وہی قریش تھے جن سے صرف دو سال پہلے حدیبیہ کے میدان میں مسلمانوں نے کچھ دب کر ہی معاہدہ کیا تھا اور وہ بات بات پر مسلمانوں کو زیر دبانے کی کوشش کرتے تھے جنہوں نے اس وقت عمرہ تک کرنے کی اجازت نہ دی تھی اب دو سال بعد یہ نوبت آگئی تھی کہ قریش کا سردار ابوسفیان مدینہ میں گھر گھر سفارشی تلاش کرتا پھرتا تھا تاکہ معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید ہو سکے وہ بعض شرائط کو جو مسلمانوں کے نزدیک اس وقت قابلِ اعتراض تھیں اب ساقط کرنے کے لیے بھی تیار تھا

Marfat.com

لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اور دعوتِ اسلامی اپنے مختلف دشمنوں سے نپٹنے کے بعد اس مقام پر آگئی تھی کہ معاہدہ شکن لوگوں سے از سرِ نو معاہدہ کرنے کی اب اسے کوئی ضرورت نہ تھی۔

اس طرح قریش بے یار و مددگار اور ہراساں تھے جب آپ نے بالآخر اس شکار کو جو پُر شکستہ ہو چکا تھا پکڑ لینے کا فیصلہ کیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے شکار پر نہ کوئی گولی چلانے کی ضرورت تھی اور نہ اسے کوئی نقصان پہنچا کر کمزور کرنے کی حاجت تھی۔ وہ خود اب اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ اسے ہاتھ بڑھا کر بس پکڑ لینے کی ہی ضرورت تھی۔ چنانچہ حضورؐ نے ۸ ہجری میں مکہ کو ہاتھ بڑھا کر صحیح سالم اسلام کے فتراک میں داخل کر لیا۔ اس طرح وہ افرادی قوت محفوظ رہی جو اسلام کے مستقبل کے معرکوں کے لیے بہت ضروری تھی۔

حضور اکرمؐ جیسے زیرک عبقری انسان سے یہ بعید تھا کہ وہ دعوت کے بنیادی انسانی سرمائے کو آسانی سے محض ذوقِ انتقام کی تسکین کے لیے تباہ و برباد کر دے۔ آپؐ تو سراپا رحمت تھے پھر دعوتِ اسلامی کا بنیادی سرمایہ یہود نہیں بن سکتے تھے جو نسلوں کے بگڑے ہوئے لوگ اور انبیاء کے دشمن اور قاتل تھے بلکہ دعوت کا بنیادی سرمایہ وہی لوگ ہو سکتے تھے جن میں سے ایک انسان رسولؐ بنا کر اٹھایا گیا تھا اور جو نبیوں کے قتل کے تاریخی جرم سے بہر حال بری الذمہ تھے اسلام کی بعد کی تاریخ نے بھی یہ ثابت کر دیا کہ آپؐ کی یہ حکمت کتنی عظیم تھی۔ آپؐ نے قریش کے انسانی سرمائے کو بچا کر اسے اسلام کی خدمت کے لیے محفوظ کر لیا تھا۔ یہود جن کی ہدایت کے لیے ہزاروں انبیاء بھی کافی نہ ہوئے اور انہوں نے ہزاروں ہی انبیاء کو قتل کیا ان کے مقابلے میں عربوں میں اتنی سعادت اور شجاعت ضرور موجود تھی کہ انہوں نے ایک ہی نبی کی ہدایت کو قبول کر کے اس کی تعلیمات کو سارے جہاں میں پہنچا دیا اور دعوتِ اسلامی کی کامیابی کے

بیے رسولؐ کے ساتھ مل کر اس کے دشمنوں سے لڑے اور اس کے بعد اس کی دعوت کو سارے جہاں میں پہنچایا اور پھیلایا اور قوموں کی قوموں کو راہِ ہدایت دکھائی۔ انسانوں کے ایسے قیمتی سرمائے کو محفوظ کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت و حکمت کا بہترین ثبوت ہے۔

صلحِ حدیبیہ۔ وقفۂ دعوت و تبلیغ :

باطل کے خلاف حضورؐ کی جدّ و جہد میں صلح حدیبیہ بھی ایک حیرت انگیز اور تاریخ ساز معاہدہ ہے جس کے الفاظ مسلمانوں پر گراں لیکن جس کے نتائج اسلام کے راستے کی ساری مشکلات کو دور کرنے والے ثابت ہوئے۔ یہ معاہدۂ عدم محاربت جس طرح آپؐ نے قریش سے حاصل کیا وہ بھی تدبر و سیاست کا شاہکار ہے۔ آپؐ چاہتے تھے کہ اسلامی دعوت کے خلاف قبائلی دشمنیوں کے پردے چاک ہو جائیں اور لوگ اسے بے لاگ طور پر دیکھ سکیں۔ آپؐ یہ بھی چاہتے تھے کہ قریش سے صلح صفائی کے نتیجے میں انہیں اسلام پر اس کی خوبیوں کے لحاظ سے غور کرنے کا موقع ملے۔ آپؐ یہ بھی چاہتے تھے کہ ایسے کسی معاہدے سے عام قبائلِ عرب کو قریش یا مسلمانوں سے برابر کی سطح پر معاہدات کرنے اور حلیف بننے کا موقعہ ملے اور عرب میں اسلام قریش کے مقابلے میں اس کے برابر کی ایک طاقت قرار پائے تاکہ اس کی حیثیت تسلیم کی جائے اور آپؐ یہ بھی چاہتے تھے کہ یہود جو نسب در روز اپنے قبائلی اثرات اور اپنی بے بہا دولت، اسلام کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں استعمال کر رہے تھے ان سے نپٹنے کا موقعہ مل جائے۔ یہ معاہدہ جو اس وقت بظاہر مسلمانوں کو اپنی دعوتی شان کے خلاف محسوس ہوا تھا بعد میں مسلمانوں کے لیے بے شمار پوشیدہ فوائد کا حامل ثابت ہوا جو قریش کو بہ حیثیت گروہ بالکل حاصل نہ ہو سکے چاہے ان کے لیے معاہدہ میں کتنے ہی شاندار الفاظ درج کیے گئے تھے اس معاہدے سے اسلام کو بہ حیثیت

Marfat.com

تحریک وہ سارے فوائد حاصل ہوئے جو ایسے وقفۂ عدم محاربت سے دعوتی، تبلیغی، اور سفارتی سطح پر حاصل ہو سکتے تھے۔ اور جو اس وقت مسلمانوں کو مطلوب تھے۔ معاہدے کے بعد کے حالات نے جو رُخ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ تھوڑے ہی دنوں بعد معاہدہ کی وہ "شاندار شقیں"، جو قریش نے بڑے فخر سے اپنی بڑائی کے اظہار کے لیے معاہدے میں رکھوائی تھیں نومسلموں کے نئے مستقر کی فوجی کارروائیوں سے بچنے کے لیے انہیں وہ "شاندار شقیں" خود معاہدے سے ساقط کروانی پڑیں۔ اگرچہ حضورؐ خوب سوچ سمجھ کر ذی قعد کے مہینے میں نہیں بلکہ حج کے مہینے میں عمرے کے لیے تشریف لائے تھے تاکہ قریش پر آپ کا عمرے کے لیے آنا ثابت ہو جائے۔ لیکن قریش کی حکمت یہ تھی کہ مسلمان زیارتِ بیت اللہ کے لیے غیر مسلح آئے ہیں تو انہیں چھیڑ چھاڑ کر مشتعل کیا جائے۔ اور بالآخر انہیں لڑنے پر آمادہ کر لیا جائے چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا۔ پھر چھوٹی چھوٹی فوجی ٹولیاں مسلمانوں کو چھیڑنے، نقصان پہنچانے اور مشتعل کرنے کے لیے بار بار ارسال کیں اور پھر مسلمانوں کے جو سفیر مذاکرات کے لیے بھیجے گئے ان کے ساتھ بدسلوکی کی اور حضرت عثمانؓ کو تو روک ہی لیا جس سے یہ افواہ اڑائی گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔ اس سے قریش کی مراد یہ تھی کہ نہتے مسلمانوں سے بہتر شکار اور کوئی نہیں مل سکتا اور مشتعل ہو کر اگر وہ حملہ کریں گے تو سارے عرب میں یہی بات مشہور ہو گی کہ مسلمان زیارتِ بیت اللہ کا بہانہ کر کے قریش پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اس طرح ان کی اخلاقی ساکھ کو بھی نقصان پہنچایا جا سکے گا اور یوں نہتے غیر مسلح افراد کو مولی گاجر کی طرح کاٹ دینا بھی آسان ہو گا۔ حضورؐ کی حکمت و تدبر اور صبر نے قریش کی یہ چال ناکام بنا دی۔ آپؐ نے ایک طرف تو صبر کو آخری حد تک پہنچا دیا اور کسی نوعیت کے اشتعال کی رَو نہ چلنے دی اور دوسری طرف قریش کی طرف سے جو فوجی ٹولیاں چھیڑ چھاڑ کے لیے آتی رہیں انہیں گرفتار کر کے پھر چھوڑ دیا جاتا رہا۔ البتہ چھوڑنے سے پہلے انہیں

Marfat.com

مسلمانوں کے کیمپ کا نظم و ضبط اور ڈسپلن ضرور دکھا دیا جاتا۔ آخر جب شہادتِ عثمانؓ کی افواہ اڑی تو آپؐ نے بیعتِ رضوان منعقد کی جو دراصل راہِ حق میں موت کی بیعت تھی۔ صحابہ کرامؓ نے جس جوش و خروش سے وہ بیعت کی اس نے قریش کو دہلا کر رکھ دیا ذہنی طور پر قریش خود بھی لڑائی کے لیے پہلے سے تیار نہ تھے اور غزوۂ خندق کے بعد تو وہ حلیفوں کی امداد کے بغیر مسلمانوں سے تنہا ٹکراتے ہوئے بھی ڈرتے تھے مسلمانوں کے اس تہوّر اور جاں نثاری کے اعلان کو دیکھ کر وہ گھبرا گئے اور انہیں اپنی حکمت اُلٹی پڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ انہیں خطرہ ہوا کہ اگر مسلمان اس حالت میں بھی انہیں شکست دے گئے تو پھر سارے عرب میں ان کی ناک کٹ جائے گی۔ چنانچہ یہ سوچ کر وہ مذاکرات کے بارے میں سنجیدہ ہو گئے۔ اگرچہ انہوں نے صلح نامہ میں بڑی بڑی شرطیں رکھوائیں لیکن حضورؐ ان شرائط کو اشارۂ خداوندی پر قبول فرما گئے اور بالآخر صلح نامے پر دستخط ہو گئے۔ مسلمانوں کی طرف سے موت کے لیے جوش و خروش کی بیعت کے بعد ایسی شرائط پر صلح انہیں فطری طور پر ناگوار تھی۔ لیکن یہ صلح درحقیقت آپؐ کے اعلیٰ سیاسی تدبّر اور مالکِ کائنات کے اشارۂ خداوندی کا نتیجہ تھی۔ صلح پر بظاہر مسلمانوں کا غم سنبھالے نہ سنبھلتا تھا لیکن جب اللہ تعالےٰ کی طرف سے اعلان ہوا، کہ یہ فتح مبین ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔

تب مسلمانوں کے دل ٹھنڈے ہوئے۔

اس صلح کے ذریعے مسلمانوں کے لیے تبلیغِ اسلام کے راستے کھل گئے۔ قبائل کو حلیف بنا کر زیادہ سے زیادہ غیر جانبدار کرنے اور انہیں اپنے گرد سمیٹنے کے مواقع پیدا ہو گئے۔ اور یہودیوں سے نپٹنے کی مہلت بھی مل گئی۔ گہرے مطالعہ کے لیے اس عظیم تاریخی صلح نامے کی شرائط کو سامنے رکھنا ضروری ہے تاکہ صلح میں مسلمانوں کے رنج کا حقیقی

Marfat.com

سبب معلوم ہو سکے اور ایسی دلشکن شرائط کے باوجود دور رس دعوتی فوائد کے لیے دشمن سے حکیمانہ صلح کا جواز بھی سمجھ میں آ سکے۔

۱۔ دس سال تک فریقین میں جنگ بند رہے گی اور ایک دوسرے کے خلاف خفیہ یا علانیہ کوئی جنگی کارروائی نہ کی جائے گی۔

۲۔ اس عرصے میں قریش کا جو آدمی مسلمانوں کی طرف بلا اجازت جائے گا وہ واپس ہوگا لیکن مسلمانوں میں سے جو قریش کے پاس از خود جائے گا وہ واپس نہ کیا جائے گا۔

۳۔ قبائلِ عرب میں سے جو قبیلہ جس فریقِ معاہدہ کے ساتھ حلیف بن کر شریکِ معاہدہ ہونا چاہے گا اسے اختیار ہوگا۔

۴۔ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی اس سال واپس جائیں گے اور آئندہ سال عمرے کے لیے تین دن تک مکہ میں ٹھہر سکیں گے اور کوئی سامانِ حرب تلوار کے سوا ہمراہ نہیں لائیں گے۔ قریش اس دوران میں ٹکراؤ سے بچنے کے لیے شہر خالی کر دیں گے۔

ان میں شرط نمبر ۲ مسلمانوں پر بہت شاق تھی۔ لیکن حضورؐ نے فرمایا کہ جو ہمارے پاس سے مرتد ہو کر ادھر جائے اس کی ہمیں کیا ضرورت ہے اور جو اُدھر سے اِدھر آنے میں روکا جائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ضرور کوئی راستہ نکالے گا۔

لیکن اس صلح سے جو فوائد نکلے وہ بے شمار تھے اور وہی پُرامن علیٰ بغیر خونی فتح مکہ کا باعث بن گئے۔

★ تبلیغ کے نتیجے میں کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ اس سے پہلے کے تمام عرصے میں لوگ اتنے مسلمان نہ ہوئے تھے جتنے اس معاہدے کے بعد ہوئے۔ اس لیے کہ ملنے جلنے کے مواقع پیدا ہونے سے مسلمانوں کے اخلاق و کردار کو سمجھنے اور

اسلام کو جاننے کا موقعہ اہلِ عرب کو پہلی بار ملا تھا۔

★ بے شمار قبائل مسلمانوں کو قریش کے ہم پلہ ایک نئی قوت سمجھ کر ان کے حلیف ہو گئے جن میں اسلامی دعوت پھیلنے کے امکانات پیدا ہو گئے۔

★ حضورؐ نے کشمکش سے فراغت پاکر دعوت کے بین الاقوامی حصے کو آگے بڑھایا۔ اور امراء و سلاطین کو بے شمار خطوط لکھے جن کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز کرتی ہے جن میں انہیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ اس کے نتیجے میں چند سلاطین مسلمان بھی ہوئے اور دعوت عرب سے نکل کر عجم تک پھیل گئی۔ اس دعوتی مہم سے غیر عرب لوگ بھی مسلمان ہوئے۔

★ حضورؐ نے کثرت سے سفیر مختلف قبائل، حکومتوں اور ریاستوں کی طرف دعوت اسلامی کے ساتھ ارسال کیے۔

★ مکہ میں جو نئے مسلمان ہوئے ان کے لیے چونکہ مدینہ میں آنا منع تھا۔ انہوں نے ساحلِ سمندر پر ایک ٹھکانہ بنا لیا اور وہاں جمع ہو کر قریش کے مختلف قافلوں پر چھاپے مارنے لگے چونکہ وہ معاہدے کا حصہ نہیں تھے اس لیے قریش نے تنگ آکر (مسلمانوں) نومسلموں کو مدینہ جانے کی پابندی والی شق معاہدے سے خود ہی ساقط کر دی اور سارے نومسلم حضورؐ کے پاس پہنچ گئے۔

★ اس صلح کے ذریعے آپؐ نے قریش کو غیر جانبدار کر کے کینہ پرور یہود اور لوٹ مار کرنے والے قبائل سے نپٹنے کا موقعہ پیدا فرما لیا چونکہ معاہدات میں یہود کے مقابلے میں قریش زیادہ قابلِ اعتماد تھے اس لیے دونوں میں سے ایک فریق کو ناطرف دار کرنے کے لیے قریش ہی موزوں تر تھے اور ویسے بھی قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلا قتل و غارت بے بس کر کے اسلام کے مطیع بنانا چاہتے تھے۔ تاکہ وہ اسلامی دعوت و ریاست کے کام آسکیں۔

Marfat.com

غرض اسلامی انقلاب کی عظیم جدّوجہد میں صلح حدیبیہ ایک ایسا معرکہ الآرا مرحلہ ہے جو حیرت انگیز کامیابیوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ یہ حضورؐ کے تحمل اور تدبر کا شاہکار ہے۔ یہ صرف اللہ کے رسولؐ کی ہی بصیرت تھی کہ انہوں نے بظاہر تاریک دفعاتِ صلح میں سے صبحِ درخشاں کا چمکتا اور تاباں سورج اُبھرتا ہوا دیکھ لیا تھا۔

صلاحیت اور جوہرِ قابل کا اعتراف اور استعمال :

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر ایک انقلاب آفریں نئے نظام کا قیام تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک نیا نظام اپنے لیے افراد کی زبردست ٹیم کا تقاضا کرتا ہے۔ ہر ہر سطح پر اس نظام کو چلانے اور اس کی روح کے مطابق اسے نافذ کرنے والے بے شمار باصلاحیت افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی اصولی اور بامقصد نظام کا چلانا کسی ایک فرد کا کھیل نہیں ہوتا چاہے وہ کتنا ہی قابل اور صاحبِ صلاحیت فرد کیوں نہ ہو حتیٰ کہ انبیاء کرام کو بھی اگر صاحبِ صلاحیت افراد کی قابلِ لحاظ ٹیم فراہم ہوئی تو اسی صورت میں وہ اپنی دعوت کو انسانی معاشروں میں نافذ کر سکے اور اگر ایسی ٹیم فراہم نہ ہو سکی تو انبیاء کرام اور داعیانِ دعوتِ حق نے بلاشبہ اپنی قوموں پر دعوت پیش کر کے حجت تو تمام کر دی لیکن وہ نظام نافذ نہ ہو سکا جو ان کے پیشِ نظر تھا۔ اس طرح نیا نظام چلا سکنے کی صلاحیت سے بہرہ ور افراد نہ ملنے کے سبب انسانی معاشرے تاریخ کے مختلف ادوار میں تباہی و بربادی کا شکار ہوتے رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس اجتماعی ضرورت کو خوب سمجھتے تھے کہ ایک نظام کو چلانے کے لیے کس طرح ایک ایک باصلاحیت فرد کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ آپ باصلاحیت افراد کی تلاش کا ہمیشہ اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے ایمان کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دعا فرمائی۔ سردارانِ قریش سے خصوصی ملاقاتیں کر کر کے آپؐ انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ جب وہ اسلام کی طرف سے بے نیازی

Marfat.com

بھتنے تو حضورؐ دل ہی دل میں اسے دعوتِ اسلامی کا نقصان سمجھ کر بے حد کڑھتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ اسلامی کی تگ و دو میں اعتدال اور صبر کی تلقین فرمائی۔

آپؐ جانتے تھے کہ ہر فرد جو بہتر صلاحیت کا حامل ہے اگر اسلام کے حق میں اپنی صلاحیت استعمال کرے گا تو اس سے دعوتِ اسلامی کو فائدہ پہنچے گا۔ اس مقصد کے لیے حضورؐ نے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ تعلقات بڑھائے، وظائف دیے، تالیفِ قلب کے لیے ہدیے مرحمت فرمائے، رشتہ داریاں قائم کیں، مناصب دیے اور اس طرح باصلاحیت افراد کی صلاحیتوں کو اسلام کی خاطر وقف کرنے کے لیے تمام ممکن تدابیر اختیار فرمائیں۔ ابوسفیان کے خاندان میں جنگی اور انتظامی صلاحیتیں موجود تھیں ان جیسے شدید معاندِ اسلام کے گھر کو جو اوّل روز سے فتح مکہ تک مزاحمت کا گڑھ بنا رہا تھا فتح مکہ کے روز امن کا گھر قرار دیا۔ ان کے بیٹے کو اپنا کاتب مقرر کیا حالانکہ وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے اور وہ طلقاء میں سے تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کو جنہوں نے مسلمانوں کو جنگ اُحد میں سخت نقصان پہنچایا تھا اسلام قبول کرتے ہی فوج میں اعلیٰ منصب دیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کو جو مسلمان مہاجرین کا پیچھا کرنے کے لیے حبش تک قریش کے سفیر بن کر گئے تھے، اسلام قبول کرنے پر عزت دی۔ انتہا یہ ہے کہ ابوجہل کے بیٹے عکرمہؓ کو اپنے پاس بلا کر معاف کیا اور اعلیٰ مناصب پر فائز کیا۔ اس میں کیا شک ہے کہ مکہ والوں میں جوہرِ قابل پایا جاتا تھا۔ ان میں فوجوں کی کمان کرنے، اعلیٰ مناصب کو نبھانے، سفارتیں کرنے اور ایک نئے نظام کو اعلیٰ پائے کی افرادی قوت فراہم کرنے کا جوہر موجود تھا آپؐ نے یہ جوہر فتح مکہ پر ضائع کرنے کی بجائے ان کا ایک ایک فرد بچانے کی کوشش کی۔ تالیفِ قلب کے طور پر انہیں مالِ غنیمت سے مالا مال کر کے ان کے دلوں کا کدورت کو اسلام کے لیے محبت میں تبدیل کرنے کی

Marfat.com

کوشش فرمائی اور خلافت جیسے اہم کام کے بارے میں ان کی صلاحیت، اہمیت اور عرب کے قبائل میں ان کے وقار کے پیش نظر، فرمایا کہ یہ تو ان کا ہی حصہ ہے۔

غرض ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست کا یہ پہلو بہت ہی نمایاں نظر آتا ہے کہ آپؐ نے اپنے ذاتی اور شخصی غم و غصے کو کبھی نظام کی بہتری کے راستے میں رکاوٹ بننے نہیں دیا۔ آپؐ نے ہر با صلاحیت فرد کی قدر افزائی کی اور اسے اسلام کی گاڑی میں جوت کر منزلِ حق کی طرف روانہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ آپؐ کا یہ طرزِ عمل آپ کی اعلیٰ سیاسی بصیرت کا شاہکار ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضورؐ کے گرد ایسے افراد جمع ہو گئے جو میدانوں کے فاتح، مجالسِ صلح کے بہترین مشیر اور غیر ملکی مشنوں میں اسلام کے بہترین سفیر ثابت ہوئے۔ ان کے ذریعے اسلام دور دور تک پہنچا اور جہاں جہاں پہنچا وہاں اس کی جڑیں ایسی پیوست ہوئیں کہ دوسری قومیں اپنی زبان، لباس، کلچر تک بھول کر عربی تہذیب و تمدن کا جزو بن گئیں۔ حضورؐ نے ایسے ہی با صلاحیت اور باکردار لوگ جمع کیے تھے آپؐ جوہرِ قابل کے بہترین جوہری تھے۔ آپؐ جوہرِ قابل کو اپنی شخصیت کے دباؤ سے ضائع نہیں کرتے تھے۔

جوہرِ قابل کی پذیرائی اور قدر افزائی کرنے والا آپؐ سے بڑھ کر ہمیں دوسرا کوئی فائد پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتا اس لیے کہ جس قدر جوہرِ قابل آپؐ کو میسر آیا اور کسی کو میسر نہیں آیا۔ یہی سبب ہے کہ جس قدر پائیدار انقلاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثابت ہوا دوسرا کوئی انقلاب ایسا پائیدار ثابت نہیں ہوا۔ آپؐ کی محبت کا گرویدہ ہونے کے بعد کوئی شخص آپ سے علیحدہ ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

جانشین کے مسئلے کا پیشگی حل :-

بالعموم مملکتوں کو تباہ کرنے والا جانشین کا مسئلہ ہوتا ہے اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر جدید مروجہ جمہوریت کے رواج پانے سے پہلے تو یہ مسئلہ بڑا ہی نازک مسئلہ ہوتا تھا۔ مملکتوں میں انتقالِ اقتدار کے لیے کوئی مقررہ اور پُر امن طریق کار نہ

Marfat.com

ہونے کے سبب جنگِ جانشینی ہر سربراہ مملکت کی وفات کے بعد اس مملکت کی تاریخ کا لازمی جزو ہوا کرتی تھی اور اس کی ایک تاریخی اور روایتی حیثیت تھی۔ اس مسئلے کو نسلی حکمرانی کے تصور کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن نسلی حکمرانی میں جو پنہاں اخلاقی اور سیاسی خرابیاں ہیں ان سے اب ساری دنیا آگاہ ہے وہ خرابیاں بھی جنگِ جانشینی سے کم مہلک نہیں تھیں اور اس کے باوجود بھی اکثر اوقات میں یہ جنگ ناگزیر ہو جاتی تھی۔ غرض سلطنتوں کی تباہی میں جنگِ جانشینی کا سب سے زیادہ حصہ شامل ہے

اسلام نے دنیا کو جو تصورِ سیاست وطرزِ حکومت دیا وہ شورائی تھا اس میں نسلی جانشینی کا تصور موجود نہیں تھا۔ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عام پبلک سے آرا حاصل کرنے کے ذرائع ابھی اس وقت ایجاد نہیں ہوئے تھے اور نہ ذرائع وسائل کی قلت کے سبب یہ ممکن تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نئے نظام کے استحکام اور اسے مضبوطی سے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے جانشینی کے مسئلے کو نہایت ہی حکمت و تدبیر سے اپنی زندگی میں ہی حل فرما دیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ حضور اکرمؐ کے بعثت سے پہلے کے دوستوں میں سے تھے بلکہ تنہا یارِ غار تھے جن سے حضورؐ کی رازداری اور انتہائی قربت و محبت کی دوستی تھی۔ اپنے خاندان سے باہر حضورؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے وہی تھے۔ سارے مراحل دعوت میں انہوں نے ہر ہر قدم پر آپؐ کا ساتھ دیا تھا۔ انہوں نے زندگی میں کبھی ایک بار بھی آپ کے ذاتی مزاج سے مختلف انداز میں نہ سوچا تھا۔ ہر لمحہ، ہر حالت اور ہر صورت میں وہ آپ کا ساتھ دینے والے تھے انہوں نے پوری طرح مزاجِ نبوت شناس پایا تھا۔ قرآن نے انہیں غارِ ثور میں ثانی اثنین قرار دیا تھا یعنی حضورؐ کے بعد دوسرا۔ آپ نے ان کے ساتھ مل کر ہجرت کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کو آپؐ کی رفاقت ہجرت کا شرف عطا فرمایا تھا۔ وہ آپؐ کی ایک ایک بات ایک ایک ضرورت اور ایک ایک

Marfat.com

راز سے آگاہ تھے۔ آپؐ نے ان کے بارے میں ہی فرمایا تھا کہ میں نے زندگی میں ہر شخص کے احسان کا بدلہ دے دیا ہے لیکن ابوبکرؓ صدیق کے احسان کا بدلہ ممکن نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔ حضرت ابوبکرؓ کی رائے زندگی بھر آپ کے ساتھ ملتی رہی اور کبھی بھی کوئی اختلاف رائے پیدا نہیں ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق آپؐ کے خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے اور ان کی خلافت سے ملوکیت یا نسلی حکومت سے مماثلت کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ان کی قربانیاں اور اسلام کے بارے میں ان کی وفاداری غیر مشتبہ اور سب سے بالاتر تھی۔ حضورؐ کوئی کام بھی وحی کے اشارے کے بغیر نہ کرتے تھے۔ آپؐ نے ابوبکرؓ صدیق کے مختلف مناقب بیان کیے۔ ان کو اپنے راز داری میں لیا ان کے ذمے ایسے کام لگائے جو آپ کے بعد دوسرے درجے کی اہمیت رکھتے تھے۔ آپؐ نے اپنی بیماری میں ان کو اپنی جگہ مسلمانوں کی امامت کے لیے کھڑا کیا جو مسلمانوں کے لیے عین توقع کے مطابق اور ہر لحاظ سے مطلوب تھا کسی ایک شخص نے بھی آپؐ کے اس فیصلے پر دل گرفتگی محسوس نہیں کی۔ ہر شخص حضورؐ کے بعد آپ کو ہی سب سے زیادہ اہمیت دیتا اور بزرگ کہتا تھا۔ ابوبکرؓ صدیق نے بھی آپؐ کی وفات کے بعد ایک ہی دن میں حضورؐ کی وفات کا مسئلہ، دفن کا مسئلہ، خلافت کا مسئلہ اور جیش اسامہ کی ترسیل کا مسئلہ حل کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ سب سے زیادہ آپؐ کی خلافت کے وہی مستحق اور اہل تھے۔ خود آپؐ نے بھی اسلامی انقلاب کو مضبوط اور پائیدار بنیادوں اور طریق نبوی پر چلانے کے لیے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو ہی اپنے بعد خلافت کے لیے اشاروں اشاروں میں تجویز کیا تھا۔ گویا خلافت کے لیے صریحاً نامزدگی نہ کرنا تو مسلمانوں میں شورائیت اور جمہوریت کو رواج دینے کے مترادف تھا اور اشاروں اشاروں میں ان کو بہتر اور نبی کے بعد اسلام کا دوسرا آدمی قرار دینا گویا موزوں ترین فرد کے بارے میں اپنی رائے دینے کے مترادف تھا اور اپنے خاندان سے باہر کے آدمی کا تجویز کرنا نسلی اور خاندانی

حکومت کی بجائے شورائی خلافت قائم کرنے کے مترادف تھا۔ اس طرح حضورؐ نے کمالِ حکمت سے اسلامی انقلاب پر مبنی ایک نظامِ مملکت کو داخلی شورش، اختلافات اور خانہ جنگی سے بچا لیا اور اسلامی انقلاب کی بنیادیں اور زیادہ مضبوط اور گہری کر دیں۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ کا کوئی اشارہ بھی اشارۂ وحی کے بغیر نہ ہوتا تھا۔

نسلی ملوکیت اور خاندانی بادشاہت کا خاتمہ:

حضورؐ نے اپنے بعد اپنے خاندان کے کسی بھی شخص کو خلیفہ نامزد نہ کیا حالاں کہ اگر حضورؐ ایسا کرتے تو مسلمانوں میں کوئی شخص بھی اس کی مخالفت کرنے والا نہ تھا لیکن آپؐ نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کیا کہ وہ ایک ایسا نظامِ مملکت قائم کر رہے تھے جو تمام تر شورائیت پر مبنی تھا اور اس میں نسلی اور خاندانی حکومت کا شائبہ تک موجود نہ تھا بلکہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کے اصول پر تقویٰ پرہیزگاری اور صلاحیت و قابلیت کو ہی اہلیت کا حقیقی مقام حاصل تھا اس طرح آپؐ نے اسلامی انقلاب برپا کرنے کے ساتھ ایک ایسے نظام کی بنیاد رکھی جو دنیا کے اس وقت کے رائج الوقت طرزِ حکومت سے بالکل مختلف تھا جس میں خلیفہ سب کا منتخب اور ان کا نمائندہ تھا۔ جو سب مسلمانوں کے مشورے کا پابند تھا اور جو نسلی اور خاندانی نہیں بلکہ اصولی اور نظریاتی سربراہ ہوتا اور رائے عامہ کی اکثریت و اہلیت کی بنا پر منتخب ہوتا تھا۔ اس طرح آپؐ نے اسلام میں سے ملوکیت اور خاندانی بادشاہت دونوں کا نشان مٹا دیا اور ملوکیت کو عملاً قیصر و کسریٰ کی سنت قرار دے کر اسے مکمل طور پر ترک کر دیا۔ اسی سبب سے وہ اعلیٰ درجے کا نظریاتی نظام دستوری لحاظ سے اتنا عرصہ تک ہی معیاری کہلایا۔ جب تک اس کے اندر یہ روح قائم رہی۔ جب اس سے معمولی انحراف بھی ہوا تو مسلمانوں نے اسے معیاری خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی روایات میں خلافتِ راشدہ کے اندر ہی اس کا معیاری اور دستوری تصور قائم رکھا اسی محفوظ دستوری تصور کا نتیجہ ہے کہ مسلمان جب چاہیں اسے بحال کر کے اپنا

نظریاتی نظام از سرِ نو بروئے کار لا سکتے ہیں۔

اسلامی نظامِ حکومت کے قیام میں حضرت علیؓ کی قربانیوں اور جانفروشیوں سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ وہ ہر میدان کے مرد تھے اور حضورؐ نے اپنے آپ کو علم کا شہر تو انہیں اس شہر کا دروازہ قرار دیا تھا لیکن اس کے باوجود حضورؐ نے اپنے کسی قول یا اشارے یا عمل سے خاندانی بادشاہت کی طرف بالکل اشارہ نہیں کیا ورنہ آپ کے لیے یہ کام مشکل نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کا مطلوبہ نظام غیر نسلی خالص نظریاتی اور شورائی تھا اور آپ کے برپا کردہ اسلامی نظام میں نسلی اور خاندانی برتری کا کوئی تصوّر موجود نہ تھا۔

تلوار اور قوّت کا استعمال :

حضورؐ نے کفر کے مقابلے میں افرادی قوّت کی قابلِ لحاظ تعداد تیار ہوتے ہی اپنا علیحدہ نظریاتی پلیٹ فارم بنالیا اور جب وہ علیحدہ پلیٹ فارم وجود میں آگیا تو پھر آپ نے بھی اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے اسی طرح فوجی قوّت استعمال کی جیسے کفر کے علمبردار اسلام کے خلاف فوجی قوّت کا استعمال کر رہے تھے۔ اس کے لیے نہ حضورؐ نے کوئی معذرت کی اور نہ ہی کوئی مہلت طلب فرمائی۔ حضورؐ کا مسنون طریق انقلاب بلاشبہ مسلح انقلاب ہی تھا۔ وہ مسلح انقلاب نہیں جو زیرِ زمین سرگرمیوں کے ذریعے فتنہ و فساد برپا کر کے انسانی جان و مال اور تباہی و بربادی اور گھیراؤ جلاؤ کا عظیم زیاں کر کے اشتراکی حضرات برپا کرتے ہیں بلکہ وہ اسلامی انقلاب جس میں قوّت کا استعمال جرأت بہادری رو در رو دادِ شجاعت دینے اور مظاہرۂ مردانگی پر مبنی تھا۔ آپؐ کے خلاف جب قوّت کا استعمال ہوا تو آپ نے اسے قوّت سے ہی روکا اور اس کے لیے کوئی معذرت پیش نہیں کی۔ قوت کے مقابلے میں قوّت کا استعمال اپنا جواز خود ہوتا ہے۔ کامیابی کی صورت میں اس سے بہتر کوئی بصیرت نہیں ہوتی اور ناکامی کی

Marfat.com

صورت میں اس سے بڑی اور کوئی شجاعت نہیں ہوتی جسے تاریخ اپنے دامن شہادت میں ہمیشہ محفوظ رکھتی ہے۔

جب تک مؤثر تیاری موجود نہ تھی اسلامی دعوت کے علمبرداروں نے ڈٹ کر مار کھائی۔ نہ کفر کے سامنے کبھی اپنی کمزوری کی معذرت کی اور نہ دشمن کا کبھی خوف کھایا۔ نہ بے دلی اور کمزوری دکھائی۔ نہ بے صبری اور غیر مستقل مزاجی کا اظہار کیا بہادری اور صبر سے مار کھائی۔ بار بار کھائی لیکن اس مار کھانے میں بھی یہ شان قائم رکھی کہ دشمن کو رو در رو جتلا دیا کہ ایک وقت ہمارا بھی آئے گا اگر تمہارا طرزِ عمل یہی رہا تو پھر ایک روز بڑا اور کھلا مقتل ضرور قائم ہو گا جس میں انسانوں کی گردنیں کٹیں گی۔ چنانچہ آپ نے اور آپؐ کے ساتھیوں نے ہر مجلس میں ڈٹ کر بات کی۔ ہر بے اصول پیش کش کو پاؤں سے ٹھکرا دیا۔ ہر تشدد کا پورے صبر و استقلال سے جواب دیا اور ساتھیوں کو بھی بتا دیا کہ ایک روز زمانہ بدلے گا اور دنیا اسلام کے لیے فتح ہو گی پھر جب وہ موقع طاقتور کے قافلے پر حملے کی تیاری کر لی اور جب قافلے کی بجائے لشکر سامنے آیا تو اس کو بھی للکارا اور بالآخر تائید خداوندی کی مدد سے میدان میں اسے پچھاڑا۔ غرض حضورؐ کی نفاذِ نظام کی ساری جدّوجہد خالص مسلح اور جوابی قوّت کی مثبت جدوجہد ہے۔ وہ کفر کے ساتھ مسلح کشمکش ہے پھر جب میدان میں دو قوتیں ڈٹ کر لڑتی ہیں تو ایک کو لازماً فتح حاصل ہوتی ہے۔ اسی وقت تقاضائے اصلح کا قانون کام کرتا ہے۔

غرض اسلامی انقلاب کے لیے اسوۂ حسنہ اور طریق نبوت تو دعوت کے بعد ہجرت اور ہجرت کے بعد جہاد ہی ہے اور جہاد میں وہ فیصلہ کن مرحلہ ہے جس کے بعد کافر کی مہلتِ عمر ختم ہو جاتی ہے اس لیے اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے مسنون طریقہ جہاد اور جنگ ہے البتہ دوسرے طریقے بھی اجتہادی طور پر اختیار کیے جا

سکتے ہیں۔ ملک وملت اور حالات کے تقاضوں کی روشنی میں ہی طریق کار متعین ہوگا لیکن اس طریق کار کے پیچھے حضورؐ کی جرأت، شجاعت، فراست اور باطل سے جانبازانہ کشمکش کی روح ضرور قائم رہے گی۔ حضورؐ نے انقلاب اسلامی کے لیے یہی اسوہ پیش فرمایا ہے۔ ساری تدبیروں میں سب سے بڑی تدبیر باطل کو حق کی قوت سے سرنگوں کرنے کا کام ہی ہے۔

دشمن کا استیصال اور گوریلہ تدابیر:

حضورؐ ایک عملی قائد تھے اور آپ نے اسلامی انقلاب کے راستہ کی ساری رکاوٹیں اللہ کی مدد کے ساتھ اپنی فراست اور تدبر سے دور کیں۔ کعب بن اشرف یہودی جو اسلام کے خلاف سازشوں کا سرغنہ اور اس کا گھر سازشوں کا اڈہ تھا اسے حضورؐ نے دو انصاری صحابہ کے ذریعے قتل کروا دیا وہ شخص آپ کے قتل کی سازشیں کرتا رہتا تھا اور دو بار ناکام کوشش کر چکا تھا۔ معاہدہ امن کے باوجود وہ دشمنوں سے ملا ہوا تھا اور انہیں مسلمانوں کی ساری خبریں پہنچاتا رہتا تھا۔ حضور کے اہل بیت کی اپنے اشعار میں توہین کرتا اور مجالس میں بیہودہ گوئی کرتا تھا۔ وہ اسلام کے خلاف زہریلے ناگ کی طرح مسلسل زہر ٹپکاتا رہتا تھا۔ حضورؐ نے اس ناگ کو مروا دیا بلاشبہ آپ کو وحی کا اشارہ ملتا تھا لیکن وحی خود بھی طریق انقلاب طے کرنے کا ہی ذریعہ تھا۔ آپؐ نے کبھی کوئی کام منشاء خداوندی کے خلاف نہیں کیا تھا۔

اسلام کے کارواں کے راستے کا ایسا روڑہ جو تنہا پورے دشمن کا کام کرے جو اپنی پوری ہستی سے ثابت کرے کہ اس کی حیثیت سانپ سے بھی بدتر ہے اور اس میں اصلاح کی صلاحیت کلیتہً مفقود ہو چکی ہے اسے راستے میں سے ہٹا دینے کی تدبیر بلاشبہ بہت غور طلب ہے اگرچہ یہ تدبیر پوری مدت انقلاب میں بس ایک ہی بار استعمال ہوئی ہے۔ جس سے اس کی احتیاط کا اندازہ بھی کیا

Marfat.com

جاسکتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ تدبیر بھی آخری چارہ کار کے طور پر حضورؐ نے اپنی اسلامی جدّوجہد میں استعمال کی ہے۔ گویا خالص اور صرف اسلام کی خاطر کسی بدترین عہد فراموش کافر کے خلاف ایسی تدبیر کی گنجائش موجود ہے۔

خطرے کا بروقت نوٹس لینا:

کسی تحریک کے رہنما کی انتہائی بیدار مغزی کا یہ ثبوت ہوتا ہے کہ وہ تحریک کے اندر یا باہر تحریک کے لیے منڈلانے والے خطرات کا بروقت نوٹس لے سکے اور اس کے نقصانات کا آغاز ہونے سے پہلے ان کا تدارک کر سکے۔

اگر تحریک کے اندر یا باہر کوئی خطرہ پیدا ہو اور غفلت یا کم اندیشی سے اس کا بروقت نوٹس نہ لیا جائے تو بعض اوقات معمولی سا خطرہ بھی پہاڑ بن کر تحریک کے پورے وجود کو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ اس لیے چوکنے پہریدار کی طرح تحریک کے رہنما کا کام خطروں کو جاننا، پہچاننا اور ان کا بروقت نوٹس لینا بھی ہوتا ہے۔ تحریک کے اندر کی نزاعات ہوں تو انہیں بروقت دور کرنا اور تحریک کے باہر سے اس کے وجود کو خطرہ ہو تو اس کے چیلنج کو بروقت قبول کر کے اس کو زائل کرنا بروقت رہنمائی کا ضروری حصہ ہوتا ہے۔

جنگِ خندق میں یہودی قبیلہ بنی قریظہ جو مسلمانوں کا معاہد تھا اچانک معاہدے سے پھر گیا اور اس سے پہلے کہ وہ مدینہ کے اندر سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ حضورؐ کو اس کا علم ہو گیا۔ چنانچہ آپؐ نے انصار کے بڑے سرداروں کو تحقیقِ حال کے لیے روانہ کیا۔ یہودیوں نے صاف کہہ دیا کہ ہمارے اور محمدؐ کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے اس سے اہلِ مدینہ میں اضطراب پھیل گیا، لیکن اس موقعہ پر ایک طرف آپؐ کی یہ تدبیر کام آگئی کہ نعیمؓ بن مسعود نو مسلم کے سیاسی مذاکرات سے بنو قریظہ اور قریش و یہود کے متحدہ محاذ کے درمیان پھوٹ پڑ گئی اور دوسری طرف

Marfat.com

جیسے ہی خندق کا محاصرہ ختم ہوا آپؐ نے اپنی اوّلین فرصت میں انہیں بندھے اور سجے سجائے ہتھیاروں کے ساتھ بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا چنانچہ انہیں دو تین ہفتوں کے محاصرے کے بعد ہی مکمل طور پر مدینہ میں سے اکھاڑ دیا گیا۔ اس طرح مدینہ کا اندرونی محاذ یہود کی ریشہ دانیوں سے کلیتہً محفوظ ہو گیا۔ یوں خطرے کا بروقت نوٹس لینے سے وہ خطرہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ورنہ وہ بڑھ کر جان لیوا بھی ہو سکتا تھا۔

اسی طرح حدیبیہ میں آپؐ نے بروقت فیصلہ اور اقدام کر کے اسلام کی فتح کے راستے کھول دیے۔ بدر میں آپؐ نے قافلہ کو ترک کر کے میدانِ جنگ سے نپٹنے کا فیصلہ کر کے کفار کی کمر پر زبردست کاری ضرب لگائی۔ غزوۂ خندق میں آپؐ نے خندق کھدوا کر کافروں کو حیران و پریشان اور بے بس کر دیا۔ منافقین نے جو بظاہر مسلمان تھے اور صحابہ میں شامل دکھائی دیتے تھے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے ایک مسجد تعمیر کی اور اس کا افتتاح کرنے کے لیے آپؐ سے درخواست کی لیکن اشارۂ وحی سے منافقین کی سازشوں کا حال معلوم ہونے پر آپؐ نے بلا تاخیر اس مسجدِ ضرار کو جلا کر مسمار کر دینے کا حکم دے دیا تاکہ منافقوں کو پھر ایسی جرأت نہ ہو۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ملی کہ بعض منافقین سویلم یہودی کے گھر میں جمع ہو کر لوگوں کو آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں جانے سے روک رہے ہیں تو آپؐ نے فی الفور علیؓ بن عبید اللہ کو حکم دے کر بھیجا اور انہوں نے سویلم یہودی کا مکان نذرِ آتش کر کے ایسی سازشوں کا برسر موقعہ قلع قمع کر دیا۔ اس کاروائی سے سارے منافقین منتشر ہو گئے۔

یہودی قبیلے بنو نضیر نے، جب آپؐ ان کے پاس گئے تھے، آپؐ پر پتھر گرا کر قتل کر دینے کی سازش کی۔ یہ بات آپؐ کے علم میں آ گئی۔ آپؐ نے فی الفور محاصرہ

Marfat.com

کر کے انہیں شہر چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا۔ اس طرح مدینہ کا ایک حصّہ یہودیوں کے سازشی وجود سے پاک ہو گیا۔ غرض ہمیشہ حضورؐ کے بروقت اقدامات سے اسلام کی فتوحات کے لیے دروازے کھلتے چلے گئے۔

معاہداتِ صلح کے ذریعے قبائل کو حلیف اور غیر جانبدار بنانا :

حضورؐ اس امر پر ہمیشہ تدبیر و حکمت کے ساتھ کاربند رہے کہ دشمنوں میں سے زیادہ سے زیادہ تعداد کو غیر جانبدار بنایا جائے۔ پھر غیر جانبدار قبائل میں سے زیادہ سے زیادہ کو اپنا حلیف بنایا جائے تاکہ مخالف قوت کم سے کم میدان میں باقی رہ جائے اور جو قوت میدان میں موجود بھی ہو اس کو بھی باری باری سے مزاحمت اور مخالفت کے لیے میدان میں آنے کا موقعہ ملے۔ قبائل کو حلیف یا غیر جانبدار بنانے کے لیے آپ کی طرف سے بالعموم مندرجہ ذیل شرائط ہوتی تھیں :

۱۔ انہیں ان کے جان و مال کی امان دی جاتی ہے۔

۲۔ ان کو ہر ایسے دشمن کے خلاف مدد دی جائے گی جو ان پر ظلم کرے یا ان سے جنگ کرے۔

۳۔ ان کے خانہ بدوشوں کو بھی جو جنگ سے اجتناب کریں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بستیوں میں رہنے والوں کو حاصل ہیں۔

۴۔ اور مدد تو اللہ ہی سے چاہی جاتی ہے [۱]

یہ شرائط اپنے اندر ایسی عمومیت اور قبولیت عامہ رکھتی تھیں کہ کسی کو ان کی بنیاد پر حلیف یا غیر جانبدار رہنے میں اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ قبائل اسے اپنی ایک بڑی قوت سے وابستگی کا ذریعہ سمجھ کر قبول کر لیتے اور تحریک کا داعی اس کے ذریعے آہستہ آہستہ منتشر قبائلی قوت کو مخالفت کے مقام سے سمیٹ کر موافقت

---

[۱] رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی ۲۴۹ از ڈاکٹر حمید اللہ۔

Marfat.com

کے حصار میں لاتا چلا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ان معاہدات کے ذریعے عرب میں سے عام زابیت طوائف الملوکی اور انتشار بھی ختم ہو جاتا تھا اور ملک منظم، معاہد اور متحد قوت کے زیر نگیں جمع ہوتا چلا جاتا تھا۔ اس طرح ایک مہذب ریاست کا قیام ممکن ہو گیا۔ حضورؐ نے اس نوعیت کے معاہدات بے شمار کیے۔ جن کا ذکر تاریخوں میں ملتا ہے۔ جہینہ، بنی ضمرہ، بنو مدلج، بنو غفار، بنی مزینہ اشجع، بنو عامر، بنو خزاعہ، بنو اسلم، جذام، قضاعہ، عذرہ اور ایسے ہی بیسیوں قبائل اور ان کی شاخیں ایسے معاہدات میں شامل ہوتے چلے گئے جس سے قریش خود بخود بتدریج اسلامی قوت کے سامنے یک و تنہا رہ گئے۔ یہی معاہدے تبلیغ و تلقین و اشاعتِ اسلام کا ذریعہ بنے اور یہی معاہدے قوت و اجتماع و اعتماد و غلبہ کا سبب بنتے۔

جب حضورؐ نے مکاتیب کے ذریعے اسلامی دعوت عرب سے باہر پہنچائی اور متعدد بادشاہ اور حکمران مطیع اور مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد اسلام قبول کرنے والے عرب قبائل کا تانتا لگ گیا۔ اور مدینہ میں ایمان لانے کے لیے پہنچنے والے وفود کی لڑی بندھ گئی۔ جن میں دوس، صداء، ثقیف، عبدالقیس، بنی حنیفہ، طے، اشعرین، ازد، خرد، جذامی، ہمدان، طارق بن عبداللہ، تجیب، بنی سعد، ہذیم، بنو اسد، عاذرا، خولان، محارب، غسان، بنی الحارث، بنی عیش، نامد، بنی خزارہ، سامان، نجران، نخع وغیرہ یہ سارے قبائل اسلام کی دعوت قبول کرنے کے لیے خود حاضر ہوتے چلے گئے۔[1]

انہیں معاہدات کا نتیجہ تھا کہ جب آخری طور پر قریش کو ہر طرف سے بے بس کر کے حضورؐ نے فتح مکہ کے لیے اقدام کیا تو آپؐ کی فوج میں دس ہزار سے زائد لشکری

[1] رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ۔

موجود تھے جن میں بہت سے عرب قبائل شامل تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ فوج مدینے کی اس وقت کی آبادی سے دگنی سے بھی کچھ زائد تھی۔

چیلنج کو جرأت و مردانگی سے قبول کرنا:

حضورؐ کی حکمتِ سیاست میں شجاعت و بہادری اور جرأت و فداکاری کا ایک ایسا حیران کن عنصر موجود ہے جو بے مثل ہے اس عنصر نے آپؐ کی کامیابیوں کو زیادہ مؤثر تر اور حقیقی کامیابیاں بنا دیا ہے۔ غزوۂ اُحد میں ابوسفیان نے میدان مار لیا۔ اگرچہ اس وقت وہ اسی بات پر اکتفا کر گیا کہ مسلمانوں کو ہرا دیا ہے۔ اس مختصر اور اُدھوری سی فتح کو بچانے اور اس غیر متوقع کامیابی کی بوکھلاہٹ میں وہ یکایک مکہ کی طرف پلٹ گیا لیکن جاتے ہوئے یہ چیلنج دے گیا کہ اگلے سال انہیں دنوں میں بدر کے مقام پر مقابلہ ہوگا۔ گویا اس کا مطلب یہ تھا کہ اب ہم بدر کا بدلہ بھی برسرِ موقعہ ہی لیں گے۔ فاتح کا یہ چیلنج ظاہر ہے کہ بڑے رُعب و داب اور سرِ پر غرور کا چیلنج تھا۔ حضورؐ نے بھی شدید زخمی حالت میں مسلمانوں کی منتشر قوت کے باوجود علی الاعلان اس چیلنج کو قبول کیا اور ابوسفیان کو اطلاع دے دی کہ مسلمان اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں۔

پھر پورا سال گزر گیا اور چیلنج کے مقابلے کے وہ دن آ گئے۔

مسلمانوں کو جنگِ اُحد نے سخت مجروح کر دیا تھا۔ بہت سے قیمتی صحابہ شہید ہو گئے تھے۔ شکست کے نتیجے میں آس پاس کے قبائل بھی شیر ہو گئے تھے۔ گھر کے یہودی بھی کھلی کھلی دشمنی پر تل گئے تھے۔ مسلمانوں کا بدر کا قائم کردہ رعب و داب بھی ختم ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں جب آس پاس کے قبائل مخالف ہوں۔ یہودی مخاصم ہوں۔ تیاری ناکافی ہو کسی چیلنج کو قبول کرنا بڑے دل گردے کی بات تھی لیکن آپؐ نے ابوسفیان کے چیلنج کے مطابق بدر کے مقام پر جا کر قریش کا مقابلہ کر

Marfat.com

کا فیصلہ کر لیا اور جہاد کا اعلان کر دیا۔

ابوسفیان اب مقابلے میں آنے سے گھبرا رہا تھا۔ اس نے مدینہ میں افواہ پھیلائی کہ قریش زبردست تیاری کے ساتھ آرہے ہیں۔ اس مقابلے پر نہ جانا ہی بہتر ہے بعض صحابہ کی بھی یہی رائے محسوس ہوتی تھی۔ لیکن حضورؐ کے انقلابی مزاج کے یہ بات بالکل منافی تھی۔ آپؐ نے صاف صاف اعلان فرما دیا کہ ہم قریش کے مقابلے کے لیے بدر کے مقام پر ضرور جائیں گے البتہ آپؐ نے حکم دیا کہ چونکہ وہاں انہیں دنوں بڑا میلہ لگتا ہے اس لیے لوگ تجارتی سامان بھی اپنے ہمراہ لے لیں چنانچہ آپؐ بدر کے مقام پر وعدے کے مطابق پہنچ گئے۔ لیکن ابوسفیان کو مقابلہ کی ہمت نہ ہو سکی۔ وہ مرالظہران کے مقام پر پہنچ کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا:

"اس مرتبہ خشک سالی اور قحط بہت زیادہ ہے۔ جانوروں کے لیے چارے اور پانی کی شدید کمی ہے اس لیے مناسب ہے کہ ہم اس سال یہ مہم ملتوی کر دیں۔"

چنانچہ راستے میں سے ہی وہ اپنا لشکر لے کر واپس چلا گیا۔ حضورؐ نے بدر میں آٹھ دن قیام فرمایا۔ سارے عرب نے آپؐ کا یہ منظرِ جرأت اور ابوسفیان کا وہ فرارِ بزدلی اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مسلمان وہاں آٹھ دن تک ٹھہرے۔ چیلنج والوں کا انتظار کیا۔ میلے سے فائدہ اٹھا کر خوب تجارت کی اور جدال و قتال کیے بغیر واپس مدینے آ گئے۔ حضورؐ کی اس جرأتِ مقابلہ نے سارے عرب کو آپ کی شجاعت و بہادری اور وعدہ وفائی سے مسحور و مرعوب کر دیا۔

دعوتی قوت اور سیاسی دباؤ کا استعمال:

صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین کے نام کثرت سے دعوتی مکاتیب جاری کیے جن میں سے تاریخ نے اب تک دو ڈھائی

سو مکاتیب تو محفوظ کیے ہیں۔ ؎ ظاہر ہے کہ وہ مکاتیب جو سردارانِ قبائل چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے سلاطین اور بڑے بڑے بادشاہوں کے نام جاری کیے گئے ہوں گے ان کی تعداد کسی صورت بھی سینکڑوں سے کم نہ ہوگی۔ یہ مکاتیب عرب سے باہر بھی گئے اور غیر عرب لوگوں نے بھی ان مکاتیب کے ذریعے دعوتِ اسلامی کو قبول کر کے اسلام کی اطاعت اختیار کی۔ دعوت کے اس رُخ کو عربوں نے اپنی تاریخ میں پہلی بار دیکھا تھا کہ غیر عرب لوگ بھی ایک عربی رسول اور سردار کے حلقۂ اطاعت و ارادت میں داخل ہو رہے تھے۔ مالِ غنیمت خراج، اور اموال زکوٰۃ و صدقات پر چہار طرف سے اسلامی عربی دارالسلطنت کی طرف اُمنڈے چلے آ رہے تھے۔ یہ منظر ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا جب ان کے سامنے یہ دعوت اول بار پیش کی گئی تھی، اور انھوں نے اس کی مزاحمت کا آغاز کیا تھا۔ وہ اسے عرب کے اندر ایک نئی سرداری قائم کرنے کا کام سمجھتے تھے اور بعض اسے عرب کے اندر اپنی نبوت منوا کر اپنے کچھ عربی پیروکار بنانے کا خیال جانتے تھے۔ لیکن یہ بات تو ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھی کہ یہ دعوت صرف ان کے لیے نہ تھی بلکہ اس کے اندر پوری دنیا کو خطاب کرنے اور مسخر کرنے کی قوت بھی موجود تھی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اس دعوت کی قوتِ تسخیر نے ان بہت سے سلاطین کو بھی اپنا مطیع و منقاد بنا لیا تھا جن سلاطین کے درباروں میں وہ بڑے ادب و احترام سے جایا کرتے تھے۔ ان میں سے کئی ایک انتہائی ذوق و شوق سے رسولِ عربیؐ کے حلقہ بگوش ہو رہے تھے۔

عربوں کے لیے دعوت کا یہ رخ کشش و تسخیر کی زبردست قوت رکھتا تھا۔ جب حضورؐ کے دعوتی مکاتیب پر مختلف سرداروں اور سلاطین نے اسلام قبول کرنا شروع کیا تو اس کے نتیجے میں عربوں کے اندر بھی اسلام قبول کرنے کی تحریک ایک زبردست

؎ رسولِ کرمؐ کی سیاسی زندگی ص ۔ از ڈاکٹر حمید اللہ

Marfat.com

ردِ بن کر اُبھری ۔ یہ صورتحال ان کے لیے سیاسی دباؤ کی حیثیت بھی رکھتی تھی کہ سلاطین نے بھی اس دعوتِ اسلامی کو قبول کر لیا تھا ۔ ان کے نزدیک اس دعوت کی حقانیت کی یہ بہت بڑی دلیل تھی ۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس عالمگیر دعوت کے علمبرداری اہلِ عرب کے ہاتھ میں تھی جو دعوت عرب کے بعد اب عجم کے لالہ زار دل کو بھی مسخر کر رہی تھی ۔ وہ چاہتے تھے کہ اسلامی دعوت کی فتوحات کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں رہے اور اس کی مرکزیت بھی عرب ہی میں قائم رہے ۔ غرض عالمگیر دعوت کے آغاز نے عربوں کو دعوت کی طرف بڑی قوت سے کھینچا اس لیے کہ وہ اس دعوت کے فطری علمبردار اور امام تھے ۔

ساتھیوں کے ساتھ مشفقانہ سلوک :

حضورؐ نے جب دعوتِ اسلامی کا آغاز کیا تو جس نے بھی اس دعوت کو ایک بار قبول کر لیا اور آپ کا دامن تھام لیا پھر وہ آپ کا دامن چھوڑ کر اور کہیں نہیں گیا ۔ آنے والوں میں سے ہر شخص نے دکھ درد، تکالیف، مصائب سب کچھ برداشت کیا ۔ لیکن آپ سے جدائی کبھی قبول نہ کی ۔ یہ حال اگر مردوں کا تھا تو یہی حال عورتوں کا بھی تھا ۔ ابوجہل کے نیزے سے سمیہؓ نے شہادت قبول کر لی لیکن اسلام کا دامن نہ چھوڑا اس کی وجہ یہ ہے کہ قیادت کی بہترین ممکن صفات جو تصور میں آسکتی ہیں وہ آپ کی ذات میں پوری طرح موجود تھیں ۔ ہر جاں نثار یہی سمجھتا تھا کہ حضورؐ کو جس قدر اس سے محبت ہے شاید ہی کسی دوسرے سے ہو ۔ دکھی، مصیبت زدہ، گنہگار، خطاکار، پریشان حال، گھر سے نکالے ہوئے، ہر قسم کے ساتھی آتے تھے اور حضورؐ کے دامن میں پناہ حاصل کرتے تھے وہیں بات کہ ؎

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

Marfat.com

خوشئے دلنوازی آپ کا وہ خلقی معجزہ تھا کہ جان کا دشمن یمامہ کا سردار ثمامہ بن اثال بھی دو دن ٹھہر کر کہتا تھا کہ اب مجھے آپ سے زیادہ دنیا میں کسی سے محبت نہیں ہے، ہندۂ جگر خوار نے بھی یہی کہا تھا کہ مجھے آپ کے خیمے سے زیادہ مغبوض کوئی خیمہ نہ تھا اور اب آپ کے خیمے سے زیادہ کوئی محبوب خیمہ بھی نہیں ہے۔ آپؐ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو معاف کر دیا جنھوں نے اجتماعی راز فاش کر دیا تھا۔ آپؐ نے خاتونِ غامدیہ تک کو بار بار پردہ پوشی کی تلقین کی۔ انتہا یہ ہے کہ آپ نے عبداللہ بن اُبی کو جو رئیس المنافقین تھا آخر دم تک معاف کیے رکھا اور اس کی ہر زیادتی کو نظر انداز کر دیا۔ اس خیال سے کہ لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے ہی ساتھیوں سے بدسلوکی کرتا ہے۔ عبداللہ بن اُبی سے آپ کا سلوک حیرت انگیز وسعتِ ظرف کا ثبوت ہے یہاں تک کہ جب وہ مرا تو اس کے لیے اپنی چادر کفن کی خاطر دے دی۔ اس کے جنازے میں شرکت کے لیے اور اس پر ستر سے زائد بار دعائے مغفرت کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

حضورؐ نے ایک خاتون کو اپنے بچے کے ساتھ آگ کے پاس کھڑی دیکھ کر صحابہ سے فرمایا تھا: ''کیا یہ ماں اپنے اس بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے'' تو صحابہ نے عرض کیا ''نہیں''۔ اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس ماں سے بھی زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے'' بلاشبہ اللہ تعالیٰ ماں سے بھی زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے لیکن حضورؐ بھی محبوب ترین بڑے بھائی کی طرح اپنے ایک ایک ساتھی پر بے حد شفیق اور مہربان تھے اور اس کی خطاؤں کی طرف سے صرفِ نظر کرتے تھے۔ ایک عورت نے کہا ''یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ ماں سے بھی زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے'' تو حضورؐ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ماں سے بھی زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس پر اس عورت نے کہا ''یا رسول اللہ پھر ماں تو اپنے بچے کو کبھی

Marfat.com

آگ میں ڈالنا پسند نہیں کرتی"۔ اس عورت کی یہ بات سن کر حضورؐ زار و قطار رونے لگ گئے تھے۔ اس لیے کہ وہ بھی اپنی امت کے لیے ایسے ہی مہربان تھے۔ جیسے ماں اپنے بچوں پر ہوتی ہے۔ حضور کی اس شفقت کا خود قرآن نے بھی ذکر کیا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ	اے پیغمبر، یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان
لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا	کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ
مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ	اگر کہیں تم تند خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب
لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ۔	تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے
	قصور معاف کر دو، ان کے حق میں دعائے مغفرت
(آل عمران ۱۵۹)	کرو اور ان کو دین کے کام میں شریکِ مشورہ کرو۔

غرض حضورؐ کی شفقت، محبت، نرمی، رحمت اور اپنے ساتھیوں سے مہربانی کا یہ عالم تھا کہ آپ ایک ایک ساتھی کے بارے میں پوچھا کرتے تھے پھر جو چند دن بھی نظر سے اوجھل ہوتا تو اس کے بارے میں خصوصاً پوچھتے اگر بیماری کا پتہ چلتا تو خود اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ آپؐ لوگوں کے ذاتی اور شخصی مسائل میں پوری پوری دلچسپی لیتے تھے ان کے دکھ درد اور خوشیوں میں برابر شریک ہوتے اور ان کے ساتھ ایک خاندان کے افراد کی طرح رہتے تھے۔ آپؐ نے کبھی کسی کو یہ احساس نہ ہونے دیا کہ اس کے ساتھ بے نیازی اور نظر اندازی کا سوتیلا سلوک ہو رہا تھا۔ آپ کی اس محبت بھری رحیم و کریم شخصیت کا اثر تھا کہ آپؐ کے ساتھی بھی آپ پر جان نچھاور کرتے اور آپ کی رہنمائی میں سر ہتھیلیوں پہ لیے پھرتے تھے۔ آپؐ کا رویہ کسی ایک رفیق کے ساتھ بھی سخت گیری خشکی، پیچیدگی، بے پروائی، بے نیازی، نظر اندازی اور ذلت و حقارت کا رویہ نہ تھا۔ آپؐ سب کے ساتھ محبت و شفقت کا

مساوی سلوک کرتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ گلی کے بچوں تک سے آپ انتہائی شفقت اور بے تکلفی سے پیش آتے تھے آپؐ ان کے ساتھ بھی ان کی دلچسپی کی باتیں کرتے اور انہیں سلام کہہ کر گزرتے تھے۔

آپؐ کی یہی وہ شخصیت تھی جو اپنے اندر قیادت کی بلند پایہ صفت رکھتی تھی۔ انسانوں کے ساتھ معاملہ ان کی نفسیات کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے اور لوگ باہمی جلد کشیدہ خاطر ہو جایا کرتے ہیں لیکن حضورؐ کی تعلیمات، شخصیت اور کردار کی کچھ ایسی نوعیت تھی کہ آپ کی ذات میں رحمت، شفقت اور محبت ہی مرکوز تھی۔ اپنے ساتھیوں کے لیے آپؐ کے اندر ان صفاتِ حمیدہ کے سوا کوئی سختی نہ تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ ہمیں اتنے ہدیے ارسال کیا کرتے تھے کہ ہم آپ کے ہی ارسال کردہ ہدیوں میں سے پھر آپ کے پاس ہدیۃً بھیج دیا کرتے تھے۔ اپنے ساتھیوں کے لیے اس سے بڑی نعمت اور رحمت کی گواہی اور کیا ہو سکتی ہے۔ آپؐ کی کامیاب سیاسی جدوجہد میں آپ کے ساتھیوں کی جان نثارانہ اور فداکارانہ معاونت کا بہت بڑا دخل ہے۔

فتح مکہ پر دشمنوں کے ساتھ آپؐ کا بلند پایہ اخلاقی سلوک:

پوری انسانی تاریخ میں اتنی عظیم فتح پر جو اکیس سال کی طویل جان لیوا اور جانگسل کشمکش کے بعد حاصل ہوئی ہو، حضورؐ کا انتہائی پُرامن طریقے پر خون بہائے بغیر شہر میں داخل ہونا، قتل و غارت سے اسلامی فوج کو بالکل منع کر دینا، ایک صحابی کی زبان سے اتنی سی بات نکل جانے پر کہ آج انتقام کا دن ہے ان کے ہاتھ سے جھنڈا لے کر ان کے لڑکے کو دے دینا، پورے شہر کی اس طرح ناکہ بندی کرنا اور فوج کو پھیلا کر اس طرح شہر کے ہر دروازے سے داخل ہونا کہ کسی کو مزاحمت کی ہمت نہ پڑے اور کوئی قتل و خون نہ ہونے پائے۔ حیرت انگیز رحمدلی کا مظاہرہ ہے جبکہ دنیا کے فاتحین

خون بہائے بغیر داخل ہونا اپنے رعب و داب کے منافی سمجھتے ہیں۔ مکہ میں داخل ہوتے ہوئے ایک جگہ خالدؓ بن ولید کے دستے سے شہریوں کی معمولی مزاحمت سے چند جانوں کے نقصان پر آپؐ نے انتہائی افسوس کا اظہار کیا اور اسے تقدیر کا فیصلہ قرار دیا۔ یہ طرزِ عمل اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ حضورؐ جس شہر سے نکالے گئے تھے، جس شہر میں حضورؐ کے قتل کے منصوبے بنے تھے جس شہر میں قدم قدم پر کانٹے بچھائے، کوڑے برسائے اور مظالم ڈہائے گئے تھے، جس شہر میں گلے میں کپڑا ڈال کر آپ کو گھسیٹا گیا تھا اور جس شہر میں آپ کی گردن پر اوجھ ڈالی گئی تھی اس شہر میں حضورؐ ایک قطرۂ خون کا گرانا بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم رحمۃ اللعالمین کی یہ شان انسانی ادراک کی پہنچ سے بالاتر رحمت کاملہ کی حامل شان ہے۔

بڑے بڑے جان کے لاگو دشمن مفتوح ہو کر سامنے آئے تو حضورؐ نے ان سے فرمایا: میں تمہارے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو یوسف نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا:

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ "جاؤ آج تم سے کسی شے کا کوئی محاسبہ ..... نہیں ہے۔"

پھر حضور اکرمؐ نے سب کے سامنے تقریر فرمائی:

"اے گروہِ قریش، خدا نے تمہاری جاہلانہ نخوت اور آباؤ اجداد پر اترانے کا غرور آج ختم کر دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔ پھر فرمایا اچھا جاؤ تم سب آزاد ہو اور تم پر آج کوئی مواخذہ نہیں ہے۔"

پھر غزوہ حنین سے جس قدر بے پناہ مالِ غنیمت ہاتھ آیا وہ سب مکہ کے انہیں نومسلم طلقاء کے درمیان تقسیم کر دیا۔ حد یہ ہے کہ اس میں سے اپنے مدینے کے

Marfat.com

لشکر میں بھی کچھ تقسیم نہ کیا اور سارے کا سارا مال ان لوگوں میں بانٹ دیا جو ابھی کل ایمان لائے تھے اور جن کی تلواروں سے اب تک مسلمانوں کے خون کی سرخی نہ گئی تھی۔ یہ تالیفِ قلب کا کمال درجے کا نمونہ تھا۔ حضورؐ کے اس طرزِ عمل نے سارے عرب کو ایک طرف حیران کر دیا تو دوسری طرف اطمینان دلا دیا کہ مدینہ سے اُبھرنے والی نئی قوّت کوئی خونخوار فاتح قوّت نہیں بلکہ وہ ایک فیاض اور رحیم و کریم قوّت تھی۔ اس سے کسی شریف حلیف کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ رحمت ہی رحمت تھی اور اس کے ساتھ مل کر رہنے میں زندگی ہی زندگی تھی۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد حضورؐ کے اس رحم دلانہ طرزِ عمل سے سارے عرب کے دل اسلام کے لیے کھل گئے اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

ساتھیوں کی دلجوئی:

فتح مکہ کے بعد فوراً ہی غزوۂ ہوازن پیش آیا جس میں مکہ کے نومسلم نوجوانوں کا بھی ایک خاصا لشکر شریک ہوا۔ ہوازن کی مہم سے زبردست مالِ غنیمت ہاتھ آیا، چونکہ وہ اپنے سارے مال و متاع بکریاں مال واسباب لے کر میدانِ جنگ میں آئے تھے۔ حضورؐ نے وہ سارا مالِ غنیمت مکہ کے نومسلم طلقاء میں بانٹ دیا اور اس میں سے اپنے مدینے کے ساتھیوں کو کچھ نہ دیا۔ اس پر انصار کے گروہ میں گلے شکوہ کی فضا پیدا ہوئی۔ اور کچھ چہ میگوئیاں بھی ہوئیں۔ بعض کو یہ تک خدشہ ہوا کہ فتح مکہ کے بعد شاید اب حضورؐ اپنی قوم کے پاس مکہ میں ہی رہ جائیں گے اور مدینہ واپس نہ جائیں گے۔ ان باتوں سے وہ دل گرفتہ ہو گئے۔ یہ چرچا حضورؐ تک بھی پہنچا تو آپ نے ایک خیمہ نصب کر کے گروہِ انصار کو بلا کر ان سے دریافت فرمایا۔ انصار نے عرض کیا" یا رسول اللہ۔ ہمارے سربر آوردہ لوگوں میں سے کسی نے کچھ نہیں کہا البتہ کچھ نوخیز نوجوانوں نے ایسی باتیں ضرور کی ہیں اور آپ نے جو سُنا ہے وہ صحیح ہے۔ اس کی تصدیق

Marfat.com

کے بعد آپؐ نے ایک تقریر فرمائی :

"اے گروہ انصار، کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعے تم کو ہدایت دی، تم منتشر اور پراگندہ تھے۔ آپ نے میرے ذریعے سے تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعے تم کو دولت مند کیا" حضورؐ فرماتے جاتے تھے اور انصار ہر فقرے پر یہ بات کہے جاتے تھے کہ :

"ہم پر خدا اور اس کے رسولؐ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے"

پھر یکایک آپؐ نے پلٹ کر فرمایا :

"نہیں، تم یہ جواب دو کہ اے محمدؐ تم کو جب سب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی، تجھ کو جب سب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے تمہیں پناہ دی، تم ہمارے پاس مفلس آئے تھے ہم نے ہر طرح تیری مدد کی۔ تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو"

حضورؐ کی اس بات پر انصار کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ رونے لگے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا۔

"اے گروہِ انصار، کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھر جاؤ"

بس اس بات پر تو انصار کی چیخیں ہی نکل گئیں۔ اکثر کا یہ حال تھا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئی تھیں۔ پھر آپؐ نے ان کو سمجھا دیا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں میں نے ان کو ان کے حق کی بنا پر نہیں بلکہ صرف ان کی تالیفِ قلب کے لیے اتنا کچھ دیا ہے۔ اس بات پر سب مطمئن ہو گئے۔ سارے گلے شکوے دور ہو گئے۔ سب کے

Marfat.com

ایمان ہزاروں گنا زیادہ بڑھ گئے۔ اور انصار کے چہروں پر وہ رونق آگئی جو پھر کسی دوسرے کے چہرے پر نہیں تھی۔

یوں حضورؐ نے اپنی شانِ دلربائی سے اپنے روٹھنے والے ساتھیوں کا دل ایک حکمتِ تقریر سے موہ لیا۔ اب وہ آپؐ کے پہلے سے بھی زیادہ گرویدہ اور جان نثار ہو گئے۔

مردم شناسی اور قیادت کے لیے ایک مؤثر گروہ کی تیاری :

حضورؐ نے اسلامی تحریک کو جو زمان و مکان کے حدود پھلانگ کر قیامت تک کے لیے سارے عالم کی ہدایت کے لیے اٹھی تھی مناسب اور موثر قیادت فراہم کرنے کا بھی اہتمام فرمایا۔ حضورؐ نے اس کام کو یونہی ہوا کے رُخ پر یا گزرنے والے وقت کے حوالے نہیں کر دیا کہ از خود جو کچھ ہونا ہے وہ ہو جائے گا۔ اور کوئی مردے از غیب نمودار ہو کر تحریک کی باگ ڈور تھام لے گا اور اس کی مستقبل کی منازل تک اس کی رہنمائی کرتا رہے گا بلکہ اوّل روز سے آپؐ نے اس تحریک کی مؤثر اور اجتماعی قیادت کی تشکیل کا اہتمام فرمایا۔ یہی وہ زبردست دوراندیشی تھی جس کے نتیجے میں اسلام کی دعوت قرنوں بعد بھی آج نکھری ہوئی صورت میں دنیا کے سامنے موجود ہے اگرچہ وہ سیاسی نظامِ مملکت اس صورت میں بعد کے دور میں قائم نہ رہا۔ عربوں کی سابقہ خاندانی چپقلش خصوصاً بنو امیہ کی خاندانی عصبیت اور ان کا حد سے بڑھا ہوا خاندانی احساسِ وجاہت اسلامی نظام کے معیاری وجود میں رکاوٹ بن گیا۔ اس کے باوجود حضورؐ نے جن اصولی، نظریاتی اور مضبوط دعوتی بنیادوں پر نظامِ اسلام کو کھڑا کر دیا تھا وہ صدیوں تک اپنے اس موقف سے اکھاڑا نہ جا سکا۔

حضورؐ نے اسلامی نظامِ مملکت کو قائم کرنے اور دعوتِ اسلامی کی تحریک کو فعال بنانے کے لیے اپنے ساتھ ہی ساتھ ایک موثر قیادت بھی تیار فرمائی جس کیلئے

Marfat.com

آپ نے مختلف تدابیر اختیار فرمائیں۔

★ حضرت ابوبکرؓ صدیق حضورؐ کے ہر اہم معاملے میں ہمیشہ شریک، مشیر اور رفاقت مقام رہے۔ وہ اوّلین مسلمانوں میں سے تھے۔ اوّل روز سے جان و مال سے اسلامی تحریک کے لیے قربانیاں دیتے چلے آرہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نکاح کر کے ان سارے تعلقات کو قریب تر اور مضبوط تر کر دیا۔ آپؐ نے ان کے مناقب میں فراخدلی سے ارشادات فرمائے اور آپ کی تحریکی خدمت کی کثرت سے تعریف فرمائی۔ قرآن نے بھی اس کی تصدیق کی۔

★ حضرت عمرؓ فاروق کے اندر جوہرِ قیادت دیکھ کر حضورؐ نے ان کے اسلام کے لیے دعا کی۔ ان کو اپنے سارے مشوروں میں شریک رکھا۔ ان کے اکثر مشوروں کے مطابق قرآن کی آیات نازل ہوئیں۔ جس سے آپؐ کی اصابتِ رائے اور زیادہ مستحکم ہوئی۔ آپؐ نے مشکل اوقات میں اسلام کی زبردست خدمت سرانجام دی۔ آپؐ نے اس تعلق کو اُن کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ سے نکاح کر کے اور مضبوط کر دیا۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کی مختلف مواقع پر تعریف فرمائی۔ اور ان کے متعدد مناقب بیان فرمائے۔ اس سے وہ صحابہ کرامؓ میں ایک ٹھوس مقام کے حامل بن گئے۔

★ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونو اوّل روز سے حضورؐ کے زیرِ تربیت رہے۔ حضرت عثمانؓ نے اسلام کے لیے مال کی اور حضرت علیؓ نے جان ہتھیلی پر رکھ کر بے مثال قربانیاں پیش کیں۔ حضورؐ نے ان دونو کو اپنے داماد بنا کر اس رشتہ کو اور مستحکم کر دیا اور ان کے مناقب میں ارشادات فرمائے۔

اس طرح حضورؐ نے اپنے بے شمار ساتھیوں سے مشورے لے لے کر انہیں

Marfat.com

مختلف غزوات میں اپنا قائمقام بناکر یا ان کو کسی غزوہ میں جھنڈا دے کر یا کسی لشکر کا امیر بناکر یا ان کی خدماتؓ کے بارے میں کلماتِ تحسین فرماکر یہ بتادیا کہ یہ لوگ تحریک کے مقام رہنمائی پر فائز تھے اور ان پر اسلامی مملکت کو چلانے کی ذمہ داری ڈالی جاسکتی تھی۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ صدیق ہی تھے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک ہی دن میں پے در پے متعددؓ مسائل کو حل کیا یہ ان کی صلاحیتِ خلافت کے عظیم نشانات ہیں۔

★ حضورؐ کا انتقال ہوا تو سب پریشان تھے۔ حضرت عمرؓ تو تلوار لیے پھرتے تھے کہ جس نے کہا کہ حضورؐ کا انتقال ہوگیا وہ اس کی گردن اُڑا دیں گے۔ لیکن جب حضرت ابوبکرؓ صدیق تشریف لائے تو انہوں نے اطمینان سے جاکر حضورؐ کو دیکھا آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ آپ کی موت کی گواہی دی۔ پھر سکون سے مسجد نبوی میں جاکر خطبہ دیا اور کہا کہ جو محمدؐ کو پوجتا تھا تو ان کا تو انتقال ہوگیا ہے۔ البتہ جو خدا کا پرستار ہے تو خدا حی و قیوم ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ان کے اس ارشاد سے ان کی آنکھیں کھل گئیں۔

★ پھر ثقیفہ بنو ساعدہ میں خلافت کا مسئلہ پیدا ہوا۔ وہاں حضرت ابوبکرؓ صدیق نے ہی حضور کا ارشاد قریش کی امامت کے بارے میں سُناکر قضیہ کا فیصلہ کیا۔

★ پھر حضورؐ کے دفن کا مسئلہ آیا تو حضرت ابوبکرؓ صدیق نے ہی یہ بتاکر کہ نبی جہاں فوت ہوتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں۔ وہ نزاع ختم کی جو بہت سخت تھی۔

★ پھر وراثت کی تقسیم کا مسئلہ اٹھا تو حضرت ابوبکرؓ صدیق نے ہی یہ بتاکر کہ انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی، مسئلے کا تصفیہ کیا غرض حضرت ابوبکرؓ صدیق جن کو حضورؐ

نے اپنی جگہ نماز کے لیے آگے کیا تھا انہوں نے حضورؐ کی غیر موجودگی کے پہلے ہی دن میں بار بار اپنی صلاحیت اور اہلیت کو ثابت کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حضورؐ نے اپنے بعد اسلام کی خدمت کرنے کے لیے انسانوں کی ایک بے نظیر کھیپ تیار کی۔ جو ہر صلاحیت اور ہر خوبی سے مزیّن تھی۔ تاریخ عالم میں اور کوئی رہنما اپنے ساتھ ایسی عمدہ، اعلیٰ اور ارفع انسانی کھیپ تیار نہ کر سکا۔ صرف خلفائے راشدینؓ کو ہی لے لیا جائے تو انسان ان کی قوتوں، صلاحیتوں، قربانیوں اور خدا ترسیوں کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ اور یہ سارا بہترین انسانی سرمایہ حضورؐ کا تیار کردہ تھا۔ آپؐ نے اسلامی تحریک کے اندر جو طریقِ تربیت ایک مؤثر قیادت تیار کرنے کے لیے اختیار فرمایا وہ طریقِ تربیت جہاں اور جس درجے میں بھی کہیں بروئے کار لایا گیا وہاں درخشاں سیرت کے انسان نمودار ہوتے چلے گئے۔

درحقیقت سب تحریکیں اعلیٰ صلاحیتوں کے بے شمار افراد کے ذریعے ہی کام کرتی ہیں اور اعلیٰ صلاحیتوں کے افراد تیار نہ ہونے کے نتیجے میں بکھر جاتی ہیں تاریخ اس بات پر ہر روز گواہی دیتی ہے کہ حضور اکرمؐ نے اپنے زورِ کردار و حکمتِ تربیت سے انسانوں کی ایک ایسی کھیپ تیار کی جو دنیا کی رہنمائی کے لیے بے نظیر تھی۔ جس سے برتر اور بہتر انسانوں کے کسی گروہ کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

عصبیّتوں کو بھڑکانے سے اجتناب:

حضورؐ انسانیت کے نبض شناس رہنما تھے۔ آپ ہمیشہ اس بات کا پورا اہتمام رکھتے تھے کہ انسانوں کے اندر پوشیدہ نفسیاتی بیماریاں اور کمزوریاں، قیادت کی کسی بے احتیاطی کے سبب اس طرح اُبھر نہ آئیں جو تحریک اور دعوتِ اسلامی کے لیے فائدے کی بجائے اُلٹا نقصان کا سبب بن جائیں۔ آپ نے جہاں ایک طرف اس نوعیت کی تمام لسانی، نسلی اور علاقائی عصبیتوں کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا

Marfat.com

وہاں ایسی عصبیتوں کے بھڑکنے کے ہر موقعہ سے سختی سے اجتناب کیا۔

ایک غزوہ میں گھوڑوں کو پانی پلاتے ہوئے دو افراد مہاجر اور انصاری کے درمیان نوک جھونک ہو گئی جس کے نتیجے میں دونوں نے اپنے اپنے ساتھیوں کو اے گروہ "انصار" اور اے گروہ "مہاجرین" کہہ کر پکارنا شروع کیا۔ جیسے ہی یہ آواز آپؐ کے کان میں پڑی آپ فوراً اپنے خیمے سے باہر تشریف لے آئے اور سختی سے اس پکار کی مذمت کی اور فرمایا:

"میری موجودگی میں یہ جاہلیت کی پکار تم کیسے لگا رہے ہو۔"

اسی طرح ایک موقعہ پر یہودیوں کے بھڑکانے سے اوس و خزرج کے قبائل میں قبیلوں کی پرانی عداوت کا جذبہ بھڑک اٹھا تو حضورؐ نے اسے سختی سے دبا دیا۔ غرض ایک اصولی اور نظریاتی عالمگیرانہ تحریک کے لیے نسل و وطن و قوم کی پرستش کی پکار جاہلیت کی پکار ہوتی ہے اور آپؐ ان ساری عصبیتوں کو مٹانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ حضورؐ کمالِ حکمت سے ایسی ہر عصبیت کے بھڑک اٹھنے سے سخت اجتناب کرتے تھے اور خود بھی کوئی کاروائی ایسی نہ کرتے تھے جس سے کسی کی کوئی عصبیت بھڑک اٹھے۔

فتح مکہ کے بعد سارے بت گرا دیے گئے اور بیت اللہ شریف خالص اللہ کی عبادت کے لیے وقف ہو گیا لیکن حضورؐ نے خود عمارتِ کعبہ کے بارے میں کوئی کاروائی نہ کی۔ اس وقت کعبہ کی عمارت وہ تھی جو حضورؐ کی بعثت سے صرف پانچ سال پہلے قریش نے تعمیر کی تھی اور جس میں حجرِ اسود نصب کرنے کی نزاع کا خود حضورؐ نے ہی فیصلہ کیا تھا۔ اس تعمیر کے وقت قریش نے سامان اور روپے کی کمی کے سبب عمارت کا طول کچھ کم کر دیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد حضور اکرمؐ نے اپنا یہ منشاء تو ظاہر فرما دیا کہ عمارت کا بنائے ابراہیمیؑ پر تعمیر ہونا ہی بہتر تھا لیکن اس خیال کے پیشِ نظر کہ

Marfat.com

قوم ابھی تازہ نومسلم تھی۔ عمارت کو جوں، توں چھوڑ دیا اس لیے کہ ابھی وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے عمارت کی تعمیر کے لیے مال در بدلی دی تھی۔ ان پر عمارت کا انہدام شاق گزر سکتا تھا۔ حضورؐ نے حکمت و نفسیات کے پیشِ نظر ان کی دلدہی کی دیوار کو مضبوط کرنے کے لیے اینٹ پتھر کی عمارت کا اہتمام کرنے سے اجتناب فرمایا تاکہ کوئی شخص انہدامِ عمارتِ بیت اللہ سے کسی عصبیت میں مبتلا نہ ہونے پائے۔

زندگی کے ہر پہلو میں سادگی کا خصوصی اہتمام :

حضورؐ نے اسلامی زندگی کے ہر پہلو میں بطور خاص سادگی کا اہتمام فرمایا عبادت کے لیے مرکزِ اسلام مسجدِ نبوی تعمیر کی تو وہ اتنی سادہ بنائی کہ چھت پر کھجور کی شاخوں کا چھپر، مٹی کی دیواریں، کھجور کے تنوں کے ستون اور منبر کے ساتھ سہارے کے لیے کھجور کا ہی ایک تنا گاڑا گیا جبکہ قیصر و کسریٰ کے محلات اس وقت بھی آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہیں اس وقت بھی اعلیٰ درجے کی تعمیر شدہ تھیں۔ خود بیت المقدس میں حضرت سلیمانؑ کی تعمیر کردہ مسجد ایک عظیم الشان عمارت تھی۔ لیکن حضورؐ نے یہ سارے سامان موجود ہوتے ہوئے بھی ہر معاملے میں سادگی کا ہی اہتمام فرمایا اور ہر شے میں صرف رضائے الٰہی کے حصول کو ہی ملحوظ رکھا۔

حضورؐ نے اپنے لیے مسجد کے ساتھ جو کمرے بنوائے وہ بھی کچے، کھجوروں کے چھپروں والے، کھجوروں کے تنوں کے ستونوں والے، نہایت معمولی اور اتنے چھوٹے چھوٹے بنائے کہ نماز پڑھتے ہوئے کمرے کے دوسرے مکین کو سجدہ کے لیے پاؤں سمیٹنے پڑتے بوریہ پر بستر لگا ہوا۔ بستر میں بھی صرف کھجور کی چٹائی جو جسم پر اپنے نقوش چھوڑے، ایک دفعہ کسی ام المومنین نے کپڑا دوہرا کر کے حضورؐ کے آرام کی خاطر چٹائی پر بچھا دیا تو آپ کو ذرا گہری نیند آگئی۔ جاگنے پر آپؐ نے فرمایا:

"میرے لیے ایسا بستر نہ بناؤ، مجھ کو اُن آرام دہ بستروں سے کیا کام"۔
حضرت عمرؓ نے تقاضا کیا کہ قیصر و کسریٰ تو عیش کریں اور آپؐ کے جسم پر بوریے اور چٹائی کے نشان ہوں تو آپؐ نے فرمایا:

"ابن خطابؓ، میں تو اس سوار کی مانند ہوں جو کسی چھاؤں میں تھوڑی دیر دم لیتا ہے اور پھر اپنی منزل کی طرف چلا جاتا ہے"۔

یہ سادگی رہائش میں ہی نہیں لباس میں بھی تھی، معمولی سوتی لباس جو دُھلا ہوا اور صاف کیا ہوا ہوتا تھا، کئی کئی جوڑے بنا کر رکھنا آپؐ پسند نہ فرماتے تھے۔ آپؐ نے یہی صفات صحابہ کرامؓ کے اندر بھی پیدا فرمانے کا اہتمام کیا۔

ایک انصاری نے دو منزلہ مکان کی ڈیوڑھی بنائی تو آپؐ اس سے ناراض ہو گئے یہاں تک کہ اس نے وہ ڈیوڑھی گرا دی۔ یہی معاملہ خوراک کا تھا، سادہ ترین خوراک، کھجور اور پانی، کھجور اور بکری کا دودھ، روٹی اور شوربہ، روٹی اور سبزی، گوشت اور روٹی، غرض دسترخوان کو نعمت ہائے رنگارنگ کی نمائش گاہ بنانا آپؐ کو ہرگز پسند نہ تھا۔ مکان میں سادگی، رہائش میں سادگی، لباس میں سادگی، خوراک میں سادگی، بات چیت میں بے تکلف محبت اور بے پناہ اپنائیت، آپؐ کی شخصیت اور عوام کے درمیان کوئی پردے حائل نہ تھے۔ نہ پردے کھڑکیوں پر تھے۔ نہ دیواروں پر تھے اور نہ شخصیت اور انسانوں کے درمیان پردے تھے۔ سادگی، تندا پرستی، نیک، مخلص، مستعد، بہادر، مدبّر، دیانتدار اور جرّی شخصیت۔ حضورؐ کی یہی سادگی دوستوں اور اجنبیوں میں احساسِ اپنائیت پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی تھی اور حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت بلالؓ جیسے ساتھی کسی احساسِ کمتری میں مبتلا نہیں ہوتے تھے اور نہ مالدار صحابہ حضورؐ کی اس سادگی کے بعد کسی قسم کے احساسِ برتری کا شکار ہو سکتے تھے۔ معاشرے میں مساوات کا رنگ غالب رکھنے کے لیے حضورؐ کی یہ سادگی زبردست نفسیاتی درمعاشرتی

حکمت پر مبنی تھی۔ وہاں کوئی معیار زندگی کی دوڑ نہ تھی صرف معیارِ اخلاق کی مسابقت تھی اور اس معیار کو بلند کرنے کے لیے کسی مال و دولت کی ضرورت نہ تھی۔ اس طرح حضورؐ نے مساواتِ انسانیت کی ایک فضا اپنے اس طرزِ عمل سے پورے معاشرے میں بنا دی تھی چنانچہ جب حضورؐ نے فرمایا کہ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے تو یہ بات سب لوگوں کو سمجھ میں آتی تھی۔ یہ الفاظ نہیں تھے کردار تھا۔

حضورؐ کی زندگی کا ہر گوشہ سادگی کا نمونہ تھا، یہ سادگی ایک انقلاب آفرین سادگی تھی اس سادگی میں سارے صحابہؓ کے لیے ایک اسوۂ حسنہ بھی پوشیدہ تھا چنانچہ حضورؐ کے صحابہؓ بھی اپنی روزمرّہ زندگی میں سادہ طرزِ عمل کے ہی حامل تھے۔ اسی سادگی کے سبب وہ فاتح تھے اور جب یہی سادگی مسلمانوں میں سے ختم ہوئی اور مسلمانوں کے دسترخوان انواع و اقسام کی نعمتوں کی نمائش گاہیں اور ان کے پیٹ حیواناتِ آبی و برّی دہوائی کے قبرستان بنے تو پھر مسلمان خود ساری دنیا کی قوموں کے لیے دسترخوان بن گئے۔

عزم مصمم کے حامل اور متوکل:

حضور اکرمؐ کی طبیعت میں تذبذب کا نام و نشان بھی موجود نہ تھا، آپ عزمِ مصمم کے حامل تھے، حضورؐ کی طبیعت کا یہی رُخ آپ کو فیصلہ کرنے میں مدد دیتا اور پھر اقدام کرنے میں قوت پہنچاتا تھا۔ حضورؐ کی یہ صفت قرآن پاک نے بھی بیان کی:۔

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۔	پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو ہوجائے تو اللہ پر بھروسہ کرو اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔
(آل عمران:۱۵۹)	

حضورؐ کی ساری جدوجہد میں اللہ پر توکل کر کے بڑے بڑے اقدامات کرنے کا رنگ صاف دکھائی دیتا ہے۔

Marfat.com

جنگِ اُحد کے موقعہ پر یہ بحث چھڑی کہ جنگ شہر کے اندر رہ کر لڑی جائے یا باہر میدان میں جاکر، تو نوجوان صحابہؓ کی رائے باہر نکل کر اور عمر رسیدہ سنجیدہ حضرات کی رائے شہر میں رہ کر لڑنے کی تھی۔ خود حضورؐ کی رائے بھی یہی تھی کہ یہ جنگ شہر کے اندر رہ کر لڑی جائے۔ لیکن بدر میں شرکت سے محروم پُرجوش نوجوان باہر جاکر لڑنے پر ضد کر رہے تھے یہاں تک کہ حضورؐ مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ آپؐ کے جانے کے بعد سب نے سوچا کہ آپ کو ان کی رائے کے خلاف مجبور کرنا مناسب نہیں ہے چنانچہ جب آپؐ ہتھیار بند ہوکر باہر تشریف لائے تو اکثر صحابہؓ نے یہ اصرار کیا کہ آپ اپنی رائے کے مطابق عمل فرمائیے لیکن آپؐ نے جواب دیا "نہیں اب جنگ باہر جاکر ہی ہوگی نبی جب ایک بار ہتھیار بند ہو جاتا ہے تو پھر میدانِ جنگ گرم کیے بغیر ہتھیار نہیں اتارتا" چنانچہ آپؐ نے جب ایک بار باہر جاکر جنگ کا ارادہ فرمالیا تو پھر آپؐ اس ارادے پر قائم رہے۔

آپ غور و فکر کرتے، مشورے حاصل کرنے اور مسائل کا فیصلہ کرنے کے بعد ہی ان پر عمل درآمد فرماتے تھے لیکن آپ نے کبھی نفع و نقصان کے میزانیے لگاکر اور فائدے کے تمام امکانات کے جائزے اور نقصان کے تمام امکانات کے تخمینے لگاکر فیصلے نہیں کیے۔ حضورؐ اس قسم کے حساب دان نہیں تھے جو صرف حساب لگاتے ہیں اور کوئی فیصلہ نہیں کرتے بلکہ حضورؐ فہم و دانش، سوچ و بچار اور مشورے اور مذاکرے کے بعد ایک بار جو فیصلہ کر لیتے تھے پھر اس پر یکسوئی کے ساتھ عمل فرماتے تھے۔ آپ کو یہ بات بالکل پسند نہ تھی کہ بار بار فیصلے بدلے جائیں اور بار بار نفع و نقصان کے تخمینے لگائے جائیں۔ حضورؐ ایک عملی مدبر تھے اور تدبیر کا کام مکمل کر لینے کے بعد عمل کا حصہ بے دریغ و بلا تذبذب سرانجام دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی ساری جدّ و جہد میں آپ کہیں بھی کسی بات پر پریشان ہوتے، پچھتاتے یا یوں نہ ہو جائے یا یوں کیا ہوتا تو یہ ہوتا جیسے احساسات میں مبتلا نظر نہیں آتے۔ آپؐ فہم و بصیرت سے فیصلے کرتے اور

پھر یکسوئی اور توجہ سے ان فیصلوں پر عمل پیرا ہوتے تھے پھر اس عمل کے جو نتائج بھی برآمد ہوتے۔ آپ ان نتائج کو قدرت کا فیصلہ سمجھ کر بطیبِ خاطر قبول کرتے تھے۔

آپ کو یہ اطمینان حاصل تھا کہ انسان اپنے فہم سے بڑھ کر مستقبل کو مزید آگے نہیں دیکھ سکتا۔ غیب اس سے پوشیدہ ہے۔ جو جدّ و جہد کا نتیجہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے عین مطابق ہے اور سارے اعمال اگر اللہ تعالےٰ پر توکل اور بھروسہ کے ساتھ کیے جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہنمائی بھی فرماتا ہے اور ان کی دستگیری بھی کرتا ہے۔

عالمگیر دعوت کا منشورِ انسانیت:

حضورؐ جس دعوت کے علمبردار تھے وہ تمام عالمِ انسانیت کے لیے دعوت تھی۔ اس کا کوئی رنگ نہ تھا سوائے صبغۃ اللہ کے۔ اس کی کوئی جہت نہ تھی سوائے لوجہہ اللہ کے۔ وہ آدم کی ساری ہی اولاد کے لیے دعوتِ فلاح و نجات تھی۔ اور قیامت تک کے لیے تھی۔ سارے انسانوں کی بہتری اسی دعوت کے قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے سے وابستہ تھی۔ چنانچہ ۹ ذی الحج ۱۰ ھ کو جمعہ کے دن آپ نے میدانِ عرفات میں جہاں ساری دنیا کے دینداروں کی مؤثر نمائندگی تھی اور جس سے بڑی عالمگیر اسمبلی کا اجلاس دنیا کے کسی خطے میں کہیں بھی منعقد نہیں ہوتا آپ نے پورے عالمِ انسانیت کے لیے جو منشور پیش فرمایا اس کی ہر دفعہ انسانوں کے بوجھ اتارنے والی اور انہیں اخوتِ انسانی کی لڑی میں پرونے والی تھی۔ اس منشور نے اس دعوت کو زندہ و پائندہ، رواں دواں اور عالمگیر بنا دیا۔

اس اجلاس کے واسطے سے آپ نے پوری انسانیت کو قیامت تک کے لیے جو خطاب کیا وہ درج ذیل ہے:[1]

۱۔ ساری تعریف اللہ تعالےٰ کے لیے ہے اور ہم اسی کی حمد کرتے ہیں۔ اسی سے مدد

[1] رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی ص۳۴۳ ڈاکٹر حمید اللہ۔

جانتے ہیں۔ اسی سے معافی مانگتے ہیں۔ اسی کے سامنے توبہ کرتے ہیں اور ہم اسی کے پاس اپنے نفس کی برائیوں اور اعمال کی خرابیوں سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی بھٹکا نہیں سکتا اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ نہیں دکھا سکتا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے۔

۲۔ اے اللہ کے بندو، میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی تاکید کرتا اور اس کی اطاعت پر مضبوطی سے قائم ہونے کی نصیحت کرتا ہوں۔ میں اسی بات سے ابتدا کرتا ہوں جو سراسر بھلائی ہے۔

۳۔ اے لوگو سنو، میں تمہیں بتاتا ہوں کہ شاید اس سال کے بعد میں اس جگہ تم سے پھر نہ مل سکوں۔

۴۔ لوگو، تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبرو میں تمہارے لیے ایک دوسرے پر قیامت تک کے لیے حرام ہیں اور ایسے ہی حرام ومحترم جیسے تمہارا یہ آج کا دن یہ مہینہ اور یہ شہر حرمت والا ہے۔ اے لوگو گواہی دو کہ کیا میں نے تمہیں پیغام پہنچا دیا۔ (لوگوں کی آوازیں آئیں تو پھر آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر فرمایا اے اللہ تو بھی گواہ رہنا)۔

۵۔ لوگو، جس کے پاس کوئی امانت ہو تو وہ اس کو ادا کرے جس نے اس کے پاس امانت رکھوائی ہو۔

۶۔ خبردار، سود حرام ہے اور جاہلیت کا سود ختم کیا جاتا ہے البتہ تمہارے لیے راس المال پر حق ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ کوئی سود نہ رہنے پائے اور پہلا سود جس کے ساقط کرنے سے میں اس کی ابتدا کرتا ہوں وہ میرے اپنے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب کا سود ہے۔

Marfat.com

۷۔ خبردار، جاہلیت کے خون ختم کیے جاتے ہیں اور پہلا خون جس سے میں اسے ساقط کرنے کی ابتدا کرتا ہوں وہ میرے چچازاد بھائی کے بیٹے عامر بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کا خون ہے۔

۸۔ خبردار جاہلیت کے تمام آثار و مناصب ساقط کیے جاتے ہیں بجز خانۂ کعبہ کی رکھوالی اور حجاج کو پانی پلانے کے۔

۹۔ قتلِ عمد پر قصاص ہے، مشابہ عمد وہ ہے جس میں لٹھ اور پتھر سے موت واقع ہو۔ اس میں سو اونٹ خون بہا ہیں جو اس میں زیادتی کا مطالبہ کرے تو وہ جاہلیت والا ہے اے لوگو کیا میں نے تم تک پہنچا دیا (آوازیں) آپ نے فرمایا اے اللہ تو بھی گواہ رہنا۔

پھر فرمایا:

۱۰۔ اے لوگو شیطان اس سے تو مایوس ہو گیا ہے کہ اب تمہاری اس سرزمین میں اس کی پوجا ہو لیکن وہ اس پر راضی ہے کہ اس کے سوا دیگر ایسی باتوں میں اس کی اطاعت کی جائے جن کو تم اپنے اعمال میں حقیر سمجھتے ہو۔ اس لیے اپنے دین کے متعلق اس (شیطان) سے محتاط رہو۔

۱۱۔ لوگو سال کے حرام مہینوں میں ادل بدل کفر میں ایک زیادتی ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ حرام کردہ چیز کو حلال کرتے ہیں آج زمانہ چکر لگا کر پھر اسی صورت میں آ گیا ہے جیسا کہ خدا کے زمینوں آسمانوں کو پیدا کرنے کا دن تھا۔ سال کے بارہ مہینے ہیں اور ان میں ذیقعد، ذی الحج، محرم اور رجب حرام مہینے ہیں...... کیا میں نے پہنچا دیا (آوازیں) اے اللہ تو گواہ رہنا۔

فرمایا:

۱۲۔ اے لوگو تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر کو کسی اور سے نہ روندوائیں اور تمہارے گھروں میں تمہاری اجازت کے بغیر کسی

Marfat.com

کو داخل نہ ہونے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم ان پر سختی کر سکتے ہو، اگر وہ اطاعت کریں تو ان کو دستور کے مطابق اچھا کھلاؤ اور پہناؤ۔ میں تمہیں عورتوں کے بارے میں بھلائی کی تاکید کرتا ہوں ان کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ہاں کیا میں نے پہنچا دیا (آوازیں) اے اللہ تو گواہ رہنا۔

فرمایا،

۱۳۔ لوگو، تمام مومن بھائی بھائی ہیں کسی شخص کے لیے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ اس کی خوشی سے لے۔

۱۴۔ لوگو، میرے بعد کافر نہ بن جانا، کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے، کہ اگر تم اسے تھامے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ کیا میں نے پہنچا دیا (آوازیں) اے اللہ تو گواہ رہنا۔

فرمایا:

۱۵۔ لوگو، تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ جاہلیت کی عصبیتیں آج میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ تم میں اللہ کے نزدیک مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے تقوے کے۔ کیا میں نے پہنچا دیا۔ اس پر لوگوں نے بہ آواز بلند گواہی دی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ حاضر کو چاہیئے کہ وہ غائب تک پہنچا دے۔

پھر فرمایا،

۱۶۔ اے لوگو اللہ نے ہر وارث کے لیے ورثے میں حصہ مقرر کر دیا ہے اب

کسی اور وصیت کی ضرورت نہیں بجز ایک تہائی کے۔ بچہ بستر کے مالک کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔ جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے یا اپنے مولا کے سوا کسی اور کو مولا بنائے، تو اللہ اور اس کے فرشتوں کی اس پر لعنت ہے۔ اس سے کوئی خرچ اور کوئی بدلہ قبول نہیں ہوگا۔[1]

یہ ہے وہ عظیم منشورِ انسانیت جو ملکوں، نسلوں، قبیلوں، رنگوں، زمانوں، اور قرنوں کی حدود پھاند کر پوری انسانیت کے سارے ادوار کو اپنی حدود میں سمیٹ لیتا ہے۔ جس کی دعوت عالمگیر ہے۔ جس کے اثرات بین الانسانی اور بین الاقوامی ہیں اور جو جاری ہونے کے بعد سے قیامت تک کے لیے ایک زندہ و تابندہ اور درخشاں ہدایت کا صحیفہ ہے۔ اس کے بعد انسانیت کو کسی مزید ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔ حضورؐ نے یہ منشور پیش فرما کر انسان کو ایک عالمی اسلامی ریاست کا شہری بنا دیا ہے۔

سیاست عبادت کی مانند پاکیزہ :

اس کے باوجود کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عظیم انقلاب برپا کیا جو تاریخ کا ایک منفرد کارنامہ ہے۔ اس جدّوجہد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوستوں اور دشمنوں سے، کینہ پرور مخالفین سے لے کر مکار اور دھوکے باز حلیفوں تک سے واسطہ پڑا۔ آپ معاہدات، جنگ و جدل اور مذاکرات کے مختلف سیاسی مراحل طے کرتے ہوئے ایک اسلامی ریاست کے سربراہِ مملکت تک بن گئے لیکن

---

[1] بخاری کے مطابق یہ خطبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھ کر حضرت ابوشاہ کو دیا گیا تھا۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی ص ۳۰۵۔

Marfat.com

آپ کی سیاست اتنی ہی پاک صاف ستھری پاکیزہ اور طاہر و مطہر تھی جیسے آپ کی نماز، روزے، حج اور دیگر عبادات پاکیزہ تھیں۔ اس لیے کہ آپؐ کی دونوں ہی چیزیں فی سبیل اللہ تھیں۔ سیاست بھی اور عبادت بھی۔ آپ اللہ ہی کی خاطر سارے امور سرانجام دیتے تھے۔

آپ نے بیسیوں وعدے کیے لیکن کبھی ایک بھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ آپ نے سینکڑوں معاہدے کیے لیکن کبھی ایک بار بھی معاہدہ شکنی نہیں کی۔ آپ نے بے شمار سیاسی مذاکرات کیے لیکن کبھی کسی سے دھوکہ دہی اور مکر و فن سے کام نہیں لیا۔ آپ نے دشمنوں کو پچھاڑا لیکن دھوکے سے نہیں ہمت، جرأت، قوت بازو اور تائید ایزدی سے پچھاڑا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیاسی زندگی سے دنیا کو یہ سبق دیا کہ ایمانداری صداقت اور امانتداری جس طرح انفرادی زندگی میں انسان کے لیے خوبی ہے اسی طرح اجتماعی اور سیاسی زندگی میں بھی انہیں چیزوں کا وزن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مظلومیت کا دور بھی گزارا اور ایک مملکت کے سربراہ کی حیثیت سے بھی بہت دن گزارے۔ دوستوں سے وعدے بھی کیے اور دشمنوں کی وعدہ شکنیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی کسی سے جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ آپؐ نے کبھی کسی کے ساتھ عہد کر کے اسے نہیں توڑا۔ آپؐ نے اپنی کسی بات کی غلط تاویل تک کرنا پسند نہ فرمایا۔ اپنے حلیفوں کا آپ نے نازک ترین حالات میں بھی ساتھ دیا۔ دشمنوں کے چیلنج کو مشکل ترین حالات میں بھی قبول کر کے اس کا سامنا کیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جان کے دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کیا بلکہ انصاف سے بھی آگے بڑھ کر ہمیشہ فیاضی اور احسان کا راستہ اختیار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاست کی اس کسوٹی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

سوا دنیا کا کوئی انسان بھی کھرا نہیں اترتا ہے۔ یہ حکمتِ سیاست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت کے واسطے سے ہی ملی تھی اور اللہ مالک الملک کی حفاظت اور پناہ بھی آپ کو حاصل تھی۔ ایسی جانگسل کشمکش میں ربع صدی تک مبتلا رہنا، فوجی اقدامات کرنا، دشمن کے شہر فتح کرنا، ہزاروں قیدیوں کا آنا جانا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا برسوں تک معمول رہا لیکن کوئی ایک واقعہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فوجیوں کے ذریعے کسی کی عزت پر دست درازی کا رونما نہیں ہوا۔ بے جا لوٹ مار نہیں ہوئی ظلم وتعدّی اور جبر وتشدّد نہیں ہوا۔ اس سے زیادہ پاکیزہ سیاست اور کسے کہا جا سکتا ہے۔ یہ سیاست اتنی ہی پاکیزہ ہے جتنی کوئی نماز پاکیزہ اور طیّب ہو سکتی ہے۔

آپؐ کی سیاسی جدّوجہد میں جو محکم اصول شروع سے آخر تک دکھائی دیتا ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ ایک مامور من اللہ انسان ہیں آپ اپنے مالک کا عائد کیا ہوا فریضہ احسن طریقے سے ادا کر رہے ہیں۔ چنانچہ جب وہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے تو آپؐ حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے مالک کو بار بار گواہ کر کے اپنے فرض کی ادائیگی کا اعلان کرتے ہیں۔ آپؐ کا دوسرا اصول توکل علی اللہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر متوکل اور صابر انسان پوری تاریخ میں کہیں کوئی نظر نہیں آتا۔ طائف کے بازاروں میں پاؤں زخمی ہونے اور بے ہوش ہونے کا مرحلہ بھی ہے اور فتح مکہ کا عظیم مظاہرۂ قوّت کا موقعہ بھی ہے لیکن آپؐ ہر مقام پر متوکل اور صابر ہیں۔ آپ کی تیسری خصوصیّت آپؐ کی بے نظیر جفاکشی اور جرأت وشجاعت ہے جو شیروں کو مات کرتی اور پہاڑوں کو تھرّاتی ہے۔ چاہے وہ اُحد کا میدان ہو یا ہوازن کا۔ آپؐ کا چوتھا اصول فتنہ وفساد اور قتل وغارت گری کے مقابلے میں امن و سلامتی کا قیام ہے۔ یہ خصوصیات ہمیں حضورؐ کی ساری جدّوجہد میں ہر مقام پر

دکھائی دیتی ہیں۔ آپ زیادہ سے زیادہ اتحاد کو قائم رکھتے، دشمنوں سے باری باری سے کہیں قوت اور کہیں دعوتِ اسلامی کے ذریعے دین کے راستے صاف کرتے دکھائی دیتے ہیں یہ عمل مسلسل ۸۔۹ سال تک جاری رہتا ہے یہاں تک کہ دشمن سب کے سب راستہ چھوڑ کر ہٹ جاتے ہیں اور بندوں اور خدا کے درمیان دعوتِ حق کا صراطِ مستقیم بے روک ٹوک اور بلا مزاحمت و مخالفت قائم ہو جاتا ہے۔

حضورؐ کے مشن کی کامیابی دنیا کی کامیابیوں میں سب سے بڑی مثالی کامیابی ہے اور حضورؐ کا راستہ ہی دین و سیاست اور دنیا و آخرت میں کامیابی کا مستند راستہ ہے۔

Marfat.com

فصل دہم

حکمتِ بندگی

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

جس انسان کی سب سے بڑی شان یہ ہو کہ وہ اللہ کا بندہ اس کا غلام اور پھر اس کا رسول بھی ہو اس کی ساری ہی حکمتوں کی راس الحکمت یہی ہے کہ وہ اپنے رب کا عظیم ترین اطیع ترین اور محبوب ترین بندہ ہے۔ جو زیادہ عبادت گزاری کی مشقت پر توجہ دلانے اور بخشے ہوئے ہونے کے سبب کچھ آرام کر لینے کے مشورے پر یعنی کہتا ہے کہ:

"کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں"

بے شک اس عظیم بندے کا حق ہے کہ وہ اپنے مالک کا شکر گزار ہو جس نے اس کے خلاف سارے لشکروں کو ہزیمت دی۔ جس نے اس کے سارے دشمنوں کو پامال کیا اور جس نے اس کی دعوت کا کلمہ بلند فرما دیا۔

Marfat.com

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ...... : اور تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا۔

اس بندے کی دعائیں بھی انقلابی کامیابیوں کی شاہ کلید ہیں۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) طائف کے معرکۂ صبر و رضا کو کامیابی سے طے کر کے آتے ہیں تو پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے اگر حکم ہو تو دونوں طرف کے پہاڑ ان طائف والوں کے اوپر اُلٹ دوں۔ آپ نے فرمایا:

"میں امید رکھتا ہوں کہ یہ نہیں تو اللہ ان کی اولادوں میں سے دینِ اسلام کے پیرو اور خدا کے مطیع فرمان بندے پیدا کرے گا۔"

اس دردناک دن میں جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کا سب سے مشکل دن قرار دیا تھا۔ آپؐ نے پورے درد کے ساتھ اپنے مالک سے اپنی مظلومانہ واپسی پر جو دعا کی وہ یہ تھی:

"خداوندا میں تیرے ہی حضور اپنی بے بسی اور بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی ناقدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین تو سارے ہی کمزوروں کا رب ہے اور میرا رب بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے، کیا کسی بیگانے کے حوالے جو مجھ سے درشتی کے ساتھ پیش آئے، یا کسی دشمن کے حوالے جو مجھ پر قابو پالے، اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کی پروا نہیں ہے۔ اگر تیری طرف سے عافیت مجھے نصیب ہو جائے تو اس میں میرے لیے زیادہ کشادگی ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے اس نور کی جو اندھیرے میں اُجالا اور دنیا و آخرت کے معاملات کو درست کرتا ہے۔ مجھے اس سے بچا لے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں

Marfat.com

تیرے عتاب کا مستحق ہو جاؤں ۔ میں تیری مرضی پر راضی ہوں یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے کوئی زور اور طاقت تیرے بغیر نہیں۔"

(ابن ہشام)

اس کے بعد جب نصرتیں نازل ہوئیں اور فتوحات کے دروازے کھلنے تو ہرطرف کامیابیاں، کامرانیاں اور یدخلون فی دین اللہ افواجا کا منظر دکھائی دینے لگا۔ لیکن اس وقت بھی اس خدا کے بندے کے فقر اور عجز کا وہی عالم تھا جو ہمیشہ تھا اور عمر بھر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دُعا ملاحظہ فرمایئے:

"یا اللہ تو مجھے میری جگہ پر دیکھ رہا ہے اور میرا کلام سُن رہا ہے۔ میرے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے۔ میری کوئی بات تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میرے مالک میں تو کانپنے والا اور ڈرنے والا ہوں۔ میں اپنی کمزوری کا اقرار و اعتراف کرتا ہوں۔ مالک میں تو فریادی اور پناہ کا طالب ہوں۔ تجھ سے مسکین بن کر سوال کرتا ہوں، گناہ گار و ذلیل کی طرح تیرے سامنے فریاد کناں ہوں، نابینا اور خوفزدہ کی طرح میں تجھے مدد کے لیے پکارتا ہوں۔ میری پکار اس شخص کی سی ہے جس کی گردن نیچی ہو، جس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں، جس کا جسم جُھک گیا ہو، اور جو اپنی ناک زمین پر رگڑ رہا ہو۔ اے میرے معبود مجھے محروم نہ رکھ۔ میرے ساتھ رافت اور رحم و کرم کا سلوک فرما۔ اے مالک تو سب سے بڑھ کر فریادرس ہے تو سب سے بڑھ کر جود و عطا کرنے والا ہے۔"

Marfat.com

عجز و بے چارگی کے اس کلام کو سن کر کون دنیا دار انسان یہ سوچ سکتا ہے کہ یہ اُس انسان کی اپنے مالک کے سامنے فریاد ہے جو لاکھوں انسانوں کی اطاعت و عقیدت کا مرکز ہے اور جس کی سلطنت لاکھوں مربع میل پر پھیلی ہوئی ہے۔

اس عجز و درماندگی پر آخر مالک الملک کی رحمت جوش میں کیوں نہ آتی اور وہ اپنے بندے کو اٹھا کر ساری دنیا کا تاجدار کیوں نہ بنا دیتا۔

فصلِ یازدہم ۱۱

تاریخِ انسانیت کا جامع ترین انقلاب

دنیا کے انقلابات کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برپا کردہ انقلاب کو دیکھا جائے تو منصف مزاج انسان یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس قدر جامع کلّی ہمہ گیر اور ظاہر و باطن میں غالب و نافذ حضورؐ کا نافذ کردہ انقلاب ہے اس کے مقابلے میں دوسرے انقلابات قطعاً نامکمل اور ادھورے ہیں۔ دوسرے انقلابات تو بس زیادہ سے زیادہ عارضی طور پر ایک گروہ کے ہاتھ سے دوسرے گروہ کے ہاتھ میں انتقالِ اقتدار کے عمل کا نام ہے۔

اگر کوئی انسان ۲۳ سال پہلے عرب سے باہر چلا گیا ہوتا اور ۲۳ سال بعد یکایک وہ مکہ مدینہ اور ان علاقوں میں لوٹتا جہاں حضورؐ نے انقلاب برپا فرمادیا تھا۔ تو اسے اپنی آنکھوں پر اعتماد کرنا مشکل ہو جاتا۔ اس کے لیے یہ باور کرنا دشوار ہو جاتا کہ وہ اسی علاقے اور انہیں لوگوں کے درمیان واپس آیا ہے جنہیں چھوڑ کر وہ گیا تھا اس مختصر سے عرصے میں جو زبردست تبدیلی فرد فرد کے اخلاق، اعمال، گفتار، رفتار، کردار اور معاملات میں آگئی تھی۔ اسے صرف معجزاتی قلبِ ماہیت ہی کہا جا سکتا ہے۔ عورتیں، مرد، بوڑھے، بچے، گلیاں، بازار، مجالس اور کاروبار ہر چیز ہی یکسر تبدیل ہو گئی تھی۔ ان کے لہجے ان کے معمولات ان کی دلچسپیاں ان کے ذوق د.

شوق اور مصر و نیابت بھی کچھ بدل گیا تھا۔ مسجد کے نام سے ایک نیا ادارہ وجود میں آگیا تھا جو ہر خطے اور ہر بستی میں موجود تھا اور جس میں لوگ علم دین حاصل کرتے تھے۔ خدا اور رسولؐ کی تعلیمات کے چرچے قرآت قرآن کی مجالس۔ علمی مشاغل کے مباحثے۔ جنگ و جدل کی بجائے جہاد فی سبیل اللہ کی باتیں۔ گپ بازی کی بجائے اوراد و وظائف، تضیعِ اوقات کے بجائے پانچ وقت کی نمازیں اور ان کے ساتھ وضو اور پاکیزہ مجالس کا اہتمام، جمعہ کو ہفتہ وار اجتماعات، اور ملکی اور ملی مسائل پر کھلے مباحثے۔ ناپ تول میں عدل، اوزان میں انصاف، باہمی انسانوں میں برابری اور مساوات، نہ نسل کا فخر اور نہ قبیلہ کا زعم۔ نہ زبان کی برتری کا دعوے اور نہ رنگ کی سفیدی کا غرور، سارے انسان خدا کی مخلوق، ساری خدائی خدا کا قبیلہ سارے انسان خدا کے بندے اور ان سب کا تنہا وہی ایک معبود جس کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں ہے۔

غلط بیانی اور جھوٹ کے بجائے ہر طرف صداقت شعاری کا سکہ رواں، وعدے کی پابندی، لین دین کا کھرا پن، خدا ترسی اور خدا خوفی کی کیفیت، نہ فحش باتیں اور نہ فحش کاری کے اڈے نہ بے پردگی اور نہ بے حیائی، نہ مجالس میں بیہودہ گوئی اور نہ ایران و توران کی بیہودہ داستانیں اور یاوہ گویاں، نہ باپ دادا پر فخر کے قصے اور نہ اپنی بڑائی کی ڈینگیں۔ سب سے بڑا نام صرف اللہ کا اور اس کے رسولؐ کے طریقے کی پیروی کا اہتمام ہی سب سے اعلیٰ طرزِ عمل قرار پایا۔

ہر طرف نظم و ضبط کا اہتمام، عدالتیں موجود لیکن جرائم نابود۔ اور اگر کسی سے کوئی خطا ہو جائے تو متعلقہ فریق سے معافی حاصل کرنے میں سبقت یا عدالت کے سامنے خود اعترافِ خطا۔ عدالتیں سب کے لیے مساوی، خلیفہ سے لے کر عام انسان تک سب برابر، کسی کے درمیان کوئی امتیاز موجود نہیں۔

دوکاندار خوفِ خدا سے لرزاں و ترساں، ناجائز نفع اندوزی کا تصور بھی غائب،

ناقص مال دینے کا سوال ہی نہیں۔ اگر کسی شئے کا نقص گاہک سے پوشیدہ رہ گیا تو اس کے گھر تک پہنچ کر نقص کی وضاحت اور اس کی نسبت سے قیمت میں کمی یا مال کی واپسی، بزرگوں میں شفقت اور تعلیم و تربیت کا جذبہ، چھوٹوں میں ادب و احترام اور نصیحت حاصل کرنے کا احساس۔ اجر مزدور سے زیادہ حساس کہ اس کا حق اس کے ذمے رہنے نہ پائے اور اجیر آجر سے زیادہ حساس کہ اُجرت کے مطابق کام سرانجام پا سکے۔ سپاہی جہاد فی سبیل اللہ کے جذبے سے سرشار اور اس کے لیے دین کی سربلندی کے لیے خدا کی راہ میں لڑنا دنیا و مافیہا کی نعمتوں سے بہتر۔ ہمسائے میں یہ احساس زندہ و بیدار کہ اس کا ہمسایہ بھوکا نہ سونے پائے اور اس کی وجہ سے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ غرض فرد فرد سر سے پاؤں تک اور ظاہر سے باطن تک اس طرح بدل گیا کہ جیسے پہلے انسانوں کی آبادی وہاں سے منتقل کر کے کوئی دوسری انسانی آبادی وہاں لا کر بسا دی گئی ہو۔ ہر انسان احساسِ ذمہ داری، خدا کے سامنے جوابدہی، حق شناسی اور ادائیگیٔ فرض سے سرشار اور پورا معاشرہ اسی کیفیت سے معمور۔

پوری جماعت اس اصول پر عمل پیرا کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ اور جماعت کا فرد فرد "اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً" کی تصویر، اپنی زندگی کے گوشے گوشے کا نگراں کہ وہ دین سے باہر رہنے نہ پائے۔ شراب کا حکم نازل ہوا تو چند گھنٹے کے اندر پوری مملکت میں ظاہر و باطن نافذ اور ساری سلطنت شراب سے ایسی پاک ہو جائے کہ پھر وفادار مسلمان کے لیے شراب کا تصور بھی نہ کیا جا سکے۔ پردہ کا حکم نازل ہو تو چند گھنٹے کے اندر اندر ہر ہر بالغ عورت مستور ہو جائے۔ نبی کی آواز سے بلند تر آواز کرنے کے نتیجے میں اعمال ضائع ہونے کا خطرہ یاد دلایا جائے تو بڑے بڑے بلند آواز صحابہؓ سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگیں اور جن کی فطری آواز بلند ہو وہ ڈریں کہ ہمارے

اعمال ضائع نہ ہو گئے ہوں۔ خلافت کے لیے جوڑ توڑ اور سازش تو دور کی بات ہے۔ ابوبکرؓ صدیق کو خلیفہ بنا ڈالا گیا تو وہ روتے تھے کہ کاش اس ذمہ داری کے مقابلے میں مَیں پرندہ ہوتا کہ آخرت میں امتِ محمدی کی جوابدہی مجھ پر نہ ہوتی۔ میں گھاس کا تنکا ہوتا کہ تنور میں جلایا جاتا اور خدا کے ہاں باز پرس سے بچ جاتا۔ خلیفہ کو پانی طلب کرنے پر کسی نے شہد پیش کر دیا تو اس بات پر رو پڑے کہ کہیں دنیا مجھ سے نہ لپٹ جائے۔ امیرالمومنین کو نفس کی بڑائی کا ڈر ہوا تو منبر پر چڑھ گئے اور کہا "عمرؓ وہی تو ہے جو اپنی خالہ کی بکریاں مکہ کی وادی میں چرایا کرتا تھا"۔ حضرت علیؓ ڈاڑھی ہاتھ میں لے کر رویا کرتے اور کہتے کہ "اے دنیا میں تجھے طلاق دے چکا، مجھ سے دور رہ، تیرا آغاز شیریں اور تیرا انجام حسرت و یاس ہے"۔

غرض وہ انقلاب جو ۲۳ سال میں برپا ہوا جس کے لیے حضور اکرمؐ نے ۸ سال کی مدت میں ۲۷ غزوات کیے گویا تقریباً ہر سال میں تین بار جہاد اور جس کے لیے حضورؐ نے اتنی سی مدت میں ۵۵ جہادی لشکر اپنے ساتھیوں کی سرکردگی میں روانہ کیے۔ جس انقلاب کے دوران حضورؐ ہر لمحہ مستعد اور تیار رہے، جس میں مدنی زندگی کی کشمکشِ جہاد میں ہر چند دن کے بعد ایک مہم لازماً درپیش رہی اور یہ ۸ سالہ زندگی پوری جنگی کیمپ کی سی زندگی بن کر گزری۔ اخلاق و اعمال و کردار کا، عادات و اطوار کا، ظاہر و باطن کا معمولاتِ زندگی اور پوری انسانی قلب ماہیت کا یہ انقلاب ایسی ہی زندگی میں رونما ہوا جس میں ۸ سال کے پورے عرصے میں ہر چھتیس دن کے بعد کسی نہ کسی دشمن کی طرف سے کوئی نہ کوئی جنگی مہم درپیش ہوتی تھی دن کو جنگی تیاریاں اور لشکروں کی روانگی اور راتوں کو چوکی پہرے اور مشورے ہوتے تھے ان حالات میں اللہ کی اس زمین پر حضور اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ کی خالص تائید اور نصرت سے ایسا ہمہ گیر انقلاب برپا کیا۔

انسان سوچتا ہے کہ جس ۸ سالہ مہاتی زندگی میں تقریباً ہر مہینے میں ایک جنگ درپیش ہوتی ہو اس میں خون خرابے اور تباہی و بربادی کا کیا حال ہو گیا ہو گا لیکن مورخین نے حضور اکرمؐ کے ساتھیوں اور فریق مخالف کے اس جنگی انقلاب کا افرادی نقصان کے لحاظ سے جو نقشہ پیش کیا ہے وہ یہ ہے

Marfat.com

یہ نقشہ ۸۲ جنگوں کے افرادی اتلاف پر مشتمل ہے۔

نام فریق	اسیر	زخمی	مقتول	کیفیت
مسلمان	۱۱	۱۲۷	۲۵۹	———
مخالف	۶۵۶۴	-	۷۵۹	مخالفین کے زخمی معلوم نہیں۔

گویا اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس حیرت انگیز اسلامی انقلاب میں کل انسان جو کام آئے وہ صرف ۹۱۸ ہیں۔ اور اگر ان مقتولین کو ۸۲ جنگوں پر تقسیم کیا جائے تو فی جنگ اوسط مقتولین کی تعداد ۲ء۱۱ نکلتی ہے۔ کون شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس سے بڑا غیر خونی انقلاب (BLOOD LESS REVOLUTION) بھی آج تک دنیا میں کبھی کوئی برپا ہوا ہے جس کے ذریعے انسان ظاہر و باطن میں بدل جائے۔ معاشرہ سر سے پا تک تبدیل ہو جائے اور اس کی قدریں تک بدل جائیں نظامِ مملکت اور نظامِ معیشت و سیاست سب کچھ بدل جائیں اور ۸۲ جنگوں میں صرف ۹۱۸ افراد کام آئیں۔ اس انقلاب نے انسانی تاریخ پر وہ خوشگوار اثر ڈالا ہے کہ پھر اس کے بعد ہی انسان سمجھ سکا ہے کہ وہ انسان ہے اور اشرف المخلوقات ہے اور زمین پر وہ ایک ذمہ دار مخلوق اور خدا کا خلیفہ ہے۔ اس کے بعد ہی انسان کو کائنات کی حقیقت سے آگاہی ہوئی ہے اور اس نے کائنات اور اس کی ماہیت اور اس کے مالہ و ماعلیہ پر غور کرنا اور اسرارِ فطرت کے انکشاف اور علوم طبیعی کے رموز کی طرف پیش قدمی شروع کی ہے۔ اس انقلاب کے ذریعے حضورؐ نے جو نظام قائم فرمایا اس کی برکات صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی انسانی سینوں میں گونجتی ہیں۔ اس کے دیئے ہوئے اخلاق، اس کا عطا کردہ تہذیب و تمدن، اس کی فراہم کردہ اخلاقی قدریں، انسان کے لیے اس کا دیا ہوا نظامِ زندگی فی الحقیقت ہلاکت خیز ہتھیاروں کی بہتات کے درمیان ابرِ رحمت کا سایہ ہے۔ یہ نظام لرزاں و ترساں انسانیت کے لیے واحد پناہ گاہ، انسانیت کے لیے فخر و مباحات کا واحد

Marfat.com

ذریعہ، انسان کا ذہن پر واحد قیمتی سرمایہ اور شرفِ انسانیت کے ماتھے پر جھومر ہے۔ صرف یہی ایک نظام ہے جو اپنی ساری عملی تفصیلات کے ساتھ اس طرح موجود ہے کہ اسے سرِعام پڑے ہوئے خزانے کی طرح ہر وقت اٹھا کر کاروبارِ زندگی میں لگایا جا سکتا ہے۔ وہ ہردم زندہ پائندہ اور تابندہ تر ہے اور انسانیت کے جدید ترین مسائل آج بھی اسی طرح حل کر سکتا ہے جس طرح اس نے اپنی آمد پر حل کر دیے تھے۔

فرانس نے جب جمہوریت کے لیے ایک جمہوری انقلاب برپا کیا تو اس کے لیے اسے اتنی قربانی دینی پڑی کہ فرداً فرداً انسانوں کو قتل کرنا وہاں ممکن نہ رہا تو گلوٹین ایجاد کرنی پڑی جو بیک وقت بیسیوں انسانوں کے سروں کو ناریلوں کی طرح اڑا دیتی تھی۔ حصولِ جمہوریت کی اس مشین کو فرانس کے اندر جگہ جگہ بستیوں کے چوکوں میں نصب کیا گیا تاکہ آنے والی جمہوریت کی دیوی کے سامنے انسانی خون کا بے بہا ہدیہ پیش کیا جا سکے چنانچہ اس انقلابِ جمہوریت کے لیے جو بعد میں صرف لفظوں کی بازی گری ہی بن کر رہ گیا اندازاً ۲۶ لاکھ انسانوں کو گلوٹین کی بھینٹ چڑھایا گیا اور ہر سفید پوش انسان کو تلوار کی دھار پر سے گزار دیا گیا۔

اسی طرح جب روس میں اشتراکی انقلاب آیا جو خود بھی صرف نصف انسانیت کے مسئلے کا حل پیش کرنے کا ہی مدعی تھا تو ایک کروڑ سے زائد انسان قتل و غارت اور برفانی قید خانوں میں موت کے حوالے کیے گئے۔

۱۹۱۴ء ۱۸ کی ہولناک جنگِ عظیم میں یورپین ملک جو خود غلاموں کی تجارت کرتے تھے اس مقصد کے لیے لڑے کہ وہ جرمنی کے مقابلے میں اپنی سلطنتوں کی آزادی کو برقرار رکھنا چاہتے تھے تو اس جنگ میں مقتولین کی جو تعداد بتائی گئی وہ درج ذیل ہے[1]

[1] اخبار ہمدم ۱۷ اپریل ۱۹۱۹ء منقول از رحمۃ اللعالمینؐ جلد دوم۔

Marfat.com

روس : ۱۷ لاکھ   جرمنی : ۱۶ لاکھ   فرانس : ۱۳ لاکھ ۷۰ ہزار

اٹلی : ۴ لاکھ ۶۰ ہزار   آسٹریا : ۸ لاکھ   برطانیہ : ۷ لاکھ ۶ ہزار

ترکی : ۲ لاکھ ۵۰ ہزار   بلجیم : ایک لاکھ ۲ ہزار   بلغاریہ : ایک لاکھ

رومانیہ : ایک لاکھ   سرویا : ایک لاکھ   امریکہ : ۵۰ ہزار

مجموعی تعداد : ۷۳ لاکھ ۳۸ ہزار

اس تعداد میں ان ممالک نے اپنی نوآبادیوں اور ہندوستان جیسے محکوم ممالک کے مقتولین کی تعداد شامل نہیں کی ہے۔

پھر دوسری جنگ عظیم بھی اسی مقصد سے لڑی گئی جس مقصد کیلئے ۱۹۱۴ء میں لڑی گئی تھی اور تقریباً انہیں فریقین نے لڑی اس لیے کہ اتنے عظیم جانی نقصان کے باوجود وہ مسئلہ حل نہیں ہوا تھا اور وہ اپنی جگہ پر اسی طرح قائم تھا۔ اس جنگ میں دوسری بار اربوں اور کھربوں پاؤنڈ اور ڈالر کے مالی نقصان کے علاوہ جو انسانوں کا جانی نقصان ہوا وہ یہ تھا :[1]

روس : ۷ لاکھ ۵۰ ہزار   امریکہ : ۳ لاکھ   برطانیہ : ۵ لاکھ ۵۰ ہزار   فرانس : ۲ لاکھ

جرمن : ۲۸ لاکھ ۵۰ ہزار   اٹلی : ۳ لاکھ   چینی : ۲۲ لاکھ   جاپانی : ۱۵ لاکھ

اور کل مجموعی تعداد ۱۰۶ لاکھ ۵۰ ہزار ۔ مالی طور پر صرف امریکہ کا ۳۵۰ ارب ڈالر خرچ ہوا اور ایک کروڑ شہری گھر سے بے گھر ہو کر اجڑ گئے۔

یہ تو صرف دنیوی جنگوں کا نمونہ ہے ۔ مذہبی جنگوں میں مہابھارت کی جنگ میں پورا ہندوستان تباہ ہو گیا اور بہت تھوڑے انسان زندہ بچ سکے مقتولین کی تعداد ان کی اپنی روایت کی رو سے کروڑوں سے تجاوز کرتی ہے ۔ یورپ میں مذہبی عدالتیں قائم ہوئیں تو ان کے ذریعے ایک فرقے کے لوگوں نے دوسرے فرقے کے ایک کروڑ بیس لاکھ افراد کو قتل کر دیا یا زندہ جلا دیا۔[2]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا جلد ۲۳ ص ۷۷۵ اور ص ۷۹۳ ۔

[2] اپالوجی آف محمدؐ   از جان ڈیون پورٹ ۔

صرف اسپین میں ہی تین لاکھ چالیس ہزار انسانوں کو قتل کیا گیا جن میں سے ۳۲ ہزار کو تو زندہ جلا دیا گیا۔

اب اس قتل و غارت اور خون خرابے کے مقابلے میں اس انقلاب کو دیکھئے، جو محمد رسول اللہؐ کی معرفت انسان کے جسم و روح میں برپا ہوا۔ اس انقلاب نے انسان کو زمین پر خدا کا خلیفہ بنایا اور عمل و کردار میں اسے فرشتہ سیرت بنا دیا اور یہ کام صرف ۲۱ سال کی مدت میں سرانجام پایا۔ اس جدّوجہد میں صرف ۹۱۸ انسان دو طرفہ قتل ہوئے۔ اس انقلاب کو برپا کرنے والی سراپا رحمت ہستی کو اب ہم خاتم النبیینؐ اور رحمۃ للعالمین نہ کہیں تو پھر اور کیا کہیں۔[1]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

۲۳ ذیقعد ۱۳۹۶ ہجری

مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۷۶ء

بوقت پونے دو بجے دن، بروز سوموار بمقام مدینہ منورہ

---

[1] یہ کتاب ۲۳ ذیقعد ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۷۶ء کو بمقام مدینہ منورہ بوقت پونے ۲ بجے دن بروز سوموار مصنف کے سفر حج میں مکمل ہوئی۔

Marfat.com

ضمیمہ نمبر ۱:

سیرتِ مبارک کے اہم واقعات ایک نظر میں

نمبر شمار	واقعات	یوم	سن تاریخ ہجری و اسلامی	عیسوی تاریخ و سن
۱	بعثتِ نبوی ؐ	سوموار	۹ ربیع الاول ۱ نبوی	بمطابق ۲ اپریل ۶۱۰ء
۲	آغاز نزول قرآن مجید	جمعہ	۱۷ رمضان المبارک ۱ نبوی	بمطابق ۸ اپریل ۶۱۱ء
۳	پہلی ہجرتِ صحابہؓ ملک حبش کی طرف	۔	رجب ۵ نبوی	بمطابق ۴ اپریل ۶۱۴ء
۴	شعب ابی طالب میں قید و بند	منگل	یکم محرم ۷ نبوی	بمطابق ۱۰ اپریل ۶۱۵ء
۵	تبلیغی سفر بطرف طائف	۔	جمادی الثانی ۱۰ نبوی	بمطابق ۲ اپریل ۶۱۹ء
۶	مدینہ والوں کی پہلی آمد اور ایمان	۔	ذی الحج ۱۰ نبوی	بمطابق ۷ اکتوبر ۶۱۹ء
۷	مدینہ والوں کی عقبہ میں پہلی اجتماعی بیعت	۔	ذی الحج ۱۲ نبوی	بمطابق ۷ مارچ ۶۲۱ء
۸	مدینہ والوں کی عقبہ میں دوسری اجتماعی بیعت	۔	ذی الحج ۱۳ نبوی	بمطابق ۷ مارچ ۶۲۲ء
۹	مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت	شب جمعہ	۲۷ صفر ۱۴ نبوی ۱ ہجری	بمطابق ۹ ستمبر ۶۲۲ء
۱۰	آمد مضافاتِ مدینہ ۔ قبا	سوموار	۸ ربیع الاول ۱ ہجری	بمطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء
۱۱	مدینہ منورہ میں تشریف آوری اور قیام بر مکان ابو ایوبؓ انصاری	جمعہ	۱۲ ربیع الاول ۱ ہجری	بمطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء
		〃	〃 〃	〃 〃 〃
۱۲	بنیاد مرکز اسلام ۔ مسجد نبوی	۔	۱۲ ربیع الاول ۱ ہجری	بمطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء
۱۳	انقلابِ قبلہ و تحویل سجدہ	ہفتہ	۱۵ شعبان ۲ ہجری	بمطابق ۱۲ اکتوبر ۶۲۳ء
۱۴	رمضان المبارک ماہِ تزکیہ نفس کا آغاز	اتوار	یکم رمضان المبارک ۲ ہجری	بمطابق ۶۲۴ء
۱۵	زکوٰۃ اسلامی معاشیات کا اصولی اور بنیادی ستون	اتوار	یکم رمضان المبارک ۲ ہجری	بمطابق ۶۲۴ء

Marfat.com

نمبر شمار	واقعات	یوم	سن تاریخ ہجری و اسلامی	عیسوی تاریخ و سن
۱۶	بنیادِ اسلامی انقلاب کا بنیادی ہتھیار	-	یکم رمضان المبارک ۲ ہجری	بمطابق - ۶۲۳ ء
۱۷	بدر۔ انقلابِ اسلامی کی پہلی ضرب عظیم	منگل	۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری	بمطابق ۳ مارچ ۶۲۳ ء
۱۸	اعلانِ بندشِ شراب	-	۱۷ رمضان المبارک ۳ ہجری	بمطابق - ۶۲۵ ء
۱۹	اعلانِ پردہ برائے خواتین	جمعہ	یکم ذیقعد ۴ ہجری	بمطابق ۴ اپریل ۶۲۶ ء
۲۰	تبلیغِ اسلام (بڑے ممالک) مکاتیب بنام سلاطین	بدھ	یکم محرم ۷ ہجری	بمطابق ۵ مئی ۶۲۸ ء
۲۱	فتح مکہ۔ داخلی محاذ مفتوح ہوا	جمعرات	۲۰ رمضان المبارک ۸ ہجری	بمطابق ۱ جنوری ۶۳۰ ء
۲۲	حجۃ الوداع حضور اکرمؐ	جمعہ	ذی الحجۃ ۱۰ ہجری	بمطابق مارچ ۶۳۲ ء
۲۳	وفاتِ نبویؐ	سوموار	۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری	بمطابق ۶ جون ۶۳۲ ء

Marfat.com

ضمیمہ: ۲

جنگیں

جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں کفّار کے خلاف لڑی گئیں!

نمبر شمار	نام غزوہ	تعداد لشکرِ اسلام	تعداد لشکرِ کفّار	مقامِ جنگ	تاریخ جنگ	نتیجۂ جنگ	تبصرہ، کیفیت
۱	غزوۂ ودّان یا اَبْوَاء	دو سو مجاہدین سوار اور پیادے	تین سو سے زائد	وَدّان	صفر ۔ ۲ ہجری	قریش نے سامنا کرنے سے گریز کیا	حضور اکرمؐ نے عمر بن مخشی الضمری سے معاہدۂ غیر جانبداری کیا
۲.	غزوۂ بواط	دو سو مجاہدین سوار اور پیادے	ایک سو لشکری اور سوار	بواط	ربیع الاول، ۲ ہجری	مقابلہ نہ ہوا	حضور اکرمؐ بواط اور کوہ رضوی سے واپس تشریف لے آئے قریش طرح دے گئے۔

Marfat.com

نمبر شمار	نام غزوہ	تعداد لشکرِ اسلام	تعداد لشکرِ کفار	مقام جنگ	تاریخ جنگ	نتیجہ جنگ	تبصرہ و کیفیت
۳	غزوۂ ذوالعشیرہ	۱۵۰ مجاہدین اور پیادے	قریش کا لشکر بنی ضمرہ اور بنی مدلج کی قوت پر مشتمل تھا۔	العشیرہ	جمادی الاول ۔ ۲ ہجری	دونوں قبائل سے معاہدہ عدم محاربت ہوگیا۔	یہ مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔
۴	غزوۂ بدرِ اولیٰ	۷۰ مجاہدین سوار	دشمن کا چھاپہ مار دستہ کرز بن جابر الفہری کی قیادت میں تھا۔	وادیٔ صفوان قریب بدر	جمادی الآخر ۲ ہجری	دشمن مقابلے سے بھاگ گیا	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دور تک دشمن کا تعاقب کیا لیکن وہ مفرور ہوگیا۔
۵	غزوۂ بدر	۳۱۳ مجاہدین سوار اور پیادے	۱۱۵۰ کا لشکر زیر قیادت ابوجہل سوار اور پیادے	بدر	رمضان المبارک ۲ ہجری	مسلمانوں کو فتح ہوئی	دشمن چڑھ کر آیا حضورؐ نے بے سر و سامانی میں مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے عظیم فتح دے کر اسلام کی کامیابی کا راستہ

Marfat.com

نمبر شمار	نام غزوہ	تعداد لشکر اسلام	تعداد لشکر کفار	مقام جنگ	تاریخ جنگ	نتیجۂ جنگ	تبصرہ، کیفیت
۶	غزوہ بنی قینقاع (یہود)	۷۰ سے زائد مجاہدین	قبیلہ بنو قینقاع	مدینہ منورہ	شوال ۲ ہجری	مسلمانوں کو فتح	کھول دیا۔ مفسد بنو قینقاع مدینہ سے خارج البلد کر دیے گئے اور مدینہ کو ان کی شرارتوں سے پاک کیا گیا۔
۷	غزوۂ بنی سلیم	۲۰۰ مجاہدین	چھاپہ مار لٹیرے	قرقرۃ الکدر درمیان مکہ اور مدینہ	اواخر شوال ۲ ہجری	حملہ آور دشمن مفرور ہو گیا۔	دشمن کا ایک غلام گرفتار ہوا جو چھوڑ دیا گیا
۸	غزوۃ السویق	۷۰ مجاہدین کے لگ بھگ	۲۰۰ سوار اور پیادے	قرقرۃ الکدر	ذی الحج ۲ ہجری	دشمن مقابلہ سے پہلے مفرور ہو گیا	ابو سفیان غارت گری کے لیے آیا اور ۲ شہید اور کچھ پھل دار درخت کاٹ کر بھاگ گیا۔

نمبر شمار	نام غزوہ	تعداد لشکر اسلام	تعداد لشکر کفار	مقام جنگ	تاریخ جنگ	نتیجۂ جنگ	تبصرہ، کیفیت
۹	غزوۂ ذی امر	۴۵۰ سوار اور پیادے	بنو ثعلبہ اور بنو محارب کے قبائل	ذوامر (نجد)	محرم الحرام ۳ ہجری	قبائل کا حملہ آور ہجوم مسلمانوں کی آمد کے خوف سے منتشر ہو گیا۔	حضور اکرمؐ نجد تک تشریف لے گئے مسلمانوں کی آمد کے سبب قبائل منتشر ہو کر مقابلے سے مفرور ہو گئے۔
۱۰	غزوۂ بحران	۳۰۰ مجاہدین سوار اور پیادے	قبیلہ بنو سلیم	بحران علی مکہ اور مدینہ کے درمیان۔	ربیع الاول ۳ ہجری	بنو سلیم مسلمانوں کی جمعیت پہنچنے پر مفرور ہو گئے	یہ قبیلہ صرف غارت گری کرتا تھا اور مدینہ کو لوٹنا چاہتا تھا۔
۱۱	غزوۂ اُحد	۷۵۰ مجاہدین پیادہ ۵۰ سوار	۲۹۰۰ قریش پیادہ ۲۰۰ سوار	کوہِ اُحد کا دامن	۶ شوال ۳ ہجری	پہلے مسلمانوں کو فتح ہوئی آخر میں کفار کامیاب ہو گئے اور مسلمانوں کا سخت جانی نقصان ہوا جنگ کے	آغاز جنگ میں مسلمانوں نے فتح حاصل کی لیکن نظم و ضبط کی کمزوری کے سبب محافظ دستہ مقام چھوڑ کر ہٹ گیا اس لیے

نمبر شمار	نام غزوہ	تعداد لشکر اسلام	تعداد لشکر کفار	مقام جنگ	تاریخ جنگ	نتیجہ جنگ	تبصرہ، کیفیت
						خاتمے کے قریب	کفار کی یلغار کے سبب شکست ہوئی۔
۱۲	غزوۂ حمراء الاسد	۵۴۰ مجاہدین	۲۹۰۰ قریش	کوہِ اُحد اور مکہ کے درمیان	۷ شوال ۳ ہجری	دشمن مسلمانوں کی جرأت سے مرعوب ہوکر مفرور ہوگیا۔	یہ تعاقب جنگِ احد کے دوسرے ہی دن کیا گیا تاکہ دشمن پلٹ کر مدینہ پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ یہ تدبیر کارگر رہی
۱۳	غزوۂ بنی نضیر	مدینہ کے مسلمان مجاہدین	یہودی قبیلہ بنو نضیر	مدینہ	ربیع الاوّل ۴ ہجری	دھوکے سے بدعہدی کرکے حضور اکرمؐ کو قتل کرنا چاہتے تھے خارج البلد کیے گئے۔	مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا اور انہیں بدعہدی اور اقدامِ قتل کے جرم میں مدینہ سے خارج کر دیا۔ یہ دوسرا فتنہ کم ہوا۔

Marfat.com

نمبر شمار	نام غزوہ	تعداد لشکرِ اسلام	تعداد لشکرِ کفار	مقامِ جنگ	تاریخِ جنگ	نتیجۂ جنگ	تبصرہ ، کیفیت
۱۴	غزوۂ ذات الرقاع	۴۰۰ مجاہدین سوار و پیادہ	قبائل بنو محارب ، بنو ثعلبہ اور غطفان	ذات الرقاع (نجد)	شعبان ۴ ہجری	قبائل مفرور ہو گئے	یہ تینوں قبائل مسلمانوں کی آمد کا سن کر مفرور ہو گئے۔
۱۵	غزوۂ بدر الاخریٰ	۱۰۰۰ سوار اور پیادہ مجاہدین	۲۰۰۰ قریش پیادہ ۵۰ سوار	بدر	شعبان ۴ ہجری	ابو سفیان سردارِ لشکرِ کفار مقابلے پر آنے سے کترا گیا اور مرالظہران سے واپس ہو گیا۔	قریش نے چیلنج کیا تھا حضورؐ چیلنج کے جواب میں تشریف لے گئے لیکن ابو سفیان مفرور ہو گیا۔
۱۶	غزوۂ دومۃ الجندل	۱۰۰۰ مجاہدین سوار اور پیادہ	کفار قبائل باشندگانِ دومۃ الجندل	دومۃ الجندل	ربیع الاوّل ۵ ہجری	قبائل مفرور ہو گئے	حضور اکرمؐ عیینہ بن حصین سے معاہدہ کر کے واپس تشریف لے آئے۔
۱۷	غزوۂ بنو مصطلق	تقریباً ایک ہزار مجاہدین	بنو مصطلق کا قبیلہ	المریسیع	شعبان ۵ ہجری	دشمن کو شکست ہوئی	حضور اکرمؐ نے قیدی رہا کر دیئے۔

نمبر شمار	نام غزوہ	تعدادِ لشکرِ اسلام	تعدادِ لشکرِ کفّار	مقامِ جنگ	تاریخِ جنگ	نتیجۂ جنگ	تبصرہ، کیفیّت
۱۸	غزوۂ خندق	تین ہزار مجاہدین	دس ہزار قبائل کفّار و یہود	مدینہ	شوال - ۵ ہجری	دشمن ناکام واپس چلا گیا۔	دشمنوں کے جمِ غفیر نے مدینہ کا محاصرہ کیا۔ حضور ؐ نے خندق کھود کر مقابلہ کیا۔ دشمن مجبور ہو کر واپس چلا گیا۔
۱۹	غزوہ بنی قریظہ	مدینہ کے مسلمان مجاہدین	قبیلہ بنو قریظہ	مدینہ اور مضافات	ذی القعدہ ۵ ہجری	بد عہد قبیلہ خارج البلد کر دیا گیا۔	جنگِ خندق میں انہوں نے بد عہدی کی اور عقب سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ بد عہدی کے جرم میں تورات کے فیصلے کے مطابق مرد قتل اور خارج البلد کیے گئے۔

Marfat.com

نمبر شمار	نام غزوہ	تعداد لشکرِ اسلام	تعداد لشکرِ کفار	مقام جنگ	تاریخ جنگ	نتیجہ جنگ	تبصرہ، کیفیت
۲۰	غزوۂ بنی لحیان	۲۰۰ مجاہدین سوار اور پیادے	قبیلہ بنو لحیان	غران	جمادی الاوّل ۶ ہجری	بنو لحیان مفرور ہو گئے	مبلغینِ اسلام کے قتل کا انتقام لینے کے لیے یہ جنگ لڑی گئی تھی۔
۲۱	غزوۂ غابہ	۵۰۰ مجاہدین سوار اور پیادے	بنو غطفان	ذو قردہ	جمادی الاوّل ۶ ہجری	مفرور ہو گئے	یہ لٹیرے قبائل تھے۔ مویشی چرا کر ساتھ لے گئے تھے، مسلمانوں نے حملہ کر کے اپنے مویشی چھڑا لیے۔
۲۲	غزوہ حدیبیہ	۱۴۰۰ مسلمان مردبغرضِ عمرہ	قریش نے عمرے سے روک دیا۔	حدیبیہ، مکہ سے ۷ میل دور	ذی قعدہ ۶ ہجری	مسلمانوں اور کفار کا معاہدہ صلح ہو گیا۔	حضورؐ معاہدۂ صلح کے نتیجے میں حکمتِ دینی کے تحت واپس تشریف لے گئے۔ قرآن نے اسے فتح مبین قرار دیا اس سے اشاعتِ اسلام

Marfat.com

نمبر شمار	نام غزوہ	تعداد لشکرِ اسلام	تعداد لشکرِ کفّار	مقام جنگ	تاریخ جنگ	نتیجۂ جنگ	تبصرہ، کیفیت
							کا راستہ کھل گیا۔
۲۳	غزوۂ خیبر	۱۴۰۰ مجاہدین سوار اور پیادے	یہود دس ہزار قبائل کنانہ و خیبر	خیبر	محرم الحرام ۷ ہجری	مسلمانوں کو فتح ہوئی	یہ قبائل یہود مسلمانوں پر متعدد حملے کر چکے تھے۔ یہ فتح حضرت علیؓ کے ہاتھ پہ ہوئی۔
۲۴	غزوۂ عمرۃ القضاء	۱۴۰۰ مجاہدین سوار اور پیادے	قریشِ مکّہ	مکّہ	ذی الحجہ ۷ ہجری	جنگ نہیں ہوئی مسلمان عمرہ کے لیے گئے اور عمرہ کر کے تین دن بعد واپس چلے گئے	کفارِ مکّہ تین دن مکّہ سے باہر رہے۔
۲۵	غزوۂ فتح مکّہ	دس ہزار لشکر سوار اور پیادے	قریش اور بنو بکر محصور	مکّہ	رمضان المبارک ۸ ہجری	مسلمانوں کو فتح ہوئی	مسلمانوں کے مسلح داخلے کے مقابلے میں کفار کو جرأتِ مقابلہ نہ ہوئی۔ بلاکشت و خون

Marfat.com

نمبر شمار	نام غزوہ	تعدادِ لشکرِ اسلام	تعدادِ لشکرِ کفار	مقامِ جنگ	تاریخِ جنگ	نتیجۂ جنگ	تبصرہ : کیفیت
							مکہ فتح ہوا
۲۶	غزوۂ حنین	۱۲ ہزار لشکر سوار اور پیادے	بنو ہوازن وثقیف اور بنو مضر	وادئ اوطاس	شوال ۸ ہجری	مسلمانوں کو فتح ہوئی	حضور اکرمؐ نے سارے قیدی بلا فدیہ رہا کر دیے۔
۲۷	غزوۂ طائف	۱۲ ہزار لشکر سوار اور پیادے	ثقیف و ہوازن اور اہلِ طائف	الطائف	شوال ۸ ہجری	مسلمانوں نے محاصرہ کرنے کے بعد اٹھالیا	یہ لوگ از خود مسلمان ہو گئے۔
۲۸	غزوۂ تبوک	تیس ہزار لشکر سوار و پیادہ	قیصرِ روم کا لاکھوں کا لشکر	تبوک	رجب المرجب ۹ ہجری	قیصر کی فوجیں مقابلے پر نہ آئیں۔ طرح دے گئے۔	حضور اکرمؐ آس پاس کے قبائل اور چھوٹی ریاستوں کے سرداروں سے معاہدۂ عدم محاربت کر کے واپس تشریف لے آئے۔

مُطالعۂ نقشہ جات

Marfat.com

ان غزوات کا گہرا مطالعہ کرنے سے چند نکات ہمارے سامنے نمایاں ہوتے ہیں:

۱۔ حضورِ اکرمؐ اشاعتِ اسلام کے راستے کی رکاوٹوں کو رفع کرنے کے لیے قوتِ استدلال کے ساتھ ساتھ قوتِ اسلحہ بھی استعمال فرماتے تھے۔

۲۔ قوتِ اسلحہ کے استعمال میں حضورؐ انتہائی احتیاط ملحوظ فرماتے تھے تاکہ خلقِ خدا کو زیادہ نقصان نہ پہنچے۔

۳۔ جنگی کارروائیوں میں صرف یہ امر پیشِ نظر ہوتا تھا کہ اسلام کی اشاعت کی مزاحمت رفع ہو جائے۔ مال و اقتدار کی بجائے رضائے الٰہی کا حصول حضورِ اکرمؐ کے پیشِ نظر رہا۔ فتح مکّہ کے موقع پر جس عجز و بندگی کا اظہار حضورؐ نے فرمایا وہ حضورؐ کے تصوّرِ جنگ پر بہت واضح روشنی ڈالتا ہے۔

۴۔ یہ ت بھی سامنے آئی کہ نظم و اجتماع اور تربیتِ کردار و سیرت کی قوّت سے ایک مختصر گروہ بھی دشمنوں کے بھاری لشکروں پر غالب آجاتا ہے۔

Marfat.com

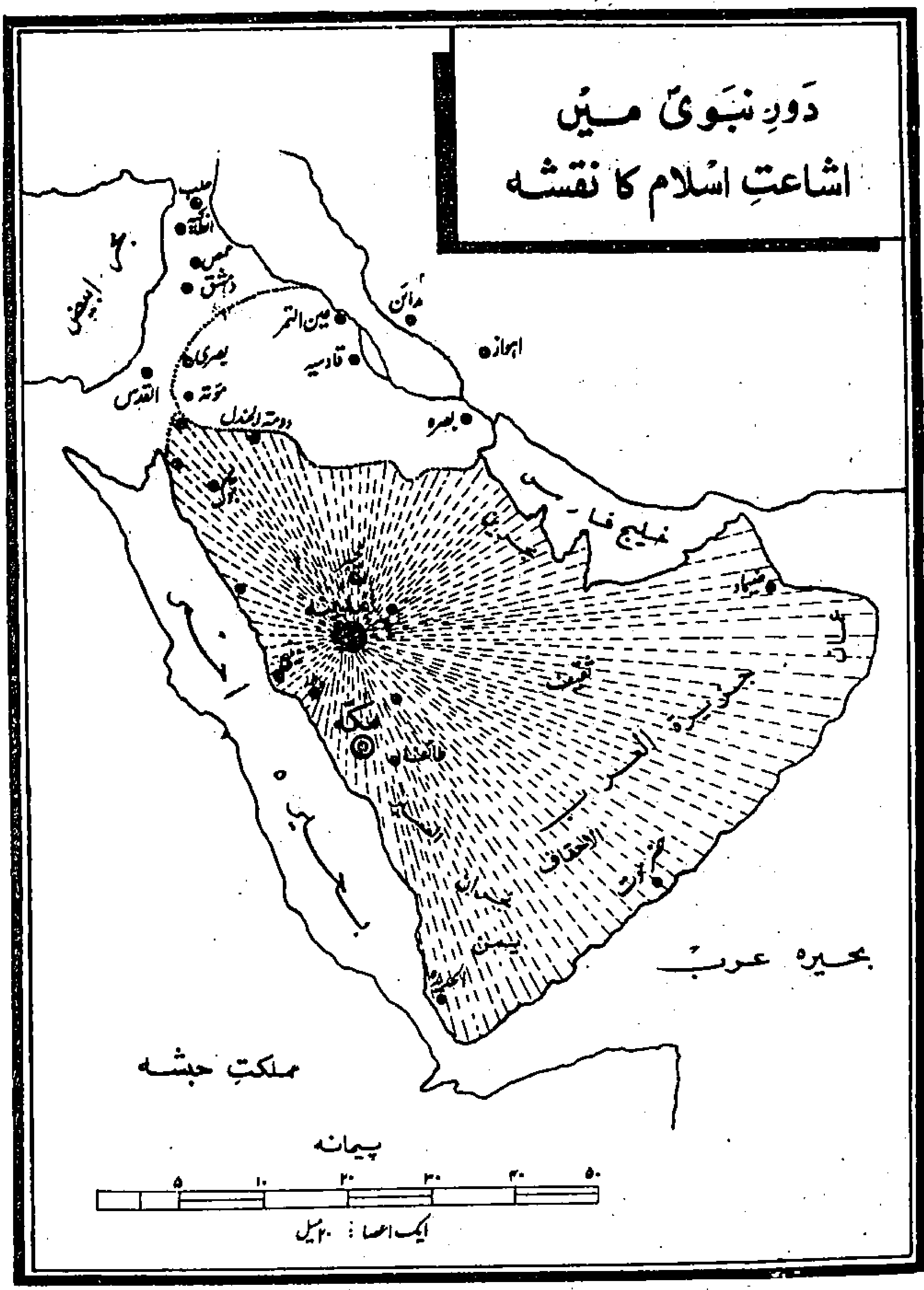
دورِ نبوی میں
اشاعتِ اسلام کا نقشہ
حلب
دمشق
مدائن
عین التمر
اہواز
قادسیہ
القدس
بصرہ
خلیج فارس
مکہ
بحیرہ عرب
مملکتِ حبشہ
پیمانہ
۵ ۱۰ ۲۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰

Marfat.com

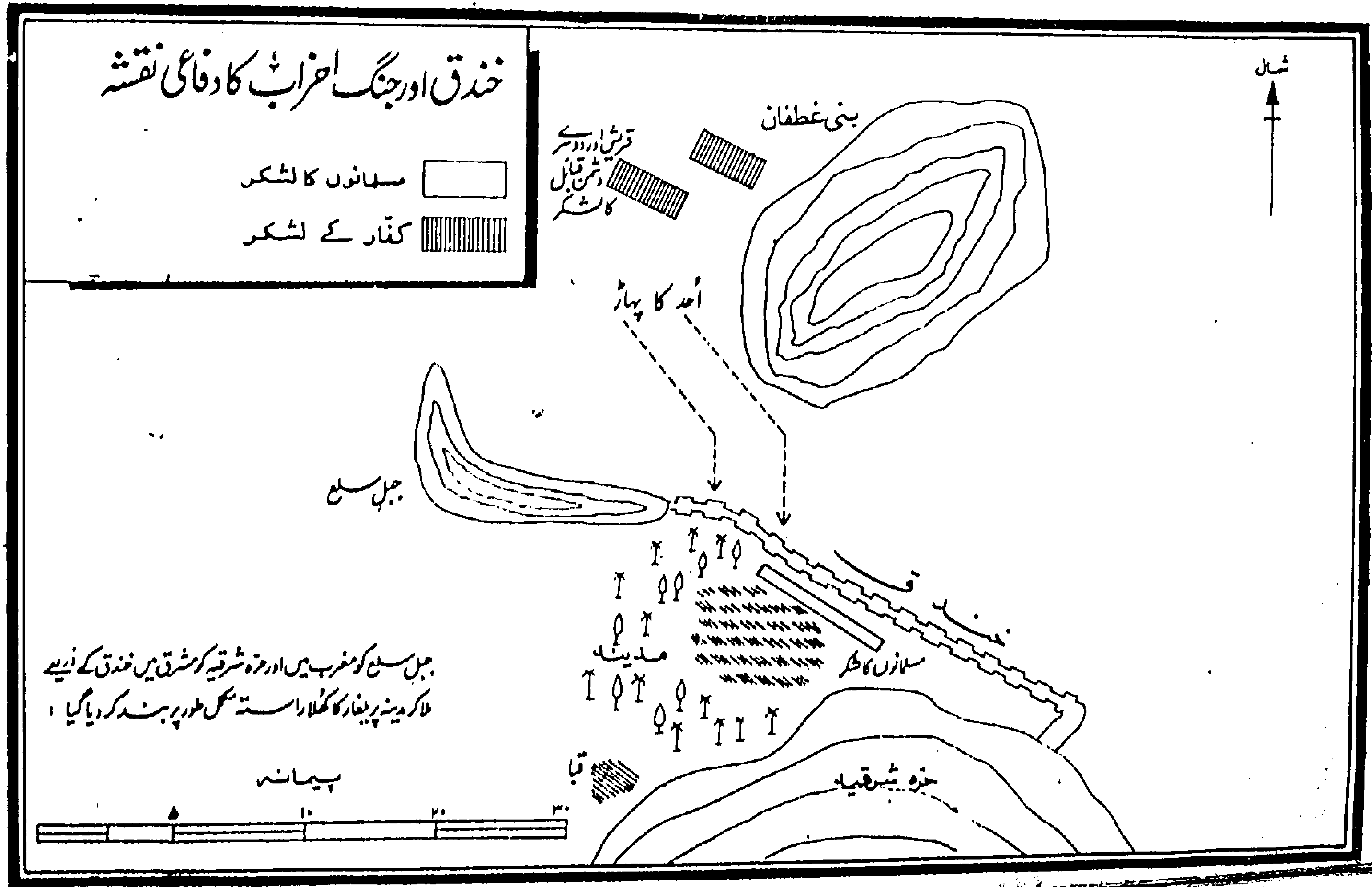

خندق اور جنگ احزاب کا دفاعی نقشہ
مسلمانوں کا لشکر
کفار کے لشکر
قریش اور دوسرے دشمن قبائل کا لشکر
بنی غطفان
شمال
اُحد کا پہاڑ
جبل سلع
خندق
مسلمانوں کا لشکر
مدینہ
حرہ شرقیہ
قبا
جبل سلع کو مغرب میں اور حرہ شرقیہ کو مشرق میں خندق کے ذریعے ملا کر مدینہ پر یلغار کا کھلا راستہ مکمل طور پر بند کر دیا گیا ۔
پیمانہ
۰ ۵ ۱۰ ۲۰ ۳۰

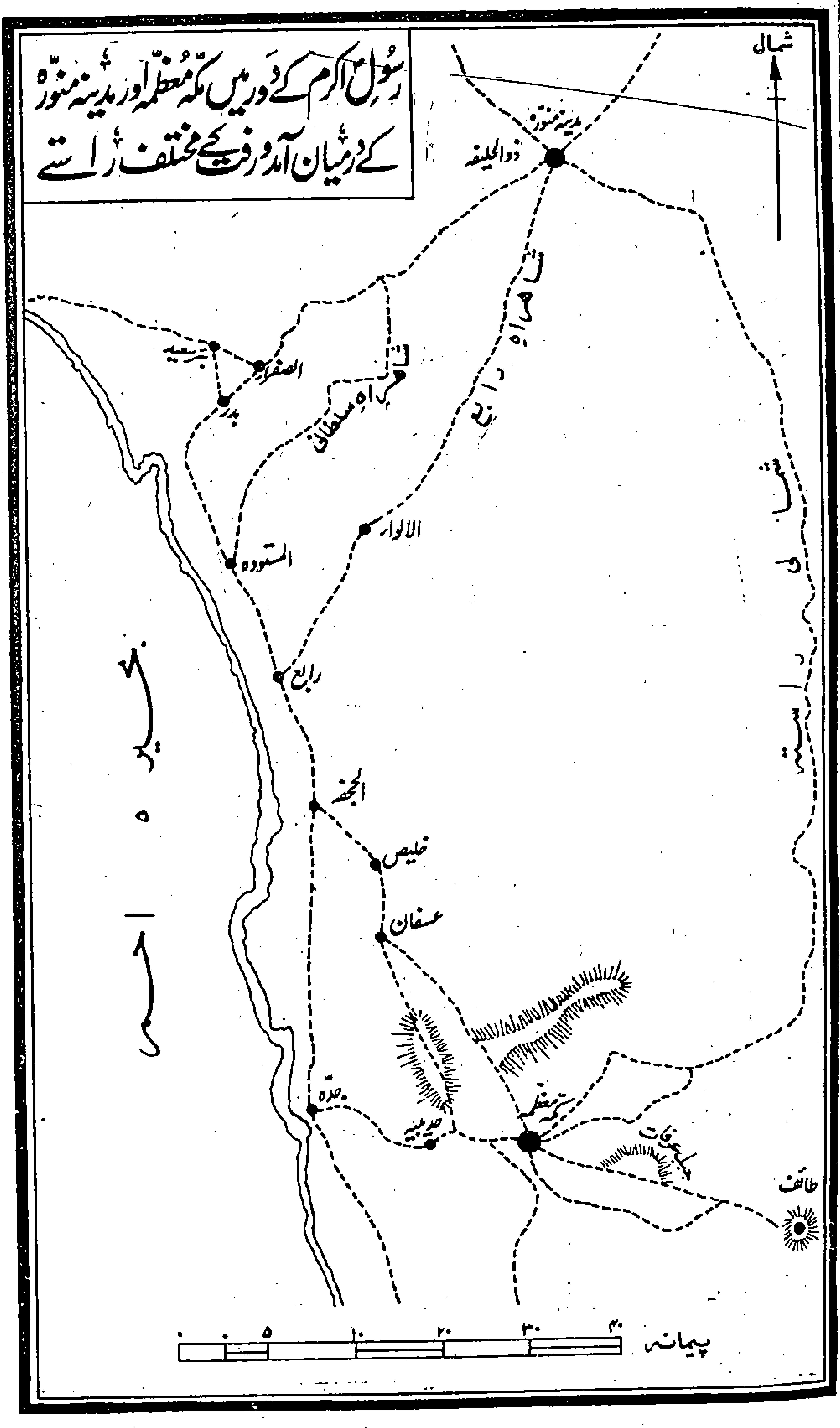

رسولِ اکرمؐ کے دور میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان آمد و رفت کے مختلف راستے
شمال
مدینہ منورہ
ذوالحلیفہ
الصفراء
بدر
راہ سلطانی
الابواء
المستورہ
رابغ
الجحفہ
خلیص
عسفان
جدہ
حدیبیہ
مکہ معظمہ
جبلِ عرفات
طائف
پیمانہ
۰
۵
۱۰
۲۰
۳۰
۴۰

فتح مکہ کی حکمت عملی

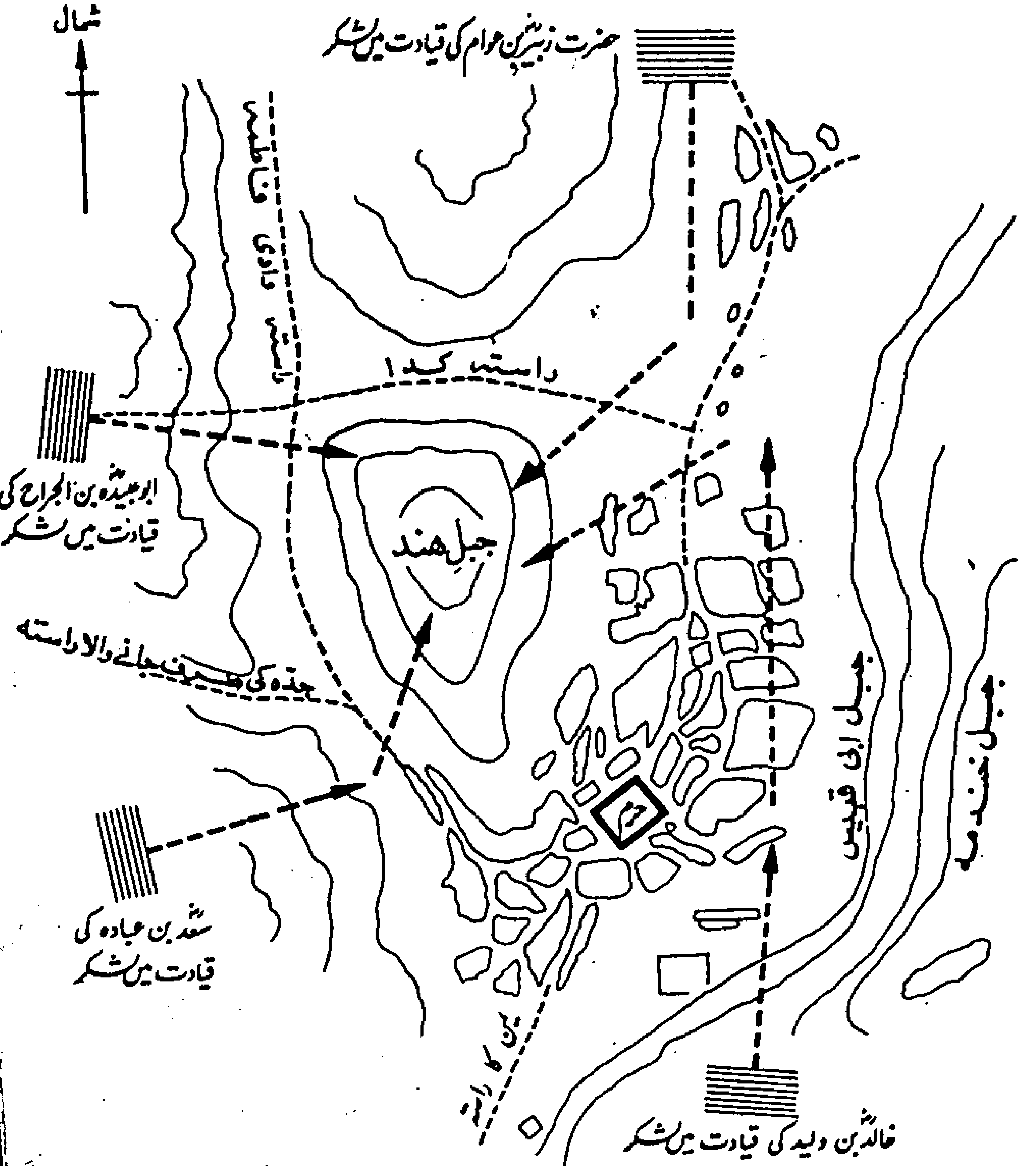

جنگ وجدل کے بغیر دشمن پر قابو پانے کی حکمت ـــــ چاروں طرف سے عظیم الشان یلغار اور مکمل گھیراؤ
فتح مکہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجی حکمتِ عملی کا نقشہ

Marfat.com

فہرست کُتب جن سے استفادہ کیا گیا

قرآن مجید

تفہیم القرآن جلد اول تا ششم

از: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

رحمۃ اللعالمینؐ حصہ اول تا سوم

از: مولانا قاضی سلیمان منصور پوری

نقشِ سیرت: مرتبہ جناب نثار احمد صاحب

اسوۂ رسول اکرمؐ: مرتبہ مولانا عبدالحی

خطباتِ احمدیہ: مرتبہ سر سید احمد خاں مرحوم

سیرتِ رسولؐ (مختلف مضامین)

از: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

ترجمان القرآن: از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

سیارہ ڈائجسٹ رسول نمبر اوّل اور دوم

(ادارۂ سیارہ)

تفہیمات حصہ اوّل و دوم: از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

اسلامی نظامِ زندگی: از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

تحریک ریشمی رومال: مولانا سید محمد میاں

تکملہ: از علامہ محمد عنایت اللہ المشرقی

رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی:

از ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (پیرس)

سنن ابوداؤد دو جلدیں

زاد المعاد چار جلدیں

محسنِ انسانیتؐ از: نعیم صدیقی

نہج البلاغہ از: حضرت علی مرتضیٰؓ

حجۃ اللہ البالغہ از: شاہ ولی اللہ دہلوی

ریاض الصالحین: امام نووی

مدارج النبوت: از شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

سبیل الرشاد: از قاضی محمد سلیمان منصور پوری

سیرت النبیؐ اوّل تا ششم: از مولانا شبلی نعمانیؒ

مولانا سید سلیمان ندویؒ

الفاروق: از علامہ شبلی نعمانیؒ

النبی الخاتمؐ: از مولانا مناظر احسن گیلانی

الرسول القائد (عربی) از محمود شیت خطّاب

سیرتِ سرورِ عالمؐ: از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

احکامِ قرآنی: از منشی عبدالرحمٰن خاں

الادب المفرد: از: امام بخاریؒ

معارف الحدیث: از: مولانا محمد منظور نعمانی

(اوّل تا پنجم)

(دیگر بے شمار رسائل انگریزی، عربی اور متفرق کتب سے استفادہ کیا گیا جن کی فہرست مکمل موجود نہیں۔)

Marfat.com

253

رسولِ اکرم کی حکمتِ انقلاب

○

رسولِ اکرم نے پوری انسانیت کے لیے ایک جامع اسلامی انقلاب برپا فرمایا جو نتائج کی خوبی اور وسعت، اور جان و مال اور مدت کار کے صرف کی قلت کے اعتبار سے آپ کی معجزانہ تدابیر کا ایک سائنٹیفک کارنامہ ہے۔ اس کتاب میں حضور اکرم کی حکمتِ انقلابِ اسلامی، تدابیر ملی اور بصیرت سیاسی کو اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اجاگر کیا گیا ہے ؂

○

سیّد اسعد گیلانی

نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی، دہلی۔

Marfat.com